فوائد الفواد

یعنی

سُلطان المشائخ حضرت خواجہ
نظامُ الدّین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ
کے
رُوح پَرور ملفوظات

جمع کردہ
حضرت خواجہ امیر حسنؒ علا سنجری دہلوی

ترجمہ
خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی

فوائد الفواد

یعنی

سُلطان المشائخ حضرت خواجہ
نِظامُ الدّین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ
کے
رُوح پَرور ملفوظات

جمع کردہ
حضرت خواجہ امیر حسنؒ علا سنجری دہلوی

ترجمہ
خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی
(سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی، خواہرزادہ
حضرت محبوب الٰہی و نبیرہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

پہلی جلد

(۳۴ مجلسیں۔ ۳ر شعبان ۷۰۷ھ سے ۲۹ ذی الحجہ ۷۰۸ھ تک)

دوسری جلد

(۳۸ مجلسیں۔ ۲۹ شوال ۷۰۹ھ تا ۱۳ رشوال ۷۱۲ھ)

تیسری جلد

(۱۷ مجالس از ۲۷ ذی القعدہ ۷۱۲ھ تا ۲۱ ذی الحجہ ۷۱۳ھ)

چوتھی جلد

(۱۷ مجلسیں۔ از ۲۴ محرم ۷۱۲ھ تا ۲۳ رجب ۷۱۹ھ)

پانچویں جلد

(۳۲ مجلسیں از ۲۱ شعبان ۷۱۹ھ تا ۲۰ شعبان ۷۲۲ھ)

-☆-

حرفِ آغاز

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان، جس نے ایمان کے ساتھ پیدا کیا۔ نبی رحمت ﷺ کا اُمتی بنایا۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ کے روحانی سلسلے سے وابستہ کیا۔ اور اُس پاک و پوتر دیس میں ہمارا جنم لکھا جس کے زمین و آسمان روحانیت سے سرشار ہیں۔ جس کا ذرّہ ذرّہ عبدیت اور بھگتی کے گیت گاتا ہے۔ جس کی مقدس مٹی اللہ والوں کے جسم کا مقدر بنی ہے۔ اور جس سے ہم سب قیامت کے دن انشاء اللہ اُٹھائے جائیں گے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ جن کو پیار سے ''سلطان جی'' پکارا جاتا ہے۔ ہندوستان میں صوفیوں کے چشتیہ سلسلے کے چوتھے بڑے بزرگ ہیں۔ پہلے بزرگ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ ہیں۔ دوسرے ان کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور تیسرے قطب صاحب کے جانشین شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ جنھوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اپنا جانشین بنایا۔ حضرت بابا فرید وہ بزرگ ہیں جن کا پنجابی کلام سکھ گورو صاحبان نے اپنی مذہبی کتاب گورو گرنتھ صاحب میں درج کیا۔

فوائد الفواد، جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ بزرگوں کے ارشاد اور قول کو اصطلاحاً ''ملفوظ'' کہتے ہیں۔ ملفوظ لٹریچر میں فوائد الفواد کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا ذکر پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب اپنے مقدمے میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن علا سجزیؒ جیسے فاضل ادیب، شاعر اور صوفی نے ان ملفوظات کو جمع کیا ہے۔ اس مجموعے کو اگر علم و معرفت کا سمندر کہا جائے تو ذرّہ بھر مبالغہ نہ ہو گا۔ اس کے ایک ایک فقرے میں ایسی معنویت اور گہرائی ہے کہ شرح کرنے کو عمر درکار ہو اور

ایسی بصیرت و برکت ہے کہ آدمی چاہے تو اس کی مدد سے واقعی ''معنئ لفظِ آدمیت'' بن جائے۔ فوائد الفواد کا حال ان عظیم مذہبی کتابوں کا سا ہے جو عوام و خواص سب کے کام آتی ہیں۔ عام آدمی کے لیے ان میں سامنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ جو سیدھے سچے راستے کی طرف آسان رہنمائی کرتی ہیں اور خواص اہلِ علم کے لیے یہ ایک ناپیدا کنار سمندر بن جاتی ہیں جس کی گہرائیوں سے موتی نکالتے صدیاں بیت جاتی ہیں۔ مگر نہ ہر گہرائی ہاتھ آتی ہے، نہ موتیوں کا ذخیرہ کبھی کم ہوتا ہے۔

فوائد الفواد کے فیض کو بھی عام ہوتے اب سات صدیاں ہوا چاہتی ہیں۔ ہماری صدی چھپے ہوئے لفظ اور تعلیم عام ہونے کی صدی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ فوائد الفواد کے ترجمے ہر زبان میں کیے جائیں اور انھیں گھر گھر پہنچایا جائے کہ اس میں دُکھی انسانیت کے ہر درد کی دوا بھی ہے اور انتشار اور افتراق کے اس دور میں اتحاد اور یک سوئی بھی اسی سے میسر آ سکتی ہے۔

والدی و مرشدی شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ۱۹۵۵ء میں اپنے وصال سے قبل خاص طور پر تاکید فرمائی تھی کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی تعلیمات کو پھیلایا جائے۔ اور استاد محترم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ تمہارے بزرگوں کا زمانہ ''کان'' کا زمانہ تھا۔ زبان سے بات کہی جاتی تھی اور کان سے سُن کر اُسے یاد کیا جاتا تھا اور اس پر عمل ہوتا تھا۔ تمہارا زمانہ ''آنکھ'' کا زمانہ ہے۔ چھپے ہوئے لٹریچر اور ٹیلی ویژن کا زمانہ ہے۔ تمہارے بزرگوں نے ''کان'' کے لیے سامان کیا تھا۔ تم ''آنکھ'' کے لیے کرو۔ لیکن اپنے پیر و مرشد اور اپنے استاد محترم کے حکم کی تعمیل میں فوائد الفواد کا ترجمہ خود کرنے کی ہمت مجھے عرصے تک نہ ہوئی کہ یہ کام دراصل مجھ سے زیادہ اہل لوگوں کے کرنے کا تھا۔ تاہم پھر خیال آیا کہ اگر میں فوائد الفواد کا ترجمہ فارسی متن کے ساتھ قسط وار کسی رسالے کو چھپنے کے لیے دوں اور اہل علم سے درخواست کروں کہ وہ میری بھول چوک کی نشاندہی فرماتے رہیں تو اس طرح ترجمے کی ہر قسط کو برصغیر کے بے شمار علماء اور صوفیاء کا مشورہ ملتا رہے گا اور ہر آئندہ قسط گذشتہ قسط کی تصحیح کے ساتھ شائع ہو سکے گی۔ چنانچہ ۱۹۵۷ء سے ماہ نامہ منادی میں ترجمہ چھپنا شروع ہوا اور پڑھنے والوں نے امید سے بڑھ کر میری ہمت افزائی کی اور چند سال میں کتاب کا ترجمہ مکمل بھی ہو گیا۔ اس سلسلے میں

میرے مرحوم اساتذہ ڈاکٹر شفیع الدین نیرؒ اور جناب سیّد ابوالکاظم قیصر زیدیؒ کے علاوہ مولانا صدرالدین عامر انصاریؒ۔ مولانا رحمت اللہؒ اور مولانا سیّد عبدالخالق نقوی صاحبؒ نے ہمیشہ مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان سب مرحومین کو جنت الفردوس عطا فرمائے کہ انھوں نے برسہابرس ترجمے کی قسطوں کو غور سے پڑھا اور جہاں مناسب سمجھا میری رہنمائی کی۔

ترجمہ قسط وار چھپ کر مکمل ہو گیا تو کتابی صورت میں اس کو شائع کرنے کا ہر طرف سے تقاضا ہوا۔ لیکن برسوں مجھے تامّل رہا کیونکہ جو مطبوعہ متن ترجمے کے وقت میرے سامنے تھے میں ان سے مطمئن نہیں تھا۔ اور جی چاہتا تھا کہ کوئی صاحب مطبوعہ اور خطی سب نسخے سامنے رکھ کر اس کو ایڈٹ کریں اور اس ایڈٹ شدہ متن کو بنیاد بنا کر میں ترجمہ شائع کروں۔ خود میرے پاس دوسرے کاموں سے اتنا وقت نہ بچتا تھا کہ اس مشکل کام کا بیڑا اٹھاتا۔ مگر اللہ بھلا کرے برادرم پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کا۔ انھوں نے اس الجھن کو دور کیا اور ایک روز فرمایا کہ دنیا کا کام پورا کس سے ہوا ہے جو تم سے ہوگا۔ متن ایڈٹ ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو اور ترجمہ جیسا بھی ہے نظر ثانی کے بعد کتابی صورت میں شائع کردو۔ چنانچہ میں نے اس کی تیاری شروع کی۔ مگر اسی زمانے میں تاریخ کے شہرۂ آفاق عالم اور اپنے مربی و سرپرست پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب سے یہ علم ہوا کہ ان کے ذاتی کتب خانے میں فوائد الفواد کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے۔ جس کو کسی ہندو راجہ صاحب نے بہ نفسِ نفیس نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے سنا تھا کہ جو شخص اس کتاب کو تمام و کمال اپنے ہاتھ سے لکھتا ہے۔ اس کی منت اور مراد پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ راجہ صاحب نے بھی کسی مراد کی خاطر ہی اسے نقل فرمایا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے!

یہ قصہ سننے کے بعد میں نے طے کیا کہ مجھے بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔ جن کی برکت سے لوگوں کے بگڑے ہوئے کام بنتے ہیں اور ایک نیا ترجمہ فوائد الفواد کا اس طرح کرنا چاہیے کہ زبان اور بیان پر خاک ڈال الفاظ زیادہ سے زیادہ وہی استعمال ہوں جو اصل فارسی متن میں موجود ہوں کہ وہ

ا۔ اسی نسخے سے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند نے بھی خود اپنے قلم سے ایک نقل تیار کی تھی۔ حسن ثانی نظامی۔

خاص حضرت کے اپنے الفاظ ہیں۔

حسن اتفاق کہ اسی زمانے میں اردو اکادمی دہلی نے منتخب مذہبی لٹریچر کو اُردو میں منتقل کرنے کی تجویز منظور کی اور دوسری کتابوں کے ساتھ فوائد الفواد کا انتخاب بھی ہوا۔ نیز اکادمی کے فعال اور لائق سیکرٹری جناب شریف الحسن نقوی صاحب نے میرا ترجمہ طلب فرمایا اور میں نے اُن کی خدمت میں اپنا شائع شدہ پرانا ترجمہ پیش کرنے کی بجائے نیا ترجمہ اس طرح حاضر کرنا شروع کیا کہ قلم برداشتہ ترجمہ کرتا جاتا تھا اور نظر ثانی تو کجا دوبارہ پڑھے بغیر ہی کاتب کے حوالے کر دیتا تھا۔

ظاہر ہے اس طرح ترجمے کا وہ اہتمام نہیں رہا جو میرے پہلے ترجمے کے وقت تھا اور جس میں بزعم خود میں نے زبان و بیان کا خاص خیال رکھا تھا۔ نئے ترجمے میں زیادہ اہمیت اصل الفاظ کو دی گئی۔ مگر نئے ترجمے کو ان بابرکت الفاظ کے ساتھ ایک نعمت یہ بھی میسر آ گئی کہ میرے اور خود حضرت محبوب الٰہیؒ کے مخدوم زادے برادر محترم پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی نے ازراہِ کرم نہ صرف کتاب پر ایک بھرپور مقدمہ لکھنا منظور فرمایا بلکہ ترجمے پر بھی نظر ثانی فرمائی اور متن کی غلطیوں کی خاص طور پر نشاندہی کی۔

پہلا ترجمہ فوائد الفواد کے نول کشور ایڈیشن سے شروع ہوا تھا۔ کچھ عرصے بعد پاکستان کے محکمہ اوقاف کی طرف سے شائع شدہ اور جناب محمد لطیف ملک صاحب کا ایڈٹ کردہ متن میسرز ملک سراج الدین اینڈ سنز نے ازراہِ کرم مجھے بھیجا تو اسے بنیاد بنا لیا گیا۔ مگر ملک صاحب کے سامنے بھی فوائد الفواد کے صرف تین مطبوعہ نسخے رہے تھے۔ خطی نسخوں سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکے تھے۔ اس لیے یہ متن بھی مکمل اور پوری طرح صحیح نہیں ہے تاہم اس سے پہلے شائع شدہ تمام متون سے بہتر ہے اور میں جنا[illegible]ب ملک صاحب اور محکمہ اوقاف کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میسرز ملک سراج الدین اینڈ سنز کا بھی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے ترجمے کے ساتھ ملک صاحب کا ایڈٹ کردہ متن شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فوائد الفواد کے ترجمے کے کاتب عبدالغنی صاحب مرحوم کتابت مکمل کرتے ہی عین جوانی میں رحلت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے [illegible] اپنے فن سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ اس لیے کتابت میں بہت خامیاں ہیں جن کی پوری اصلاح ممکن نہیں ہے۔ مرحوم کے بعد تصحیح کا

کام جس خوش نویس نے کیا اس کو بھی خوش نویس کہنا اس اصطلاح کے ساتھ زیادتی ہے۔ تاہم ترجمہ اور لکھائی چھپائی جیسی بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔ اگر اللہ نے توفیق دی تو آئندہ ایڈیشن میں سب خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

آخر میں اردو اکادمی، دہلی اور اس کے سیکرٹری جناب شریف الحسن صاحب نقوی اور محکمہ اشاعت کے انچارج ڈاکٹر انتظار مرزا دہلوی صاحب کے ساتھ میں ایک دفعہ پھر پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب اور ان سب کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس ترجمے کے دوران اور پھر اشاعت کے وقت تصحیح وغیرہ کے سلسلے میں بڑی مدد فرمائی۔ خاص طور پر میرے چھوٹے بھائی خواجہ سیّد مہدی نظامی اور پروفیسر انور صدیقی صاحب اور جناب ریحان احمد عباسی صاحب اور ادھونی حیدر آباد ناندیڑ اور دوسرے مقامات کے نظامی برادران کی امداد کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ ریحان احمد عباسی صاحب تو اپنے سب کام چھوڑ کر تصحیح کے کام میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی

حجرۂ قدیم۔ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ،

نئی دہلی

-☆-

از: پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحمدہ وَ نصلّے علیٰ رسُولِہ الکریم

اے بتو روز و شب جہان روشن
بر رُخت چشمِ عاشقان روشن
بحدیثِ تو کامِ دل شیرین
بجمالِ تو چشم جان روشن

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی قدس اللہ سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی ہندوستان کی روحانی اور تہذیبی تاریخ میں ایک ایسی جامع کمالات شخصیت ہے کہ ایسی دلآویز ہستیاں تاریخِ بشریت میں خال خال ہی پیدا ہوئی ہیں۔ آپ ایک صوفیِ باصفا ہی نہیں تھے جس نے تصوفِ اسلامی کی تمام خوبیوں کو اپنی سیرت کے آئینے میں دکھادیا بلکہ ایک نکتہ رس فقیہ، محدث، مفسر، محقق اور ادبیاتِ عربی و فارسی کے متبحر عالم شاعر، اور تاریخ و سیر پر گہری نظر رکھنے والے نہایت وسیع المطالعہ اور باخبر انسان تھے۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ان کی مبارک زندگی کی بہت سی تفصیلات تاریخ میں محفوظ رہ گئیں اور اُن کے خدام و خلفاء کی بدولت دوسرے بزرگانِ سلسلہ کے حالات و ملفوظات بھی آج کی نسل تک پہنچ گئے۔

حالاتِ زندگی

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دادا خواجہ علی بخاریؒ اور نانا خواجہ عربؒ بخاری وسطِ ایشیا

میں بخارا کے رہنے والے تھے۔ اس علاقے پر منگولوں کا تسلط ہونے کے بعد بہت سے خاندان ہجرت کر گئے تھے[1] اور اکثر ہندوستان کا رُخ کرتے تھے کیونکہ یہاں نسبتاً ایک مضبوط اور پُرامن ماحول تھا۔ اِن دونوں بزرگوں کا پیشہ تجارت تھا، اور آپس میں گہری برادرانہ دوستی تھی، ممکن ہے نسبتی علاقہ بھی رہا ہو۔ بعض تذکرہ نگاروں نے دونوں کو بھائی بتایا ہے، ہجرت کے بعد یہ دونوں پہلے لاہور آئے، مگر یہ بھی سرحدی علاقہ تھا، اور یہاں آئے دن یورش ہوتی رہتی تھی اس لیے وہاں سے نقلِ سکونت کر کے مغربی یوپی کے شہر بدایوں میں آبسے جو اُس وقت نہایت اہم شہر تھا اور صوبہ کا صدر مقام بنا ہوا تھا، یہاں مسلمانوں کی آبادی خوب ہو چکی تھی اور یہ "قبۃ الاسلام" کہلاتا تھا۔

خواجہ عربؒ کے ایک فرزند خواجہ عبداللہ اور ایک بیٹی بی بی زلیخاؒ تھیں اور خواجہ علی کے بیٹے خواجہ احمدؒ تھے، بی بی زلیخاؒ انھیں سے منسوب ہوئیں، اور اُن کے بطن سے ہمارے حضرت نظام الدینؒ کی ولادت ہوئی، جن کا اصلی نام محمد بن احمد ہے۔ آپ کی ولادت سے قبل ہی آپ کے والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور آپ کی والدہ محترمہ نے خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ یہ بچہ قطبِ ارشاد ہوگا اور اس سے بہت سی مخلوق فائدہ اٹھائے گی، مگر اپنے شوہر اور بچے میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو[2]۔ بی بی صاحبہؒ کو حضرت کے مراتب دکھا دیئے گئے تھے اس لیے انھوں نے فرمایا کہ میں اس بچے ہی کو اختیار کرتی ہوں۔ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب ان کے شوہر خواجہ احمدؒ کے دنیا سے کوچ کرنے کا زمانہ قریب آ گیا ہے، اس لیے بیماری میں اُن کو پرہیز بھی زیادہ نہیں کراتی تھیں، اور جو کچھ وہ کھانے کے لیے طلب فرماتے وہ اُن کو دیتی تھیں، کچھ ہی مدت کے بعد، اور مولف قوام العقائد کا بیان ہے کہ اگلے دن خواجہ احمد کا انتقال ہو گیا[3]۔ پروفیسر محمد

۱۔ بخارا۔ منگولوں کے حملہ سے مراد اگر چنگیز خاں کا حملہ ہے تو یہ ذی الحجہ ۶۱۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت نظام الدین کی ولادت کے وقت تک ان کے دادا اور نانا کو ہجرت کیے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا۔

۲۔ ایک قدیم کتاب "قوام العقائد" قلمی سے، جو سیر الاولیاء سے بھی پہلے ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں لکھی گئی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کی ولادت سے قبل ہی اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا اور اُن کی والدہ محترمہ کو یہ الہام وضعِ حمل سے پہلے ہوا تھا۔

۳۔ مرأۃ الاسرار قلمی ۲/۳۰۷ ب کا بیان ہے کہ حضرت احمد بخاریؒ کو بدایوں کی قضا کا عہدہ ملا تھا۔ مگر اس کی تائید کسی اور ماخذ سے نہیں ہوتی۔

حبیب نے لکھا ہے کہ ''بی بی زلیخاؒ کے خواب کے بیان کی ذمہ داری کُلّیۃً مصنف سیر الاولیاء پر ہے، یہ بیان بے لطف تکلیف دہ اور سند ہے کسی عورت سے یہ کہنا کہ اپنے شوہر اور بیٹے کی زندگی میں کسی ایک کو چنو اُس پر ظلم ہے۔ دوم: اگر بی بی زلیخاؒ نے اپنے خواب کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہا تو ایک صدی کے بعد امیر خُرد کو اُس کے بارے میں کس طرح علم ہوا؟ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اُن خاتون بزرگ سے سوال کیا گیا ہوتا تو وہ اپنے بیٹے کے فلسفۂ زندگی کے مطابق جواب دیتیں کہ اس معاملے کا تعلق مشیتِ ایزدی اور اُمورِ غیبی سے ہے۔ میں خدا کے حکم پر راضی ہوں'') محمد حبیب: حضرت نظام الدین اولیاء، حیات اور تعلیمات صفحہ ۴۷ حاشیہ)

مگر اس بیان کی ذمہ داری مؤلف سیر الاولیاء پر نہیں ہے، قوام العقائد کے حوالے سے جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ سیر الاولیاء سے بھی قدیم تر بیان ہے، اسی کے علاوہ خود حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا: ''میری والدہ کا بارگاہِ خداوندی میں بڑا رسوخ تھا، جب کوئی کام آپ کو درپیش ہوتا اُس کو خواب میں دیکھ لیتیں اور اُس کی بابت آپ کو اختیار دیا جاتا، اور جس طرح آپ پسند کرتیں اُسی کے موافق ظہور ہوتا۔ جب میں شیر خوار بچہ تھا میری والدہ نے مجھ کو اختیار کیا اور انھیں ایام میں والد صاحب بیمار ہوئے، والدہ اُن کو کھانے پینے کی ہر ایک چیز کھلاتیں اور کسی چیز کا پرہیز نہ کراتیں، اور فرماتیں کہ چند روز کے مہمان ہیں، آخر ایسا ہی ہوا اور میں نے یہ حکایت اپنی بڑی بہن سے سنی ہے۔'' (محمود بن جاندار: دُرِّ نظامی صفحہ ۲۶۱۔ اُردو ترجمہ دہلی ۱۹۶۵ء) حضرت کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ لقب ''نظام الدینؒ'' کے بارے میں حضرت بُرہان الدین غریبؒ (متوفی ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء نے فرمایا: ''ہمارے خواجہ نظام الدینؒ ایک دن بدایوں میں اپنے گھر میں بیٹھے تھے، کسی شخص نے آپ کے سامنے آ کر آواز دی ''مولانا نظام الدینؒ'' حضرتؒ نے سوچا کہ میرا لقب تو نظام الدین نہیں ہے، اور اس گھر میں کوئی دوسرا نظام الدین بھی نہیں ہے، پھر یہ کسے پکار رہا ہے؟ اس کے بعد جب آپ گھر سے باہر نکلے تو جو بھی ملتا تھا وہ نظام الدین کہہ کر خطاب کرتا تھا، اُس دن سے نظام الدین ہمارے خواجہ کا لقب ہو گیا۔ جو لقب کسی کا رائج ہو جائے وہ (غیبی اشارے سے) دیا ہوا ہوتا ہے، اور کبھی نہیں بدلتا، جو لوگ اپنی رائے سے ملک الاولیاء یا قطب المشائخ جیسے القاب اختیار کر لیتے ہیں، ■ چل نہیں

پاتے۔'' (نفائس الانفاس قلمی، نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، ملفوظ ۱۰ محرم ۷۳۴ھ)

بعد کے زمانے میں آپ کا لقب ''نظام الدین والملت نظام الاولیاء'' ہوا اور آخری ترکیب میں سے صرف لفظ ''اولیاء'' آپ کے اسمِ گرامی کا جزو بن کر رہ گیا۔

حضرت کے خاندان کے بارے میں قدیم اور ہم عصر ماخذوں میں کوئی واضح بیان نہیں ہے۔ سب سے قدیم اور اہم ماخذ سیر الاولیا بھی اس بارے میں خاموش ہے (چرنجی لال ایڈیشن مطبع محب ہند ۱۳۰۲ھ صفحہ ۱۰۴۔۱۰۵) اس میں جو شجرۂ خاندان دیا ہوا ہے (ص ۱۰۶) وہ درگاہ سلطان المشائخ کے ایک پیرزادے برکت اللہ نوری نے اضافہ کر دیا ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ ''از بزرگانِ خود بسند صحیح رسیدہ'' لیکن اُس سند کی نوعیت اس سے زیادہ بیان نہیں کی۔ مولانا عبدالرحمان جامیؒ (متوفی ۸۹۸ھ/ ۹۳۔۱۴۹۲ء) نے اپنی تالیف ''نفحاتُ الانس'' (تالیف ۸۸۰ھ/ ۷۵۔۱۴۷۵ء) میں آپ کو ''خالدی'' لکھا ہے۔ اس کتاب کا ایک بہت قدیم اور مستند قلمی نسخہ درویش قاسم اودھیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے کتب خانے میں موجود ہے، اُس میں بھی اسی طرح درج ہے۔ قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ نسبت خالدی کس طرف راجع ہے۔

ولادت

آپ کی ولادت کا مہینہ اور دن تو قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ ماہِ صفر کے آخری چہار شنبے کو ولادت ہوئی۔ اس کی جانب خود حضرتؒ نے بھی ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا ہے (فوائد الفواد جلد چہارم مجلس چہارم) اکثر تذکرہ نگاروں نے ۶۳۶ھ/ ۱۲۳۸ء کو سالِ ولادت مانا ہے، (تکملہ سیر الاولیاء صفحہ ۲۳۰) بعض نے صفر ۶۳۴ھ/ اکتوبر ۱۲۳۶ء لکھا ہے۔ (انوار المجالس قلمی ورق ۷۰ الف) احسن القصص (قلمی) میں اس طرح درج ہے:

''وقتِ طلوعِ آفتاب روز آخرین چہار شنبہ ماہ صفر سنۃ اِثنا وثلثین و ستمأۃ (۶۳۲ھ/ اکتوبر ۱۲۳۴ء) وبعقیدۂ جمعے سنۃ اَربع وثلثین وستمأۃ''

اگر ۶۳۶ھ کو ہم درست مانیں تو آخری چہار شنبہ ۲۴ صفر ۶۳۶ھ کو واقع ہوا تھا اور یہ ۴۔ اکتوبر ۱۲۳۸ء کے مطابق ہوتا ہے۔

ابتدائی تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ بدایوں میں ہی گزرا، اور آپ کی والدہ ماجدہ نے تربیت فرمائی۔ پہلے حضرت نے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، پھر صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں محلے کی مسجد میں پڑھیں، اوسط درجے کی کتابوں کا درس آپ نے شہر کے ممتاز علماء سے لیا، ان میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت علاءُ الدین اُصولی کی ہے، یہ غالباً علم اصول فقہ کے ماہر تھے اِس لیے اُصولی کہلاتے ہیں۔ اُن سے دوسری کتابوں کے علاوہ فقہ کی کتاب ''قدوری''[1] کا درس بھی لیا۔ جب قدوری ختم ہوئی تو مولانا اصولی نے فرمایا کہ اب تمھیں بڑی دستار باندھنی چاہیے۔ اُس زمانے میں حضرت کے مالی حالات اچھے نہ تھے، تنگی ترشی سے گزر ہوتی تھی۔ کمانے والا کوئی نہ تھا۔ خود ابھی زیرِ تعلیم تھے، اور گھر میں والدہ کے علاوہ ایک بہن اور اُن کے بچوں کی ذمہ داری بھی تھی۔ حضرت نے اپنی والدہ سے دستار کے لیے عرض کیا، والدہ نے بازار سے روئی منگوائی اور اُسے خود چرخے پر کاتا۔ آدھی روئی اپنی کنیز سے کتوائی پھر محلے میں ہی ایک نور باف کو دستار بننے کے لیے وہ سُوت دیا، اُس نے دو تین دن میں دستار تیار کر دی۔ حضرت وہ دستار اور ''چہل خوردہ'' (شاید چالیس چھوٹے سکے) لے کر استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا اصولی نے کچھ سکے اپنے پاس سے اضافہ کیے، کھانا پکایا گیا، اور مولانا نے اس موقع پر علی مولا، نامی ایک بزرگ کو بھی مدعو کیا۔ اُس وقت بدایوں میں دو علی مولا تھے ایک مُجرّد اور دوسرے بزرگ کہلاتے تھے۔ علی مولا بزرگ نفس گیرا رکھتے تھے، (یعنی جو اُن کی زبان سے نکلتا تھا وہی وقوع میں آتا تھا) کھانے سے فارغ ہوئے تو مولانا اصولی نے دستار کھولی اور حضرت نظام الدین سے فرمایا: لو دستار باندھو، حضرت دستار بندھواتے ہوئے ہر بار مولانا کے قدموں میں سر رکھ دیتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر علی مولا بزرگ نے ہندوی زبان میں کہا: ''ارے مولانا یہ بڑا ہوسی'' (یعنی ارے مولانا یہ بڑا آدمی بنے گا) پھر مکرر فرمایا ''بہت بڑا ہوسی'' مولانا

---

[1] مختصر القدوری فقہ حنفی کی مشہور اور مستند کتاب ہے اس کے مصنف ابوالحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی ہیں یہ بغداد کے رہنے والے تھے، وہیں انتقال ہوا۔ عراق میں فقہ حنفی کے امام مانے جاتے تھے۔ فقہ حنفی کی یہ کتاب تصحیح عقائد کے لیے ہر دور میں بہت مقبول رہی ہے۔ دیکھیے وفیات الاعیان ۱؍۲۱ النجوم الزاہرہ ۵؍

علاؤالدین اصولی نے پوچھا: یہ آپ کس بات سے سمجھے ہیں؟ فرمایا: میں نے اس میں دو باتیں دیکھی ہیں: ایک تو (ہندوی ہی میں کہا) ''جو مُنڈا سا باندھے سو پاین نہ پسرے[1]'' دوسرے اُنھوں نے فرمایا کہ اِس کی دستار ریشم کی نہیں دھوتر کی ہے، تو یہ بزرگ بنے گا۔'' (خیر المجالس)

بدایوں ہی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ کی عمر کوئی بارہ سال ہو گی اور ''علم لغت'' کی تحصیل کر رہے تھے، ایک شخص جس کا نام ابوبکر خرّاط تھا اور اُسے ابوبکر قوال بھی کہتے تھے آپ کے استاد کی خدمت میں آیا، یہ غالباً ملتان کی طرف سے آرہا تھا، اُس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو سماع سنایا ہے، اور ایک بار اُن کے سامنے یہ اشعار گائے ہیں:

بکلِّ صبعٍ و کلِّ اِشرَا ق
تَبکیکَ عَینِی بدَمعٍ مُشقَا ق
لقَد لسَت حیَّةُ الهَوی کبِدِی
فَلا طبیبَ لهَا وَلا رَا ق[2]

پھر حضرت زکریا ملتانیؒ کی خانقاہ کا حال بیان کیا کہ وہاں ذکر ایسے ہوتا ہے، عبادت یوں کرتے ہیں، اوراد ایسے پڑھے جاتے ہیں۔ اُن کے گھر کی باندیاں بھی آٹا پیستے وقت ذکر کرتی رہتی ہیں، اسی طرح کی بہت سی باتیں اُس نے کہیں، مگر حضرت فرماتے ہیں کہ ان باتوں نے میرے دل میں اثر نہ کیا۔ پھر ابوبکر قوال نے کہا کہ وہ ملتان سے اجودھن گیا، وہاں ایک ایسے درویش کو دیکھا اور اُس نے حضرت بابا صاحبؒ کے مناقب بیان کیے جنھیں سن کر حضرت کے دل میں محبت وارادت پیدا ہوئی اور خدمت میں حاضری کا اشتیاق ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ایسی ہوگئی کہ آپ ہر نماز کے بعد دس بار ''شیخ فرید الدینؒ'' اور دس بار مولانا فرید الدینؒ'' بطور ورد

ا۔ خیر المجالس مطبوعہ ص ۱۹۱ میں یوں ہے: ''جو منڈا سا باندھی سو پائن پسری؟ یعنی آں کہ دستار بر سر بندو او در پاے کسے افتد؟'' احمد علی سیماب ٹونکی نے اس طرح ترجمہ کیا ہے جیسے ہم نے لکھا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے۔

۲۔ عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے یہ اشعار درج کیے ہیں اور ان کے بارے میں ایک حدیث بروایت حضرت انسؓ لکھی ہے کہ ایک بدو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اشعار پڑھے: فتواجدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَليه وسَلم وَتواجدَ اَصحابُه مَعَه حَتّٰی سَقَطَ رِدائُه عَن مَنکِبیهِ (ان اشعار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ اصحاب نے وجد کیا، یہاں تک کہ آپ کی چادر کاندھوں سے گر گئی)۔ عوارف المعارف ص ۱۴۸ نیز نشأۃ التصوف الاسلامی: ۸۶)

پڑھنے لگے اور پھر آپ کے سب دوستوں کو بھی اس محبت کا اندازہ ہو گیا۔ جب وہ حضرت کو قسم دلانا چاہتے تو کہتے تھے: ''اچھا شیخ فرید کی قسم کھاؤ''۔[1]

یہ اوائل عمر میں حضرت بابا صاحبؒ کے نام سے پہلا تعارف تھا، جو آگے چل کر ایک سرمدی رشتے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی کچھ جھلکیاں آئندہ سطروں میں بھی آئیں گی۔ یہاں مختصراً یہ عرض کر دوں کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس اللہ اسرارہم کے حالات و ملفوظات جو کچھ ہمیں معلوم ہیں وہ بڑی حد تک حضرت نظام الدین اولیاء اور ان کے صفا کیش مریدین و خلفاء ہی کی بدولت ہیں ورنہ ہم اپنی ثقافتی تاریخ کے اس روحانی پہلو سے یکسر بے خبر رہ جاتے۔ صرف یہی ایک احسان اتنا بڑا ہے جس کا شکریہ ادا کرنا تو کیا پورا اعتراف کرنا بھی ممکن نہیں۔

بدایوں میں

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی مجلسوں میں جن کا حال آپ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' میں قلمبند ہوا ہے، اپنے وطن بدایوں کا تذکرہ بڑی محبت سے کیا ہے وہاں کے ابتدائی دور کے بزرگوں کے بارے میں بھی ہماری معلومات صرف وہی ہیں جو حضرت کے ملفوظات سے حاصل ہوتی ہیں۔ اُس وقت بدایوں میں ایسے علماء، صلحاء، اولیاء اللہ، شعراء اور دوسرے ماہرینِ فن جمع تھے کہ ہندوستان کا دوسرا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اچھے اچھے خاندان وہاں جا کر بس گئے تھے، اور اولیاء اللہ نے بھی اپنے مسکن کے لیے اسی شہر کا انتخاب کیا تھا، جو قبۃ الاسلام کہلاتا تھا، یہاں بلند مرتبہ چشتی مشائخ بھی تھے، اور سہروردی سلسلے کی نمایاں شخصیات بھی اسی مدینۃ الاولیاء کی زینت تھیں۔ ان میں سے ہم صرف ان ہی چند علماء اور بزرگوں کا تذکرہ کریں گے جن کا حوالہ حضرت کے ملفوظات میں بھی ملتا ہے یا حضرت کی سوانح عمری میں اُن کے نام آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بزرگ وہ ہیں جن کا حال ہمیں اور کسی ماخذ میں نہیں ملتا، مثلاً حضرت ہی کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ایک بھائی بدایوں میں رہتے تھے، اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ اپنے بھائی سے ملنے کے لیے ہر سال

۱۔ فوائد الفواد جلد ۴ مجلس ۲۲۔ دور نظامی باب ۱۶، اردو ترجمہ ۱۵۴۔ ۱۵۶۔ سیر الاولیاء ص ۱۰۰۔

بدایوں تشریف لے جاتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ خود بابا صاحبؒ نے بھی بدایوں کا سفر کیا ہوگا۔ اُن کا اودھ میں پالا مئوتک جانا تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت نظام الدین نے ایک واقعہ بیان کیا کہ بدایوں میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل اپنے بھائی کے ساتھ ایک بزرگ شیخ علیؒ سے ملنے گئے تھے۔

ایسے ہی غیر معروف اولیاء اللہ میں ایک علی مکّیؒ تھے جو حضرت بابا فریدؒ کے مرید تھے انھوں نے یہ دعا مانگی تھی کہ انھیں گمنامی کے عالم میں موت نصیب ہو۔ ایک بار وہ بدایوں کی طرف آ رہے تھے راستے میں بیمار ہوئے اور بجلانہ کے مقام پر انتقال کیا، جہاں انھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہیں مدفون ہوئے[1]۔

ایک اور درویش کا حضرتؒ نے ذکر کیا جو بارہ مہینے روزہ رکھتے تھے اور اُن کا معمول یہ تھا کہ نمازِ شام کے بعد اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھ جاتے تھے اور راہ گیروں کو اپنے گھر میں بلا کر اُن کے ساتھ روزہ افطار کرتے تھے[2]۔

ایک مجلس میں مردانِ غیب کا ذکر ہو رہا تھا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ بدایوں میں ایک جوان نصیر نامی تھا اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کے والد واصلانِ خدا میں سے تھے، ایک رات کسی نے انھیں دروازے پر آواز دے کر بلایا، وہ باہر گئے اور ہم نے اندر سے علیک سلیک کی آواز سنی اور یہ سنا کہ ہمارے باپ کہہ رہے ہیں کہ اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہو لوں، مگر بلانے والوں نے کہا کہ بالکل فرصت نہیں ہے اس کے بعد کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ لوگ میرے والد کو لے کر کہاں گئے[3]۔ "مردانِ غیب" کا تذکرہ حضرت بابا صاحبؒ کے چھوٹے فرزند خواجہ محمد یعقوبؒ کے حال میں بھی ملتا ہے کہ انھیں مروہہ کے قریب مردانِ غیب نے اُچک لیا تھا: "دراثنائے راہِ قصبہ امروہہ آن بزرگ زادہ را مردانِ غیب بربودند غائب کردند[4]" (ثمرات القدس قلمی ورق ۹۷اب)

۱۔ فوائد الفواد، جلد ۴ مجلس ۲۹۔

۲۔ فوائد الفواد، جلد ۳ مجلس ۵۸۔

۳۔ ایضاً، جلد ۱ مجلس ۱۵۔

۴۔ سیر الاولیاء، ص ۲۰۱۔

میرا خیال ہے کہ یہ ٹھگوں اور راہزنوں کے طبقے کے پیشہ ور لوگ تھے جو اس طرح کی کارروائیاں کرتے تھے اور سیدھے سادھے مسلمان اسے "مردانِ غیب" کی ملاقات سمجھ لیتے تھے۔

بدایوں کی ممتاز دینی اور علمی شخصیتوں میں کچھ وہ بزرگ ہیں جو حضرت نظام الدین کی ولادت سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے، اور حضرتؒ نے اُن کے واقعات اپنے بچپن میں سنے تھے، کچھ وہ حضرات ہیں جو حضرت کے زمانۂ طفولیت میں بقیدِ حیات تھے، اور آپ نے انھیں دیکھا تھا۔ جن بزرگوں کے واقعات آپ نے سن رکھے تھے اُن میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت شیخ جلال تبریزیؒ[۱] کی ہے وہ غالباً ۶۲۷ھ/۱۲۳۰۔۱۲۲۹ء میں حضرت بہاء الدین زکریا

۱۔ شیخ جلال تبریزی تبریز میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ بدرالدین، ابو سعید تبریزی کے مرید تھے، خود انھوں نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بیعت کی اور سات سال تک سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہے اور کئی بار حج کیا۔ التمش کے زمانے میں دہلی آئے، اُس وقت نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام تھے، انھوں نے حسد کی بنا پر ان پر تہمت لگائی جس کے لیے محضر طلب کیا گیا (سیر العارفین ۲۳۵۔۲۴۱) آپ دہلی سے بدایوں آئے اور یہاں چندے قیام کر کے بنگال تشریف لے گئے۔ آپ کا عرس ماہ رجب میں ہوتا ہے دیوتلہ دیومحل میں مدفون ہیں، سال وفات ۶۴۱ھ بتایا جاتا ہے (جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جولائی، اکتوبر ۱۹۶۰) پنڈوہ میں شیخ جلال تبریزی کی درگاہ سے متعلق اوقاف ہیں جن کی آمدنی ۱۹۳۱ء میں ۲۳ ہزار روپیہ سالانہ تھی، یہ بڑی درگاہ کہلاتی ہے، اس میں ایک جامع مسجد ہے جس نے شمالی حصے میں شیخ جلال الدین کا چلّہ خانہ ہے۔ یہ مقبرہ سلطان علاؤ الدین علی شاہ نے ۱۳۴۲ء میں تعمیر کیا تھا۔ بعض مصادر میں اُن کی تاریخ وفات ۷۳۸ھ لکھی ہے اور "جلال الدین جلال اللہ جلال عارفاں بود" مادۂ تاریخ بتایا ہے۔ لیکن ابن بطوطہ نے جو ۱۳۴۶۔۱۳۴۵ء میں بنگال پہنچا ہے، اُن سے کوہ کامرو میں ملاقات ہونا بیان کیا ہے (عجائب الاسفار جلد ۲ ص ۳۵۸) وہ لکھتا ہے کہ ایک یا دو سال کے بعد جب وہ چین میں تھا تو اس نے شیخ کے انتقال کی خبر سنی۔ لیکن یہ کسی غلط فہمی پر مبنی ہے، فوائد الفواد میں شیخ جلال کا تذکرہ ہر موقع پر اس طرح کیا گیا ہے جیسے اُن کے انتقال کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا۔ یوں بھی اگر وہ التمش کے عہد میں دہلی آئے ہیں تو ۱۳۴۷ء تک زندہ رہنے کے لیے ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ عمر درکار ہے، جب کہ ۱۲۵۸ء میں خلیفہ مستعصم باللہ کے انتقال کے وقت شیخ جلال جوان تھے۔ ابن بطوطہ اس نام کے کسی اور بزرگ سے ملا ہوگا (تفصیل کے لیے دیکھیے: فوائد الفواد جلد ۴ مجلس ۳۱، اخبار الاخیار۔ سیر العارفین ۲۴۰۔۲۵۰ عجائب الاسفار ۲/۳۵۸ تذکرۃ الواصلین ۴۳۔ جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جولائی، اکتوبر ۱۹۶۰ء

Abid Ali khan:Memours of Gaur & Pandwa P.97

ملتانیؒ کے ساتھ سفر کرتے[۲] ہوئے بغداد سے خوارزم آئے تھے، وہاں چندے قیام کر کے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے۔ دہلی میں شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ دوسروں کی مقبولیت سے بہت حسد کرتے تھے، انھوں نے شیخ جلال تبریزی پر تہمت لگائی اور اس کے لیے باقاعدہ علماء کا محضر طلب کیا گیا۔ شیخ کا بے گناہ ہونا تو ثابت ہو گیا، مگر انھوں نے دہلی میں رہنا پسند نہیں کیا، اور بدایوں چلے گئے، وہاں ایک دن دریائے سوتھ کے کنارے بیٹھے تھے، اچانک کھڑے ہوئے اور حاضرین سے فرمایا کہ ''آؤ شیخ الاسلام نجم الدین کے جنازے کی نماز پڑھ لیں'' نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ''شیخ الاسلام نے ہمیں دہلی سے نکالا تھا مگر ہمارے شیخ نے انھیں اس جہان سے ہی نکال دیا'' یہ قصہ ۶۳۳ھ کے بعد کا ہوگا اس لیے کہ ۶۳۳ھ کے آغاز میں جب حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ دہلی سے رخصت ہوئے ہیں، اُس وقت شیخ الاسلام زندہ تھے۔ علی مولا بزرگ جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے شیخ جلالؒ سے تربیت یافتہ تھے، یہ بدایوں کے پاس کٹھیر کے علاقے میں ایک مواس کے رہنے والے تھے اور بدایوں میں دہی بیچا کرتے تھے، غالباً تعلیم یافتہ بالکل نہ تھے اور شیخ جلالؒ کے ہاتھ پر ہی مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی دستار بندی کے وقت مولانا اصولیؒ نے علی مولا کو غالباً اسی لیے بلایا ہوگا کہ وہ شیخ جلال تبریزیؒ کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔

اسی زمانے میں ایک قاضی کمال الدین جعفری تھے شیخ جلال نے اُن کا ایک مکالمہ فوائد الفواد میں موجود ہے[۲]۔ یہ بھی شیخ جلال کے مرید ہو گئے تھے اور اپنے بیٹے برہان الدین کو بھی اُن سے بیعت کرایا تھا، ان قاضی صاحب کا مزار بدایوں کی جامع مسجد میں ہے۔ سیر العارفین میں ان کے ایک فرزند کا نام سیف الدین محمد ملتا ہے اور حضرت نصیر الدین محمودؒ اودھی چراغِ دہلی نے قاضی کی ایک تصنیف کا نام ''منفق'' بتایا ہے[۳]۔

۱۔ اس کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اجازت نامہ ۲۱ ذی الحجہ ۶۲۶ھ (۱۰ نومبر ۱۲۲۹ء) کو ملا تھا، اور شیخ جلال تبریزی اُن کے ساتھ ہی ہندوستان تشریف لائے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ تبریزیؒ کا بدایوں میں قیام حضرت کی ولادت سے بہت زمانہ پہلے کی بات نہیں ہے۔ (سیر العارفین ۱۴۸)

۲۔ فوائد الفواد: جلد ۵ مجلس ۱۲، سیر العارفین: ۲۲۸ ۳۔ خیر المجالس: ۲۱۱

حضرت کے وصال سے چھ سال قبل ۱۸ محرم ۷۱۹ھ/فروری ۱۳۱۹ء کو جامع فوائدالفواد امیر حسن علاء سجزی شاہی لشکر لے کر ساتھ بدایوں کا سفر کر کے واپس آئے اور وہاں جن بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی تھی اُن کا ذکر کیا، اور کہا کہ اس لشکر میں بس یہی راحت ملی ہے کہ ان بزرگوں کی زیارت ہوگئی۔ حضرت کے والد محترم خواجہ احمد بخاریؒ مولانا علاؤالدین اصولیؒ، مولانا سراج الدین ترمذیؒ، خواجہ شاہی موئے تابؒ، خواجہ عزیز کرکیؒ، خواجہ عزیز کوتوال، خواجہ شادی لکھنوتی، قاضی جمال ملتانیؒ ان سب بزرگوں کے نام امیر حسین نے گنائے تو حضرت کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں۔ (جلد پنجم مجلس ۵۹) اس مجلس میں جن قاضی جمال کا ذکر ہوا ہے اُن کا لقب حسام الدین تھا اور یہ شیخ صدرالدین عارفؒ کے مرید تھے[1]۔

حضرت نظام الدینؒ کو بدایوں کے دیوانوں اور مجذوبوں سے بھی محبت تھی چنانچہ اسی فوائدالفواد میں ایک مجذوب مسعود نخاسیؒ کا ذکر کیا ہے۔ خواجہ عزیز کرکیؒ بھی مجذوب تھے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ ان کا زمانہ قاضی کمال جعفری سے پہلے کا ہے[2]۔

شیخ شاہی موی تابؒ اور اُن کے بھائی خواجہ ابوبکر موی تابؒ کا تذکرہ بھی حضرت کی مجلسوں میں بار بار ہوا ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ (ف ۵، رمضان ۶۴۳ھ/۲۵ جنوری ۱۲۴۶ء) شیخ شاہی موی تابؒ کو "شاہی روشن ضمیر" کہا کرتے تھے، بدایوں میں خلق خدا اُن کی طرف بہت رجوع کرتی تھی، وہ جہاں بھی جاتے ایک مجمع سا لگ جاتا تھا، خواجہ شاہی کا رنگ سیاہ فام تھا، مسعود نخاسی مجذوب جن کا اوپر ذکر آچکا ہے جب خواجہ شاہی کو خلق کے ہجوم میں دیکھتے تو کہتے: "کالے میاں تم نے اپنا سقابہ خوب گرم کر رکھا ہے، مجھے ڈر ہے کہ جل نہ جاؤ۔" اور ایسا ہی ہوا شیخ شاہی جوانی میں ہی جل کر مر گئے۔ یہ ۲۴ رمضان ۶۳۲ھ/۱۲ جون ۱۲۳۴ء کا واقعہ ہے۔ سیر العارفین کا بیان ہے کہ ان کے گھر میں آگ لگ گئی تھی، اور یہ دھوئیں کی وجہ سے باہر نہ نکل سکے۔

شیخ شاہیؒ کے بھائی خواجہ ابوبکر ۶۵۱ھ/۱۲۵۳۔۱۲۵۴ء میں فوت ہوئے، انھیں حضرت نظام الدینؒ نے اپنے بچپن میں دیکھا ہوگا (خیر المجالس ۲۱۰) ان کے ایک مرید سراج الدین

۱۔ فوائدالفواد جلد ۴ مجلس ۵۹ سیر العارفین: ۱۹۵ تاریخ فرشتہ ۲/۳۱۴ تذکرۃ الواصلین ۲۷۔۳۰۔
۲۔ خیر المجالس۔ ۲۱۰

حافظ بدایونی تھے۔انھیں مولف تذکرۃ الواصلین نے غلطی سے اخی سراج سمجھ کر اولیائے بدایوں میں شمار کرلیا ہے (ص ۲۸۹)۔حضرتؒ نے فرمایا کہ سراج حافظ ایک رات کو اٹھے، تازہ وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور جان جان آفریں کے سپرد کردی، جیسی سبک زندگی تھی ویسی ہی موت بھی پائی۔ایک اور مجلس میں حضرت بدایوں کے درویشوں کا تذکرہ کررہے تھے، فرمایا کہ ایک درویش عزیز بشیر تھے۔وہ دہلی آئے تاکہ مولانا ناصح الدینؒ پسرِ قاضی حمید الدینؒ ناگوری سے خرقہ حاصل کریں[1]۔اس مقصد سے حوض سلطان پر ایک نشست ہوئی، جس میں بعض اور درویش بھی جمع ہوئے، اُس وقت سب نے حوض سلطان کے پانی کی شیرینی کا تذکرہ کیا، عزیز بشیر نے کہا یہ تو کچھ بھی نہیں، حوض ساغر جو بدایوں میں ہے، وہ اس سے اچھا ہے، اُس وقت وہاں محمد کبیر بھی موجود تھے اُنھوں نے مولانا ناصح الدین سے کہا: ''یہ شخص گزاف گو معلوم ہوتا ہے، اسے خرقہ نہ دیا جائے۔بدایوں ہی کے ایک اور بزرگ مولانا سراج الدین ترمذیؒ تھے، یہ مکہ معظّمہ کی طرف اس نیت سے گئے کہ وہاں موت آجائے تو وہیں پیوندِ زمین ہوں، مگر حج کر کے واپس آگئے اور بدایوں میں رہنے لگے اُن سے کہا گیا کہ تم تو اس نیت سے مکہ معظّمہ گئے تھے کہ تمہارا مدفن وہیں ہوگا؟ کہنے لگے ''ہاں مگر میں نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ چاروں طرف سے جنازے لائے جارہے ہیں اور اُن جنازوں پر جو مردے ہیں اُن کو مکہ

۱۔قاضی محمد بن عطا حمید الدین بن عطا الدین بخاری ناگوری کو سلطان محمد غوری نے ناگور کا صدر الصدور مقرر کیا تھا، یہ صرف تین سال وہاں رہے مگر ناگوری کہلاتے ہیں۔عصامی کا بیان ہے کہ عہد التمش میں دہلی آئے سماع بہت سنتے تھے، مفتی سعد اور مفتی عماد نے سلطان سے اس کی شکایت کی اور محضر منعقد کرنے کا مطالبہ کیا۔قاضی ناگوری نے التمش کو بغداد کی وہ محفل سماع یاد دلائی جس میں چالیس درویشوں کا اجتماع تھا اور مشائخ نے التمش کو سلطنت ہندوستان کی بشارت دی تھی۔جب رضی الدین حسن صنعانی راجستھان پہنچے ہیں اور ناگور میں انھوں نے مصباح الدُّجیٰ کی قرأت کی تو سماعت کرنے والے علماء میں قاضی ناگوری بھی تھے، دہلی میں انھوں نے عین الدین قصاب کو مرید کیا تھا بدایوں میں شیخ شاہی رسن تاب اور شیخ احمد نہروالیؒ ان کے مرید تھے۔غالباً یہ التمش کے زمانے میں ناگور سے دہلی آئے اور حضرت قطب صاحبؒ کی خانقاہ میں رہنے لگے۔۵ رمضان ۶۴۳ھ کو نماز تراویح پڑھ کر انتقال کیا۔امروہہ کے شاہ ولایت حضرت شاہ شرف الدین سہروردیؒ کا سلسلہ بیعت بھی ان سے ہی متصل ہوتا ہے۔قاضی صاحب کی تصانیف میں لوائح، لوامع، راحۃ الارواح، طوالع الشموس اور رسالہ عشقیہ معلوم ہیں۔ (ریاض الاولیاء اقلیمی، ورق ۴۰)

معظمہ کے اطراف میں دفن کیا جارہا ہے اور جو مردے مدفون ہیں اُن کو اکھاڑ کر وہاں سے لے جا رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو بتایا گیا کہ جن لوگوں میں یہاں دفن ہونے کی اہلیت ہوتی ہے، وہ خود کہیں بھی وفات پائیں انھیں یہاں لانے کا حکم ہے اور جو لوگ اس جگہ کے اہل نہیں ہیں، خواہ وہ یہاں دفن ہو چکے ہوں انھیں دوسری جگہوں پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ مولانا سراج الدینؒ نے کہا جب مجھے اس بات کی تحقیق ہوگئی تو بدایوں واپس آ گیا کہ اگر وہاں دفن ہونے کا اہل ہوا تو میری غرض بہر حال حاصل ہو جائے گی۔

بدایوں کے قاری بھی ایسے تھے کہ قرآن کو ہفت قرأت سے پڑھتے تھے۔ ایک ایسے ہی قاری شادی مقریؒ کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا کہ سات قرأتوں کے ماہر اور بہت باصلاحیت وصاحب کرامت تھے۔ اُن کی ایک کرامت یہ تھی کہ اگر اُن کے سامنے کوئی قرآن کا ایک ورق پڑھ لیتا تھا تو خدا اسے سارے قرآن کا حفظ نصیب کرتا تھا۔ حضرت نے بھی شادی مُقریؒ سے ایک سیپارہ پڑھا تھا۔ پھر دہلی آنے کے بعد اُس کی برکت سے پورا قرآن حفظ ہو گیا۔

شادی مُقریؒ کے ایک آقا لاہور کے خواجگی مُقری تھے یہ بھی بہت بزرگ انسان تھے۔ ایک بار کوئی شخص لاہور میں بدایوں آیا، شادی نے اُس سے پوچھا: میرے خواجہ خیریت سے ہیں؟ مسافر نے اُن کی وفات کی خبر چھپائی اور کہا ہاں خیریت سے ہیں۔ پھر لاہور کا حال سنانے لگا کہ وہاں سخت بارش ہوئی، ہزاروں گھر ڈھے گئے، ایک بار آگ لگی تو سینکڑوں گھر بھسم ہو گئے، بہت تباہی مچی یہ باتیں سن کر شادی نے کہا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے خواجہ رحلت فرما گئے'' تب اُس مسافر نے اقرار کیا کہ ہاں وہ اِن حوادث سے پہلے ہی گزر چکے تھے۔

دہلی میں سازشوں کا شکار ہو کر قاضی منہاج سراج مصنف طبقات ناصری (ولادت ۵۸۹ھ) بھی ۹ رجب ۶۴۰ھ/۲ جنوری ۱۲۴۲ء کو دہلی سے نکل کر بدایوں پہنچے تھے، وہاں ملک تاج الدین قتلق اُن کا قدرداں تھا، یہاں وہ کچھ مدت تک رہے، اس زمانے میں حضرت نظام الدین کی عمر ۶۔۷ سال سے زیادہ نہ ہوگی اُنھوں نے منہاج سراج کے وعظوں میں اپنی شرکت کا ذکر کیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ حضرتؒ کو اوائل عمر سے ہی دین سے تعلق پیدا ہو گیا تھا قاضی منہاج سراج بدایوں سے اودھ ہوتے ہوئے لکھنوتی (بنگال) کی طرف چلے گئے تھے۔

حضرت نے دہلی میں بھی قاضی منہاج کے وعظ سُنے ہیں، ان کا وعظ ہر دوشنبہ کو ہوا کرتا تھا۔ یہ ۶۵۹ھ سے پہلے کی بات ہے کیوں کہ اس سنہ کے بعد قاضی کے حالات پردۂ گمنامی میں ہیں۔

ایک اور بزرگ جن کے وعظوں میں حضرت نے اپنے بچپن میں شرکت کی خواجہ نظام الدین ابوالمؤید[1] تھے، اُن کا مزار درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ میں درگاہ کی مسجد کی جنوبی دیوار کے پاس بتایا جاتا ہے، مگر اشجار الجمال (قلمی) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علی گڑھ میں مدفون ہیں۔ اُن کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ حضرت نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت اتنا خوردسال تھا کہ معانی ومطالب اچھی طرح نہ سمجھ سکتا تھا۔ ایک محفلِ وعظ کا حضرت نے ذکر کیا۔ حضرت نظام الدین ابوالمویدؒ مسجد میں داخل ہوئے۔ جوتیاں اتار کر اپنے ہاتھ میں لیں، اندر آ کر دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اُن کی طرح نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ دوگانہ بہت اطمینان سے ادا کیا، پھر منبر پر آ گئے۔ ایک قاری قاسم تھے انھوں نے چند آیات کی تلاوت کی، پھر شیخ ابوالموید نے اپنا وعظ شروع کیا اور ایک رباعی یہ کہہ کر پڑھی کہ ''میں نے اپنے بابا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہے[2]'' ابھی دو مصرعے ہی پڑھے تھے کہ تمام حاضرین نے ایک نعرہ سر کیا، اور رونے لگے۔ یہ بار بار دو ہی مصرعے پڑھتے رہے:

بر عشقِ تو و بر تو نظر خواہم کرد
جاں دَر غمِ تو زیر و زبر خواہم کرد

(ترجمہ: میں تجھ پر اور تیرے عشق پر نظر رکھوں گا۔ اور تیرے غم میں اپنی جان کو تہ وبالا کرلوں گا)

پھر کہنے لگے: دوسرے دو مصرعے یاد نہیں آتے، کیا کروں۔ یہ بھی انھوں نے ایسی عاجزی سے کہا کہ حاضرین پر گہرا اثر ہوا۔ اُس وقت قاسم مُقری نے باقی دو مصرعے بھی یاد دلا دیے:

۱۔ حضرت نظام الدین ابوالموید اپنے ماموں شیخ عبدالواحد بن شیخ شہاب الدین غزنوی کے مرید تھے اُن کے دادا شمس العارفینؒ تھے جن کی اولاد میں شیخ جمال کولی (علی گڑھ) ہیں۔ (مرآۃ الاسرار، قلمی ۲۰۲ب)

۲۔ اُس زمانے میں عموماً علماء میں یہ اصطلاح تبع تابعون کے لیے استعمال ہوتی تھی جن سے کسی کا سلسلہ روایت متصل ہوتا تھا انھیں ''بابا'' کہا جاتا تھا۔

بر عشقِ تو و برتو نظر خواہم کرد
جاں دَر غمِ تو زیر و زبر خواہم کرد
پُر درد دلے بخاک در خواہم بُرد
پُر عشق سرے ز گور بر خواہم کرد

(ترجمہ: جب مروں گا تو قبر میں ایک درد بھرا دل ساتھ لے جاؤں گا؟ اور عشق سے معمور سر لے کر حشر کے دن قبر سے اُٹھوں گا۔

فوائد الفواد میں آخری دو مصرعے نہیں ہیں، مگر دُرِ نظامی میں پوری رباعی ہے اسی طرح اخبار الجمال (قلمی ورق ۲۰۴) میں یہ حکایت فوائد الفواد کے حوالے سے ہے، اور اس میں وہ دو مصرعے بھی موجود ہیں جو قاسم مُقری نے لیاد دلائے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فوائد الفواد کا متن جواب ہمارے ہاتھوں میں ہے، وہ مکمل نہیں ہے[1]۔

بدایوں کے اس عہد کے علماء جن کا حضرت نظام الدینؒ نے اپنی مجلسوں میں ذکر کیا ہے نہایت ممتاز اور اپنے فن میں شہرۂ آفاق لوگ تھے۔ یہاں صرف علامہ رضی الدین حسن صنعانی (متوفی ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) کا نام لینا کافی ہوگا۔ حضرت نے اُن کو دیکھا تو نہ تھا مگر اپنے دور کے بدایوں میں اُن کے علم وفضل کے چرچے ضرور سنے ہوں گے۔ اُن کی تالیف ''مشارق الانوار'' آج تک مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ صحیح بخاری کو متداول شکل میں مرتب کرنے کی سعادت بھی اُن ہی کو ملی تھی۔ حضرت نے ایک مجلس میں فرمایا: ''درعلم حدیث از ہمہ ممتاز۔ بود وہیچ کس مقابلِ اُو نبود'' (فوائد الفواد جلد ۳ مجلس ۹) ان کے بارے میں عام شہرت یہ ہے کہ لاہور میں پیدا ہوئے تھے (آزاد بلگرامی: ماثر الکرام ۱۸۱) مگر سب سے قدیم سند حضرت نظام الدینؒ کی ہے، انھوں نے فرمایا ''اُو از بدایوں بود بعد از ان در کول آمد'' (جلد ۳ مجلس ۹) یعنی اُن کا تعلق بدایوں سے تھا بعد کو علی گڑھ میں جا رہے تھے۔ صنعانی کے بارے میں جو باتیں حضرت نے اپنی مجلس میں بیان فرمائیں، وہ ہمیں کسی دوسرے مآخذ سے حاصل نہیں ہوتیں، اس لیے بھی بہت قیمتی ہیں۔

۱۔ اس کی کچھ مثالیں ہم نے آیندہ صفحات میں فوائد الفواد کے متن کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھی ہیں۔

حضرت نظام الدینؒ کا بچپن بدایوں میں گزرا، اُس زمانے کے واقعات اور تذکرے اپنی مجلسوں میں ایسی محبت سے کرتے ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کو اپنے وطن سے کیسا جذباتی تعلق تھا۔ بچپن کے دوستوں میں حضرتؒ ایک نوجوان کو بھی یاد کرتے ہیں جس سے گہرا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نوجوان کے والد خواجہ عزیز بدایوں کے کوتوال تھے، یہ درویشوں کے عقیدت مند اور ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین بدایونیؒ کے مرید تھے اور کبھی درویشوں کو اپنی کچہری میں بلا کر ڈانٹ ڈپٹ بھی کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت نظام الدینؒ بدایوں میں آموں کے باغ میں گئے جسے ''لکھی آلو'' کہا جاتا تھا، وہاں دیکھا کہ خواجہ عزیز کوتوال ایک درخت کے نیچے دستر خوان بچھائے بیٹھے ہیں، انھوں نے حضرت کو دُور سے دیکھ کر آواز دی، یہ ڈر گئے کہ کہیں کچھ ایذا نہ پہنچائے، مگر جھجکتے ہوئے اُن کے قریب گئے تو عزیز کوتوال نے بڑی تعظیم سے اپنے پاس بٹھایا، اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔

بدایوں ہی میں ایک اور دوست تھے، اُن کا نام احمد تھا حضرت نے فرمایا کہ بہت صالح اور عبادت گزار ابدال صفت شخص تھے۔ پڑھے لکھے بالکل نہ تھے مگر ہمہ وقت مسائلِ شرعیہ کی تحقیق میں لگے رہتے تھے، جس سے بھی ملتے تھے کوئی شرعی مسئلہ دریافت کرتے تھے۔ جب حضرت دہلی آ گئے تو یہ بھی چلے آئے تھے۔ ایک دن راستے میں ملاقات ہوگئی تو بڑی گرم جوشی سے ملے، حضرت کی والدہ ماجدہؒ کی خیریت دریافت کی، انھیں علم نہیں تھا کہ حضرت کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ حضرت نے بتایا تو دعا دی کہ ''اچھا تم جیتے رہو'' پھر چہرے پر اضطراب کے آثار ظاہر ہوئے، رنگ بدل گیا اور رونے لگے۔ یہ قصہ بیان کرتے ہوئے خود حضرت نظام الدینؒ اتنے بے قابو ہو گئے کہ ہچکیاں لے کر روئے، الفاظ گلے میں رُندھنے لگے، اُس وقت حضرت نے یہ دو شعر پڑھے، خبر نہیں کہ یہ احمد بدایونیؒ کی روایت کا حصہ تھے، یا حضرت نے بطور خود پڑھے:

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نکرد
شب ہای وصال را بزنجیر نکرد
گر وصلِ تو یاری کند و یا نکند
بارے کہ فراق ہیچ تقصیر نکرد

(ترجمہ: افسوس کہ میرے دل نے کوئی تدبیر نہ کی۔ اور وصل کی راتوں کو
باندھ کر نہ رکھ لیا۔ اب خدا جانے تیرا وصال نصیب ہو یا نہ ہو۔ بارے
فراق نے تو کوئی کسر اٹھا کر رکھی نہیں۔)

آپ نے فرمایا کہ کچھ دن کے بعد احمد بدایونی نے رحلت کی تو میں نے انھیں خواب میں دیکھا وہ حسب معمول مجھ سے احکام و مسائل پوچھنے لگے۔ میں نے کہا کہ یہ باتیں تو زندگی میں کام آتی ہیں آپ کا تو اب انتقال ہو چکا ہے۔ احمد بدایونی نے کہا: ''اچھا تو تم اولیاء اللہ کو مردہ کہتے ہو؟''

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت کے دوستوں میں جو بے پڑھے تھے وہ بھی کس کردار کے لوگ تھے۔

حضرتؒ جب تک بدایوں میں رہے تنگی تُرشی سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والد کے انتقال سے اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا تھا، اور اُن مرحوم نے ترکے میں کچھ سرمایہ نہیں چھوڑا تھا۔ کبھی گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، اور حضرت سبق پڑھ کر واپس آتے تھے تو ان کی والدہ کہتی تھیں: ''آج ہم اللہ کے مہمان ہیں'' حضرت کو یہ بات بہت اچھی لگتی تھی، اور اگر کبھی کئی دن تک مسلسل کھانے کو ملتا تھا تو یہ سوچتے تھے کہ وہ دن کب آئے گا جب ہم پھر اللہ کے مہمان ہوں گے۔ اس سے حضرت کا فقر و درویشی سے فطری لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔

بدایوں کو خیر باد کہنے کے بظاہر دو سبب تھے، ایک تو آپ ۱۶ سال کی عمر تک وہاں کے علماء سے متوسط کتابوں کا درس لے کر فارغ ہو چکے تھے، اور اُس وقت دہلی میں ایسے مدارس تھے جن میں نہایت ممتاز علماء اور اساتذہ مسندِ درس بچھائے بیٹھے تھے، مزید تعلیم اُن کی خدمت میں پہنچ کر ہی ہو سکتی تھی، دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ دہلی میں معاش کا کوئی سلسلہ پیدا ہو جائے گا، بدایوں میں آپ نے زیادہ تر، ادب، لغت اور فقہ کا درس لیا اور مقاماتِ حریری کے چالیس مقام زبانی یاد کر لیے تھے۔ جب دہلی آئے تو یہ افسوس کرتے تھے کہ اتنا وقت مقاماتِ حریری کے حفظ کرنے میں ضائع کر دیا اس سے اچھا تھا کہ قرآن کریم حفظ کرتے۔ چنانچہ آپ نے حدیث شریف کا باقاعدہ درس لینا شروع کیا اور باقی وقت میں کسی تنہائی کے مقام پر جا کر

قرآن شریف حفظ کیا کرتے تھے۔ آپ نے حدیث شریف کی کتاب مشارق الانوار بھی پوری حفظ کرلی تھی۔

یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ اپنے مختصر سے خاندان کو بدایوں میں چھوڑ کر خود دہلی میں رہ سکیں ایک بوڑھی والدہ تھیں، جو حضرت کے لیے اس زمین پر سب سے زیادہ شفیق ہستی تھیں، دوسری ایک بہن تھیں، اور ان کے دو چھوٹے بچے تھے، اُن کی کفالت بھی حضرت کو کرنی تھی۔ آپ نے دہلی کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے پہلا سفر کیا، اور پہلی بار اس دارالخلافہ کو دیکھا۔ اس بار قیام کی مدت زیادہ نہیں تھی۔ حالات کا جائزہ لے کر بدایوں واپس آ گئے، دوسرا سفر پورے خاندان کے ساتھ ہوا اور پھر آپ دہلی ہی کے ہو رہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ آپ کو پھر کبھی بدایوں جانے کا موقع ملا یا نہیں ملا۔ غالب قیاس یہ ہے کہ پھر آپ کا اُدھر جانا نہ ہوسکا، ورنہ کہیں نہ کہیں کوئی ذکر یا اشارہ ضرور ملتا۔

دہلی میں حضرت نظام الدینؒ کا قیام متعدد مکانوں میں مختلف اوقات میں رہا۔ بدایوں سے آئے تو بیچ بازار میں ایک سرائے تھی جسے سرائے نمک کہا جاتا تھا وہاں فروکش ہوئے۔ والدہ ماجدہ اور بہن بھانجے بھی یہیں رہے۔ حضرت خود ایک کمانگر کے مکان میں رہے، جو اُس سرائے کے سامنے تھا۔ اسی محلے میں امیر خسرو کا گھر بھی تھا، ان کا نانا عمادالملک[1] راوت عرض کی حویلی تھی۔ امیر خسروؒ کے ماموں اپنی جاگیر پر چلے گئے تو یہ مکان خالی رہ گیا تھا، غالباً امیر خسروؒ کی کوشش سے حضرت کو یہ مکان رہنے کے لیے مل گیا، اور اس میں تقریباً دو سال تک رہے۔ یہ حویلی پُل منڈہ کے پاس اور شہر پناہ سے ایسی ملی ہوئی تھی کہ اُس کی ایک بُرج اِس حویلی کے اندر شامل ہوگئی تھی۔ حویلی نہایت وسیع اور عالی شان تھی، اس میں بڑے بڑے دالان تھے، اسی زمانے میں مولف سیرالاولیاء کے دادا مع خاندان کے اجودھن سے دہلی آئے تو وہ بھی اسی حویلی میں حضرت کے ساتھ رہے تھے۔ اس حویلی کی تین منزلیں تھیں۔ نچلی منزل میں سیّد محمد محمود کرمانیؒ رہے اور درمیانی منزل میں حضرت رہتے تھے، سب سے اوپر کی منزل میں حضرتؒ کے دوسرے ساتھی رہتے تھے۔ کھانا بھی اسی بالائی منزل میں کھایا جاتا تھا، اُس وقت حضرتؒ کے خادم خواجہ مبشرؒ ساتھ تھے۔ مولف سیرالاولیاء کی دادی کھانا تیار کرتی تھیں، اور سید محمد کرمانیؒ

۱۔ عمادالملک راوت عرض کے لیے تفصیل دیکھو فیروز شاہی برنی: ۱۱۴ وغیرہ۔

افطار کے وقت کھانا لے کر آتے تھے، دوسری خدمت مثلاً وضو کرانا، بیت الخلاء میں طہارت کا سامان رکھنا، یہ سب مؤلف سیر الاولیاء کے والد کرتے تھے، جو اُس وقت بچے ہی تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا (یعنی ۶۷۰ھ کے بعد) کہ حضرت اجودھن جا کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ سے بیعت کر چکے تھے۔ اسی زمانے میں امیر خسرو کے ماموں اپنی جاگیر سے واپس آ گئے، اور انھوں نے آناً فاناً مکان خالی کرالیا، حضرت کو اتنی مہلت بھی نہیں دی کہ وہ کوئی دوسرا مکان تلاش کر لیں۔ مجبوراً حضرت اس مکان سے فوراً نکلے، سامان میں صرف کتابیں ہی تھیں، وہ ساتھیوں نے سر پر رکھیں اور چھپروالی[1] مسجد میں آ گئے۔ جو سراج بقال کے گھر کے سامنے تھی، ایک رات تو اسی مسجد میں گزاری دوسرے دن شیخ صدر الدین ملتانیؒ کے مرید سعد کاغذی کو یہ ماجرا معلوم ہوا تو وہ حضرت کو اپنے گھر لے آئے، اور بالائی منزل حضرت کے رہنے کے لیے خالی کر دی، سید محمد کرمانی کسی دوسرے کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ حضرت اس مکان میں ایک ماہ تک رہے اور اس مدت میں دوسری جگہ بھی تلاش کرتے رہے، آخر یہاں سے سرائے رکابدار میں آ گئے، یہ سرائے پُل قیصر کے پاس تھی، اور اس کے اندر ایک مکان بھی تھا اُس میں فروکش ہوئے اسی سرائے کے ایک حجرے میں سید محمد کرمانیؒ نے اپنے خاندان کو ٹھہرا دیا۔ اس مکان میں حضرت خاصی مدت تک رہے، پھر شادی گلابی کے مکان میں آ گئے، اسی زمانے میں شمس الدین شرابدار[2] کے بیٹے اور دوسرے اقرباء آئے اور منت کر کے حضرت کو شرابدار کے مکان میں لے آئے۔ یہاں حضرت کو بہت آرام ملا۔ اجودھن سے آنے والے یارانِ طریقت حضرت سے اسی مکان میں ملتے تھے۔

دہلی میں تعلیم

دہلی آنے کے بعد تقریباً چار سال آپ مزید تعلیم حاصل کرتے رہے اور یہاں کے جن باکمال استادوں سے آپ نے درس لیا اُن کے نام یہ ہیں:

۱۔ شمس الدین خوارزمی، خطاب شمس الملک اور نام عبدالرحمٰن تھا۔ یہ بلبن کے وزیر بھی

۱۔ یہ لفظ سیر الاولیاء کے قدیم قلمی نسخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ اسے "چھتر دار" بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

۲۔ شاہی محل میں پانی کے انتظام کی خدمت جس کے سپرد ہوتی تھی اُسے شرابدار کہا جاتا تھا۔

ہوئے، ایک دن شمس الملک نے کہا کہ ''میں ایک شعر پڑھوں گا شرط یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اُسے یاد کرلے، مگر دوبارہ نہیں پڑھوں گا'' یارانِ مجلس خاموش رہے۔ حضرت نظام الدینؒ اُس مجلس میں حاضر تھے آپ نے فرمایا میں یاد کرلوں گا۔ شمس الملک عبدالرحمٰن نے یہ شعر پڑھا:

دولت چکنم دولتِ تو دولتِ ما ست

نعمت چکنم نعمتِ تو نعمتِ ما ست

(نفائس الانفاس (قلمی) ملفوظ۔ ۱۰ جماد الاولیٰ ۷۳۳ھ)

۲۔ برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد بخاری بلخی۔ بلبن کے زمانے میں بقیدِ حیات تھے وہ رضی الدین حسن الصنعانی (ف ۶۵۰ھ) کے شاگرد تھے اور اُن سے مشارق الانوار کی سند حاصل کی تھی۔ دہلی میں مشارق الانوار کا درس شروع کرنے والے وہ پہلے محدث تھے اور غالباً وہی یہ کتاب لے کر آئے تھے انھیں مرغینان (وسط ایشیا) میں کتاب الہدایہ کے مصنف بُرہان الدین مرغینانی (ف ۵۹۳ھ) سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا تھا، سلطان بلبن اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ انھوں نے ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء میں دہلی میں وفات پائی اور حوض شمسی کے مشرقی کنارے کی طرف مدفون ہوئے۔

(دیکھیے: اخبار الاخیار ۶۸ رحمٰن علی ۳۳۔ نُزہۃ الخواطر۔ حدائق الحنفیہ ۲۶۴)

۳۔ امین الدین محدث تبریزی:

ان کا حال زیادہ معلوم نہیں ہے، ان کا انتقال قطب الدین مبارک شاہ کے عہدِ حکومت میں دہلی میں ہوا۔ حضرت نے ان سے بھی حدیث کی سماعت کی تھی۔

۴۔ محمد بن احمد بن محمد الماریکلی معروف بہ کمال الدین زاہد (ف ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء) ماریکلہ (گجرات) کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے رضی الدین حسن الصنعانی کی تالیف ''مشارق الانوار'' کا درس برہان الدین محمود (ف ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء) اور شرح آثارِ النیرین فی اخبارِ الصحیحین کے مصنف کے ساتھ لیا تھا۔ حضرت نظام الدینؒ نے گرمی اور برسات کے موسم میں (جون، جولائی، اگست سنہ ۱۲۸۸ء) ان سے نجم الدین ابوبکر التواسی کی مسجد میں حدیث کی سماعت کی، انھوں نے ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ کو باقاعدہ سندِ حدیث لکھ کر حضرت کو عنایت کی جس کا متن سیر الاولیاء میں موجود ہے، مولانا زاہد نے اس میں لکھا ہے:

وَاُوصِمِ ان لَا یَنسانِی وَاَولَادِی

فِـی دَعـواتِـہ فِی خَـلوَاتِـہ

(میں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اور میری اولاد کو اپنی خلوت کی دعاؤں میں نہ بھولیں)

برائے تفصیل دیکھیے: سیر الاولیاء ۱۱۵/ اخبار الاخیار ۴۵ خزینۃ الاصفیاء ۱/۳۱۴

تذکرہ علمائے ہند: ۴۵ محمد اسحٰق: ۷۷۔۸۲ رسالہ معارف اعظم گڑھ ج ۲۲ ش ۵)

مولف سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ جس دن حضرت کو راوت عرض کا مکان چھوڑنا پڑا اور ''مسجد چھتر دار'' میں آئے اُسی رات کو راوت عرض کے مکان میں آگ لگی اور ساری عمارت جل کر خاکستر ہوگئی۔ دہلی میں حضرت کی تشریف آوری اور قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم کچھ آگے تک نکل آئے۔ اس لیے سلسلۂ سخن قائم رکھنے کے لیے کچھ بیان حضرت کی بیعت و ارادت اور اجودھن میں اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا بھی کیا جاتا ہے۔

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت بابا فریدؒ کے مبارک نام اور درویشانہ صفات کا پہلا تعارف بدایوں میں ایک شخص ابوبکر خراط کے ذریعہ ہوا تھا، پھر دہلی کے سفر میں ایک بوڑھے شخص محمد عوض ساتھ ہو گئے تھے جو خوف و خطر کے مقام میں اپنے پیر کی دہائی دیتے تھے، اور نعرہ لگاتے تھے کہ: ''یا پیر حاضر باش ما در پناہِ تو میرویم'' (اے پیر حاضر رہنا ہم آپ کی پناہ میں سفر کر رہے ہیں) حضرت نے محمد عوض سے پوچھا کہ تم کس پیر کو پکارتے ہو؟ تو انھوں نے حضرت بابا فریدؒ کا نام لیا، اس سے حضرت نظام الدینؒ کا ذوق و شوق اور صدق و ارادت، جو پہلے ہی زیادہ تھی، اور بھی پختہ ہوگئی۔ حضرت بابا فریدؒ کے چھوٹے بھائی اور خلیفہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ، دہلی کی ایک مسجد میں امامت کرتے تھے جو کسی تُرک امیر نے بنوائی تھی۔ اتفاق سے حضرت نظام الدینؒ کو شیخ کا پڑوس ملا۔ شیخ نجیب الدینؒ کا گھر چھوٹا سا، اور غالباً دو منزلہ تھا، جس کی دوسری منزل پر چھپر پڑا ہوا تھا، اسی حال میں وہ ستر سال تک دلی میں رہے (مرآۃ الاسرار قلمی ورق ۲/۳۷) اور ۱۹۔ بار اجودھن کا سفر کیا (سیر العارفین ۱۴۱) اُن کا انتقال ۹۔ رمضان ۶۶۹ھ/۲۱/ اپریل ۱۲۷۱ء کو دہلی میں ہوا (ریاض الاولیاء بختاور خاں قلمی نسخہ ٹونک) اس وقت حضرت نظام الدینؒ اجودھن گئے ہوئے تھے۔ شیخ کا مزار مبارک دہلی میں ادھ چنی کے مقام پر

بجے منڈل کے قریب موجود ہے۔ یہ صفدر جنگ ہسپتال سے مہرولی کی طرف جانے والی سڑک پر دائیں ہاتھ کو پڑتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنی مجلسوں میں اکثر شیخ متوکلؒ کا حال بیان کیا کہ میں نے اس شہر میں اُن جیسا یادِ خدا میں مستغرق کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا، انھیں دنیا کے معاملات کی مطلق خبر نہیں تھی، اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ گوشت کیسے بکتا ہے، یا آٹا کس طرح تیار ہوتا ہے، نہ یہ خبر تھی کہ آج کون سا دن اور کون سا مہینہ ہے، یا یہ سکہ کون سا سکہ ہے؟ فقر اور توکل ایسا تھا کہ عید کی نماز کے بعد کچھ قلندر آپ کے گھر آئے آپ انھیں بٹھا کر اوپر کوٹھے پر گئے۔ مگر کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ تھی، مصلیٰ اٹھا کر دیکھا تو وہ بھی پھٹا ہوا تھا اور بکنے کے لائق نہ تھا۔ اپنی اہلیہ کی اوڑھنی دیکھی کہ شاید وہ ایک آدھ درہم میں بک جائے مگر وہ بھی لیر لیر ہو رہی تھی۔ آخر اُن قلندروں کو ایک پیالہ پانی پلا کر رخصت کر دیا۔ (سیر العارفین اُردو ترجمہ ۱۲۵)

حضرت متوکلؒ کے دو بیٹے شیخ احمد اور شیخ محمد تھے، دو پوتوں کے نام محمد عطا اور بہرام معلوم ہیں۔ حضرت شیخ متوکلؒ ہر سال اپنے بھائی حضرت بابا فریدؒ سے ملنے کے لیے اجودھن جایا کرتے تھے۔ ایک بار اپنی بوڑھی والدہ کو ساتھ لے کر جا رہے تھے، راستے میں ماں نے پانی مانگا یہ انھیں ایک درخت کے نیچے بٹھا کر پانی کی تلاش میں نکلے۔ دیر کے بعد کہیں سے پانی لے کر آئے تو والدہ کو اُس جگہ نہیں پایا پریشانی کے عالم میں گھنٹوں تلاش کرتے رہے اور جنگل میں ہر طرف اپنی بوڑھی ماں کو آوازیں دیں، مگر ساری صدائیں جنگل کے مہیب سناٹے میں گم ہوگئیں۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ کسی درندے نے آپ کی والدہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہاں سے بہت ہی رنج اور مایوسی کے عالم میں اجودھن پہنچے اور بھائی کو سارا ماجرا سنایا انھوں نے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھی اور صبر کر لیا۔

دوبارہ شیخ متوکلؒ اجودھن جاتے ہوئے اُسی جنگل سے گزرتے تو انھوں نے اُسی درخت کے نیچے جہاں والدہ کو بٹھایا تھا، کچھ انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی دیکھیں۔ آپ کو خیال ہوا کہ شاید یہ والدۂ مرحومہ کی ہڈیاں ہوں۔ انھیں چُن کر ایک تھیلے میں رکھ لیا۔ اب جو حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں آئے تو عرض کیا کہ اس طرح کچھ ہڈیاں اُسی درخت کے نیچے ملی تھیں میں نے سوچا کہ شاید یہ والدہ مرحومہ کی ہڈیاں ہوں انھیں اُٹھا لیا کہ اجودھن میں دفن کر دوں گا۔ بابا

صاحبؒ نے فرمایا: لاؤ وہ تھیلا کہاں ہے؟ انھوں نے وہ تھیلا نکال کر اُن کے سامنے جھٹکا تاکہ ہڈیاں فرش پر نکل آئیں، مگر اُس میں سے کچھ بھی نہیں نکلا۔ تھیلے میں ہاتھ ڈال کر بھی خوب ٹٹولا، کچھ نہیں ملا۔ یہ معمّہ بدستور باقی رہا، اور حضرت نظام الدینؒ فرماتے تھے کہ ''یہ واقعہ عجائب روزگار میں سے ہے۔''

دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے لیے شیخ نجیب الدین متوکل کی ذاتِ گرامی بڑی نعمت ثابت ہوئی۔ ان کی حیثیت آپ کے شفیق سرپرست کی تھی۔ اس کے علاوہ اُن کے بے مثل کردار، خدادوستی، توکل، استغنا، شانِ فقر و درویشی اور محبت علم نے حضرت نظام الدین کے ذہن کی تربیت اور مزاج کی تشکیل میں بڑا حصہ لیا۔

جب کسی بزرگ سے دعا کرانی ہوتی تو فاتحہ کا التماس کیا جاتا تھا، وہ ہاتھ اُٹھا کر سورۂ فاتحہ پڑھتا اور مقصدِ دلی کے لیے دعا کرتا تھا۔ قیام دہلی کے ابتدائی زمانے میں جب حضرت کسی سے بیعت نہیں ہوئے تھے، اور سر پر بال رکھتے تھے، انھوں نے حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے فاتحہ کا التماس کیا۔ شیخ نے سُنی ان سُنی کر دی۔ شیخ نظام الدینؒ نے تین بار گزارش کی کہ میرے لیے اس نیت سے فاتحہ پڑھ دیجیے کہ میں کہیں قاضی ہو جاؤں۔ شیخ متوکلؒ نے فاتحہ کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے اور مسکرا کر فرمایا: ''تو قاضی مشو چیزے دیگر شو'' (تم قاضی مت بنو کچھ اور بنو)

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی بارگاہ میں

حضرت نظام الدینؒ کے دل میں حضرت بابا فریدؒ کی محبت اور اُن کی ذات گرامی سے بے پناہ عقیدت تو برسوں سے پرورش پا رہی تھی، شیخ نجیب الدینؒ کی صحبت نے اس تعلق کو اور بھی راسخ کر دیا تھا، لیکن ابھی تک اجودھن جانے کی سبیل نہیں نکلی تھی۔ سب سے بڑا سبب غالبًا یہ تھا کہ والدہ ضعیفہ تھیں[1]۔ ایک بہن اور اُن کے دو بچے تھے، جن کی دیکھ ریکھ کرنے والا حضرت

---

[1] ۔ رسالہ قوام العقائد (قلمی) تالیف ۷۵۵ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۶۶۷ھ میں حضرت نظام الدین پہلی بار اجودھن کے سفر پر تشریف لے گئے ہیں آپ کی والدہ ماجدہ حیات تھیں اور آپ ان سے اجازت لے کر اجودھن گئے تھے۔

کے سوا کوئی نہ تھا۔ لیکن ایک صبح کو فجر کے وقت کسی نے مسجد کے منارے سے نہایت خوش الحانی کے ساتھ یہ آیت پڑھی: اَلَم یَانِ لِلّذِینَ آمَنُوا تَخشَع قُلُوبُهم لِذِکرِ اللّٰه

یہ الفاظ کانوں میں پڑے تو جادو کا سا اثر دکھا گئے۔ وجد و شوق کی کیفیت صبر و تحمل کی حدوں سے نکل گئی اور اجودھن کی حاضری کا اشتیاق.. برسوں سے دل میں کروٹ لے رہا تھا قوۃ سے فعل میں آنے کو مچلنے لگا۔ آپ نے جوشِ عقیدت میں سفرِ اجودھن کے لیے اس طرح احرام باندھا جیسے حج کے لیے باندھا جاتا ہے، (شمائل الاتقیاء مطبوعہ حیدر آباد) اور سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مسجد میں نوافل پڑھنے کے لیے آئے[1]۔ اُس وقت دل میں یہ خیال گزرا کہ میں نے جو احرام باندھ لیا ہے یہ شریعت کی رُو سے جائز بھی ہے یا نہیں؟ اُسی مسجد کے ایک کونے میں پھٹے پُرانے کمبل میں لپٹے ہوئے ایک مجذوب پڑے تھے جو حضرت کو دیکھ بھی نہیں رہے تھے، وہ اچانک زور سے بڑبڑائے " العِلمُ حِجابُ اللّٰهِ الاکبر " (علم اللہ (سے ملنے) کے لیے بہت بڑا حجاب ہے) آپ نے یہ آواز سُنی تو دل میں سوچا کہ خیر علم پردہ تو ہوسکتا ہے مگر "حجابِ اکبر" کیوں ہونے لگا؟ وہ مجذوب اس خطرے سے بھی آگاہ ہوگئے اور پھر بڑبڑائے: "بڑا چھوٹا تو وہاں جا کر معلوم ہوگا۔" چنانچہ یہی ہوا، جب آپ اجودھن پہنچے، اور یہ بدھ کا دن ظہر کا وقت تھا، رجب ۶۶۷ھ/مارچ ۱۲۶۹ء کی کوئی تاریخ تھی، ایک دن حضرت بابا صاحبؒ نے خود ہی دریافت فرمایا: "مولانا نظام الدینؒ ہمارے جمال (شیخ جمال الدینؒ ہانسوی مراد ہیں) کا فرزند ملا تھا؟" عرض کیا: "جی ہاں جس دن میں اجودھن کے لیے روانہ ہونے والا تھا وہ مسجد کے ایک کونے میں پڑے ہوئے ملے تھے" بابا صاحبؒ نے پھر پوچھا: "کچھ کہتا تھا؟" حضرت نے وہ گفتگو دہرائی تو بابا صاحب نے فرمایا: "وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ حجاب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک حجاب ظلماتی ہوتا ہے کہ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا، دوسرا حجاب نورانی ہوتا ہے (کہ زیادہ روشنی میں بھی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں) علم نُورانی حجاب ہے اس لیے حجابِ اکبر ہے۔"

۱۔ اُس زمانے میں دہلی سے اجودھن تک سفر کا راستہ یوں تھا۔ پالم، مسعود آباد، ہانسی، فتح آباد بھٹیز سرسہ، اجودھن۔ جو ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے، دوسرا راستہ یوں ہے جو برنی نے لکھا ہے یعنی کہرام، سامانہ، اگروہہ، سُنام ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے دونوں راستوں پر سفر کیا ہے، ابن بطوطہ بھی یہی لکھتا ہے کہ دہلی سے ملتان کا راستہ ۴۰ دن کا ہے۔

آپ پوری بے سروسامانی کے عالم میں ''یاحَافِظُ یانَاصِرُ یامُعِینُ'' کا وِرد کرتے ہوئے دہلی سے نکلے تھے، کئی دن تک بھوکے پیاسے سفر کرتے ہوئے جب اجودھن پہنچے تو عقیدت و محبت کے نشے میں سرشار تھے، اُس سرزمین کے ایک ایک ذرّے کو نگاہیں بوسہ دے رہی تھیں۔ دل قدم قدم پر سجدے کررہا تھا، راستے کی دُھول میں اَٹے ہوئے کپڑے میلے ہوکر ہم رنگِ زمین ہوگئے تھے، طویل سفر کی مشقت سے چہرہ کملا گیا تھا، مگر دل کا کنول کھلا ہوا تھا، اور آنکھیں نُورِ مسرت سے چمک رہی تھیں جب شیخ کا سامنا ہوا تو دل بھر آیا، اور اتنی بات ہی کہہ سکے کہ ''آپ کی قدم بوسی کا اشتیاق مدت سے غالب تھا'' ''اشتیاق پابوسی عظیم غالب آمدہ بود'' بابا صاحبؒ نے انھیں دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور یہ شعر پڑھا:

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(اے وہ کہ تمہارے ہجر کی آگ نے دل کو کباب بنا رکھا ہے، اور تمہارے اشتیاق کے سیلاب نے جان کو کھنڈر کی طرح شکستہ و ویران کر دیا ہے)

پھر خیر و عافیت اور راستے کی کیفیت دریافت کرتے رہے۔ حضرت نظام الدینؒ سے فرطِ جذبات میں بولا بھی نہیں جارہا تھا، یہ حال دیکھ کر بابا صاحبؒ نے فرمایا: ''لِکُلِّ دَاخِلٍ دَھشَۃ'' (یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مقولہ ہے کہ ہر نیا آنے والا کچھ مرعوب ہوتا ہے اُسے گرم جوشی سے سلام دعا کرکے مانوس بنانا چاہیے۔)

حضرت نظام الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ بابا صاحبؒ کے حسنِ عبارت، لطافتِ تقریر عذوبتِ بیان اور شیرینیِ گفتار کا یہ عالم تھا کہ مخاطب کے دل پر اثر ہوتا تھا، حلاوت ایسی تھی کہ الفاظ کانوں میں رس گھولتے تھے، اور سُننے والا سوچتا تھا کاش غایتِ ذوق و کیفیت میں اِس وقت دم نکل جائے تو کتنا اچھا ہو، شاید اِسی لیے حضرت بابا صاحبؒ کو ''گنج شکر'' کہا گیا ہے۔

آپ نے خدمتِ شیخ میں پہنچنے سے پہلے ہی دل میں طے کرلیا تھا کہ شیخ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ سنوں گا اُسے لکھ لیا کروں گا۔ چنانچہ جو کچھ شیخ سے سنا تھا، جماعت خانے میں واپس آکر وہ کسی کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا اور اسی طرح باقی مجلسوں میں جو کچھ سنتے رہے، متفرق پرچوں پر

لکھتے رہے، اور یہ بات شیخ کو بتا بھی دی تھی کہ میں آپ کے ملفوظات لکھ رہا ہوں، چند روز کے بعد کسی نے آپ کو سفید کاغذ کی ایک بیاض جلد بندھی ہوئی دی، آپ نے اسے ایک غیبی اشارہ سمجھا، اور وہ سب فوائد جو متفرق پرچوں پر لکھتے رہے تھے اُس میں درج کر لیے۔ اس بیاض پر سب سے پہلے آپ نے اپنے قلم سے لکھا: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم . سُبحان اللّٰہ والحمدُ للّٰہ وَلا اِلٰہ اِلّا اللّٰہُ وَاللّٰہ اکبرُ وَلا حولَ وَلا قُوۃَ اِلّا باللّٰہِ العَلیِ العَظیم ۔ پھر ملفوظاتِ شیخ درج کرنا شروع کر دیے شیخ جب محفل میں کوئی حکایت یا کوئی نکتہ بیان کرنے لگتے تو پوچھ لیتے تھے کہ مولانا نظام الدین موجود ہیں؟ اگر حضرت اُس وقت موجود نہ ہوتے تو جب واپس آتے تے شیخ اُن فوائد کا اعادہ کرتے تھے تاکہ حضرت نظام الدین اپنی بیاض میں لکھ سکیں۔ ہمیں علم ہے کہ یہ مجموعہء ملفوظات ۸ شوال ۷۰۸ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۱۳۰۹ء) تک حضرت نظام الدینؒ کے پاس موجود تھا۔

جب حضرت نظام الدینؒ خانقاہ میں پہنچے ہیں تو بابا صاحبؒ نے اپنے داماد اور خادمِ خاص حضرت بدرالدین اسحٰقؒ کو بلایا اور اُن سے کہا: ''مولانا نظام الدین دہلی سے آئے ہیں، انھیں جماعت خانے میں ٹھہراؤ، اور اُن کے لیے چارپائی کا انتظام کرو۔'' جماعت خانے میں سب درویش زمین پر سوتے تھے۔ حضرت نظام الدینؒ نے دیکھا کہ کتنے ہی خاصانِ حق، حافظانِ کلام ربانی اور عاشقانِ رحمانی فرشِ خاک پر سو رہے ہیں تو فرمایا کہ ''میں بھی زمین پر

ا۔ خواجہ بدرالدین اسحٰق بن علی بن اسحٰق بخاری دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی ان کے والد منہاج الدین علی بن اسحٰق بخاری تمام علوم میں فاضل اور ممتاز تھے۔ طویل عرصے تک مدرسہ مُعزّی میں درس دیا، حضرت بدر اسحٰق کی تعلیم بھی اِسی مدرسہ میں ہوئی اور کچھ دنوں اِس میں پڑھایا بھی۔ وہ منقولات و معقولات کے ماہر تھے اعلیٰ تعلیم کے لیے بخارا کی طرف جاتے ہوئے اجودھن سے گزرے تھے، حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں آئے تو تمام عمر کے لیے یہیں کے ہو رہے۔ اُن کا مزار پاک پتن کی قدیم جامع مسجد سے متصل حجرہ میں ہے وہاں حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے جو کتبہ لگوایا ہے اُس پر سنہ وفات ۶۹۳ء کندہ ہے، بعض تذکرہ نگاروں کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۶۹۲ھ میں انتقال ہوا۔ عبدالرحمٰن چشتی نے مرآۃ الاسرار (قلمی ج ۲ ورق ۳۵ تا ۳۸ ب) میں ۶۹۰ھ لکھا ہے تاریخ ۶ جمادی الثانی میں اختلاف نہیں۔ مجھے ۶۹۰ھ صحت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے یہ عیسوی حساب سے ۶/جون ۱۲۹۱ء ہوتی ہے۔ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے: اخبار الاخیار ۷۷ تذکرہ مرآۃ الاسرار (قلمی) ورق ۳۵۔۳۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۱: نزھۃ الخواطر جلد ۱/۱۲۲۔۱۲۴ تکملہ سیر الاولیا ۲۳۱/۱۔

ہی سوؤں گا یہاں چارپائی پر سونا اچھا نہیں لگتا'' حضرت بدر اسحٰقؒ نے کہا: ''تم اپنا کہا کرو گے یا شیخ کا حکم مانو گے؟'' اس پر لاجواب ہو گئے۔ مگر روایت یہ ہے کہ حضرت نے چارپائی کو اُلٹا بچھا کر آرام فرمایا، یعنی اس طرح کہ اس کا چھلنگا زمین سے لگا رہا، اور شیخ کے حکم کی تعمیل بھی ہو گئی۔

اُسی زمانے میں بابا صاحبؒ نے ایک مجلس میں حاضرین سے فرمایا کہ میں کسی کو نعمت (خلافت) دینا چاہتا تھا۔ مگر میرے دل میں القاء کیا گیا کہ نظام الدینؒ دہلی سے آ رہے ہیں اُن کا انتظار کرو۔ جب حضرت نے بابا صاحبؒ سے بیعت کرنے کی درخواست کی تو محلوق ہونے (سر منڈانے) کی نیت نہیں تھی، کیونکہ محلوق ہونے کے بعد آپ کو طالب علموں میں رہنے سے شرم آتی تھی، بابا صاحبؒ نے بیعت کی درخواست فوراً منظور کر لی، پہلے سورۂ فاتحہ پڑھوائی پھر سورۂ اخلاص، اُس کے بعد آمن الرسولُ اور شھدَاللّٰہُ انّہ لا اِلا ھو تااِنَّ الدین عندَاللّٰہِ الاسلام تلاوت کرائی اور فرمایا کہو: ''میں نے اس فقیر (حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) اور اُس کے خواجگان اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اور عہد کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ پیر اور آنکھوں کو محفوظ رکھوں گا اور شریعت کا پابند رہوں گا'' حضرت نظام الدینؒ نے یہ الفاظ دہرائے تو بابا صاحبؒ نے قینچی لے کر اُن کے بالوں کی ایک لٹ داہنی طرف سے قطع کی، اور اپنا ایک کرتا اپنے ہی ہاتھوں سے پہنایا اُس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے:

ولِباسُ التقوىٰ ذٰلکَ خیر وَالعاقِبَۃُ للمُتقِین

اس کے بعد حاضرین سے فرمایا: ''آج میں نے ایک ایسا درخت لگایا ہے جس کے سائے میں بہت سی خلقِ خدا آرام پائے گی۔''

آپ نے شیخ سے عرض کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں، آپ کا کیا ارشاد ہے تعلیم جاری رکھوں یا اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں؟ بابا صاحب نے فرمایا: ''میں کسی کو پڑھنے سے نہیں روکتا درویش کے لیے تھوڑا علم بھی ضروری ہے، تم دونوں شغل جاری رکھو، اور دیکھو کون سا غالب آتا ہے؟''

بیعت کے بعد شیخ نے وصیت فرمائی، ایک تو یہ کہا کہ جو اس فقیر کا مرید ہوا سے قرض نہیں لینا چاہیے، دوسرے کئی بار یہ فرمایا کہ ''اپنے دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور حق دار کو اُس کا حق دینا

چاہیے اُس وقت حضرت نظام الدینؒ نے دل میں سوچا کہ مجھ پر تو کسی کا حق باقی نہیں ہے، پھر اچانک خیال آیا کہ دہلی میں ایک بزاز سے کپڑا قرض لیا تھا، اُس کے بیس جیتل باقی رہ گئے ہیں اور ایک شخص سے ایک کتاب مستعار لی تھی، جو مجھ سے کھوگئی، دہلی جا کر پہلا کام یہی کروں گا کہ اُن دونوں کے حقوق ادا کروں گا۔ شیخ کے ارشاد کی نہ صرف آپ نے دہلی آ کر تعمیل کی اور زندگی بھر ادائے حقوق کا خاص خیال رکھا، بلکہ جب اجودھن سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ایک کمبل پڑا ہوا دیکھا، آپ وہاں ٹھہر گئے، ایک قافلہ اُدھر سے گزر رہا تھا جب تک وہ قافلہ پورا نہ گزر گیا آپ کمبل کے پاس کھڑے رہے اور اس کی حفاظت کرتے رہے تا کہ کوئی اور نہ اُٹھالے اور جس کا حق ہے وہ مارا نہ جائے۔ (نفائس الانفاس ۱۳ ربیع الآخر ۷۳۳ھ)

دوسرا دن ہوا تو ایک اور شخص آپ کے سامنے بابا صاحبؒ سے مرید ہوا اور اُس نے اپنا سر بھی منڈوا دیا۔ بابا صاحبؒ کے حکم سے حضرت بدر اسحٰقؒ نے اُس کا حلق (مونڈن) کیا حضرت نے دیکھا کہ حلق کے بعد اُس شخص کے چہرے پر انوار ظاہر ہوئے، آپ کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ محلوق ہو جائیں۔ اپنی خواہش کا اظہار حضرت بدر اسحٰقؒ سے کیا، انھوں نے بابا صاحبؒ کی خدمت میں معروضہ پیش کیا، انھوں نے فرمایا ''ہاں محلوق ہو جائیں'' تو سر بھی منڈوا دیا۔

ایک دن بابا صاحبؒ باطنی کیفیت کے عالم میں بیٹھے تھے اور ایک پرچہ ہاتھ میں تھا۔ خود ہی فرمانے لگے: ''کوئی ہے جو مجھ سے ایک دعا یاد کرلے۔'' حضرت نظام الدینؒ حاضر تھے سمجھ گئے کہ شیخ کا اشارہ میری طرف ہے، آگے بڑھ کر ادب سے عرض کیا اگر حکم ہو تو بندہ یاد کرلے۔ شیخ نے وہ پرچہ آپ کو دے دیا، حضرت نے عرض کیا: ''ایک بار آپ کے سامنے پڑھ لوں پھر یاد کرلوں گا۔'' فرمایا: ''پڑھو'' جب حضرت نظام الدینؒ دعا پڑھ رہے تھے تو ایک موقع پر آپ نے کوئی اعراب اس طرح پڑھا جو شیخ کے لکھے ہوئے اعراب سے مختلف تھا، اگرچہ از روئے قواعد وہ صورت بھی درست تھی، اور اُس سے بھی معنی نکلتے تھے، بابا صاحب نے اس موقع پر ٹوکا اور فرمایا کہ یوں پڑھو۔ آپ نے فوراً اصلاح قبول کرلی، وہ دعا بھی اُسی وقت یاد ہو گئی۔ آپ نے عرض کیا ''اگر مخدوم کا حکم ہو تو بندہ ایک بار اور سنا دے'' فرمایا: ''سناؤ''۔ حضرت نے دعا سنائی اور جیسے بابا صاحبؒ نے فرمایا تھا اُسی طرح اعراب پڑھا جب باہر آئے

تو حضرت بدر اسحٰقؒ نے فرمایا: ''مولانا نظام الدین تم نے بہت اچھا کیا جس طرح شیخ نے بتایا تھا ویسے ہی پڑھا، اگرچہ تم جیسے پڑھ رہے تھے وہ صورت بھی درست تھی۔'' حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ اگر سیبویہ جو علم نحو کا بنانے والا ہے، اور اس فن کے تمام جید علماء مل کر بھی مجھ سے یہ کہیں کہ جیسے میں نے پڑھا تھا وہ درست تھا، تب بھی میں اُسی طرح پڑھوں گا جیسے شیخ نے فرمایا ہے۔ حضرت بدرِ اسحٰقؒ نے فرمایا کہ یہ ادب اور یہ مُتابعت کاملہ جو تم ملحوظ رکھتے ہو، ہم میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں۔ حضرت نظام الدینؒ دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے مگر اجودھن آئے تو:

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

اب شیخ سے علمِ ظاہر کا درس بھی لینے لگے۔ علمِ عقائد میں ابو شکور محمد بن عبد السعید الکبشی السالمیؒ کی کتاب ''التمہید فی بیانِ التوحید'' سبقاً سبقاً پڑھی۔ تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی یکم محرم ۶۳۲ھ) کی تصنیف ''عوارف المعارف'' کے چھ ابواب پڑھے[1]، اس کے علاوہ قرآن شریف کے دس پارے سنا کر تجوید درست کی۔ حضرت کہتے تھے کہ عربی حرف ضاد کی آواز جیسی بابا صاحب نکالتے تھے وہ ہم میں سے کسی کے بس میں نہیں۔ آپ نے شیخ حمید الدین ناگوریؒ سہروردی (ف ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء) کی تصنیف ''لوائح'' بھی بابا صاحب سے پڑھی۔

حضرت بدرِ اسحٰقؒ

اجودھن میں حضرت بدر اسحٰقؒ ان کے آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتے تھے۔ انھیں بھی شیخ سے جو کچھ کہنا ہوتا تھا حضرت بدر اسحٰقؒ کی وساطت سے کہتے تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا:

مرا با مولانا بدرالدین اسحٰقؒ محبت سخت بود و در
کُل اُمور کہ مرا پیش آمدے، خدمتِ مولانا پیشِ شیخ
شیوخ العالم مددہا کردے، و خود نیز تربیت ہا نمودے

1- عوارف المعارف کا پہلا باب علوم صوفیہ کی پیدائش کے بیان میں اور چھٹا باب صوفیہ کی وجہ تسمیہ پر ہے، یہ کتاب کا تمہیدی حصہ ہے آپ نے اس کا درس محض تبرکاً لیا تھا۔ کتاب میں کل ۶۳ ابواب ہیں۔

(مجھے مولانا بدر اسحٰقؒ سے سخت محبت تھی، تمام معاملات میں جو مجھے پیش آتے تھے مولانا شیخ کی خدمت میں میری مدد کرتے تھے اور خود بھی میری تربیت فرماتے تھے۔)

حضرت بدر اسحٰقؒ کی نیکی اور درویشی کا یہ حال تھا کہ ایک بار کسی کو اپنی شطرنجی فروخت کرنے کے لیے بازار بھیجا، اور اُس سے کہا کہ "اسے درویشانہ بیچو۔" اُس نے پوچھا یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ جو قیمت لگ جائے اُسی پر دے دینا قیمت بڑھانے کی کوشش نہ کرنا۔"

حضرت بدر اسحٰقؒ بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں امامت کرتے تھے، ایک بار مغرب کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو الحمد کے بعد کوئی سورہ تلاوت کرنے کی بجائے یہ شعر پڑھنے لگے:

پیشِ سیاستِ غمت رُوح چہ نُطق میزند
اے ز ہزار صعوہ کم تو چہ نواہی زنی

(ترجمہ: تیرے غم کی مار کے سامنے روح کیا بول رہی ہے؟ ارے تو تو چڑیا سے بھی کم ہے تو کیا چہک رہی ہے)

اِسے بار بار پڑھتے رہے، اور بیخودی طاری ہوگئی، جب عالمِ صحو میں آئے تو بابا صاحب نے دوبارہ نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت بدر اسحٰقؒ اتنے رقیق القلب تھے کہ آنکھیں ایک لحظے کے لیے آنسو سے خالی نہ رہتی تھیں، روتے روتے دونوں آنکھوں کے کویوں میں نالیاں سی بن گئی تھیں، ایک دن سیّد محمد کرمانی کی اہلیہ نے اُن سے کہا: بھائی اگر تم تھوڑی دیر کے لیے رونا بند کردو تو میں تمہاری آنکھوں میں سُرمہ لگا کر ان کا علاج کروں۔ مولاناؒ نے روتے ہوئے کہا: "بہن یہ آنسو میرے اختیار میں کب ہیں؟"

حضرت نظام الدینؒ اولیا اُن کا اتنا احترام کرتے تھے کہ اپنا استاد اور پیر و مرشد مانتے تھے، (تربیت ہا فرمودے) جب تک حضرت بدر اسحٰقؒ زندہ رہے حضرت نظام الدینؒ نے ازراہِ ادب کسی کو مرید نہیں کیا۔[1]

1- حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہؒ حضرت سید بدر الدین اسحٰق سے منسوب تھیں اور اُن کے بطن سے دو فرزند ہوئے، سید محمد اور سید موسیٰ۔ چونکہ حضرت بابا صاحب کے بیٹے بدر اسحٰق سے ناراض ہو گئے تھے، اس لیے حضرت بدر اسحٰق بابا صاحبؒ کے وصال کے بعد اجودھن کی جامع مسجد میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جب اجودھن کے اس پہلے سفر سے واپسی کا وقت آیا تو حضرت نظام الدینؒ، حضرت شیخ جمال ہانسویؒ اور شمس دبیر ایک مختصر سا قافلہ بنا کر نکلے۔ یہ غالباً ذی قعدہ ۶۶۷ھ/جولائی ۱۲۶۹ء کا واقعہ ہے، رخصت کے وقت سب نے شیخ کے قدم چومے۔ شیخ جمال ہانسوی نے عرض کیا ہمیں کچھ وصیت فرمائیں تو بابا صاحبؒ نے حضرت نظام الدین کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: ''انھیں خوش رکھنا۔'' اس وصیت کی وجہ سے خصوصاً شیخ جمال نے تمام راستے میں اُن کی ہر ضرورت کا بے حد خیال رکھا۔ شمس الدین دبیر اپنے لطیفوں اور چٹکلوں سے راستے کی کُلفت بھلا دیتے تھے، ہنستے بولتے راہ طے ہو رہی تھی۔ چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام اگروہہ Agroha تھا یہاں کا حاکم میران نام شیخ جمال ہانسویؒ کا مرید تھا، وہ گاؤں سے باہر نکل کر استقبال کرنے آیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھا۔ اگلی صبح کو سب کی سواری کے لیے تازہ دم گھوڑے آ گئے، حضرت نظام الدینؒ کو جو گھوڑا ملا وہ کچھ سرکش اور بدلگام تھا، اُس نے چلنے میں بہت پریشان کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمس دبیر اور شیخ جمالؒ تو آگے نکل گئے، اور حضرت کئی میل پیچھے رہ گئے۔ آپ تنہا سفر کر رہے تھے، موسم سخت تھا پیاس شدید لگ رہی تھی، ایسے میں گھوڑے نے سرکشی کی اور بدک کر آپ کو زمین پر گرا دیا۔ آپ اتنے زور سے زمین پر گرے کہ بے ہوش ہو گئے اور بہت دیر تک وہیں جنگل میں بے ہوش پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ آپ حضرت بابا فریدؒ کا نام جپ رہے ہیں۔ اس پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور سوچا کہ اس سے امید بندھتی ہے کہ ان شاء اللہ مرتے وقت بھی شیخ کا مبارک نام میری زبان پر جاری رہے گا۔

(بقیہ) منتقل ہو گئے تھے اور بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت سید بدر اسحٰق کا انتقال ہوا تو حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اُن کی بیوہ حضرت بی بی فاطمہؒ اور دونوں بچوں کو پالنے پوسنے کی ذمہ داری لی، اور انھیں دہلی بلایا تھا۔ جب دہلی میں اہلِ خاندان ہی نے یہ شہرت دی کہ حضرت نے ان سے نکاح کرنے کو بلایا ہے، تو آپ نے اپنی سفید ریش پر ہاتھ پھیرا اور اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے واپس آئے تو حضرت بی بی فاطمہؒ کے سوم کا دن تھا، حضرت بی بی فاطمہ کا مزار اَدھ چنی (مہرولی روڈ) میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے مزار کے پاس ہے۔ اس کتاب کے فاضل مترجم حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی حضرت بدر الدین اسحٰق کی اولاد میں ہیں۔

ہنوز آن ابرِ رحمت دُرفشان است

مے و میخانہ بامُہر و نشان است

اجودھن میں حضرت بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں رہنا خود ایک مجاہدہ تھا۔ اکثر کریل کے پھول اور ڈیلے پانی میں ابال کر کھائے جاتے تھے اور کبھی اُن میں نمک بھی نہ ہوتا تھا۔ حضرت نظام الدینؒ نے بار بار فرمایا کہ:

''دراں شب کہ ڈیلہ یا گلِ کریل در خانہ شیخ سیری خوردیم مارا روز عید بودے''

(جس رات کو ڈیلہ یا گلِ کریل شیخ کے گھر میں ہم پیٹ بھر کر کھاتے تھے وہ گویا روزِ عید ہوتا تھا)

جب ڈیلہ اور کریل کا موسم نہ ہوتا تھا تو حضرت بابا فریدؒ کی زنبیل گھمائی جاتی تھی۔ سنتِ شیخ کے اتباع میں حضرت نظام الدینؒ کی خانقاہ (غیاث پور) سے بھی کبھی زنبیل گھمائی گئی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اجودھن کا دس بار سفر کیا۔ پہلا سفر تو یہی تھا، دوسرا اگلے سال ۶۶۸ھ میں ہوا۔ عموماً رجب کے مہینے میں دہلی سے روانہ ہوتے تھے، اور رمضان وہیں گزارتے تھے۔ شوال یا ذی قعدہ میں واپسی ہوتی تھی۔ یہ واقعہ غالباً دوسرے سفر کا ہے (۶۶۸ھ) کو اجودھن سے واپسی میں ایک دن بارش ہونے لگی، حضرت ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے تا کہ بھیگنے سے بچ جائیں اُس وقت کچھ راہزن تلواریں اور تیر کمان لیے ہوئے آپ کی طرف بڑھے، آپ کے پاس اور تو کچھ نہ تھا حضرت بابا صاحبؒ کا عطا کیا ہوا لباس اور ایک کمبل تھا، آپ نے دل میں سوچا کہ اگر اِن ڈاکوؤں نے مجھ سے یہ چیزیں چھین لیں تو میں پھر کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ جیسے ہی آپ نے یہ سوچا وہ راہزن آپ کی طرف سے مڑ گئے، اور دوسری طرف چل دیئے۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے بابا صاحبؒ پر جادو کیے جانے کا جو واقعہ روایت کیا ہے بظاہر وہ بھی اسی دوسرے سفر سے متعلق ہے (خیر المجالس ۱۱۷) غالباً اِسی سفر سے واپسی کے وقت مولانا داؤد پالاہی ساتھ تھے۔ حضرت نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ مولانا داؤد راستے میں تیز چلتے تھے اور آگے نکل کر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفر پیدل ہو رہا تھا۔ جب حضرت نظام الدینؒ ان کے پاس پہنچ جاتے تھے تو مولانا داؤد پھر تیزی سے کوس دو کوس نکل کر نوافل پڑھنے لگتے تھے، ایسے گھنے جنگل اور بیابان میں بھی راستہ نہ بھولتے تھے (خیر المجالس ۱۱۸)

ایک سفر میں (جو ممکن ہے دوسرا سفر ہو ۶۶۸ھ) یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت نظام الدینؒ

کے پیر میں سانپ نے ڈس لیا، مگر آپ بالکل نہیں گھبرائے اور یہ سوچا کہ میرے دل میں اگر پیر کی محبت ہے اور میرے حال پر اُن کی توجہ ہے تو سانپ کا زہر مطلق اثر نہیں کر سکتا، اور یہی ہوا کہ زہر کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔

تیسرا اور آخری سفر وہ تھا جب آپ کو خلافت ملی[1]۔ (۶۶۹ھ) حضرت بابا صاحبؒ کا انتقال ۵۔ محرم ۶۷۰ھ/ ۱۳۔ اگست ۱۲۷۱ء کو ہوا، اُس وقت حضرت نظام الدینؒ اجودھن میں موجود نہیں تھے دو ماہ قبل دہلی کو واپس جا چکے تھے۔ بابا صاحبؒ نے انتقال کے وقت حضرت بدر اسحٰقؒ کو وصیت کی اور فرمایا کہ نظام الدینؒ دہلی سے آئیں گے تو میرا مصلیٰ، عصا، تسبیح، خرقہ اور نعلین اُن کو دے دینا۔ چوتھا سفر حضرتؒ نے اُس وقت کیا جب پیر و مرشد کے انتقال کی خبر ملی۔ قیاس یہ ہے کہ آخرِ محرم یا صفر (۶۷۰ھ) ہی میں پھر اجودھن پہنچے ہوں گے، اور آپ نے ہی وہ دروازہ تعمیر کرایا جو اَب جنتی دروازہ کہلاتا ہے۔ پانچواں سفر اس طرح ہوا کہ آپ کو حج کی شدید تمنا ہوئی اس کا نصاب تو آپ کے پاس نہیں تھا، نہ آپ پر حج فرض تھا، اس لیے آپ اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر اپنے پیر و مرشد کے مزارِ مبارک پر حاضری دی۔ فرماتے تھے کہ میرا مقصود کچھ زیادہ ہی (مَع شَيٍ زَائِد) اجودھن کی زیارت سے مل گیا۔ دوسری بار پھر حج کا اشتیاق غالب ہوا تو پھر آپ نے اجودھن کا سفر اختیار کیا، ایک اور سفر اُس وقت ہوا جب آپ نے حضرت بابا صاحبؒ کی صاحبزادی اور حضرت بدر اسحٰقؒ کی بیوہ حضرت بی بی فاطمہؒ اور اُن کے بچوں کو اپنی نگرانی میں رکھنے کے لیے دہلی بلوایا تھا، اور یہاں بعض بداندیشوں نے یہ شہرت کر دی تھی کہ آپ حضرت بی بی فاطمہؒ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، آپ کو اس افواہ سے اتنا رنج ہوا کہ دہلی چھوڑ کر فوراً اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے (بعد ۶۹۰ھ) ساتواں سفرِ اجودھن جلال الدین خلجی کے زمانہ حکومت (۶۸۸ھ۔ ۶۹۵) میں ہوا جب حضرت کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بغیر اطلاع کے خانقاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے، باقی تین سفروں کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں، اور حضرت کے ملفوظات میں اِن سب اسفار کے واقعات اس طرح مخلوط ہو گئے ہیں کہ یہ تمیز کرنا دشوار ہے، کون سا واقعہ کس سفر سے متعلق ہے؟ اجودھن سے خلافت

1- ''چون سوم در ماہِ رمضان سنہ تسع وستین وستمائۃ (۶۶۹ھ) باجودھن رفتم کہ آخرین ملاقات بحضرت گنج شکرؒ ہمان بود'' (مرآۃ الاسرار قلمی ۲/۳۲)

ملنے کے بعد آپ شہر دہلی میں متعدد جگہوں پر رہے، جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ شہر کی گہما گہمی سے نکل کر آپ کسی ایسی جگہ منتقل ہونے کی سوچ رہے تھے جہاں یکسوئی کے ساتھ عبادت کر سکیں اور خلق کا ہجوم بھی نہ ہو۔ اُسی زمانے میں آپ قرآن شریف حفظ کر رہے تھے اور اس کے لیے شہر سے باہر کسی باغ میں چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دن حوض رانی کے پاس باغ جسرتھ میں مناجات کر رہے تھے، بہت اچھا وقت تھا آپ نے کہا: ''یا اللہ میں چاہتا ہوں کہ اِس شہر سے کہیں چلا جاؤں، مگر اپنی مرضی سے جانا نہیں چاہتا، جہاں تو چاہے گا وہاں جانا چاہتا ہوں'' اُسی وقت کان میں آواز آئی: ''غیاث پور'' حضرت نے اُس وقت تک غیاث پور نہیں دیکھا تھا، اور یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ کدھر واقع ہے؟ یہ آواز سننے کے بعد حضرت اپنے ایک دوست سے ملنے گئے وہ دوست نیشاپوری کہلاتا تھا[1]، اس کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ غیاث پور گئے ہیں، حضرت نے سوچا یہ وہی غیاث پور معلوم ہوتا ہے جس کی آواز میرے کانوں میں آئی تھی، غرض آپ غیاث پور آئے۔ یہ جمنا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، آبادی بھی بہت تھوڑی تھی، خلق کا آنا جانا بھی کم تھا۔ یہ اُسی جگہ بسا ہوا تھا جہاں اب مقبرۂ ہمایوں ہے۔ حضرت اِس گاؤں میں آرہے۔ ابتدا میں ایک کچا مکان تھا جس پر چھپّر پڑا ہوا تھا، جوں جوں حضرت کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا، مخلوق خدا کا ہجوم بھی زیادہ ہوتا گیا، اور یہ مکان تنگ محسوس ہونے لگا۔ غیاث پور میں ابتدائی دور بہت سختی اور مجاہدے کا رہا۔ تین چار دن میں افطار کے لیے ''زنبیل'' گھماتے تھے اور کئی کئی دن مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ (مرآۃ الاسرار قلمی ۲۔۳۳)

۶۸۲ھ تا ۸۸۔۱۲۸۵ء کے بعد کسی وقت معزالدین کیقباد (سال جلوس ۶۸۶ھ) نے جمنا کے کنارے کیلوکھڑی میں اپنا محل بنوایا، اور دوسرے امرائے دربار نے بھی عمارتیں بنانی شروع کیں، یہ علاقہ خاصا آباد ہو گیا۔ سلطان معزالدین کیقباد بغرا خاں کا بیٹا اور بلبن کا پوتا تھا، ۱۷۔۱۸ سال کی عمر میں تخت دہلی پر بیٹھا۔ اُس کی تربیت سلطان بلبن نے خاص اہتمام سے کرائی تھی، تاکہ وہ بیہودہ مشغلوں اور لغو باتوں سے بچا رہے، اُس کا اخلاق پاکیزہ اور حوصلہ بلند

1- مطبوعہ نسخہ میں اس موقع پر عبارت واضح نہیں ہے یہ لکھا ہے کہ ''آن دوست را نقیبی بود نیشاپوری'' (فوائد الفواد ر ۲۴۲) لیکن صحیح عبارت یوں ہے کہ ''آن دوست را لقبی بود نیشاپوری'' یعنی اس کا لقب نیشاپوری تھا۔

ہو۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی تربیت میں کچھ زیادہ ہی سختی روا رکھی گئی، اور جب وہ ایک خود مختار سلطان کی حیثیت سے تخت پر بیٹھا تو سارے بند ٹوٹ گئے اور وہ تمام تر عیش و نشاط میں غرق ہو کر رہ گیا[1]، ساری تعلیم و تربیت دھری کی دھری رہ گئی، اور اُس نے فسق و فجور کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اب ہر طرف ساز و آہنگ اور طبلہ و مردنگ، شاہدانِ رنگیں قبا اور حسینانِ ہوش رُبا کی فرماں روائی تھی، بلبن کے زمانے میں اُمراء کو بھی اپنی عیش کوشیوں کی حسرت پوری کرنے کا موقع نہ ملا تھا، انھوں نے بھی نوجوان کیقباد کے ساتھ اپنی لے ملادی، بس پھر کیا تھا کیلوکھڑی ایک ناچ گھر اور قحبہ خانہ بن کر رہ گیا۔ جہاں ملک کے کونے کونے سے اربابِ نشاط کھنچے چلے آ رہے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ جیسا راجا ویسی پرجا۔ عوام کا بھی یہی حال ہو گیا تھا کہ ہر ایک اپنی بساط بھر دادِ عیش دینے پر تُلا ہوا تھا، ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے:

''سلطان معزالدین شہر کی سکونت ترک کر کے دارالحکومت کے کوشک لعل سے باہر چلا گیا اور کیلوکھڑی میں دریائے جمنا کے کنارے ایک بے نظیر محل اور ایک لاجواب باغ بنوایا اور اپنے ملوک امراء، خاص مصاحبین و مقربین اور ملازمینِ درگاہ کو لے کر وہاں چلا گیا، اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ کوشک سلطانی کے نزدیک تمام ملوک و امراء اور معتبر و معروف لوگوں نے اور حکومت کے کارکنوں نے چھوٹے چھوٹے مکانات (فرود خانہ ہا) بنوا لیے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ کیلوکھڑی میں سکونت کی طرف مائل ہے، تو انھوں نے بھی اپنے محلوں میں مکانات اور قصر بنوانے شروع کر دیے۔ ہر طائفہ (گروہ) کے سردار شہر کی سکونت ترک کر کے کیلوکھڑی چلے گئے اس طرح کیلوکھڑی خوب آباد ہو گئی، اور بادشاہ اور اس کے دربار سے منسلک خواص و عوام کے عیش و طرب میں مستغرق اور منہمک ہو جانے کی شہرت تمام (ملک) میں پھیل گئی، اور مملکت کے ہر حصے میں پہنچ گئی، ہر علاقے سے مطرب، خوش الحان اور حسین لوگ، ہنسی کرنے والے مسخرے اور بھانڈ دربار میں آ گئے۔ چاروں طرف خوب آبادی نظر آنے لگی، فسق و فجور کا رواج عام ہو گیا۔ مسجدیں نمازیوں سے خالی ہو گئیں، اور شراب خانے آباد ہو گئے۔ خانقاہوں میں کوئی باقی نہ رہا، اور مصطبے یعنی نشست گاہیں (گھر کی دہلیزیں) بھرنے لگیں، شراب کا نرخ دس گنا بڑھ گیا اور لوگ عیش و عشرت میں ڈوب گئے۔ رنج و الم،

1- تفصیل کے لیے دیکھیے ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی (فارسی) ۱۳۱-۱۳۲۔

غم وفکر، خوف و ہراس اور محرومی کسی کے سینے میں باقی نہ رہی، ظریف، خوش طبع، لطیفہ گو اور ہنسی دل لگی کرنے والے ایک ایک کر کے سب اسی شہر میں آ کر بس گئے، گویّوں اور حسینوں کے سر میں نازنخروں کا سودا سما گیا، شراب اور عرق بیچنے والوں کی ہمیانیاں سونے اور چاندی کے تنکوں سے بھر گئیں، حسین، بدکار اور مشہور فاحشہ عورتیں سونے میں اور زیورات میں غرق ہو گئیں۔ اکابر و مشاہیر کے لیے اب شراب پینے، مجلسیں منعقد کرنے، دوستوں کو جمع کرنے، گانا سننے، جُوا کھیلنے، بخششیں دینے، مزے اڑانے، عمر کے ایک حصے کو بے وفا زمانے میں اچھی طرح گزارنے اور رات دن عیش و آرام میں بسر کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔" (برنی: تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق مرکزی اُردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۹ء صفحات ۲۲۰۔۲۱۸)

اس ماحول میں حضرت نظام الدین اولیاؒ سخت ذہنی اذیت اور روحانی کرب میں مبتلا تھے۔ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ غیاث پور چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ کبھی یہ بھی خیال آیا کہ دہلی ہی کو خیر باد کہہ دیں، آپ نے پٹیالی (ضلع ایٹہ) میں جا کر رہنے کا خیال کیا، اس زمانے میں امیر خسرو بھی پٹیالی ہی میں تھے، پھر یہ سوچا کہ بسنالہ جاؤں، وہ صاف ستھری جگہ ہے، آپ بسنالہ چلے بھی گئے اور وہاں تین دن قیام کیا، مگر سخت کوشش کے باوجود کوئی مکان نہیں ملا، نہ کرائے پر نہ گروی رکھنے کو، نہ بیچنے کو، ان تین دنوں میں تین مختلف اصحاب کے مہمان رہے، اور کوشش کامیاب نہ ہونے پر واپس آ گئے تھے۔ یہ غیاث پور منتقل ہونے سے پہلے کا قصہ ہے، جب یہاں کا وہ حال ہوا جو اوپر بیان ہوا تو آپ نے پھر دہلی کو خیر باد کہنے کا اس حد تک ارادہ کر لیا کہ اُسی زمانے میں حضرت کے استادِ حدیث شیخ امین الدین محدث تبریزیؒ کا انتقال ہوا، حضرت نے اُن کے سُوم میں جانے کا ارادہ کیا، اور سوچا کل اُن کے سوم میں جاؤں گا تو وہیں شہر میں رہ پڑوں گا۔ یہ بات دل میں ٹھان لی تھی کہ اسی دن عصر کی نماز کے وقت ایک خوش شکل دُبلا پتلا جوان آیا، اور آتے ہی حضرت نظام الدینؒ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

آن روز کہ مہ شُدی نمید انستی
کانگشت نمای عالمے خواہی شد؟
امروز کہ زُلفت دلِ خلقے بَرَ بُود
در گوشہ نشستنت نمیدارد سُود!

(جس دن تم چاند بنے تھے کیا یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن تمہاری طرف
انگلیاں بھی اٹھیں گی؟ اب کہ تمہاری زلفوں نے ایک عالم کا دل اُچک
لیا ہے، تو کونے میں جا کر بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں)

ایسی ہی اور باتیں کہیں، جنہیں حضرت نے کہیں کسی بیاض میں لکھ بھی لیا تھا۔ وہ جوان کہنے لگا: ''اول تو مشہور نہیں ہونا چاہیے، اور جب کوئی مشہور ہو گیا تو ایسے رہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ یہ کون سی بہادری اور کیا حوصلہ ہے کہ خلق سے منقطع ہو کر گوشے میں جا بیٹھیں؟ اور عبادت میں مشغول رہیں۔ قوت اور حوصلے کی بات تو یہ ہے کہ خلق کے ہوتے ہوئے بھی مشغول بحق رہا جائے۔'' وہ یہ باتیں کر چکا تو حضرت اس کے لیے کچھ کھانا لے کر آئے، مگر اس نے کھایا نہیں۔ حضرت نے اُسی وقت دل میں نیت کر لی کہ اب میں یہیں رہوں گا جیسے ہی یہ نیت کی اُس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔ پھر وہ شخص کبھی نہیں ملا۔

آپ نے اس فسق و فجور کے ماحول میں ارشاد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ ۶۸۶ھ/ ۱۲۸۷ء کے بعد کسی سنہ میں آپ کے ایک معتقد ضیاء الدین وکیل نے دریائے جمنا کے کنارے وسیع رقبے پر بڑی اور کشادہ عمارت بنوا دی جس میں جماعت خانہ بھی تھا، مطبخ بھی، اسی کے بالائی حصے پر حضرت کا قیام رہا، اور اُس کے کچھ آثار اب بھی مقبرۂ ہمایوں کے شمال مشرقی گوشے میں موجود ہیں۔ اس جماعت خانے میں اتنا ہجوم رہتا تھا کہ آج اُس کا تصور کرنا بھی دشوار ہے۔ حضرت نے بیعت کا دروازہ سب کے لیے کھول دیا تھا، اور اِس کا سبب یہ تھا کہ سارے ماحول میں خرابی آ چکی تھی، حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ بیعت کرنے سے کچھ نہ کچھ اصلاح ضرور ہو جاتی ہے۔ کبھی بطورِ خوش طبعی یہ بھی فرمایا کہ ''میں نے یہ نعمت آسانی سے پالی تھی، اس لیے آسانی سے لٹا رہا ہوں۔'' کبھی یوں ارشاد ہوا کہ: ''میں اس لیے ہر شخص کو دستِ بیعت دے دیتا ہوں کہ قیامت کے دن بعض مُرید بھی اپنے پیر کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں گے۔ بیعت کے لیے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا رمز یہ ہے کہ جو قوی بازو ہو گیا وہ دوسرے کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔''

برنی کا بیان

اس بیعتِ عامہ کے اثرات ونتائج کا حال ضیاءالدین برنی ہی کے الفاظ میں سنیے:

''دوسری طرف اُسی زمانے (عہدِ علائی) میں شیخ الاسلام نظام الدینؒ نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول رکھا تھا، گنہگار لوگ اُن کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے، اور اُن سے توبہ کرتے اور وہ اُن کو اپنے حلقہء ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص وعوام، مالدار و مفلس، امیر و فقیر، عالم و جاہل، شریف ورذیل، شہری ودیہقانی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام، ان سب سے وہ توبہ کراتے اور ان کو طاقیہ[1] (کلاہِ ارادت) اور مسواک صفائی کے لیے دیتے۔ ان لوگوں میں سے کثیر تعداد (جماہیر) جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی بہت سے اُن کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی، جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ اگر شیخ کی خانقاہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی تو اُس کو تجدیدِ بیعت کرنا پڑتی، اور شیخ از سرِ نو اُس سے اقبالِ گناہ اور توبہ کراتے۔ شیخ سے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو بہت سے گناہوں (منکرات) سے ظاہر اور مخفی طور پر باز رکھتی۔ چنانچہ عام لوگ یا دوسروں کی تقلید میں، یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر، عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ اور مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان، سوداگر اور عام لوگ، غلام اور نوکر، اور کم عمر بچے سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ اُن کے ارادت مندوں کی اکثریت نماز چاشت واشراق کی پابندی ہو گئی تھی۔ مخیّر اور مہربانیاں کرنے والے لوگوں نے شہر سے غیاث پور تک متعدد مقامات پر لکڑیوں کے چبوترے بنوا دیے تھے، یا چھپّر ڈال دیئے تھے، اور کنویں کھدوا دیئے تھے، اور پانی کے گھڑے اور مٹی کے لوٹے تیار رہتے تھے اور چھپّروں میں بوریے بچھے رہتے تھے۔ ان چبوتروں اور چھپّروں میں حافظ اور خادم مقرر کر دیئے جاتے تھے تا کہ شیخ کے مریدوں اور تائبوں کو اور دوسرے نیک لوگوں کو اُن کے آستانے پر آتے اور جاتے وقت وضو کرنے اور وقت پر نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان چبوتروں اور چھپّروں میں

1-اس کو طاقیہ اس لیے کہا جاتا ہے، اس کی شکل محرابی ہوتی تھی، حضرت جو کلاہ عنایت فرماتے تھے اس میں اُوپر کی طرف ایک گھنڈی بھی لگی ہوتی تھی جیسا کہ امیر خسرو کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے:

زافسرِ شاہان کلہِ اوفرہ   بر کلہش ہاے ہُو اللہ گرہ

سے ہر ایک میں نفل نماز ادا کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ گناہوں کے ارتکاب اور اُن کے متعلق لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی تھی، بلکہ ان میں اکثر و بیشتر جو گفتگو ہوتی تھی وہ نمازِ چاشت و اشراق کے متعلق ہوتی، اور یہ لوگ یہی دریافت کرتے رہتے کہ زوال، اوابین اور تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں؟ اور ہر رکعت میں قرآن کی کون سی سورۃ پڑھنی چاہیے؟ اور یہ کہ پانچوں وقت کی نماز میں نفلوں کے بعد کونسی دعائیں آئی ہیں؟ آستانہ شیخ میں نئے آنے والے شیخ کے پرانے مُریدوں سے دریافت کرتے کہ رات کے وقت شیخ کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں؟ اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں؟ عشا کی نماز کے بعد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک پر وہ کتنی مرتبہ درود بھیجتے ہیں؟ اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ دن رات میں کتنی بار درود بھیجتے تھے؟ اور کتنی بار سورۂ قُل ھو اللہ پڑھتے تھے؟ شیخ کے نئے مرید اُن کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوال دریافت کرتے، اور روزوں نفلوں اور کم کھانے کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے۔ اس نیک زمانے میں کثرت سے لوگ قرآن یاد کرنے کا اہتمام کرتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں کی صحبت میں رہتے، اور قدیم مریدوں کو بندگی و عبادت، ترک، تجرید، سلوک کی کتابیں پڑھنے اور مشائخ اور بزرگوں کے حالات اور واقعات کا ذکر کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ نعوذ باللہ کہ یہ لوگ دنیا اور دنیا داروں کا ذکر اپنی زبان پر لاتے، یا دنیا کے کارخانے کی طرف نظر کرتے، یا دنیا اور اہلِ دنیا کے قصے سنتے۔ ان سب چیزوں کو وہ معیوب بلکہ معاصی میں شمار کرتے تھے۔ اس بابرکت زمانے میں لوگوں کا کثرت سے نفل پڑھنا اور اس کو قائم رکھنا، اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سلطانی دربار سے منسلک اُمراء سلاحداروں، محرروں (نویسندگان) سپاہیوں اور بادشاہ کے غلاموں میں سے بہت سے لوگ شیخ کے مرید تھے چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے، اور ایامِ بیض اور عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے کوئی محلہ ایسا نہ تھا جہاں پر مہینہ بیس روز کے بعد نیک لوگوں کی مجلس نہ ہوتی، اور صوفیاء کا سماع نہ ہوتا، اور اس میں گریہ و رقت نہ ہوتی۔ شیخ کے کئی مرید ایسے تھے جو مسجد میں یا گھروں پر نماز تراویح میں ختمِ قرآن کراتے اور ان لوگوں میں سے جو مستقیم الحال تھے اکثر و بیشتر رمضان میں اور جمعہ اور مواسم (ایامِ حج) کی راتوں میں قیام کرتے تھے۔ صبح تک جاگتے اور پلک پر پلک نہیں مارتے تھے۔ ان بزرگوں میں سے بہت سے حضرات ایسے تھے جو دو تہائی یا تین چوتھائی

رات تمام سال قیام اللیل میں گزارتے اور بعض عبادت گزار تو عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ شیخ کے مریدوں میں سے چند کو تو میں جانتا ہوں کہ جو شیخ کی نظرِ کرم کی بدولت صاحبِ کشف وکرامات ہو گئے تھے۔ شیخ کے مبارک وجود، اُن کے مبارک انفاس کی برکت اور ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس علاقے کے اکثر مسلمان عبادات، تصوف اور ترک و تجرید کی طرف مائل اور شیخ سے مرید ہونے کے خواہشمند ہو گئے تھے۔ سلطان علاؤالدین بھی مع اپنے خاندان کے لوگوں کے شیخ کا معتقد ہو گیا تھا۔ خواص وعوام کے دل نیکی اور نیکوکاری کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ حاشا وکلا کہ عہد علائی کے آخری چند سال میں اکثر و بیشتر مسلمانوں میں سے کسی کی بھی زبان پر شراب وشاہد، فسق وفجور، قمار بازی، فحش حرکات، لواطت یا بچہ بازی کا ذکر تک بھی نہ آتا۔ بڑے جرائم اور کبیرہ گناہ لوگوں کے نزدیک بمنزلہ کفر ہو گئے تھے مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سُود خوری اور احتکار (ذخیرہ اندوزی) کے مرتکب نہ ہوتے تھے، اور خوف و ہراس کی وجہ سے دکانداروں میں جھوٹ، کم تولنا، مکّاری و دغا، دھوکا دہی اور نادانوں کا روپیہ مار لینا، سب قطعی طور پر ختم ہو گئے تھے۔ علم حاصل کرنے والے اور اشراف واکابر جو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے زیادہ تر سلوک کی کتابوں اور اُن صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جن میں طریقت کے احکام ہوتے تھے۔ چنانچہ قوت القلوب، احیاء العلوم، احیاء العلوم کا ترجمہ عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ لوائح اور لوامع قاضی حمید الدین ناگوری اور فوائد الفواد امیر حسن کے شیخ کے ملفوظات کی وجہ سے بہت زیادہ خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ لوگ کتاب فروشوں سے زیادہ تر سلوک اور حقائق پر کتابوں کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے، اور کوئی رومال ایسا نظر نہ آتا جس میں مسواک اور کنگھا لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ صوفیوں کی خریداری کی زیادتی کی وجہ سے لوٹے اور چمڑے کی کشتیاں (طشتِ چرمی) مہنگی ہو گئی تھیں۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو اس آخری زمانے میں جنیدؒ و بایزیدؒ کی مثل پیدا کیا تھا، اور اپنی ذات کے عشق سے جس کی کیفیت انسانی عقل میں نہیں آ سکتی، آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ شیخ ہونے کے کمالات کی اُن پر مہر لگا دی تھی، اور ہدایت کے فن کو اُن پر ختم کر دیا تھا۔

زین فن مطلب بلند نامی　　　کان ختم شدست بر نظامی

(اس فن میں شہرت کی خواہش نہ کر کیونکہ وہ نظامی پر ختم ہو چکی ہے)
پنجم ماہ محرم کو جو شیخ الاسلام شیخ فرید الدینؒ کے عرس کی تاریخ ہے، شیخ کے گھر (یعنی خانقاہ) میں دہلی اور مملکت کے دوسرے علاقوں سے لوگ اتنی زیادہ تعداد میں آ کر جمع ہو جاتے اور سماع میں شرکت کرتے کہ اُس کے بعد اتنی جمعیت کسی کو یاد نہیں کہ کبھی ہوئی ہو۔ شیخ کے ان عجیب معاملات کی وجہ سے شیخ کا زمانہ ایک عجیب زمانہ گزرا ہے (برنی: تاریخِ فیروز شاہی اُردو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۹ء، صفحات ۵۰۶۔۵۰۰)

یہ عہدِ سلطنت کے ایک مشہور اور مستند مؤرخ کا بیان ہے جو حضرت نظام الدینؒ کا مرید بھی تھا۔ غور کیجیے کہ بلبن کا پوتا سلطان معز الدین کیقباد ۶۸۶ھ میں تخت پر بیٹھا تھا، اُس کے زمانے میں غیاث پور میں رہ کر آپ نے ارشاد و ہدایت کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیا۔ سلطان علاؤ الدین خلجی ۲۲، ذی الحجہ ۶۹۵ھ ۲۱، اکتوبر ۱۲۹۶ء کو تخت نشین ہوا، حضرتؒ کی اصلاحی کوششوں سے آٹھ سال کی مختصر مدت میں دہلی کے معاشرے میں جو انقلاب آ گیا تھا برنی کے بیان کی روشنی میں اُس کا اندازہ کر لینا دشوار نہیں ہے۔

حضرت کی خانقاہ سلاطین و امراء، علماء اور فقہاء، عوام و خواص، نوکر پیشہ اور اہلِ حرفہ فقراء و مساکین سب کے لیے ایک مرکزِ کشش بن گئی تھی۔ یہاں قلب و روح کا تزکیہ و تجلیہ بھی ہوتا تھا سیرۃ و اخلاق کی اصلاح بھی کی جاتی تھی، احکامِ شریعت کی پاسداری کا درس بھی دیا جاتا تھا، دُکھ درد کے مارے ہوئے انسانوں کو تسکین اور تسلّی بھی ملتی تھی، فقراء و مساکین کے لیے کھانا کپڑا بھی فراہم ہوتا تھا، دعا اور ہمتِ درویشاں کے طالب علموں کو تعویذ بھی دیا جاتا تھا[1]، ہر آنے جانے والے کے لیے ایک عام لنگر بھی کھلا ہوا تھا، قدم قدم پر دستگیری و رہنمائی بھی ہو رہی تھی۔ مختصر یہ کہ حضرتؒ نے ارشاد و ہدایت اور فقر و درویشی کا ایسا معیار قائم کر دیا تھا جس تک پہنچنا بعد کے زمانے میں بھی کسی کے لیے ممکن نہ ہو سکا۔

1۔ کبھی حضرت یا اُن کے خلفاء حاجت مندوں سے ''شکرانہ'' کہہ کر بھی لیتے تھے یا مثلاً اس طرح فرماتے تھے کہ ایک جیتل کی مٹھائی لاؤ تا کہ ہم اپنے پیر کی نیاز دیں اور تمہارے لیے دعا کریں، اس کا سبب یہ تھا کہ عہدِ سلطنت میں علماء نے یہ بحث بھی چھیڑ رکھی تھی کہ تعویذ دینا یا اُس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں بعض فتاویٰ ''فتاویٰ فیروز شاہی'' وغیرہ میں موجود ہیں۔

حضرتؒ کی خانقاہ میں لنگر اور بخشش کا یہ حال تھا کہ بقول حضرت چراغ دہلیؒ یہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا بہہ رہا ہے۔ تاریخِ حبیبی کا بیان ہے کہ شیخ نظام الدینؒ کو تمام کمالاتِ دین اور دونوں جہان کی فقیری و درویشی کے باوجود عطا و بخشش کا بہت اہتمام تھا، اور اتنی نذر و فتوحات آئیں کہ حضرت شیخ فریدؒ کے عرس کے دن ایک دن کے اندر چنم لاکھ روپے خرچ ہوئے۔'' (تاریخ حبیبی صفحہ ۷۶)

آپ کو اتباعِ سنت کا اتنا اہتمام تھا کہ کسی وقت کوئی ادنیٰ سا فعل بھی خلافِ سنت آپ سے سرزد نہ ہوتا تھا، ایک بار قاضی حمید الدینؒ کے گھر پر محفلِ سماع میں آپ مدعو تھے۔ قاضی حمید الدین کا انتقال ۶۴۳ھ/۱۲۴۶ء میں ہوا، آپ اُن کے فرزندوں کی دعوت پر اُن کے گھر تشریف لے گئے ہوں گے، بہر حال آپ صدرِ محفل میں تشریف فرما تھے اور لوگ ہاتھ دھو کر کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے، دستر خوان بچھا دیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے پہلے ہاتھ نہیں دھوئے تھے، اور یہ سوچ رہے تھے کہ اگر یہاں سے اُٹھتا ہوں تو مجمع کو تکلیف ہو گی، اور نہیں اُٹھتا ہوں تو ایک سنت فوت ہوئی جاتی ہے۔ اگرچہ آپ باوضو تھے، مگر اس سنّت کے ترک ہونے پر بھی دل میں تردّد ہو رہا تھا۔ کوئی معتقد آپ کے ساتھ تھے، وہ مجمع میں سے اُٹھ کر گئے اور اپنی دستار کا ایک گوشہ پانی میں تر کر کے لے آئے، اُس سے حضرت نے اپنے ہاتھ صاف کیے اور پھر کھانا شروع کیا (ملفوظاتِ شیخ برہان الدین غریب ''نفائس الانفاس'' قلمی ۹/رجب ۷۳۴ھ روز یکشنبہ)

فتوحات اتنی کثرت سے آتی تھیں کہ ڈھیر لگ جاتے تھے۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ لاَحَد (نذرانہ کی کوئی مقدار مقرر نہ کی جائے) ولا ردّ (کوئی کچھ نذر پیش کرے تو ردّ نہ کی جائے) ولا کدّ (کوئی نہ دے تو اُس سے بغض نہ رکھا جائے) اور فرماتے تھے کہ دس دس لو اور ایک ایک دو، یعنی اگر کسی نے دس روپے نذر کیے ہیں تو انھیں دس ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جو کچھ نذرانہ آتا تھا وہ اُسی دن فقراء میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ اپنے پاس کوئی درہم بچا کر نہ رکھتے تھے۔ ایک بار آدھا درہم بچ گیا تھا، وہ حضرت کے پاس تھا۔ رات کو آپ پر حالتِ شغل میں ''عروجی'' کیفیت طاری ہوئی۔ مگر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ اُوپر اٹھتے ہیں، تو کوئی دامن پکڑ کر نیچے کو کھینچ لیتا ہے۔ آپ نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اس آدھے درہم کا اثر ہے۔ فوراً اُسے

اپنے پاس سے دور کر دیا۔

داد و دہش کا ابتدا سے عالم یہ تھا کہ کسی ضرورت مند کی حاجت اپنے فقر و احتیاج کے عالم میں بھی پوری کر دیتے تھے۔ حضرت بُرہان الدین غریبؒ فرماتے ہیں کہ ایامِ جوانی میں جب حضرت دہلی آئے خبر نہیں اُس وقت شیخ الاسلام فرید الدینؒ سے بیعت ہو چکے تھے یا نہیں، اُس وقت دہلی میں ایک مجذوب سلطان معین الدین تھے، یہ حضرت کو ملے اور کہا کہ ہمارے لیے کچھ لاؤ۔ حضرتؒ کے پاس اس وقت کچھ نہیں تھا۔ آپ سلطان معین[1] الدین کو بازار میں لے گئے اور اپنی عبا اور دستار اُن لوگوں کے ہاتھ بیچ کر مطلوبہ چیز سلطان معین الدین کو دلا دی۔
(نفائس الانفاس ۳ شوال ۷۳۲ھ/۲۸، جون ۱۳۳۲ء)

ایک بار ایک طالب علم آپ کی خانقاہ میں آیا، یہ وہ زمانہ تھا جب آپ غیاث پور میں تشریف رکھتے تھے اور فتوحات کثرت سے آ رہی تھیں۔ پہلے اُس طالب علم کو کھانا کھلایا پھر آپ نے اقبال سے فرمایا: ''انھیں آدھا ٹنکا دے دو'' اقبال نے کہا اس وقت موجود نہیں، آپ نے فرمایا کسی سے لے کر دے دو۔ اُس وقت اتفاق سے کسی سے بھی نہیں ملا۔ خانقاہ میں ایک بیل بندھا ہوا تھا، حضرت نے فرمایا جاؤ اس بیل کو بازار میں بیچ آؤ۔ اُسے لے کر بازار گئے تو بازار کا وقت گزر چکا تھا، وہ بیل بھی نہیں بکا، اُسے واپس لے آئے۔ طالب علم نے کہا یہ بیل ہی مجھے دے دیجیے میں بیچ لوں گا۔ وہ ۴۔۵ تنکے کا تھا۔ اخی مبارک نے حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا: ''وہ طالب علم کہتا ہے کہ بیل ہی اُس کو دے دیا جائے۔'' آپ نے فرمایا ''ہاں اُسے دے کر رخصت کرو۔'' (نفائس الانفاس ۱۳ ربیع الآخر ۷۳۳/۲، جنوری ۱۳۳۳ء)

ایک دن ایک شخص حضرت کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا میرے گھر میں دو کنواری لڑکیاں (عجوزہ) ہیں اور اتنی حیثیت نہیں کہ اُن کی ضرورت پوری کر سکوں۔ یہ سن کر حضرت نے خادم سے فرمایا، قلم دان لاؤ، پھر ایک رقعہ پر لکھا: ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' آپ نے اُس شخص کو رقعہ دیتے ہوئے فرمایا ملک قیر بک کے پاس جاؤ، اُن سے اپنا

1- ان کے بارے میں حضرت برہان الدین غریبؒ نے ۳ شوال ۷۳۲ھ کی مجلس میں فرمایا کہ ان کا کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔ ایک بار امیر خسروؒ اپنے بچپن میں مسجد جا رہے تھے، کچھ پڑھتے تھے، سلطان معین الدین دیوانہ مسجد میں آئے اور کچھ (برہ؟) امیر خسروؒ کے منہ میں رکھ دیا۔ کیسی کیسی نعمتیں اُس ذرا سے برہ سے ملیں (نفائس الانفاس قلمی)

حال بیان کرو اور یہ رقعہ دے دینا۔ اُس شخص نے ملک کو رقعہ جا کر دیا تو ملک نے حضرت کا خط پہچان لیا، اُس شخص کا حال غور سے سنا۔ اُس زمانے میں ملک قیر بک کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔ اُس کا جہیز جمع ہو رہا تھا۔ وہ سب کپڑے اور زیور وغیرہ لے کر آیا اور اُس شخص کے حوالے کر دیئے۔ دوسرے دن سلطان علاؤالدین خلجی کے دربار میں حاضر ہوا تو سلطان نے پوچھا: قیر بک کل کا ماجرا کیا تھا؟ قیر بک حیران ہوا کہ سلطان کو کیسے خبر ہوئی اُس نے شیخ کا رقعہ ملنے کا واقعہ بتایا، تو بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ شیخ نے کیا لکھا تھا؟ اُس نے رقعہ کا مضمون بتایا۔ بادشاہ نے قیر بک کے عمل کو بہت سراہا اور کہا کہ تم نے جو جہیز تیار کر رکھا تھا اُس کی فہرست لاؤ۔ قیر بک نے فہرست پیش کی، اب یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ملوک و امراء کی بیٹیوں کا جہیز کیا ہوتا تھا، خاص طور پر تُرک امراء جو بہت فیاض بلکہ فضول خرچ تھے۔ بادشاہ نے زیورات کی فہرست اپنے خزینہ دار کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے دس گنا کر کے ملک قیر بک کو دے دو۔

حضرت کے زمانے میں بھی اُن کے بدخواہ اور حاسد تھے جو حضرت کی بے پناہ مقبولیت اور عزت کو دیکھ کر آتشِ حسد میں کباب ہوتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس مقبولیت کا سبب دادودہش اور دسترخوان کی وسعت ہے، کھانے پینے اور عطایا لینے کے لالچ میں لوگ اُن کی خدمت میں جاتے ہیں۔ مگر یہ بات صرف مساکین کے لیے کہی جاتی تو ایک بات بھی تھی، حضرت کی خانقاہ میں تو اُمراء کا بھی ہجوم رہتا تھا۔ اُن کی عقیدت بھی ایسی تھی کہ کسی زمانے میں طبقہء امراء میں اتنی کثرت سے فقیر دوست پیدا نہیں ہوئے، رمضان کے مہینے میں افطاری کا سامان ظہر کے وقت سے بٹنا شروع ہوتا تھا اور دور دور تک اُمراء کے گھروں میں پہنچتا تھا اور بہت سے ملوک و امراء اسی تبرک سے روزہ افطار کرتے تھے جو شیخ کی خانقاہ سے اُنھیں ملتا تھا۔

حضرتؒ کے عطاو بخشش کے انداز بھی نرالے تھے، کسی کو یہ علم نہ ہوتا تھا کہ کس کو کیا دیا، مگر کبھی یہ بھید اتفاق سے کھل جاتا تھا۔ ایک بار کسی شخص کے لیے آپ نے خواجہ اقبال سے فرمایا: انھیں شکر کی ایک پڑیا دے دو۔ وہ شخص ادب سے سلام کر کے پڑیا لے کر چلا گیا۔ گھر جا کر پڑیا کھولی تو اُس میں دس تنکے (اُس زمانے کا سکّہ) رکھے ہوئے تھے۔ وہ سمجھا کہ یہ پڑیا مجھے اقبال نے غلطی سے دے دی ہے، پھر خانقاہ میں واپس آیا اور حضرتؒ کی خدمت میں وہ پڑیا

پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ مجھے بھولے سے دے دی تھی، اس میں تو تنکے نکلے، اس لیے واپس لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: ''ارے خواجہ، یہ تو اللہ تمہیں دے رہا ہے، ہم درمیان میں کون ہوتے ہیں؟ تم انہیں رکھو اور جیسے جی چاہے خرچ کرو۔''

حضرت خود تو معمولی لباس زیب تن فرماتے تھے مگر نذرانوں میں ملوک و امراء کی طرف سے ہندوستان میں بُنا جانے والا بہترین کپڑا حضرت کے پاس آتا تھا اور وہ سب عوام میں تقسیم ہو جاتا تھا، کپڑے کے تھانوں کی تہ میں بھی تنکے چھپا کر رکھ دیئے جاتے تھے۔ ایک بار کوئی شخص جسے حضرتؒ نے ولایتی کپڑے کا تھان مرحمت فرمایا تھا حاضر ہوا، اور اُس نے سونے کے چند سکّے حضرت کو واپس دیتے ہوئے یہی کہا کہ غلطی سے یہ تھان میں لپٹ کر چلے گئے تھے۔ حضرتؒ نے اُس سے بھی یہی فرمایا: ''جب خدا تمہیں دے رہا ہے تو میں کون ہوں؟ یہ تمہارے ہیں، خرچ کرو۔''

اللہ نے اس فقر و درویشی کے ساتھ داد و دہش میں برکت بھی ایسی دی تھی کہ دیکھنے والوں کی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ حضرتؒ کا معمول تھا کہ جمعہ کی صبح کو یا جمعرات کو نمازِ عشا کے بعد ''تجرید'' کرتے تھے اور خانقاہ میں جو کچھ سامان ہوتا تھا سب نکلوا کر فقراء، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے، اس کا قاعدہ یہ تھا کہ شہر سے آئے ہوئے جو لوگ موجود ہوتے تھے اُنھیں دس دس، بیس بیس آدمیوں کے حصے دے کر فرما دیتے تھے کہ انہیں تقسیم کر دو، اس طرح خانقاہ میں کچھ بھی باقی نہیں بچتا تھا، مگر صبح کو فجر کی نماز کے بعد واپس جانے والے مسافروں کو رخصت کرنے کے لیے حضرت تشریف رکھتے تھے تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے کر ہی رخصت فرماتے تھے، اور دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ رات تو سب کچھ بٹ چکا تھا اب یہ کہاں سے آ رہا ہے!

حضرت کی خانقاہ کے دروازے دریا کی طرف تھے۔ دریا پر پانی بھرنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا اور اس کھینچا تانی میں بعض لوگوں کے گھڑے ٹوٹ جاتے تھے، انہیں فوراً حضرت کی خانقاہ سے کورا گھڑا مل جاتا تھا، اس طرح روزانہ متعدد گھڑے بھی تقسیم ہوتے تھے، مگر کبھی کسی کو خانقاہ میں پانچ سات نئے گھڑے بھی رکھے ہوئے نظر نہ آتے تھے، اور اس پر حیرت ہوتی تھی کہ یہ نئے گھڑے فوراً کہاں سے آ جاتے ہیں!

بخشش وعطا کے لیے حضرت نے کچھ قاعدے بھی مقرر کر رکھے تھے۔ غیاث پور اور قرب وجوار کے رہنے والوں کو روزینہ ملتا تھا، جو لوگ شہر میں رہتے تھے، انہیں ہفتہ وار وظیفہ دیا جاتا تھا، آس پاس کے قصبات سے آنے والوں کے لیے ماہانہ مقرر تھا اور دور دراز کے علاقوں سے مثلاً گجرات، راجستھان، دکن وغیرہ سے آنے والوں کے لیے شش ماہی یا سالانہ مقرر کر دیا تھا۔ حضرت کو نذرانوں اور فتوحات میں جو کچھ ملتا تھا وہ تو سب کا سب اس طرح تقسیم ہو جاتا تھا مگر آپ نے اپنے خلفاء کے لیے فتوح لینے اور اُسے خرچ کرنے کے قواعد بھی مقرر فرما دیئے تھے۔ کسی پر ثلث ۱/۳ کسی پر رُبع ۱/۴ کسی پر خمس ۱/۵ اور کسی پر عشر ۱/۱۰ مقرر تھا۔ چنانچہ مولانا جمال الدین فتوح کا تیسرا حصہ مساکین کو دیتے تھے، اُن کے پاس جو فتوح آتی تھی اُسے تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اپنی بیوی کے پاس بھیجتے، دوسرا یارانِ سلسلہ پر خرچ کرنے کے لیے رکھتے اور تیسرا حصہ فقراء میں بانٹ دیتے تھے۔ مولانا حسام الدین ملتانی پر خمس مقرر تھا، وہ پانچواں حصہ مساکین کے لیے رکھتے تھے۔

حضرتؒ کی آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں تھا اِسی طرح حضرتؒ کے خلفاء اور ممتاز مریدین کا بھی کوئی متعین ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں حضرت نظام الدینؒ کا وظیفہ ایک تنکا سفید (چاندی کا سکہ) ماہانہ مقرر تھا، یہ علم نہیں کہ یہ کہاں سے ملتا تھا، جب آپ اجودھن سے بیعت ہو کر آئے تو اُسے ترک کر دیا تھا بعض عقیدت مند کسی خاص دن پر (مثلاً جمعہ کو) معمولاً نذر پیش کرتے تھے، یا نئے چاند پر سلام کرنے حاضر ہوتے اور نذر دیتے تھے، اگر کسی نے تین بار کسی مقررہ وقت پر مقررہ نذر پیش کی تو چوتھی بار حضرت قبول نہیں فرماتے تھے۔ توکل ایسا تھا کہ فرماتے تھے اپنا حال کسی سے صراحت تو کیا کنائے میں بھی بیان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بھی "درخواست" ہے، اسی طرح کسی کی چیز یا سامان کی اُس کے سامنے تعریف کرنا نہیں چاہیے کہ یہ بھی "خواہش" ہے، اور اگر تعریف سُن کر وہ شخص اپنی چیز بطورِ ہدیہ پیش کرے تو قبول نہیں کرنا چاہیے۔ کسی ایسے شخص سے بھی اپنا حال بیان نہ کرے جس کے بارے میں یہ احتمال ہو کہ وہ امداد کے لیے کسی کو آمادہ کرے گا یا کہیں سفارش کر دے گا۔ یہ بھی "سعی" ہے۔ درویش کو لازم ہے کہ خطراتِ قلب کی نگہداشت کرے مثلاً دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ فلاں شخص آئے گا تو میرے لیے یہ چیز

لائے گا، اس اندیشہ کو دل سے بار بار دور کرے اور اگر وہ شخص کچھ لے کر آئے تو قبول نہ کرے۔ پھر کبھی خطرہ نہ گزرے گا۔ جب یہ مقام حاصل ہو جائے تو اب جو کچھ آئے گا وہ من جانب حق آئے گا اور مرتبۂ تسلیم و توکل حاصل رہے گا۔

اپنے زمانے کے سلاطین سے تعلقات

حضرت نظام الدین اولیاؒ کی مبارک زندگی میں دہلی کے تخت پر جو بادشاہ بیٹھے ان کا نام یہ ہیں:

۱۔ جب حضرتؒ اس عالمِ وجود میں تشریف لائے ہیں اُس وقت تختِ دہلی پر سلطانہ رضیہ بنت سلطان شمس الدین التمش رونق افروز تھی، اُس نے ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء سے ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء تک حکومت کی۔

حضرت کا قیام جب تک بدایوں میں رہا دہلی میں دو بادشاہ اور تخت نشین ہوئے۔ یعنی معزالدین بہرام شاہ (۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء سے ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء) اور علاؤالدین مسعود شاہ (۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء تا ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء)۔

۲۔ حضرتؒ بدایوں سے دہلی کب تشریف لائے اِس کا قطعی سنہ معلوم نہیں ہے، بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ آپ ۱۶ سال کی عمر میں یہاں وارد ہوئے اسے صحیح مانا جائے تو ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء ہوگا۔

کچھ تذکرہ نگاروں کا قول ہے کہ ۲۵ سال کی عمر میں دہلی آنا ہوا، اس حساب سے تقریباً سنہ ۶۵۷ھ/۱۲۵۸ء ہوتا ہے۔ یہاں سلطان ناصرالدین محمود شاہ ۶۴۴ھ/۱۲۴۶ء میں تخت پر بیٹھا تھا، اُس کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء میں سریر آرائے دہلی ہوا۔ گمان غالب یہ ہے کہ حضرتؒ سلطان ناصرالدین کے عہد حکومت میں دہلی میں وارد ہوئے اور بلبن کے زمانے میں اجودھن کا سفر ہوا اور حضرت بابا صاحبؒ سے بیعت اور پھر خلافت ملی۔

۳۔ بلبن کے بعد ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں سلطان معزالدین کیقباد تخت نشین ہوا اور اُس نے اپنا مستقر کیلوکھڑی کو بنایا جو غیاث پور کے پاس واقع تھا۔ یہ زمانہ بہت فسق و فجور اور عیش

ونشاط کا تھا اور اُس کے عہد میں حضرت کی خانقاہ تعمیر ہوئی۔ کیلوکھڑی کی آبادی کی تکمیل جلال الدین خلجی کے زمانے میں ہوئی، اب اسے شہرِ نو کہا جانے لگا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے چار جانب بلند و رفیع عمارتیں کھڑی ہوگئیں اور بازار بھر گئے۔ (برنی، ص ۱۷۶)

۴۔ ۳ / جمادی الثانی ۶۸۹ھ / ۱۲ جون ۱۲۹۰ء میں فیروز شاہ خلجی کی تخت نشینی سے خاندان خلجی کی حکومت کا آغاز ہوا، یہ حضرت کا معتقد تھا مگر اُسے خانقاہ میں آنے کی اجازت نہیں ملی اور اس نے بھیس بدل کر آنے کا ارادہ کیا تو حضرت خانقاہ چھوڑ کر اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اُس کے زمانے میں ۶۹۰ھ / ۱۲۹۰ء سے حضرت نے دستِ بیعت لینا شروع کیا۔ غالباً اسی سال ۶ / جمادی الثانی ۱۲۹۰ء حضرت بدر اسحٰق کا انتقال ہوا۔

۵۔ جلال الدین خلجی کے بعد مختصر وقفے کے لیے رکن الدین ابراہیم شاہ خلجی تخت پر بیٹھا۔ (۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء) پھر اسی سال علاؤ الدین خلجی محمد شاہ اوّل تخت نشین ہوا۔ اُس کے زمانے میں حضرت کی مقبولیت اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ گئی، جماعت خانے میں ہر وقت بھیڑ رہنے لگی، اس کی خبر دربار تک بھی پہنچی۔ علاؤ الدین بہت بدگمان بھی تھا اور یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ کہیں کسی بہانے سے دس بیس آدمی جمع ہوں۔ اُس نے حضرت کی خانقاہ میں اپنے مخبر اور جاسوس تعینات کر دیئے، ان میں سے بعض حضرت کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ ایک دن دستر خوان کے کنارے پر، اور حضرت سے ذرا دور ایک شخص بیٹھا تھا، خواجہ سیّد محمد امام حضرتؒ کے نزدیک تھے، انھوں نے چپکے سے اشارہ کر کے حضرتؒ کو بتایا کہ دستر خوان کے سرے پر جو فلاں شخص بیٹھا ہے یہ سلطان کا مخبر ہے۔ حضرتؒ نے بلند آواز سے فرمایا: ''ہوا کرے یہاں سے لے کیا جائے گا، ہم اپنے عزیزوں اور یارانِ سلسلہ کے ساتھ بیٹھے کھانا ہی تو کھا رہے ہیں!'' اُس زمانے میں سلطان نے اُمراء پر بھی پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ خانقاہ میں نہ جائیں، اُس کا خیال تھا کہ جماعت خانے کا یہ شاہانہ خرچ اُمراء کے نذرانوں سے چل رہا ہے، وہ نہ جائیں گے تو شیخ کی آمدنی کم ہوگی، اور لنگر ہلکا پڑے گا تو خود ہی زائرین کا رجوع بھی گھٹ جائے گا۔ حضرت نے اُسی مخبر کے سامنے قصداً ذرا بلند آواز سے اپنے خادم خواجہ مُبشّر سے فرمایا کہ دستر خوان پر قورمہ روٹی ہوتی ہے ہوسکتا ہے بعض لوگوں کو یہ مرغوب نہ ہو تم لنگر میں طاہری اور بڑھا دو۔ اور دو مہمانوں کے سامنے ایک صحنک رکھ دیا کرو۔ پھر فرمایا ''خلق خدا کے لیے یہ

لنگر ہم صرف زبان کے چٹخارے کے لیے نہیں کرتے بلکہ یہ ہمارے (خواجہ حضرت بابا فریدؒ) کی نعمت ہے، میرا تو جی چاہتا ہے کہ یہاں سے شہر دہلی تک ہر جگہ تنور لگوادوں اور طرح طرح کی نعمتیں ہمہ وقت موجود رہیں جن سے بے واسطہ و وسیلہ بندگانِ خدا فائدہ اٹھائیں۔ کھائیں اور ساتھ میں باندھ کر بھی لے جائیں!۔''

یہ ارشاد بھی سلطان کے کانوں تک پہنچا مگر اُس نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا اور صبر و تحمل سے حالات کا جائزہ لیتا رہا، مگر ایسی خبریں سُن کر اس کے چہرے کا رنگ ضرور متغیر ہو جاتا تھا۔ اس بدگمانی کا سبب یہ تھا کہ عہدِ جلال خلجی میں سیّدی مُولَہ کا واقعہ پیش آ چکا تھا، ''مار گزیدہ از ریسمان تبرسد'' والی بات تھی۔

ایک دن پھر حضرتؒ نے دیکھا کہ کوئی مخبر موجود ہے تو خواجہ مُبشّر کو بلایا اور پوچھا: ''جماعت خانے میں جو درویش روزہ رکھتے ہیں، اُن کی سحری کا کیا انتظام ہے؟ مُبشّر نے بتایا تو فرمایا کہ حلوہ پراٹھا اور سموسے اضافہ کردو اور ہر درویش کو ایک پراٹھا اور دو سموسے دیا کرو۔'' یہ خبر بھی سلطان کو پہنچی۔ مگر سلطان نے سوچا کہ حضرتؒ یہ سب کچھ محض رضائے حق کے لیے کر رہے ہیں، اگر کوئی اور غرض ہو تو یہ برکت حاصل ہو نہیں سکتی، اب وہ بھی آپ کا معتقد ہو گیا، اور اپنے دو فرزندوں خضر خاں[1] و شادی خاں کو حضرت کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ ان بچوں کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیے۔ حضرت نے کچھ دنوں تک سکوت رکھا۔ یہ دونوں بار بار بیعت ہونے کے لیے اصرار کرتے تھے، حضرت ٹال دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ تم بادشاہزادے اور صاحب چتر و تاج ہو تمہارا کام لشکر کشی کرنا اور اُمورِ سلطنت کو چلانا ہے، یہ سب فقیری کارخانہ ہے تمہارے بس کا نہیں، یہاں فقر و مسکنت اور عاجزی و بیچارگی کے سوا کیا رکھا ہے؟ تم ان سب کا تحمل کہاں کر سکو گے؟ مگر خضر خاں اور شادی خاں دونوں برابر التماسِ بیعت کرتے رہتے تھے۔ جب اصرار بہت بڑھا تو حضرتؒ نے فرمایا: ''اچھا تم اپنے باپ سے مشورہ کر لو اور اجازت لے لو۔'' سلطان نے کہا کہ ''میں نے تو پہلے ہی دن یہ درخواست کی تھی کہ حضرت اِن

1- علاؤالدین کی شادی معزالدین کیقباد کی بیٹی سے ہوئی تھی، جس کے بطن سے پانچ فرزند تھے: خضر خاں، شادی خاں، ابوبکر خاں، قطب الدین مبارک خاں، شہاب الدین عمر۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اُس نے ۷۲۸ھ میں خضر خاں کی ماں نیک نابک کو مکہ معظمہ میں دیکھا تھا، جہاں وہ حج کرنے گئی تھی۔

بچوں کو اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔" اس بار سلطان نے ایک امیر کو اپنا وکیل بنا کر حضرت کی خدمت میں بھیجا اور انھوں نے سلطان کی طرف سے اجازت ہونے کی باضابطہ اطلاع حضرت کو دی، تب حضرت نے دونوں شاہزادوں کو بیعت کیا، اور دونوں کو خرقہ بھی عنایت فرمایا۔

بیعت ہونے کے بعد دونوں شاہزادوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا اگر اجازت ہو تو ہم اس نعمت کے حاصل ہونے کی خوشی میں جماعت خانے کے درویشوں کی دعوت کریں۔ حضرت نے اجازت دے دی۔ دوسری بار جب دونوں آئے تو سارا ساز وسامان ساتھ تھا۔ غیاث پور کے صحرا میں دور دور تک خیمے لگ گئے اور بہت بڑے بڑے شامیانے نصب کیے گئے۔ ایسا شاندار لنگر ہوا کہ ایک ہفتہ تک دن رات جشن منایا گیا، ہر قسم کی نعمت کھانے کے لیے موجود تھی اور صبح وشام سماع کی مجلسیں گرم تھیں۔ ان تاریخوں کا تعین خود حضرت نے کیا تھا، اور سلطان علاؤالدین نے اپنے تمام درباری اُمراء کو درویشوں کی خدمت کرنے کے لیے غیاث پور بھیج دیا تھا۔ شہزادوں کو تاکید کردی تھی کہ وہ بابِ داخلہ پر موجود رہیں، ہر ایک مہمان کا خود استقبال کریں، دعوت کے بعد اُن کے ہاتھ خود دھلائیں، خادموں سے نہ دھلوائیں، شربت اور پان اور عطر بھی درویشوں کی خدمت میں خود پیش کریں۔ چلتے وقت ہر مہمان کو نذر دینے کے لیے رومالوں میں سونے اور چاندی کے سکے بندھوا کر دیتے تھے۔ جو لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے۔ رخصت کرتے وقت بادشاہ نے پھر شاہزادوں اور اُمراء سے کہا کہ یہ خدمت تو میں خود کرتا مگر مجبور ہوں کہ مجھے اُس محفل میں باریابی کی اجازت نہیں ہے۔ دعوت کے لیے تین بڑے شامیانے لگائے گئے تھے۔ دونوں شاہزادے سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد شیخ کی خدمت میں آئے اور ان سے تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ حضرت ڈولے میں سوار ہو کر جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے۔

بادشاہ کے پانچوں بیٹے، ملک نائب، خوانین واُمراء سب ادب سے دست بستہ کھڑے تھے۔ حضرت تشریف فرما ہو گئے تو اُن سے اجازت لے کر شہزادوں نے اور ملوک وامراء نے محفل کے ہاتھ دھلانے شروع کیے۔ بڑے اور قیمتی دسترخوان بچھے ہوئے تھے جن پر الوانِ نعمت موجود تھی۔ ہر قسم کا خشک میوہ، پھل، مٹھائیاں وغیرہ بے شمار سامان تھا کہ سب کو تھوڑا تھوڑا ہی چکھیں تو پیٹ بھر جائے۔ کھانا ہو چکا تو شہزادوں نے سماع کی اجازت طلب کی، حضرتؒ

نے اجازت دی، بہترین قوالوں نے سماع شروع کر دیا، یہ جلسہ ظہر کی اذان ہونے پر ختم ہوا۔

اس محفل میں بعض خوشامدی بھی تماشا کر رہے تھے کہ اتنے بڑے اور عظیم المرتبت شہزادے اور امراء معمولی درویشوں اور فقیروں کی خدمت کر رہے ہیں اور انہیں اس پر سخت تعجب ہو رہا تھا۔

ملک نائب بدبخت جس کا ذکر اوپر آیا وہی ہے جس نے بعد کو خضر خاں اور شادی خاں کو قید کر کے قلعہء گوالیار میں بند رکھا اور انہیں اندھا کر دیا تھا۔ حضرتؒ کے کسی حاسد نے اُس زمانے میں خضر خاں سے کہا کہ تم بڑے اعتقاد کے ساتھ شیخ کے مرید ہوئے تھے، اور خود کو اُن کی غلامی میں دے دیا تھا۔ پھر یہ کیا حال ہو گیا؟ شہزادے نے کہا: ''یہ تو حضرتؒ کا عین کرم اور ان کی غلامی کی برکت ہے کہ مجھے دنیوی اقتدار سے بچا لیا، ورنہ نہ جانے کتنے ظلم کرتا، کسی کا مال اور حق مارتا، کسی کو ناحق ستاتا، حضرت نے مجھے اس وعید سے بھی بچا لیا کہ: ''مَن قَتَلَ مُؤمِناً مُتَعَمِّدًا فَجزائوہ جَهنّم''۔ (جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا، اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔) اور قرآن کریم کے اس حکم سے بھی خارج کر دیا کہ: ''اِنَّ الَّذِینَ یَاْکُلُونَ اَموَالَ الیَتَامیٰ ظُلماً اِنَّمَا یَاْکُلُونَ فِی بُطُونِهِم نَارًا وَّسَیَصلَونَ سَعِیرًا'' (جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔) ۴:۱۰۔

اگر میری ظاہری بینائی چھین لی تو کیا ہوا، حضرت نے میرے باطن کی آنکھیں تو کھول دی ہیں، میں تو سمجھتا ہوں یہ سب حضرت کا دامنِ مبارک ہاتھ آ جانے کی برکت ہے، اور مجھے اُمید ہے کہ قیامت میں بھی ان شاء اللہ حضرت شیخ کے جھنڈے کے نیچے میرا حشر ہو گا۔'' (قوام العقائد قلمی)

ایک بار سلطان علاؤ الدین کو بعض خوشامدی امیروں کی چغل خوری سے یہ شبہ ہو گیا تھا کہ کہیں اس مقبولیت سے میری سلطنت کو تو کوئی خطرہ پیش آنے والا نہیں ہے، اس نے سوچا کسی ترکیب سے معلوم کیا جائے حضرت کے عزائم کیا ہیں؟ بادشاہ نے ایک خط لکھا کہ اللہ نے دنیا کا مال و متاع مجھے بخشا ہے اور آپ مخدومِ عالمیاں ہیں، میرے لیے عین سعادت یہ ہے کہ جو کوئی مہم پیش آئے یا جن امور میں عامۃ الناس کی بھلائی ہو ان میں آپ کے مشورے اور

ہدایات کی روشنی میں کام کروں۔ چند مہمات مسائل درپیش ہیں وہ آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں اِن کے بارے میں جس بات میں مملکت کی بھلائی مضمر ہو وہ آپ قلمبند فرمادیں۔'' یہ خط دے کر خضر خاں کو بھیجا کہ حضرت کی خدمت میں ادب سے پیش کرے اور جو کچھ جواب وہ مرحمت فرمائیں وہ لے کر آئے۔ خضر خاں کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ بادشاہ نے اپنے دل میں کیا سوچ رکھا ہے۔ اُس نے وہ خط حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اُس پر اچٹتی ہوئی نظر بھی نہیں ڈالی اور اُسے لے کر بغیر پڑھے ایک طرف کو رکھ دیا۔ خضر خاں سے فرمایا: ''درویشوں کو بادشاہوں سے کیا لینا دینا ہے، میں درویش ہوں ایک گوشے میں پڑا ہوں، مسلمانوں اور بادشاہ کی دعاگوئی میں مشغول ہوں، اگر اس (امور سلطنت کے) بارے میں آیندہ بادشاہ مجھ سے کچھ کہے گا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ملکِ خدا تنگ نیست۔'' یہ جواب خضر خاں نے بادشاہ کو جا کر بتایا تو وہ خوش ہوا اور کہا کہ سلطان المشائخ سے اسی جواب کی توقع تھی، یہ بدخواہ مجھے خواہ مخواہ اُن سے بدظن کر کے مردانِ خدا سے برسرِ خصومت کر دینا چاہتے تھے۔ اُس نے اب حضرتؒ کو معذرت کا پیغام بھیجا اور خانقاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ آنے کی کچھ ضرورت نہیں، میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں اور ایسی دعا میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔ جب علاؤالدین نے زیادہ الحاح کیا تو حضرت نے کہلا بھیجا کہ میرے گھر میں دو دروازے ہیں ایک سے بادشاہ داخل ہوگا تو میں دوسرے سے نکل جاؤں گا۔

سلطان علاؤالدین کی عقیدت پھر آخر تک قائم رہی، اور اس کے زمانے میں شیخ کی اصلاحی کوشش کے جو ثمرات برآمد ہوئے اُن کا تذکرہ ہم ضیاء الدین برنی کے الفاظ میں لکھ چکے ہیں۔ ملک نائب جس کا اوپر تذکرہ ہوا پچاس ہزار سوار لے کر ورنگل کی طرف گیا ہوا تھا اور وہاں سے بہت دنوں تک کوئی خیر خبر نہیں ملی، اس سے بادشاہ تو متفکر تھا ہی، سارے شہر پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد اس لشکر میں شامل تھا۔ سلطان نے قاضی حمید الدین صدر جہاں کو حضرت کی خدمت میں بھیجا اور یہ التماس کیا کہ شیخ اس لشکر کی سلامتی کے لیے توجہ فرمائیں۔ حضرت نے اقبال کو اشارہ کیا کہ قاضی صدر جہاں کے لیے کچھ کھانے کو لاؤ۔ قاضی کھانے لگے تو حضرت نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں اور بطور حکایت فرمایا کہ

فلاں شہر میں ایک بادشاہ تھا اُس نے کسی طرف اپنا لشکر ایک مہم پر بھیجا اور ایک عرصے تک اُس لشکر کی خیر خبر نہ ملی تو اُس شہر میں ایک بزرگ سے رجوع کیا۔ اُس بزرگ نے حاجب سے کہا کہ لشکر کی خبر چالیس دن کے بعد آ جائے گی۔ اس کے بعد حضرت نے کچھ اور باتیں کیں یہاں تک کہ قاضی صدر جہاں کھانے سے فارغ ہو گئے اور اقبال نے پان بھی پیش کر دیا۔ یہ واپس جانے لگے، مگر سخت حیران اور متفکر تھے کہ شیخ نے کوئی جواب نہ دیا اگر بادشاہ پوچھے گا تو کیا کہوں گا؟ شیخ کی ہیبت سے یہ بھی مجال نہ ہوئی کہ اپنا معروضہ دوبارہ پیش کر دیں۔ اگلے دن دربار میں سلطان نے پوچھا کہ شیخ نے کیا فرمایا؟ قاضی نے کہا کہ وہ اور باتیں کرتے رہے، اس باب میں کچھ ارشاد نہ ہوا۔ سلطان نے پھر پوچھا کیا حکایتیں سنائی تھیں؟ قاضی نے بیان کیں۔ بادشاہ نے کہا: ''قاضی جی، شیخ کو جو کچھ کہنا تھا وہ انہوں نے حکایت کے پردے میں فرما دیا مگر تم سمجھے نہیں''۔ جب ایک مہینہ گزر گیا تو بادشاہ نے دہلی سے بیانے تک دھاوے کے سوار متعین کر دیے کہ ملک نائب کا عریضہ آتا ہوگا۔ ٹھیک چالیسویں دن مغرب کے وقت ملک نائب کا عریضہ پہنچا جس میں درنگل کی فتح کا مژدہ لکھا ہوا تھا۔

سلطان علاؤالدین ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء سے ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء تک حکومت کرتا رہا۔ فوائدالفواد ابتدا سے تیسری جلد کے آخر تک اُسی کے عہد حکومت میں مرتب ہوئی ہے، مگر ان ۸۸ مجلسوں میں سلطان کا کہیں ضمنی اور سرسری حوالہ بھی نہیں آیا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حاکمانِ وقت سے آپ کو ذرہ بھر کوئی تعلق نہ تھا۔

۶۔ علاؤالدین خلجی کی وفات ۶ رشوال ۷۱۵ھ/۳ جنوری ۱۳۱۶ء کے بعد ملک نائب نے اس کے چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر شاہ کو تخت نشین کر دیا، یہ صرف پانچ یا چھ سال کا نابالغ بچہ تھا، اُسے تخت پر بٹھا کر ملک نائب خود حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اسی سال اس نے خضر خاں اور شادی خاں کو قید کیا۔ پھر ملک سنبل کو بھیج کر دونوں شہزادوں کی آنکھیں نکلوائیں۔ شہاب الدین عمر شاہ کی سلطنت صرف ۳۵ دن تک رہی، ملک نائب کو علاؤالدین کے وفادار خادموں نے قتل کر دیا اور قطب الدین مبارک شاہ کو قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا۔ شروع میں تو قطب الدین، شہاب الدین کا نائب بن کر کام کرتا رہا، پھر ملوک و امراء کو اپنے ساتھ ملا کر بادشاہ بن بیٹھا، اور شہاب الدین کی

آنکھوں میں سلائی پھروا کر اسے قلعہ گوالیار میں بھیج دیا۔ جن پایکوں نے ملک نائب کو قتل کر کے قطب الدین کو تخت دلایا تھا انھیں بھی دہلی سے باہر بھیج کران کی گردنیں اڑا دیں۔

قطب الدین مبارک شاہ کی عیاشی اور فسق و فجور کا کچھ حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہی وہ بدبخت بادشاہ ہے جو حضرت نظام الدین اولیاؒ سے بغض رکھتا تھا۔ اُس نے سوچا کہ شیخ کے اثر کو ختم کیا جائے تو ملتان سے سہروردیؒ سلسلے کے بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ (وفات ۹/ جمادی الاولیٰ ۷۳۵ھ/ ۵ جنوری ۱۳۳۵ء) کو دہلی بلوایا مگر اس نے دیکھا کہ حضرت رکن الدینؒ خود شیخ کے انتہائی معتقد اور ارادت مند ہیں۔ شیخ رکن الدین ملتانیؒ دربار میں تشریف لائے تو قطب الدین مبارک نے کہا: آپ ازراہ مہربانی ملتان سے یہاں تک میری دعوت پر تشریف لے آئے اور ایک شخص (حضرت نظام الدینؒ) یہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے بیٹھا ہوا ہے، مگر کبھی سلام کرنے بھی نہیں آتا اور مجھے کچھ گردانتا ہی نہیں۔ حضرت رکن الدینؒ نے فرمایا میرے ساتھ تو یہ اسمٰعیل ہے (شیخ کے برادر خُرد عماد الدین اسمٰعیل مراد ہیں) جو مجھے کھینچ لاتا ہے، حضرت نظام الدینؒ نے ایسا کوئی جھگڑا پالا ہی نہیں، تو پھر وہ کیوں اور کس لیے آئیں؟ آپ حضرت کے حق میں بدخواہوں کی باتیں نہ سنا کریں، وہ بہت بزرگ انسان ہیں انھیں دنیاداری کے جھگڑے سے کیا واسطہ؟ سلطان نے یہ سنا تو شرمندہ ہو کر کہنے لگا: معاذ اللہ، مجھے اُن سے مخالفت نہیں ہے، میں تو آنے والوں کی حکایت بیان کر رہا ہوں۔

غیاث تغلق جب افغان پور کے چوبی محل میں دب کر مرا ہے، اس وقت شیخ رکن الدینؒ بھی وہاں موجود تھے، دہلی سے ملتان جاتے ہوئے وہ اجودھن گئے، اُس زمانے میں بابا صاحبؒ کے پوتے حضرت علاؤ الدین موج دریاؒ حیات تھے، انھوں نے اِن کی زیادہ خاطر نہیں کی، نہ قیام کرنے کے لیے اصرار کیا، اس کا سبب یہی تھا کہ وہ بادشاہوں کے دربار سے متعلق رہتے تھے۔ ان سے معانقہ کرنے کے بعد حضرت موج دریاؒ نے غسل کیا اور اپنا لباس تبدیل کیا تھا۔ (سیر الاولیاء)

بادشاہ کے دربار میں نوچندی کے موقع پر تمام اُمرا، حکام، علماء اور مشائخ نئے چاند کی

مبارک کباد دینے جایا کرتے تھے۔ حضرت نظام الدینؒ اپنی خانقاہ کی نمائندگی کے لیے اپنے خادم خواجہ اقبال کو بھیج دیتے تھے لوگوں نے کہا کہ بڑے بڑے علماء اور مشائخ دربار میں سلام کرنے آتے ہیں، حضرت نظام الدینؒ تشریف نہیں لاتے، اپنے ملازم کو بھیج دیتے ہیں، یہ تو بادشاہ کی توہین ہے۔ قطب الدین نے حکم دیا کہ آئندہ چاندرات کو شیخ خود حاضر ہوں، نہ آئیں تو اُن کو لایا جائے (مطلب یہ کہ گرفتار کر کے لائیں) حضرت چاندرات سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ کے مزار مبارک پر گئے اور فاتحہ پڑھ کر اس مشکل مرحلے میں اپنی والدہ ماجدہ کی روح مبارک سے ہمت طلب کی۔ سب لوگ بے حد فکر مند تھے کہ حضرت تو دربار میں جائیں گے نہیں، بادشاہ نوجوان، ناعاقبت اندیش اور گرم مزاج ہے، ایسا نہ ہو کہ حضرتؒ کی شان میں گستاخی کرے اور درویشوں کا دل دُکھے۔ مگر حضرت کو نفس مطمئنہ حاصل تھا۔ جس دن حضرت کو دربار میں طلب کیا جانا تھا اسی شب میں بادشاہ کے منظورِ نظر خسرو خاں نے جو گجرات کے قبیلہ برادو سے تعلق رکھتا تھا، اور نو مسلم تھا، قطب الدین کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

قطب الدین مبارک شاہ کو حضرت نظام الدین اولیاؒ سے عداوت اس لیے تھی کہ وہ جانتا تھا خضر خاں اور شادی خاں حضرتؒ کے نہایت مخلص مرید اور حلقہ بگوش تھے، اور حضرت کا اس وقت کی سوسائٹی پر گہرا اثر تھا۔ اُس نے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جسے مسجد میری کہا گیا ہے، اور سب علماء و مشائخ کو پیغام بھیجا کہ اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کیا کریں، یہ پیغام حضرت نظام الدینؒ کے پاس بھی پہنچا تھا مگر آپ نے جواب دیا کہ جو مسجد میرے گھر سے زیادہ قریب ہے اُس کا حق زیادہ ہے۔ اس جواب سے بھی سلطان برہم ہوا۔ ایک بار حضرت نظام الدین اولیاؒ شیخ ضیاء الدین رومی[1] کے سوم کی فاتحہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں اس بادشاہ کا سامنا بھی ہو گیا، حضرت نے اُسے سلام کیا مگر اس بے ادب بے نصیب شخص نے منہ پھیر لیا اور سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ وہ اپنے درباری امراء کو سختی کے ساتھ روکتا تھا کہ حضرتؒ کی خانقاہ میں نہ جائیں اور سر دربار حضرتؒ کے لیے ناشایستہ کلمات زبان پر لاتا تھا۔ اس نے یہاں تک اعلان کر دیا تھا کہ جو حضرتؒ کا سر کاٹ کر لائے گا اُسے ایک ہزار اشرفیاں انعام دوں گا۔ وہ

1- شیخ ضیاء الدینؒ رومی کا مزار قطب صاحبؒ کی درگاہ کے راستے میں مہرولی روڈ پر واقع ہے۔ مبارک شاہ ان سے مرید بھی ہو گیا تھا۔ (مرآۃ الاسرار قلمی ۲۲/۲ب)

اپنے درباریوں سے حضرتؒ کے قتل کرنے کے منصوبے پر گفتگو کرتا تھا، مگر امراء نے کہا کہ تمام دہلی حضرتؒ کی مرید ہے، انھیں کوئی بھی نہ مارے گا، تب اُس نے دہلی کے پاس کسی قصبہ سے کچھ لوگوں کو بلایا تاکہ اُن کے ہاتھوں سے شیخ کو قتل کرادے۔ ایک وزیر کو یہ منصوبہ معلوم تھا اُس نے چپکے سے آکر حضرتؒ کو آگاہ کر دیا کہ آپ کہیں تشریف لے جائیں، مگر آپؒ نے نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ فرمایا: ''وہ ظالم ہے اور ہرگز مجھ پر غلبہ نہ پا سکے گا۔'' وزیر نے کہا کہ آپ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی روح مبارک کی جانب توجہ فرمائیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: ''پانچ سال ہوگئے میں نے شیخ کو کبھی خواب میں نہیں دیکھا۔''

آخر وہ واقعہ پیش آیا کہ اُس نے نوچندی کے سلام کے لیے شیخ کو طلب کیا اس بار ارادہ تھا کہ اگر شیخ بذاتِ خود تشریف نہیں لائے تو انھیں گرفتار کیا جائے گا، مگر اُسی زمانے میں وہ اپنے کیفرکردار کو پہنچ گیا اور نہایت بیدردی سے قتل ہوا۔ اُس کی مدت حکومت چار ماہ رہی۔

۷۔ قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے خسرو خاں تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنا لقب ''ناصر الدین خسرو شاہ'' اختیار کیا (۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء) چونکہ وہ دغا کر کے اور اپنے آقا کو قتل کر کے بادشاہ بنا تھا، اور ابھی دہلی کی سوسائٹی میں ایسے ہزاروں افراد موجود تھے جنھوں نے علاؤالدین کا زمانہ دیکھا تھا اور اُس عہد کی خیر و برکت انھیں یاد تھی اب جو خاندان علائی کے ساتھ ظلم و ستم ہو رہے تھے ان پر وہ سخت کُڑھ رہے تھے اس لیے خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی حکماء اور مشائخ کی زبان بند کرنے کے لیے خزانے کا منہ کھول دیا اور ہر ایک کو بے دریغ انعام دیا۔ ایک بڑی رقم حضرت کی خانقاہ میں بھی بھیجی جو آپ نے رکھ لی۔

اُس زمانے میں غازی ملک دیپال پور میں تھا اور سرحدی چوکیوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ علاقہ اُس کی جاگیر بھی تھا۔ اُسے یہ پرچہ مل چکا تھا کہ خاندان علائی پر مظالم توڑے جا رہے ہیں اور خسرو خاں بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ ادھر اُس کا بیٹا جونا خاں دہلی میں تھا اور یہ تاک لگا رہا تھا کہ کسی طرح بھاگ کر اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے۔ ایک دن موقع پا کر وہ اپنی جمعیت کے ساتھ نکل بھاگا۔ خسرو خاں نے اس کے تعاقب میں فوجی دستے روانہ کیے مگر وہ اُسے پکڑ نہ سکے۔ جونا خاں کے صحیح سلامت آملنے پر غازی ملک نے صدقات تقسیم کیے، اور خسرو خاں سے

انتقام کی تیاری شروع کردی۔ ادھر خسرو خاں نے صوفی خاں کو فوج دے کر دیپال پور کی سمت روانہ کیا تاکہ غازی ملک کو شکست دے کر گرفتار کر لائیں۔ مگر یہ ساری فوج ناتجربہ کار تھی، غازی ملک ایک منجھا ہوا اور کارآزمودہ سپاہی تھا جس کی عمر میدان جنگ میں گزری تھی۔ اُس نے ایک ہی ہلّے میں اس ناکارہ فوج کا تاروپود بکھیر دیا، جو بقیۃ السیف تھے وہ بھاگ کر دہلی آ گئے، یہ معلوم تھا کہ اب غازی ملک دہلی کا رُخ کرے گا، یہاں اُس کے مقابلے کی تیاریاں شروع ہوگئیں، مگر اندر سے سب۔ کے دل بیٹھے ہوئے تھے اس لیے کہ غازی ملک وہ تھا جس نے منگولوں کے چھکّے چھڑا دیے تھے، خسرو خاں کی ناکارہ فوج اُس کا کیا مقابلہ کرسکتی تھی۔ خسرو خاں میدان میں تو آیا، مگر اُس نے ساری فوج کو ڈھائی مہینے کی پیشگی تنخواہ ادا کی، اور باقی روپیہ رعایا میں تقسیم کر دیا تاکہ لوگوں کی ہمدردی اُس کے ساتھ رہے، دیوانی و مال کے بیشتر ریکارڈ جلوا دیے، اور خزانے میں ایک پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں چھوڑی۔ اُسے یقین تھا کہ غازی ملک غالب آئے گا، وہ چاہتا تھا کہ اُسے خزانہ بالکل خالی ملے، تاکہ ایک دن بھی حکومت کرنا دشوار ہو جائے۔ غازی ملک اندرپت کے قریب (موجودہ انڈیا گیٹ) خیمہ زن ہوا، معمولی جھڑپوں کے بعد ہی لشکرِ اعدا، تتر بتر ہو گیا اور شاہی چتر دُور باش غازی ملک کے سامنے پیش کیے گئے۔ خسرو خاں ملک شادی علائی کے باغ میں چھپ گیا تھا، وہاں سے اگلے دن گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ ملوک و امراء نے اندرپت میں حاضر ہو کر محل اور خزانے کی کنجیاں غازی ملک کو پیش کر دیں۔ اگلے دن وہ سیری میں آیا اور قصرِ ہزار ستون میں بیٹھ کر اُس نے سب سے پہلے خاندانی علائی کا ماتم کیا اور دیکھا کہ اس خاندان کے ایک فرد کو بھی خسرو خاں نے زندہ نہیں چھوڑا ہے جو تختِ علائی پر بیٹھ سکے۔ جو اُمراء موجود تھے سب نے اتفاق رائے کے ساتھ غازی ملک سے درخواست کی کہ اب وہ زمامِ حکومت سنبھالے۔ اس طرح یکم شعبان ۷۲۰ھ/۶ ستمبر ۱۳۲۰ء شنبہ کے دن خاندانِ تغلق کی بنیاد پڑی اور غازی ملک غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ کچھ ہی دنوں میں سیاسی افراتفری بھی کم ہوگئی اور حالات نارمل ہونے لگے۔ مگر جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے خسرو خان نے خزانہ میں جھاڑو دلوادی تھی اور سارا آمد و خرچ کا ریکارڈ بھی ضائع کر دیا تھا اس لیے محاصل کی وصولی کا کام سخت دشوار ہو گیا تھا۔ جن علماء و مشائخ کے بارے میں شہرتِ عام سے معلوم تھا کہ انھیں خسرو خان نے روپیہ دیا تھا ان

سب سے غیاث الدین تغلق نے واپس طلب کیا۔ کچھ دور اندیشوں نے تو وہ روپیہ خرچ نہیں کیا تھا اور یہ دیکھ رہے تھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟ بعض خرچ کر چکے تھے، کسی کے پاس آدھا پونا باقی تھا۔ غیاث الدین تغلق نے سب سے اُگلوا لیا اور اِس بارے میں کچھ سختی بھی ہوئی، وہ بھی اِس کے لیے مجبور تھا کہ اتنی بڑی سلطنت کا کاروبار خزانے کے بغیر کیسے چلاتا؟ حضرت نظام الدینؒ اولیاء اُن ممتاز مشائخ میں تھے جن کے پاس کثیر رقم آئی تھی۔ آپ سے بھی بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ واپس کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ ''وہ بیت المال کا روپیہ تھا جن کا حق تھا اُن کے پاس پہنچ گیا۔'' مطلب یہ کہ فقراء ومساکین میں تقسیم ہو گیا۔ ممکن ہے اِس جواب سے بادشاہ کو تکدر رہا ہو، بہر حال آپ کی خانقاہ سے کچھ واپس نہیں ملا۔

خسرو خان کے قتل ہونے کے بعد تغلق حکومت کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اہلِ اسلام کی حکومت واپس آئی ہے اس لیے علماء کا دربار میں رسوخ بہت بڑھ گیا تھا، شریعت و طریقت کے مباحث پر علماء نے جب بھی شور برپا کیا ہے اُس کا مقصد حفظِ شریعت سے زیادہ اپنے اقتدار اور مفادات کا محفوظ کرنا رہا ہے، ایسے علماء خال خال ہوئے ہیں جنھوں نے خالصۃً لِوجہ اللہ محض حفظِ شرع کے لیے آواز بلند کی ہو اور قربانیاں دی ہوں۔ غیاث الدین تغلق کے زمانے میں جب ذرا امی جمی ہو گئی تو علماء نے سماع کے خلاف شوشہ چھوڑا۔ یہاں مشائخ کی خانقاہ میں ایک زمانے سے سماع کا رواج تھا۔[1] اور اس کو قاضی حمید الدین سہروردیؒ ناگوری (متوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۶ء) نے رائج کیا تھا۔ ایک بار دہلی میں خشک سالی ہوئی سلطان التمش نے قاضی حمید الدین سے دعائے باراں کا التماس کیا، انھوں نے محفل سماع منعقد کی جس میں شیخ علی سگزی، احمد نہروالی، بدرالدین سمرقندی، قطب الدین غزنوی، نظام الدین ابوالموید اور شیخ محمود موئنہ دوز جیسے بزرگ موجود تھے، جیسے ہی سماع شروع ہوا بارش بھی شروع ہو گئی تھی

1- دہلی میں ایک مجذوب تھے انھیں ''آہوئی'' کہتے تھے ایک بار حضرت نظام الدینؒ اُس کے سامنے سے گزرے تو کہنے لگا: ''تم قاضی حمید الدین کا نام روشن کرو گے'' حضرت نے سوچا: مجھے قاضی حمید الدین سے کوئی نسبت نہیں ہے، میں تو حضرت شیخ الاسلام فرید الدینؒ کا چاکر ہوں یہ کیا کہتا تھا؟ پھر خیال آیا کہ ''سماع'' کی طرف اشارہ ہے انھیں سماع سے بہت رغبت تھی اور حضرت غیبؒ نے فرمایا کہ: ''خواجہ ماہم در سماع غلوے تمام داشتہ'' (نفائس الانفاس ۳ شوال ۷۲۲ھ)

(خیر المجالس ۴۵)۔

خود حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس سرہ کا وصال (۱۴ ربیع الاوّل ۶۳۴ھ / ۱۵، نومبر ۱۲۳۶ء) کو شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں سماع سنتے ہوئے ہوا تھا، اور یہ محفل ۱۲ ربیع الاول کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عُرسِ مبارک کی تقریب میں منعقد ہوئی تھی۔ تغلق کے زمانے میں مشائخ پر سختی ہونے لگی اور وہ کسی باغ میں یا کم آباد جگہوں میں چھپ کر سماع کی محفل منعقد کرنے لگے تھے۔ (جوامع الکلم)

حضرت عثمان سیاح بھی سہروردی تھے مگر انھیں شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی خدمت میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ یہ بھی سماع کے دلدادہ تھے، انھیں کچھ معافی ملی تھی مگر انھوں نے سماع ترک کرنا گوارہ نہ کیا اور وہ جائیداد واپس کر دی تھی۔ (قوام العقائد) اسی لیے جو مشائخ سماع کے قائل تھے وہ بھی اپنے موقف میں زیادہ سخت ہو گئے تھے۔ عام صوفیہ یا کم معروف مشائخ کو تو سماع کرنے سے روکا جا سکتا تھا اور اُن پر قدغن بھی لگائی جا سکتی تھی، مگر حضرت نظام الدینؒ اولیاء اُس زمانے میں سب سے بزرگ شیخ تھے، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے خلافتِ رحمانی رکھتے تھے، علومِ معقول و منقول کے زبردست عالم اور محقق تھے، اُن پر قدغن لگانا معمولی علماء کے بس کی بات نہیں تھی، اس لیے یہ طے کیا گیا کہ اس موضوع پر اُن سے مناظرہ کیا جائے اور سماع کے جواز میں شرعی دلائل طلب کی جائیں۔ علماء کا خیال تھا کہ حضرتؒ یہ دلیلیں نہ دے سکیں گے تو اُن پر غلبہ پانا آسان ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ایک محضر طلب کیا گیا جس میں شہر کے تمام مستند علماء اور مشائخ موجود تھے۔ حضرت نے اِس محضر یا مُناظرے میں جانے کے لیے کوئی تیاری نہیں کی تھی مگر بعض مخلصوں نے جواز کی دلیلیں جمع کرنا شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ شیخ علم الدین نبیرۂ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی نے بھی کتب قدماء سے جواز کی دلیلیں جمع کر کے حضرت کو بھیجیں، اور یہ لکھا کہ آپ سے یہ عبارتیں پوشیدہ تو نہ ہوں گی مگر میں انھیں اپنے اخلاص کا اظہار کرنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ بعد میں انھوں نے اباحتِ سماع کے موضوع پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا۔

سیّد علاؤ الدین جیوری بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، منتہی عالم بھی تھے اور سارے شہر کے استاد تھے، انھوں نے بھی اباحتِ سماع میں درجنوں روایات نکالیں اور شیخ کی خدمت میں

بھیجیں۔ مولانا فخر الدین زرّادی دوسرے بزرگ تھے جو محضر میں خود بھی پہنچ گئے تھے، انھوں نے اباحتِ سماع میں ایک رسالہ بھی لکھا ''کشف القِناع عَن وَجہِ السَّماع'' اس کا قلمی نسخہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی لائبریری میں موجود ہے (مکتوبہ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء) اس میں ۳۳، اوراق ہیں اور چھوٹی چھوٹی دس فصلیں ہیں۔ یہ رسالہ عرصہ ہوا چھپ بھی چکا ہے (اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے)۔

حضرتؒ نے سماع کی اباحت ثابت کرنے کے لیے احادیثِ نبوی سے استدلال کیا تو بعض علماء نے غوغا شروع کر دیا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ان علماء کا کہنا یہ تھا کہ آپ حنفی ہیں، اگر سماع کے جواز میں امام ابو حنیفہؒ کا کوئی قول یاد ہے تو وہ پیش کیجیے۔ اس سے حضرت کو تکدّر ہوا اور آپ نے بڑے رنج کے ساتھ فرمایا کہ وہ شہر ویران کیوں نہیں ہو جاتا جہاں حدیثِ نبوی کے مقابلے میں قولِ ابی حنیفہؒ طلب کیا جاتا ہے۔[1] چند ہی سال کے بعد (۷۲۷ھ) یہ ہوا کہ محمد بن تغلق نے دولت آباد کو ہجرت کرنے کا جبری حکم دیا، ساری دلی میں اُلّو بولنے لگے اور وہ دلّی پھر کبھی آباد نہ ہو سکی اُس کے بعد جو دلّی بسی وہ دلی گیٹ کے آس پاس تھی۔

بحضرت تو کبیدہ خاطر وہاں سے چلے آئے، مگر غیاث الدین تغلق کو یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ یہ علماء حضرتؒ پر غالب نہیں آ سکتے۔ حضرتؒ نے ایک موقع پر فرمایا: ''لوگ سمجھتے ہیں کہ میں یونہی خانقاہ میں بیٹھ گیا ہوں۔ ارے میں کسی کا بٹھایا ہوا بیٹھا ہوں۔''

یہ اسی پس منظر میں تھا کہ حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ سماع کرتے ہوئے لے جائیں مگر حضرت رکن الدین ملتانیؒ نے وصیت کی تعمیل نہ کرنے کی ذمہ داری خود قبول کر لی اور عام لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اگر سماع ہوا تو شیخ اُٹھ بیٹھیں گے اور عالم میں فتنہ بپا ہو جائے گا، سماع کے بارے میں حضرتؒ کے تعلق کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ کبھی قوالوں کو دیکھ کر ہی رونے لگتے تھے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: ''یہ قوال محبوب کے پیغامبر ہیں،

1۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں حضرت نے حدیث شریف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور مشارق الانوار کے مؤلف سے آپ کی سندِ حدیث بدو واسطہ متصل ہوتی ہے، اس مطالعہ حدیث کا اثر یہ تھا کہ بعض مسائل میں آپ مجتہدانہ روش رکھتے تھے، مثلاً حلتِ سماع، قرأتِ فاتحہ، خلف الامام اور صلوٰۃ الجنازہ علی الغائب جیسے مسائل میں آپ حنفی مسلک سے ہٹ کر شافعی مسلک کے پیرو تھے۔

انھیں دیکھ کر تو گریہ آنا ہی چاہیے'' (لطائف اشرفی ۷۶/۲)

جس دن سماع ہوتا تھا ساری محفل کو کھانا بھی کھلایا جاتا تھا، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانے کا سامان مہیا نہ ہوا تو آپ تھوڑے سے بھُنے ہوئے چنے ہی منگوا کر حاضرین میں تقسیم کر دیتے تھے سماع سے پہلے تلاوتِ قرآن ہوتی تھی پھر سماع، پھر کھانا۔

ایک بار نہ کھانا تھا نہ قوال تھے۔ حضرتؒ نے امیر خسروؒ سے فرمایا: ''تُرک تم قوال بن جاؤ، میں قاری بنتا ہوں'' پھر حضرت نے ۵۔۶ آیات کی تلاوت فرمائی اور امیر خسروؒ نے لحن کے ساتھ اپنی ہی غزل پڑھی:

ماہِ ہلال ابروے من، عقلِ مرا شیدا مکن

غمزہ زنان، زان سُو میا، آہنگِ جان ما مکن

حضرتؒ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جس کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ (لطائف اشرفی ۷۸/۲)

۸۔ سلطان غیاث الدین تغلق باغیوں کی سرکوبی کے لیے لکھنوتی کی طرف گیا اور جونا خان کو ورنگل سے طلب کر کے دہلی میں اپنا نائب بنا گیا۔ لکھنوتی کی مہم کو جلد ہی سر کر کے وہ دہلی کی طرف واپس آیا اور تغلق آباد سے تین چار کوس کے فاصلے پر افغان پور نامی گاؤں میں دربار کے اُمراء اور اکابرِ شہر نے اُس کا استقبال کیا۔ یہاں سلطان کی آمد کے سلسلے میں ایک چوبی محل تین چار دن کی محنت سے تیار کیا گیا تھا۔ جس کی بنیادیں بھی ابھی نہیں سوکھی تھیں۔ وہاں کھانے کے بعد سلطان کے سامنے نو وارد ہاتھیوں کی پریڈ کرائی گئی اُن کی دھمک سے چھت نیچے آ پڑی اور سلطان دب کر مر گیا۔ (۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء)

غیاث الدین کے بعد اُس کا بیٹا جونا خاں بادشاہ ہوا، جو تاریخ میں محمد بن تغلق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ آخری بادشاہ تھا جس کا زمانہ حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے پایا، حضرتؒ اُسے تخت نشینی کی خبر پہلے ہی دے چکے تھے۔ جس زمانے میں یہ نائب تھا ایک دن خواجہ جہاں کو ساتھ لے کر حضرتؒ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، حضرتؒ اُس زمانے میں بیمار تھے، پلنگ پر آرام فرما رہے تھے۔ اقبال[1] حضرت سے اجازت لے کر ان دونوں کو حجرے میں لائے، یہ دونوں تعظیم بجا لا کر کھڑے رہے، حضرتؒ نے سلطان محمد تغلق سے فرمایا، تم اِس کھاٹ پر بیٹھ

1-(حضرت کے خادم خاص۔ناشر)

جاؤ‘‘ جونا خاں نے کہا ’’حضرت میری کیا مجال ہے کہ آپ کے سامنے کھاٹ پر بیٹھوں۔‘‘ حضرتؒ نے فرمایا: ’’ہم تمہیں بٹھا رہے ہیں تو بیٹھ جاؤ۔‘‘ جونا خاں ارشاد کی تعمیل میں بیٹھ گیا، مگر ادب کی وجہ سے ایک زانو پر بیٹھا۔ اب حضرتؒ نے اقبال کو حکم دیا: جاؤ ایک کرسی لے کر آؤ۔ اقبال کرسی لائے تو حضرت نے خواجہ جہاں سے فرمایا ’’تم اس کرسی پر بیٹھو‘‘ خواجہ جہاں بھی حضرتؒ کے حکم کو بجا لایا۔ شیخ کی خدمت سے باہر آ کر جونا خاں نے خواجہ جہاں سے کہا: خدمتِ شیخ نے مجھے تخت اور تمہیں کرسی عطا فرمائی ہے جو وزارت پر دلالت کرتی ہے، اب اس کا دھیان رکھنا چاہیے اور تیار رہنا چاہیے۔ جب جونا خان بادشاہ ہوا تو وزارت خواجہ جہاں کو سونپی۔ جب تک وہ زندہ رہے نہ محمد بن تغلق کی سلطنت میں کوئی تصرف کر سکا، نہ خواجہ جہاں پر غلبہ پا سکا، جو بھی ان سے ٹکرایا وہ برباد ہوا۔

محمد بن تغلق کے زمانۂ حکومت (۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء تا ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء) میں ملتان کے حاکم کشلو خاں نے بغاوت کر دی اور اپنا لاؤ لشکر لے کر دہلی کی سمت بڑھنے لگا۔ ادھر محمد بن تغلق نے اپنی فوج کو تیار کیا اور ملتان کی طرف پیش قدمی کی۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے جنگ سے پہلے قاصدوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، آخر جنگ کا دن طے ہو گیا، جنگ سے ایک دن پہلے سلطان نے ملوک و اُمراء کو ہتھیار، گھوڑے، وغیرہ سامان خود تقسیم کیا، اور اُن سے کہا کہ جی جان سے لڑیں، اُس وقت اُمراء کے درمیان قُطب دبیر بھی موجود تھا جو حضرت نظام الدینؒ اولیاء کا مرید تھا اور حضرت اُس پر بہت نوازش فرماتے تھے۔ سلطان نے کہا: قطب کیا تمہیں شیخ کا بتایا ہوا کوئی عمل یاد ہے جو اس وقت کام آ سکے؟ قطب دبیر نے عرض کیا جی ہاں ہے۔ سلطان نے کہا: بتاؤ قطب دبیر نے کہا: ایک دن شیخ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو ایسی مہم پیش آئے تو چاہیے کہ رات بھر عبادت میں مشغول رہے، جب صبح ہونے لگے تو فلاں آیت پڑھے، اور دشمن کی طرف دم کر دے، اور سوار ہو کر جنگ کے لیے نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ دشمن کو مغلوب کر دے گا اور اُسے فتح نصیب ہو گی۔ سلطان نے کہا: اچھا تو فوراً اعلان کر دو کہ سب فوجی اپنے خیموں میں واپس ہو جائیں، اور جنگ کے لیے تیاری کرتے رہیں، پھر حکم دیا کہ پانی لائیں۔ سلطان نے وضو کیا اور مصلّے پر بیٹھ گیا۔ کہتے ہیں کہ تمام رات عبادت کرتا رہا، پھر فجر کی نماز پڑھ کر وہ آیت تلاوت کی جو شیخ نے کسی کو بتائی تھی، اور کشلو خاں کے لشکر کی سمت میں دم کر دیا۔ اب سلطان

نے اپنے ہتھیار منگائے۔ اتنے میں قطب دبیر بھی آ گئے اور عرض کیا: کیا خداوندِ عالم کو مشغولیِ شب میسر آئی؟ بادشاہ نے کہا: ہاں۔ قطب دبیر نے فتح کی مبارکباد بھی دے ڈالی۔ سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کے لیے نکلا۔ کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا، اور کشلو خاں کا لشکر غالب آ گیا، سلطان کی فوج اِدھر اُدھر بھاگنے لگی، سب ایسے بدحواس ہوئے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ سلطان کسی گوشے میں قطب دبیر کے ساتھ چھپا ہوا تھا، اپنے لشکر کی اس شکست و ریخت کو دیکھ رہا تھا اور سخت افسردہ تھا۔ سلطان نے قطب دبیر سے کہا: ''قطب یہ تو اُلٹا معاملہ ہو رہا ہے۔'' قطب دبیر نے بڑے اطمینان سے کہا خداوندِ عالم اس شکست کا کچھ اعتبار نہیں'' ہونا وہی ہے جو حضرت شیخ کا ارشاد ہے۔'' اُدھر کشلو خان نے فتح کی خوشی میں اپنے پاؤں رکاب سے نکال کر گھوڑے کی گردن پر رکھ دیئے اور اپنا خود سر سے اُتار کر زین میں ایک طرف لٹکا دیا۔ بہت خوش تھا، اور بھاگتی ہوئی فوج کا تماشا دیکھ رہا تھا، قضا را کسی طرف سے ایک تیر زناٹے بھرتا ہوا آیا اور کشلو خاں کی شہ رگ میں پیوست ہو گیا، وہ قلابازی کھا کر گھوڑے سے گرا، سلطان کہیں چھپا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا، جھپٹ کر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ اُن پر ٹوٹ پڑا کشلو خاں کے ساتھ جو سوار تھے جب انھوں نے دیکھا کہ سردار مارا گیا، اور سلطان ازسرِ نو حملہ آور ہوا ہے، تو وہ بدحواس ہو کر بھاگنے لگے اور حضرت کی تعلیم کی ہوئی دعا کی برکت سے یہ شکست فتح میں بدل گئی۔ یہ واقعہ حضرتؒ کے وصال کے بعد کا ہے۔

سلطان محمد بن تغلق حضرتؒ کے وصال سے چند ماہ قبل ہی تخت نشین ہوا تھا۔ چہار شنبہ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ/۲، اپریل ۱۳۲۵ء کو حضرت کے وصال کی اطلاع ملی تو وہ تغلق آباد سے سوار ہو کر غیاث پور آیا اور کچھ فاصلے پر گھوڑے سے اُتر کر پیدل چلا، جنازے کو بہت دیر تک کندھا دیا اور دیر تک موجود رہا۔ حضرت کے مزار پر پہلا گنبد محمد بن تغلق نے ہی بنوایا تھا (مرآۃ الاسرار قلمی ۲/۳۶)

یہ شاہانِ وقت سے حضرتؒ کے تعلقات کا مختصر سا احوال ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے گیارہ بادشاہوں کا زمانہ پایا، مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت سے وفات تک دہلی کے تخت پر چودہ بادشاہ بیٹھے اور آپ کے دہلی تشریف لانے کے بعد گیارہ تخت نشین ہوئے، ان میں کم از کم تین بادشاہ حضرت کے معتقد بھی تھے، مگر آپ نے کبھی دربار کا رُخ نہیں کیا، نہ کوئی جاگیر

قبول کی، نہ وظیفہ اور منصب لیا، لیکن بالواسطہ طور پر آپ بادشاہوں کی اصلاح سے غافل بھی نہیں رہے۔ بادشاہوں کی کنجی اُن کے مصاحب اور درباری اُمراء ہوتے ہیں، حضرتؒ نے چند ہی برسوں میں معاشرہ پر اتنا گہرا اثر ڈالا تھا کہ اُمراء کا مزاج بھی درویشانہ ہو گیا تھا۔ مؤلف قوام العقائد کا بیان ہے:

معلومِ جہانیان باد اُمراء و خانان وملوک کہ بخدمت شیخ پیوند داشتند ہر یکے در جامہء قبا سالکانِ طریقت بودند وحدیث ''وَجَدنَا فِي القَبَاءِ مَا طَلَبنَا فِي الكِسَاءِ '' درحقِ ایشان سایغ ودرین راہ جان ومال ہمہ درمیان آوردہ ودرحق صرف کرد۔

(دنیا والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اُمراء خوانین وملوک جو حضرت شیخ سے بیعت رکھتے تھے لباسِ امارت میں سالکانِ طریقت تھے اور یہ قول کہ ''جو ہم گڈریوں میں ڈھونڈتے تھے وہ قبا میں پالیا'' اِن اُمراء پر پورا صادق آتا تھا وہ اپنا جان ومال سب راہِ خدا میں صرف کرتے تھے)

مرادِ اہل طریقت لباسِ ظاہر نیست
کمر بخدمتِ سلطان بند وصوفی باش

(''اہل طریقت کو یہ مطلوب نہیں کہ تم درویشوں کا سا لباس ہی پہنو، بلکہ بادشاہ کی خدمت کرو اور صوفی بن کر رہو''۔)

وایشان ہر یکے از انہا بودند اگر شمہء از مشغولی باطن ومعاملات ایشاں بیان کردہ آید کتاب مطوّل گردد''

(ان میں سے ہر ایک ایسا تھا کہ اُس کی مشغولیِ باطن اور معاملات کا حال لکھا جائے تو ایک طویل کتاب بن جائے۔)

طبقہء امراء میں اصلاحی کوششوں کا اثر سب سے خفی اور بہت دیر میں ہوتا ہے جب اس طبقے کا حضرت کے روحانی فیضان سے یہ حال ہو گیا تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد علائی میں حضرت کی تاثیر کا جو حال برنی نے لکھا ہے وہ محض ایک سرسری اظہار ہے۔

حضرتؒ نے اپنے خدام ومریدین کی تربیت ایسی کر دی تھی کہ وہ جہاں بھی گئے وہاں

کے باشندوں کی کایا پلٹ دی۔ حضرت بُرہان الدین غریبؒ، حضرت حسام الدین ملتانیؒ، حضرت اخی سراجؒ کی کوششوں کے اثرات اُن کے علاقوں میں آج تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

خُلفاء

حضرتؒ کے خلفاء کی ایک طویل فہرست ہے اور کوئی بھی فہرست سب ناموں کی جامع نہیں ہوسکتی، یہاں نظامی فیضان کی عمومیت کا اظہار کرنے کے لیے ہم ایک مختصر فہرس درج کرتے ہیں:

حضرت کے ممتاز خلفاء اور مریدین

۱۔ خواجہ ابوبکر مصلّی دار
۲۔ خواجہ ابوبکر مندہ (مندوی) کتھول میں انتقال ہوا، لاش دہلی لاکر دفن کی گئی
۳۔ خواجہ احمد بدایونیؒ
۴۔ امیر خسروؒ
۵۔ امیرِ خُرد کرمانیؒ مؤلفِ سیر الاولیاء
۶۔ بدرالدینؒ ساکن کڑا مانک پور
۷۔ بدرالدین تولایا فوقؒ
۸۔ بدرالدین محبوبؒ
۹۔ بدرالدین نولکھؒ
۱۰۔ بدرالدین یار رفیقؒ
۱۱۔ برہان الدین حجۃ ملتانیؒ
۱۲۔ برہان الدین دولت آبادیؒ
۱۳۔ برہان الدین سادیؒ
۱۴۔ برہان الدین صوفیؒ (مرآۃ الاسرار قلمی ۳۹/۲ب) فرزند شیخ جمال ہانسوی پدر شیخ

قطب الدین منور)

۱۵۔ برہان الدین غریبؒ ہانسویؒ

۱۶۔ مولانا بہاء الدین ادہمی یا دارالامانیؒ (سیر الاولیاء) وطن ملتانی

۱۷۔ شیخ بہاء الدین اودھیؒ

۱۸۔ ملک بہاء الدین گردؒ

۱۹۔ بہاء الدین مُجردؒ

۲۰۔ تاج الدینؒ

۲۱۔ تاج الدین داوریؒ (دولت آباد جاتے ہوئے کتھول میں انتقال ہوا، لاش دہلی لا کر دفن کی گئی)

۲۲۔ تقی الدین لکھنوتیؒ

۲۳۔ خواجہ تقی الدین نُوحؒ

۲۴۔ ملک تلُبغہؒ

۲۵۔ جلال الدین اودھیؒ

۲۶۔ قاضی جلال الدین دولت آبادیؒ

۲۷۔ مولانا جمال الدین اودھیؒ (مخاطب بہ جوانِ صالح)

۲۸۔ جمال الدین نصرت خانیؒ

۲۹۔ مولانا جمال الدین یادؒ

۳۰۔ جمشید قلندرؒ

۳۱۔ مولانا حُجۃ الدین شیبانیؒ

۳۲۔ مولانا حجۃ الدین ملتانیؒ

۳۳۔ حسام الدین گجراتیؒ (وفات پٹن گجرات میں۔ ۸ ذی قعدہ ۷۳۶ مطابق ۱۸ جون ۱۳۳۶ء)

۳۴۔ امیر حسن علاء سجزی دہلویؒ جامع فوائد الفواد (وفات دولت آباد: ۲۹ صفر ۷۳۸ھ)

۳۵۔ سیّد حسین بن سید محمد کرمانیؒ (ف ۲۱ شعبان ۷۵۴ھ)

۳۶۔ حمید قلندرؒ جامع خیر المجالس شیخ ٔوصل کیتھونؒ

۳۸۔ شیخ حیدرؒ

۳۹۔ خواجہ رشیدؒ

۴۰۔ قاضی رفیع الدین کاشانیؒ

۴۱۔ خواجہ رفیع الدین ہارونؒ

۴۲۔ رکن الدین چنخرؒ

۴۳۔ خواجہ سالار مہین

۴۴۔ سراج الدین حافظ بدایونیؒ

۴۵۔ سراج الدین عثمان (اخی سراجؒ وفات غالباً یکم شوال ۷۴۳ھ مدفن سعد اللہ پور (بنگال)

۴۶۔ سراج الدین ناگوریؒ

۴۷۔ سیّد محمد بن محمود کرمانیؒ (وفات ۷۱۱ھ جمعہ)

۴۸۔ قاضی شادعلیؒ

۴۹۔ قاضی شرف الدین فیروز کوہیؒ

۵۰۔ شرف الدین جیمنکلؒ

۵۱۔ خواجہ شمس الدینؒ

۵۲۔ شمس الدین دھاریؒ (مدفن ظفر آباد)

۵۳۔ شمس الدینؒ دیباجی

۵۴۔ شمس الدین ماہرؒ برادر زادہ حسن علا سجزیؒ

۵۵۔ مولانا شمس الدین یحیٰؒ (وفات ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء) مدفن بستی حضرت نظام الدین چبوترہ یاران۔

۵۶۔ شہاب الدین امامؒ

۵۷۔ شہاب الدین دیباجیؒ

۵۸۔ شہاب الدین کنتوری یا کستوریؒ؟

۵۹۔ قاضی شہ پائلیؒ

۶۰۔ ضیاء الدین برنیؒ مؤلف تاریخ فیروز شاہی وغیرہ (تالیف ۷۵۸ھ/۱۳۵۷ء) پائین مزار حضرت امیر خسروؒ، متصل حجرہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ۔

۶۱۔ مولانا ظہیر الدین کوتوالؒ

۶۲۔ عبدالرحمٰن سارنگپوریؒ

۶۳۔ عبدالعزیز بانگرمئوؒ

۶۴۔ قاری عبدالکریم قدوائیؒ

۶۵۔ شیخ عثمان سیاحؒ (انھیں اجازتِ صحبت حاصل تھی) وفات ۷۳۸ھ، نام وجیہ الدین وطن سُنام پنجاب۔ مدفن دہلی (اخبار الاخیار ۱۳۱) اسی نام سے ایک درگاہ قندھار (مہاراشٹر) میں بھی ہے۔

۶۶۔ خواجہ عزالدینؒ (نبیسۂ شیخ؟)

۶۷۔ علاؤالدین اندر پتیؒ

۶۸۔ مولانا سیّد علاء الدین جیوریؒ

۶۹۔ مولانا علاؤالدین نیلیؒ (وفات ۷۶۲ھ) مدفن بستی حضرت نظام الدین چبوترہ یاران (نزد مزار حضرت شمس الدین یحییٰؒ)

۷۰۔ علی جاندارؒ

۷۱۔ عمادالدین مذکرؒ (پسر حسام درویش)

۷۲۔ خواجہ عمرؒ

۷۳۔ قاضی فخرالدین بجلوریؒ

۷۴۔ مولانا فخرالدین حیریؒ (یا خیری)

۷۵۔ مولانا فخرالدین زرّادیؒ (وفات ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء)

۷۶۔ مولانا فخرالدین مروزیؒ

۷۷۔ فخرالدین زاہد میرٹھیؒ

۷۸۔ مولانا فخرالدین ہانسویؒ

۷۹۔ شیخ فریدالدینؒ
۸۰۔ مولانا فصیح الدینؒ (وفات قبل ۷۲۵ھ)
۸۱۔ قاضی شاہ پالمیؒ
۸۲۔ قطب الدین دبیرؒ
۸۳۔ شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ
۸۴۔ قوام الدین یکدانہ اودھیؒ
۸۵۔ قوام الدین روجنکیؒ مشہور شطاری بزرگ، اللہ بخش گڑھ مکتیسری ان کی اولاد میں ہیں۔ شیخ قوام الدین کا مزار رہتک میں ہے۔ (تفصیل: مآثر الاجداد)
۸۶۔ قوام الدین قدوائیؒ
۸۷۔ ملک قیر بیگؒ
۸۸۔ خواجہ کریم الدینؒ
۸۹۔ مولانا کریم الدین سمرقندی یا کریم الدین بیانہؒ، شیخ الاسلام در عہد محمد تغلق و داماد خواجہ سیّد محمد امامؒ (سیر الاولیاء) مدفن سنگاؤں۔
۹۰۔ خواجہ کریم اللہؒ
۹۱۔ کمال الدین یعقوبؒ
۹۲۔ شیخ کمال الدین دھاریؒ
۹۳۔ شیخ لطیف الدینؒ
۹۴۔ لطیف الدین کھنڈ سائیؒ
۹۵۔ شیخ ماہن بوندیؒ
۹۶۔ شیخ مبارک گوپامویؒ (میر داد عہد علائی) مدفن پایان روضہ شیخ
۹۷۔ حضرت خواجہ سید محمد امامؒ (نبیرہ گنج شکرؒ) مزار بستی حضرت نظام الدینؒ
۹۸۔ شیخ محمدؒ
۹۹۔ محمود بیا سائیؒ
۱۰۰۔ مولانا محمود نوہتیہؒ (سیر الاولیاء)

۱۰۱۔ قاضی محی الدین کاشانیؒ (وفات ۷۱۹ھ/۱۳۱۹ء) مدفن بیرون فصیل سیری۔ ایمر جنسی (۱۹۷۵ء) کے زمانے میں اس مزار پر سے سڑک نکال دی گئی۔

۱۰۲۔ ملک زادہ مسعود بک

۱۰۳۔ خواجہ معز الدینؒ

۱۰۴۔ شیخ منتخب الدین ہانسوی ثم دولت آبادی برادر حضرت برہان الدین غریبؒ۔ مزار خلد آباد (مہاراشٹر)

۱۰۵۔ خواجہ منہاج الدینؒ

۱۰۶۔ خواجہ موسیٰ دیوگیریؒ

۱۰۷۔ خواجہ مؤید الدین انصاریؒ

۱۰۸۔ خواجہ مؤید الدین کڑاؒ

۱۰۹۔ نجم الدین محبوب عرف شکر خاے تھانیسری

۱۱۰۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلیؒ (ولادت ۶۷۷ھ/وفات ۱۷ رمضان ۷۵۷ھ

۱۱۱۔ شیخ نظام الدین پانی پتیؒ

۱۱۲۔ نظام الدین دبیرؒ (عہد محمد تغلق)

۱۱۳۔ مولانا نظام الدین شیرازیؒ (مدفن: اپنے گھر میں قلعہ سیری کے پاس) سیر الاولیاء

۱۱۴۔ نظام الدین مولیٰؒ

۱۱۵۔ نظام الدین ہاشمی محدث ظفر آبادیؒ

۱۱۶۔ مولانا وجیہہ الدین پائلیؒ

۱۱۷۔ وجیہہ الدین یوسف کلاکھیڑیؒ

۱۱۸۔ شیخ یعقوبؒ

۱۱۹۔ مولانا یوسف بدایونیؒ

۱۲۰۔ سید یوسف حسینی دولت آبادیؒ (حضرت گیسودرازؒ کے والد ماجد) مدفن خلد آباد

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے یہ فہرس مکمل کیا عُشرِ عشیر بھی نہیں ہے، یہ تو صرف وہ نام ہیں جو تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں اور ملفوظات میں محفوظ رہ گئے ہیں ان ناموں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کی سوسائٹی کے بہترین افراد کو حضرت نے اپنی خانقاہ میں جمع کرلیا تھا۔

حضرت کی پاکیزہ سیرت اور مکارمِ اخلاق کا اندازہ تو فوائد الفواد کی مجالس کا مطالعہ کرنے سے ہی ہو جاتا ہے، اور آپ کی تعلیمات کا بھی ان مجلسوں میں بہترین اظہار ہوا ہے، مناسب ہوگا کہ آپ کی حیات مبارکہ اور معمولات کی چند ایسی تفصیلات بیان کردی جائیں جو عام طور پر سامنے نہیں آئی ہیں۔

غیر مسلموں سے روابط اور سلوک

حضرت کا سابقہ ہندو جوگیوں سے بھی ہوتا تھا، اس کی مثالیں فوائد الفواد میں بھی موجود ہیں۔ (مثلاً جلد ۵ مجلس ۱۹) مگر یہ واقعات آپ کے سفرِ اجودھن سے متعلق ہیں۔ خود آپ کی خانقاہ میں بھی جوگی آتے تھے۔ ایک بار چھ جوگی آئے اور آپ کے جماعت خانے کی دہلیز پر مراقبہ کرنے بیٹھ گئے، وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ اقبال نے جاکر حضرت کو اطلاع دی، حضرت نے فرمایا ان کو اندر بلا کر بٹھاؤ۔ اُن جوگیوں نے حضرت کی خدمت میں آکر تعظیم پیش کی، حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا: بیٹھو۔ وہ سب فرش پر بیٹھ گئے۔ اُن میں سے ایک جوگی نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ شخص "کانورد" میں فلاں پہاڑ کے ایک غار میں چالیس سال تک رہا ہے اور کسی سے ملاقات نہیں کی، پھر دوسرے کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ یہ پچاس سال سے ایک کھوہ میں سادھ لگائے ہوئے تھے، اسی طرح پانچوں نے اپنا احوال بیان کیا کہ ۳۰۔ ۳۰۔ ۴۰۔ ۴۰ سال مراقبہ میں رہے ہیں اور خلق سے بالکل آمیزش نہیں کی۔ مگر اب ہمیں غیبی اشارے سے بتایا گیا کہ دہلی میں ایک بڑے بزرگ موجود ہیں تو ہم نے آپس میں مل کر طے کیا کہ شیخ کا دیدار کریں، اور انھیں اپنی عقیدت پیش کریں، اس کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں ہے۔ یہاں سے ہم اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ جائیں گے۔ حضرتؒ بہت دیر تک ان سے اخلاق اور محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے اور انھیں رخصت کیا۔

ایک بار حضرت شہر کی طرف تشریف لے جارہے تھے ایک برہمن راستے میں ملا وہ بھی

بڑا گیانی اور تپسیا کرنے والا تھا، جب حضرت اُس کے سامنے سے گزرے تو خدا جانے اُس نے کیا دیکھا لوگوں سے پوچھنے لگا یہ کون بزرگ ہیں؟ کسی نے حضرت کا نام بتایا، پوچھا کہاں رہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: غیاث پور میں۔ حضرت تو آگے نکل گئے، اُسے یہ فکر ہوئی کہ ان بزرگ سے کیسے ملاقات کروں؟

مولانا یوسف کلاکھیڑی وہیں رہتے تھے اُن کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ کچھ دن کے بعد اُس نے مولانا یوسف سے پوچھا کہ آپ ہر ہفتہ میں ایک دن رات کہاں غائب ہو جاتے ہیں؟ مولانا نے کہا کہ ہمارے ایک پیر ہیں۔ وہ غیاث پور میں رہتے ہیں۔ میں ہر ہفتہ میں ایک دن رات اُن کی خدمت میں گزارتا ہوں، برہمن نے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے بھی اُن کی سیوا میں لے چلیں؟ مولانا نے ہامی بھرلی، ایک دن برہمن کو ساتھ لے کر غیاث پور آئے، اُسے تو پہلے دروازے میں بٹھایا خود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس وقت خواجہ محمد امامؒ بھی حضرت کے پاس بیٹھے تھے، مولانا باریاب ہوئے تو حضرت کو بتایا کہ ایک برہمن آپ کے دیدار کا مشتاق ہو کر میرے ساتھ آیا ہے اور دہلیز پر بیٹھا ہے۔

حضرت نے فرمایا: اندر بلالو، اُس شخص نے حجرے میں حاضر ہو کر تعظیم پیش کی اور ایک طرف بیٹھ کر مراقبہ میں چلا گیا کوئی بات نہیں کی۔ حضرتؒ نے سیّد محمد امام سے کہا: ''یہ مشغول ہو گیا'' کچھ دیر کے بعد اُس نے آنکھ کھولی اور زمین پر سر رکھ دیا، پھر اُٹھا اور سلام کر کے چلا گیا۔ مولانا یوسف کلاکھیڑی بہت حیران ہوئے کہ میں اِس شخص کو کہاں لے آیا۔ اس نے تو دو باتیں بھی نہیں کیں۔ یونہی منہ اُٹھا کر چل دیا۔ یُوسف کلاکھیڑی کی جانب دیکھ کر حضرتؒ مسکرائے اور فرمایا: ''مولانا اس قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں!'' اگلے دن مولانا اپنے گھر واپس آئے تو وہ برہمن آیا مولانا نے کہا: عجیب آدمی ہو شیخ کے سامنے جا کر مراقبہ کرنے لگے اور اُن سے دو باتیں بھی نہیں کیں، یونہی واپس آگئے۔'' برہمن نے کہا: میں کیا بات کرتا؟ میں نے مراقبہ کیا تاکہ یہ دیکھوں کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی چھوٹ حضرت کی گفتگو میں پڑتی ہے، میں نے بہت کوشش کی مگر سراغ نہ ملا اور کسی جانب سے ان نعمتوں کی طرف پہنچنے کا راستہ مجھے نہ ملتا تھا، ایشور ہی جانتا ہے کہ شیخ کے باطن میں کون سی نعمتیں بھری ہوئی ہیں کوئی منش (انسان) نہ اُن نعمتوں کو پا سکتا ہے، نہ ان کا انوبھو (تجربہ) کر سکتا ہے، جب میں نے یہ دیکھا تو اچرج میں پڑ

گیا اب اُن سے بات ہی کیا کرتا؟'' (قوام العقائد)

حضرت کی غذا

حضرت اُن دنوں کو چھوڑ کر جن میں روزہ رکھنا مکروہ ہے، بارہ مہینے روزے رکھتے تھے۔ آپ کے لیے سحری خواجہ عبدالرحیم لے کر آتے تھے، حضرت کبھی ایک آدھ لقمہ چکھ لیتے اور کبھی جوں کی توں واپس ہو جاتی تھی، افطار کے وقت بھی غذا بہت قلیل ہوتی تھی اور اُس میں سے بھی حاضر الوقت لوگوں کو عطا فرماتے رہتے تھے، ایک بار کوئی مسافر حضرتؒ کی خدمت میں آیا، آپ اُس وقت دستر خوان پر بیٹھے تھے اُسے بھی بٹھالیا۔ دورانِ گفتگو میں اُس سے پوچھا، اس سفر میں آپ کن درویشوں سے ملے؟ اُس نے نام بنام ذکر کرنا شروع کیا اور کہنے لگا ایک درویش تو ایسے ملے جو نہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں، نہ پوری نیند سوتے ہیں، جب وہ مسافر یہ بات کہہ رہا تھا ہمارے حضرت لقمہ بنا کر اُٹھا چکے تھے اور دہنِ مبارک تک لے جا رہے تھے کہ اچانک اُسے واپس رکھ دیا اور کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ (نفائس ۲۷ ذی قعدہ ۳۲ھ)

آپ کو گنّے بہت مرغوب تھے، جن عقیدت مندوں کو یہ بات معلوم تھی وہ جب گنّے کی فصل نہ ہوتی اُس وقت بھی دُور دُور سے کھوج کر لے آتے تھے، اور حجرے کے کونے میں دو چار گنّے ہر وقت رکھے رہتے تھے، ایک دن بے موسم کے گنّے حجرے میں رکھے دیکھے، تو خواجہ کریم الدینؒ نے دل میں سوچا آج کل گنّے کہاں سے آ گئے؟ حضرتؒ نے وہی بات شروع کر دی، اور فرمایا کہ مجھے گنّے بہت ہی زیادہ مرغوب ہیں جب دوستوں اور عزیزوں کو یہ معلوم ہے کہ مجھے پسند ہیں تو جانے کہاں کہاں سے کھوج کر لے آتے ہیں، مگر اس سال گنّوں کی پوری فصل گزر گئی ہے میں نے صرف ایک پوری ''بطور حقِ نعمت'' کھائی ہے۔ خواجہ کریم الدین نے کہا کہ غور کرو اس سے بڑی ریاضت اور کیا ہو گی کہ جو چیز حضرتؒ کو اتنی مرغوب ہو وہ بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائیں۔

ایک بار حضرتؒ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، آپ نے کوئی دوا کھائی جس کے بدرقے کے طور پر دودھ پینا ضروری تھا، آپ نے دوا تو کھالی دودھ نہیں پیا، دوا کا ردِ عمل ہونے لگا، خدام

نے عرض کیا حضرت تھوڑا سا دودھ لے لیں تو دوا کا زور کم ہو جائے گا۔ حضرتؒ نے فرمایا مجھ سے پیا ہی نہیں جائے گا۔ خدام نے پھر اصرار کیا کہ دو تین چمچے ہی دودھ کے لے لیں، حضرتؒ نے پھر فرمایا: ''یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔'' اس وقت کسی نے حضرت کی غذا کا حال پوچھا تو فرمایا: کہ افطار کے وقت ایک چپاتی کھا لیتا ہوں، سائل نے پھر پوچھا: ''کیا اتنی ہی بھوک ہوتی ہے؟'' فرمایا: نہیں ایک چپاتی اور کھا سکتا ہوں مگر کھاتا نہیں''۔ یہ چپاتی سات آٹھ تولے وزن کی ہوتی تھی، جو افطار کے وقت تناول فرماتے تھے۔ افطار کے بعد آپ تھوڑی دیر آرام کرتے تھے، اس مدت میں آپ کے خدام کچھ انار دانے گلاب میں تر کر کے لے آتے تھے، اس میں سے آپ صرف چند دانے منہ میں رکھ لیتے تھے۔ ایک دن ایک صاحب موجود تھے آپ نے کچھ انار دانے انہیں مرحمت فرمائے، اُن کا بیان ہے کہ میں حیرت میں رہ گیا۔ یہ اسی دنیا کا انار ہے، یا جنت کا میوہ ہے؟ میں نے ایسی لذت اور اتنی لطافت کبھی انار میں محسوس نہیں کی تھی۔ یہ بھی ہمارے حضرت دس پانچ دانوں سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔

سحری کے لیے عموماً طاہری تیار کی جاتی تھی تو عبدالرحیم یہ کرتے تھے کہ بھُنا ہوا چوزہ یا کوئی پرندہ مثلاً بٹیر یا تیتر چاولوں میں چھپا کر رکھ دیتے تھے اور وہ خاص اہتمام سے بہت لذیذ پکایا ہوا ہوتا تھا، مگر کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت کی انگلیوں نے اُسے چھوا ہو، آپ کنارے سے ایک آدھ لقمہ اُٹھا لیتے تھے اور وہ رکابی ویسے ہی واپس آ جاتی تھی بلکہ شاید آپ کو یہ احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ اس میں کوئی اور چیز بھی رکھی ہے۔

حضرتؒ کا لباس

حضرت کا لباس بہت سادہ اور معمولی ہوتا تھا، لوگ طرح طرح کے کپڑے نذر میں لاتے تھے مگر وہ سب تقسیم ہو جاتے تھے، بعض کپڑے آپ ایک آدھ دن پہن لیتے تھے تا کہ اپنا لباس کسی کو مرحمت فرمائیں تو کام آ سکے۔ لباس پہننے سے پہلے یہ ضرور سوچتے تھے کہ ایسا لباس ہمارے مشائخ نے پہنا ہے یا نہیں، اگر شبہ ہوتا تو ہرگز نہ پہنتے تھے، اکثر کسی بات پر بڑی محبت اور عقیدت سے فرماتے تھے کہ ''این سنتِ خواجگانِ ماست'' بارانی ایک لباس تھا جو علمائے ظاہر پہنا کرتے تھے، آپ نے وہ کبھی نہیں پہنا۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی ایک دوتائی تھی

جگہ جگہ سے پیوند کی ہوئی جس قسم کا بھی پاک کپڑا ملتا تھا اسی کا پیوند لگا لیا جاتا تھا، حضرت خواجہ اجمیریؒ نے وہ دوتائی خواجہ قطب الدینؒ کو مرحمت فرمائی تھی اور قطب صاحبؒ نے اپنے تبرکات کے ساتھ حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ کو عطا فرمائی تھی اُن سے یہ ہمارے حضرتؒ کو ملی تھی اور آپ اُسے خاص مواقع پر بہت عقیدت سے زیب تن فرماتے تھے۔ یہ دوتائی اپنے تبرکات کے ساتھ آپ نے حضرت چراغ دہلیؒ کو مرحمت فرمائی تھی جو غالباً اُن کے جسدِ مبارک کے ساتھ ہی دفن کر دی گئی۔ (انوار المجالس قلمی نسخہ آصفیہ ورق ۶۱۔ الف)۔ آپ کی پاپوش مبارک عموماً لال رنگ کی ہوتی تھی اور کلاہ مبارک کبھی لال کبھی زرد پہنتے تھے۔

آخری علالت اور وصال

نہایت سخت مجاہدات کی وجہ سے حضرت کی صحت کبھی اچھی نہیں رہی مگر اپنی ایمانی قوت اور روحانی برکت سے کمزوری کے باوجود سارے مشاغل پورے اہتمام اور پابندی سے جاری رکھتے تھے۔ اُس زمانے میں خلہ کی بیماری بہت ہوتی تھی اِس نے بھی حضرت کو بہت پریشان کیا۔ کبھی سر میں درد بھی ہو جاتا تھا یہ مسلسل جاگنے کے سبب سے ہوتا تھا، کبھی بواسیر کی شکایت ہو جاتی تھی، ان بیماریوں سے آپ کی بصارت بھی متاثر ہوتی تھی۔ ایک بار آپ بیمار تھے، حضرت برہان الدین غریبؒ حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: مولانا برہان الدین آؤ، یہ کہہ کر مصافحہ کے لیے دست مبارک دوسری طرف بڑھائے۔ حضرت غریبؒ سمجھ گئے کہ حضرتؒ کی بصارت کچھ متاثر ہے بہت دُکھی ہوئے اور جماعت خانے میں آ کر رنجیدہ بیٹھ گئے، پھر انھیں حضرت کا فرمان یاد آیا کہ اگر کسی کو کوئی حاجت پیش آئے تو آیت: **وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا** ۔ ۵۷ بار پڑھے ان شاء اللہ وہ پریشانی دور ہو جائے گی۔ حضرت غریبؒ نے یہی ورد شروع کیا، جیسے ہی ۵۷ کا عدد پورا ہوا اُوپر سے کسی آنے والے نے بتایا کہ حضرتؒ کو صحت ہو گئی، ہر چیز کو صحیح دیکھ رہے ہیں۔ (نفائس الانفاس)

ایک بار حضرت بیمار ہوئے، خاصی پریشان کن حالت تھی کچھ دن کے بعد صحت ہونے لگی، ایک دن حضرتؒ نے فرمایا کہ "اس بیماری میں ہمارے ایک مرید نے خود کو ہمارے اُوپر

قربان کر دیا۔" جب حضرتؒ بیمار ہوتے تھے تو خادمانِ درگاہ یہ کوشش کرتے تھے کہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہیں اور اچھی اچھی پُر لطف باتیں کریں، جن سے حضرتؒ کو راحت ملے، حضرتؒ خود بھی فرمایش کر کے لطائف سنتے تھے۔ ایک بار آپ بیمار تھے، حضرت برہان الدین غریبؒ اور بہاء الدین دارالامانؒ حاضر خدمت تھے۔ حضرت نے مولانا بہاء الدین سے فرمایا کہ کوئی لطیفہ سناؤ، مولانا بہاء الدین نے کہا کہ ایک شخص بیمار تھا اُس سے طبیبوں نے کہا کہ تم آبِ گوشت کے سوا اور کچھ نہیں کھانا اس کے لیے دو من گوشت منگوایا گیا اور اتنا ہی اُس میں پانی ڈالا پھر جب پکتے پکتے وہ ایک پیالہ بھر رہ گیا تو وہ آبِ گوشت اُسے پینے کو دیا گیا۔ طبیب نے اُس سے کہا کہ "آج تم نے دو من گوشت کھایا ہے" یہ سن کر حضرت نے تبسم فرمایا۔ (نفائس الانفاس ۲۹ صفر ۷۳۴ھ)

(حضرت کے وصال سے چالیس دن پہلے معمولات میں فرق آنا شروع ہو گیا تھا۔ مثلاً نماز میں سجدے زیادہ کرتے، یا گریہ بہت زیادہ اور بے سبب طاری ہوتا، یا تحیر کا عالم پیدا ہو جاتا۔ جمعہ کے دن کو بار بار یاد فرماتے، ایک وقت کی نماز دو دو، تین تین بار ادا فرماتے یا یہ مصرع پڑھتے:

می رَویم و می رَویم و می رَویم

اسی حالت میں ایک دن جماعت خانے میں تجرید کرائی اور اقبال سے فرمایا کہ جو کچھ ہے سب مساکین میں تقسیم کر دو ورنہ کل خدا کے سامنے تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اُس زمانے میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ دہلی میں تھے وہ عیادت کے لیے آئے تو انھوں نے حضرت سے کہا کہ انبیاء کو حیات و موت میں اختیار دیا جاتا ہے، علماء و مشائخ بھی وارثینِ انبیاء ہیں، آپ بھی اگر کچھ دن اور دنیا میں رہنے کا ارادہ فرمالیں تو اس سے بہت سے طالبوں کو فائدہ پہنچے گا۔ حضرت نے روندھی ہوئی آواز میں فرمایا: "آج کل ہر شب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں: نظام، اشتیاق تو مارا بیشتر است زود بیا در کنفِ ما بیاسا" (نظام تم سے ملنے کا ہمیں بہت اشتیاق ہے، جلدی سے آؤ اور ہمارے پاس آرام کرو)

انتقال سے چالیس دن قبل کھانا پینا مطلق ترک کر دیا تھا، ایک دن اخی مبارک نے تھوڑا سا سوئیوں کا پانی پیش کیا تو وہ بھی نہیں لیا، اور فرمایا نالی میں پھینک دو۔

حضرت شمس الدین دامغانیؒ نے موقع پا کر عرض کیا کہ آپ کہاں آرام فرمانا چاہیں گے تو حضرت نے فرمایا کہ جنگل میں کھلے آسمان کے نیچے سوؤں گا۔ اسی بیماری کے زمانے میں حضرتؒ کے خدمت گاروں نے دریافت کیا کہ مخدوم کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟ فرمایا کہ میرے روضے پر اتنا آتا رہے گا جو تم لوگوں کے لیے کفایت کرے گا، کسی نے پھر عرض کیا کہ اُس کی تقسیم کون کرے گا؟ مراد یہ کہ روضہ کا متولی کون ہوگا؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ "جو اپنا حصہ چھوڑ دے گا۔" چنانچہ عہدِ محمد شاہ تک حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد روضۂ مبارک کی متولی رہی۔ فتوح کی تقسیم چار حصوں میں ہوتی تھی:

۱۔ پہلا حصہ فریق اوّل بنیرگان کا جن میں حضرت بدرالدین اسحٰق کی اولاد یعنی حضرت بابا فریدؒ کے نواسے ہیں، چونکہ حضرت نظام الدین اولیاؒ تمام عمر مجرد رہے، اور آپ کی کوئی صُلبی اولاد نہیں تھی، اور بابا صاحبؒ کے نواسوں کو آپ نے اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا تھا، اس لیے پہلے فریق وہی قرار پائے۔ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی مترجم فوائد الفواد اس خاندان کی نشانی ہیں۔

۲۔ فریقِ ثانی "ہارونیان" یعنی حضرت خواجہ رفیع الدین ہارونؒ کی اولاد۔ اس خاندان کا کوئی فرد اب بقیدِ حیات نہیں ہے۔ بعض حضرات اُن کے نواسوں میں موجود ہیں۔ خواجہ حسن نظامیؒ اِسی نسبت سے اپنے آپ کو "خواہرزادہ" لکھا کرتے تھے۔

۳۔ فریق ثالث، قاضی زادگان، یہ حضرت قاضی محی الدین کاشانی کی اولاد ہیں، ان کی رشتہ داری ہارونیان میں ہوئی اور کسی زمانے میں ننھیال سے بھی اُن کو وراثت ملی جو اب تک چلی آرہی ہے۔

۴۔ چوتھا فریق "ہندوستانیان"۔

حضرت کی تدفین ظہر کی نماز سے پہلے عمل میں آئی، حضرت رکن الدین ملتانیؒ نے خواجہ اقبال سے دریافت کیا کہ حضرت مقابرِ یاران میں فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لاتے تھے تو کس جگہ بیٹھتے تھے، خواجہ اقبال نے ایک جگہ بتائی جہاں نارنگی کا درخت لگا ہوا تھا، اور کہا کہ حضرت کی نشست اس پیڑ کے نیچے ہوا کرتی تھی، حضرت رکن الدین نے وہی جگہ آپ کی لحد کے لیے تجویز فرمائی (قوام العقائد)

سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ جہاں آپ کا روضہ ہے یہاں صحرا تھا، اور یہ بلند اور شاندار عمارتیں بعد کو وجود میں آئیں، بعض دوسرے تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ خضر خاں یہ مقبرہ بنوا چکا تھا، (جواب درگاہ شریف کی مسجد ہے) مگر حضرت کی وصیت کے بعد آپ کو وہاں دفن کرنا مناسب نہ سمجھا گیا، اور اُس مقبرے کے سامنے ایک حوض تھا اُسے مٹی سے پاٹ کر اُس میں لحد تیار کی گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض اور عقیدت مندوں نے بھی شاندار روضے تعمیر کرار کھے تھے۔

حضرت کا وصال ۱۸/ ربیع الثانی ۷۲۵ھ/۲۔ اپریل ۱۳۲۵ء کے دن صبح سات بجے کے قریب (بعد طلوع آفتاب) ہوا، اور اُسی دن دوپہر میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کو حضرت رکن الدین ملتانیؒ اور حضرت چراغ دہلیؒ نے لحد میں اتارا، اور بابا صاحبؒ کے تبرکات آپ کے ساتھ قبر میں رکھے گئے۔ یعنی خرقہ، عصا، مصلیٰ، تسبیح۔

۲

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل کئی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے چند قدیم ترین مآخذ یہ ہیں:

۱۔ فوائد الفواد (ملفوظاتِ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، جمع کردہ امیر حسن علاء سنجری اس کے پانچ حصے ہیں، جن میں ۱۸۸ مجلسوں کا حال ہے، ان میں حضرت کے ارشادات ملفوظات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ اس کتاب پر قدرے تفصیلی گفتگو ہم آگے چل کر کریں گے۔

۲۔ قوام العقائد۔ مرتبہ محمد جمال قوام نبیرۂ شمس العارفین دہلوی۔ یہ کتاب یکم محرم ۷۵۵ھ کو لکھنا شروع کی گئی اور ۷/ رجب ۷۵۵ھ کو اختتام تک پہنچی یعنی اس کی جمع و تالیف میں ۱۷۴ دن صرف ہوئے۔ اس میں حضرت کے حالات و ملفوظات ہیں جن کا ایک حصہ تو وہی ہے جو فوائد الفواد، سیر الاولیا، دُررِ نظامی اور خیر المجالس میں ملتا ہے، کچھ باتیں اِس سے نئی بھی معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے عزیزِ گرامی صاحبزادہ سیّد محمد خسرو حسینی فرزندِ اکبر حضرت مخدومِ عالمیاں سیّد محمد الحسینی سجادہ نشینِ حضرت بندہ نواز گیسو دراز قُدس سرہ کے مملوکہ عکسی نسخے سے استفادہ کیا ہے، اور اس کرمِ بے نہایت کے لیے دونوں بزرگوں کا شکریہ صمیم قلب سے ادا کرنا واجب ہے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ فِي الدَّارَيْن۔

۳۔ سیر الاولیا۔ یہ مشہور کتاب سیّد محمد بن مُبارک علوی کرمانی (متوفی ۷۷۰ھ) کی تالیف ہے جو عام طور سے "امیر خُرد" کہلاتے ہیں۔ اس خاندان کے روابط حضرت بابا فریدؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ، سے بہت قدیم اور بہت اُستوار رہے، امیر خُرد کے دادا سیّد محمد کرمانی اجودھن میں بھی رہے اور دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ بھی اُس وقت سے رہے جب آپ غیاث پور میں منتقل بھی نہیں ہوئے تھے۔

امیر خُرد نے جب سیر الاولیاء مرتب کی اُس وقت اُن کی عمر پچاس ہو چکی تھی۔ اس میں اپنے مشاہدات کے علاوہ اُنھوں نے اپنے دادا، والد اور چچا سے روایات اخذ کی ہیں، اور حتی الوسع بہت احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ لکھا ہے۔ تذکرۂ اولیاے ہندوستان کی یہ قدیم ترین اور مستند کتاب ہے۔ اس میں دس ابواب ہیں، آخری باب میں حضرت کے ملفوظات کا انتخاب بھی دیا ہے۔ سیر الاولیاء کے چند قلمی نسخے یہ ہیں:

۱۔ نسخہء ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ، مکتوبہ ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء

۲۔ نسخہء انڈیا آفس لندن نوشتہ ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء

۳۔ نسخہء دار العلوم دیو بند مکتوبہ ۱۲ جلوس اکبری مطابق ۹۷۴ھ (مخطوطات دیو بند ۲/۵۱)

۴۔ نسخہء برٹش میوزیم لندن۔ مکتوبہ در حدود ۱۸۵۰ء

۵۔ نسخہء برلین۔ رقم ۵۸۶ (استوری ۱/۹۶۶)

نسخہء کتب خانہء آصفیہ حیدر آباد دکن رقم ۹۳۹ نوشتہ ۱۲۷۷ھ/۴۱-۱۸۴۰ء (فہرس: ۲۶۶) نسخہء مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ (جواہر میوزیم اٹاوہ کلکشن) رقم ۸۹/۹۲۰ اوراق ۲۷۲۔ ۱۱۵۰ھ میں سید عبد اللہ جیو کو ایک نسخہ قدیم سیّد محمد حسین بن فضل اللہ (یکے از اجدادِ ایشاں) کا لکھا ہوا ملا جسے سامنے رکھ کر شیخ محمد کاتب سے ۱۲۰۲ھ مطابق ۲۰ جلوس شاہ عالم میں یہ نسخہ لکھوایا گیا۔ یہ کتاب شعبان ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں چرنجی لال مالک مطبع محب ہند فیض بازار (دریا گنج) دہلی کی توجہ سے پہلی بار شائع ہوئی، اور اس کا اردو ترجمہ ۱۹۲۳ء میں لاہور سے چھپا تھا۔ اسی ایڈیشن کا عکس مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا تھا۔

سیر الاولیاء حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے حالات میں سب سے مفصل، مستند اور قابلِ قدر کتاب ہے۔

۴۔ دُرَرِ نظامی۔ مؤلفہ علی بن محمود جاندار، بھی ایک قدیم ماخذ ہے۔ اس میں حضرت کے ملفوظات اور تعلیمات کو ۳۰، ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اس کا بڑا حصہ تو سیر الاولیاء اور فوائد الفواد میں مشترک ہے، کچھ مواد ایسا ہے جو صرف اس کتاب میں ملتا ہے۔ اس کا فارسی متن آج تک شائع نہیں ہوا، ہم نے کتب خانہء سالارِ جنگ میوزیم کے مخطوطے کی دستی نقل سے کام لیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ پیرزادہ محمد یٰسین نظامی نے کیا تھا اور یہ بازار میں ''گفتارِ محبوب'' کے نام سے بھی ملتا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ حضرتؒ کے حالات و ملفوظات مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی ملتے ہیں:

۱۔ احسن الاقوال ملفوظاتِ حضرت برہان الدین غریبؒ (اردو ترجمہ از عبدالمجید اورنگ آبادی)

۲۔ نفائس الانفاس۔ ملفوظاتِ حضرت غریبؒ (قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ) مکتوبہ ۱۲، رجب ۱۲۹۳ھ

۳۔ شمائل الاتقیاء۔ مرتبہ رکن الدین عماد کاشانیؒ مابین ۷۳۲ھ و ۷۳۸ھ
قلمی نسخے۔ نیشنل میوزیم دہلی۔ ادارۂ ادبیاتِ اُردو، حیدر آباد۔ جامعہ عثمانیہ (مکتوبہ ۱۰۹۰ھ) نسخہء ذخیرہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ (مکتوبہ ۱۲۶۱ھ)
یہ ایک بار حیدر آباد سے شائع بھی ہو چکی ہے (محرم ۱۳۴۷ھ) مگر مطبوعہ بھی کمیاب ہے

۴۔ خیر المجالس۔ ملفوظات حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ جمع کردہ حمید قلندر

۵۔ جوامع الکلم: ملفوظات حضرت سیّد محمد حسینی گیسودراز قُدس سرہ جمع کردہ سیّد حسن المعروف بہ سیّد محمد اکبر حسینی (قلمی نسخہ کتب خانہء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ دہلوی) یہ محمد حامد صدیقی صاحب کی تصحیح کے بعد ۱۳۵۶ھ میں انتظامی پریس کانپور میں چھپ کر درگاہ شریف گلبرگ سے شائع بھی ہو چکی ہے۔

۶۔ سیر العارفین۔ مؤلفہ جمالی دہلوی اُردو ترجمہ از غلام احمد سنبھلی، شمس المطابع مراد آباد ۱۹۰۱ء۔ نیز مرتبہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری شائع کردہ مرکزی اُردو بورڈ لاہور ۱۹۷۶ء۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کے کچھ اور مجموعے بھی مرتب ہوئے ان میں

سے بعض کی اصلیت مشکوک ہے۔ مثلاً افضل الفوائد اور راحۃ المحبین اور بعض اب دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں، ان کا تذکرہ کرنا اس لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والوں کو ان کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہو اور ممکن ہے کبھی کسی کو ان میں سے کوئی نسخہ کہیں دستیاب ہو جائے۔

۱۔ حضرت بدرالدین اسحٰقؒ کے صاحبزادے اور مترجم فوائد الفواد (خواجہ حسن ثانی نظامی) کے مورثِ اعلیٰ حضرت خواجہ سید محمد امام نے بھی شیخ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ انوار المجالس ترتیب دیا تھا (سیر الاولیاء ۲۰۰ و ۲۷۹)

۲۔ تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار: مرتبہ خواجہ عزیز الدین صوفی (سیر الاولیاء، ص ۲۰۲)

۳۔ مجموع الفوائد: مرتبہ عبدالعزیز خواجہ ابوبکر مُصلّی دار (سیر الاولیاء ص ۲۰۷)

۴۔ ملفوظات المشائخ: جمع کردہ شمس الدین دھاری (سیر الاولیاء ص ۳۱۸)

۵۔ خلاصۃ اللطائف: (عربی) مرتبہ علی بن محمود جاندار مولف دُرر نظامی (سیر ۲۴۹ و اخبار الاخیار ۹۴)

لیکن ان کتابوں میں سب سے زیادہ اہم، مستند اور مقبول کتاب فوائد الفواد ہی رہی ہے جو ہر دور میں صوفیائے چشتیہ کا دستور العمل سمجھی گئی ہے۔ اس کی خصوصیات پر ایک تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے خود جامعِ ملفوظات امیر حسن علا سجزی کے مختصر حالات بیان کر دیے جائیں۔

امیر حسن[1] علاء۔۔۔ سجزی دہلوی جامع فوائد الفواد:

امیر حسن کا نام حسن اور لقب نجم الدین ہے مگر وہ امیر حسن علاء کے نام سے مشہور ہیں، اس میں اسم ثانی علاء اُن کے پدر بزرگوار کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کا لقب علاؤ الدین تھا۔ حسن بدایوں میں پیدا ہوئے۔ وہ نسبتاً سید ہاشمی قرشی[2] ہیں، ولادت ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء میں ہوئی اس طرح وہ امیر خسرو (۷۲۵ھ۔۶۵۱ھ) سے ایک سال چھوٹے تھے۔ ابتدائے عمر میں ہی

1- حسن سجزی (ان کی نسبت وطنی بروزن خنجری نہیں سجری بروزن چشتی ہے) سگ فارسی قدیم میں محافظ اور سپاہی کو کہتے ہیں سکستان ایران کا صوبہ ہے جہاں سے غالباً فوج میں بھرتی کی جاتی تھی۔ عربی میں گاف جیم سے بدل گیا اور یہ سجستان ہوا، اس سے نسبتِ وطنی سجزی ہوئی۔ لسانیات کا قاعدہ ہے کہ جیم اور یائے کی آوازیں بھی ایک دوسرے سے بدل جاتی ہیں جیسے (یمنا اور جمنا) اسی طرح سجستان سیستان ہو گیا۔

2- امیر حسن کا شعر ہے: قرشی الاصل ہاشمی نسبم کز ہوائش برآمد این شجرم

(غالباً عہد بلبن میں) دہلی آ گئے تھے اور تعلیم زیادہ تر یہیں حاصل کی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے ان کی واقفیت پرانی تھی۔ مگر ملاقات دہلی میں ہوئی ہوگی۔ اس لیے کہ بدایوں میں ان کی ولادت سے پہلے حضرتؒ اُس شہر کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ امیر حسنؒ نے مبداء فیاض سے نہایت حساس ذہن اور لطیف مذاق پایا تھا، فارسی اور عربی پر غیر معمولی قدرت حاصل ہوگئی تھی اور تیرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر انھوں نے ملازمت اختیار کی۔ امیر خسرو کے ساتھ وہ بھی سلطان بلبن کے لائق ولی عہد محمد خان شہید کے متوسل رہے جو انھیں دوات دار بنا کر ملتان لے گیا تھا (۶۷۸ھ) اُس کی مصاحبت میں پانچ سال تک رہے (برنی ۶۷) شہزادہ محمد کی شہادت پر امیر خسرو نے نظم میں اور امیر حسن نے نثر میں مرثیہ لکھا، شہزادہ محمد علم وادب کا بڑا قدردان اور سرپرست تھا وہ منگول لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے ۳۰ ذی الحجہ ۶۸۳ھ/۸ مارچ ۱۲۸۵ء کو شہید ہو گیا تھا، یہ عہدِ سلطنت میں تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے، اگر شہزادہ محمد خان کو تخت بلبن پر بیٹھنے کا موقع ملا ہوتا تو ہندوستانی ادب وثقافت کی تاریخ دوسرے ہی انداز میں لکھی جاتی۔ اُس کی شہادت کے بعد امیر حسین بے روزگار ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد جلال الدین خلجی (۱۲۹۵/۶۹۵۔۱۲۹۰/۶۸۹ھ) نے انھیں درباری ملازمت میں لے لیا، بدایونی کا بیان ہے کہ جلال خلجی کے دربار میں گویّے امیر حسن کی غزلیں گایا کرتے تھے (بدایونی ۱/۱۸۲) جلال الدین کے بعد رُکن الدین ابراہیم شاہ اوّل چند روز کے لیے بادشاہ بنایا گیا تھا پھر علاؤ الدین خلجی تخت نشین ہوا (۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء) یہ زیادہ پڑھا لکھا بھی نہ تھا، اور اسے شعروادب سے بھی کچھ مناسبت نہ تھی، اس لیے امیر حسن شاید فوج کے غیر محارب عملے میں کسی معمولی خدمت پر لگ گئے تھے۔ شاہی لشکر کے ساتھ وہ مشرق میں لکھنوتی اور جنوب میں دیوگیر (دولت آباد) تک گئے، جب وہ لشکر کے ساتھ باہر جاتے تھے تو آٹھ آٹھ مہینے کی غیر حاضری ہو جاتی تھی، اس لیے مجلسوں کا فصل بڑھ گیا ہے۔ دہلی میں اُن کی سکونت خضر آباد چھاؤنی میں تھی۔ انھوں نے علاؤ الدین خلجی (ف ۷۱۶ھ) کی مدح میں قصائد بھی لکھے ہیں، مگر بادشاہ نے کوئی خاص قدردانی کا ثبوت نہیں دیا۔ کبھی کبھی اُن کی تنخواہ بھی رُک جاتی تھی اور مالی اعتبار سے پریشان رہتے تھے۔ کبھی اپنا سامان اور اسلحہ بھی گروی رکھنا پڑ جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین مبارک شاہ اور خسرو خاں کے عہد میں وہ خانہ نشین رہے۔ حضرتؒ سے

اُن کی شناسائی تو ممکن ہے عہدِ بلبن ہی سے رہی ہو، امیر خسرو اور ضیاء الدین برنی اُن کے دوست تھے اُن کے ساتھ یا اپنے طور پر شاید یہ حضرت کی خانقاہ میں بھی آتے ہوں گے، مگر اصلاً اُن کی معاشرت ایک دنیادار آدمی کی سی تھی، اُن کے حال پر حضرت کی جو توجہ ہوئی، اس نے دنیا ہی بدل کر رکھ دی اور ایک درباری ملازم کو خاصانِ حق کی بارگاہ تک پہنچا دیا، اُس کے بارے میں بہت سے افسانے بھی مشہور ہو گئے ہیں جن کا یہاں درج کرنا غیر پسندیدہ طوالت کا باعث ہوگا لیکن مولانا شہاب الدین امامؒ کی یہ روایت بے اصل نہیں ہوسکتی (سیر العارفین اردو ترجمہ ۱۱۷۔۱۱۸) کہ ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حسبِ معمول خواجہ قطب صاحبؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے واپس آ رہے تھے، آپ کا گذر حوضِ شمسی پر ہوا، جو اُس زمانے میں بڑی بارونق اور پُر فضا سیرگاہ تھی، اس کے اطراف میں بھی بعض بزرگوں کے مزارات تھے، حضرتؒ وہاں فاتحہ پڑھنے تشریف لے گئے۔ وہیں کہیں اتفاق سے امیر حسن سجزیؒ اپنے دوستوں کے ساتھ میکشی کا شغل کر رہے تھے، اچانک حضرتؒ کا سامنا ہو گیا، یہ سٹپٹا گئے اور اُسی نشے کی حالت میں لڑکھڑاتی زبان سے یہ اشعار پڑھے[1]:

سالہا باشد کہ ماہم صحبتیم
گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست؟
زہد تان فسق از دلِ ما کم نہ کرد
فسقِ مایان، بہتر از زہدِ شماست!

ترجمہ: کتنے برسوں سے ہماری ایک دوسرے سے ملاقات ہے، اگر صحبت میں کوئی اثر ہوتا ہے تو وہ کہاں ہے؟ تمہارا زُہد ہمارے فسق پر غالب نہ آسکا، گویا ہمارا فسق تمہارے زُہد سے اچھا ہے!

امیر حسن کے لیے سعادت کی گھڑی آچکی تھی، حضرت نے مسکرا کر اُن کی طرف دیکھا اور صرف اتنا فرمایا: ''در صحبت اثرہاست اِن شاء اللہ روزی باد'' (صحبت میں اللہ چاہے بڑی تاثیریں ہیں خدا تمہیں روزی کرے) یہ الفاظ امیر حسن کے خرمنِ معاصی پر بجلی بن کر گرے، اُس مدہوشی کے عالم میں اور بھی بے اختیار ہو گئے، فوراً اپنے سر سے کُلاہ اُتاری اور حضرتؒ کے

1- جمالی دہلوی: سیر العارفین (اردو ترجمہ) ۱۱۸۔۱۱۷

قدموں سے لپٹ گئے۔ حضرتؒ نے سر پر ہاتھ پھیرا، کچھ دیر اُن کی دلجوئی کے لیے وہاں کھڑے رہے، پھر آپ مزارات پر حاضری دے کر واپس چلے آئے۔ اگلے دن امیر حسن خانقاہ میں حاضر ہوئے، حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعتِ توبہ کی اور خانقاہ کے مستقل حاضر باشوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت کے دو لفظوں نے امیر حسن کی دنیا اور آخرت دونوں کو سنوار دیا، اگر وہ لمحہ اُن کی زندگی میں نہ آتا تو جیسے سینکڑوں بڑے بڑے باکمال شاعر گمنامی کی گرد میں گم ہو کر رہ گئے، ایسا ہی اُن کا انجام بھی ہوتا۔ حضرتؒ نے انھیں اور اُن کے فن کو عمر جاوداں بخش دی ایسی ہی صورتِ حال کے لیے حافظ شیراز نے کہا ہے:

آنان کہ خاک را ز نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہء چشمے بما کنند

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ توبہ کے وقت امیر حسن کی عمر ۷۳ سال تھی۔ یہ درست نہیں۔ اُن کا سال ولادت ۶۵۲ھ ہے تو از روئے حساب یہ واقعہ ۷۲۵ھ میں پیش آنا چاہیے۔ جب کہ فوائد الفواد کا آغاز ۳ شعبان ۷۰۷ھ (۲۸ جنوری ۱۳۰۸ء اتوار) سے ہوتا ہے اور قیاس یہی چاہتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ اسی سال پیش آیا ہے۔ اُس وقت امیر حسن کی عمر ۵۵ سال تھی۔ اس کی طرف امیر حسن نے اپنے ایک شعر میں بھی اشارہ کیا ہے:

اے حسن توبہ آن گہے کردی
کہ ترا طاقتِ گناہ نماند

ترجمہ: اے حسن تم نے اُس وقت توبہ کی جب گناہ کرنے کی طاقت ہی باقی نہ رہی۔

مسعود علی محوی مرتب کُلیاتِ امیر حسن دہلوی کو اس قصے کی صحت میں شک ہے اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ ۶۹۹ھ میں شاہی فرمان کے ذریعہ علاؤالدین خلجی نے سارے ملک میں شراب کی کشید اور فروخت پر پابندی لگا دی تھی، اور اُس کے حکم کی خلاف ورزی کسی پبلک مقام پر کرنا ممکن نہ تھا، لیکن اس واقعے کی تصدیق کے لیے کئی داخلی قرینے موجود ہیں۔ اوّل یہ دیکھنا چاہیے کہ معزالدین کیقباد کے زمانے میں فسق و فجور اتنا عام ہو گیا تھا کہ سارا شہر میکدہ اور قحبہ خانہ بن کر رہ گیا تھا، اور ان حالات سے گھبرا کر یا بددل ہو کر حضرت نے دہلی کو خیر باد کہنے کا ارادہ کر لیا تھا جس کی کچھ تفصیل ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ اُس زمانے میں عوام اور

اُمراء سب عیش ونشاط اور فسق وفجور کی زندگی میں مبتلا تھے، امیر حسن کا تو وہ بھرپور جوانی کا زمانہ تھا، اگر انھیں بھی میکشی کی عادت پڑ گئی ہو تو کچھ تعجب کا مقام نہیں، کیونکہ یہ اُس زمانے کے معمولات میں شامل تھی۔ عہدِ علائی میں پابندیاں بھی اسی لیے لگائی گئیں کہ معاملہ حد سے تجاوز کر چکا تھا۔ لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ اس قدغن کے بعد میکشی کا نام ونشان مٹ گیا تھا۔ رہا پبلک جگہ کا سوال تو چیک ہونے کا احتمال شہر میں زیادہ ہوتا تھا، اسی لیے لوگ شہر سے باہر باغوں اور جنگلوں میں جمع ہو جاتے تھے۔ غیاث الدین تغلق کے دور (۱۳۲۵/۷۲۵ھ۔۱۳۲۰/۷۲۰ھ) میں سماع پر قدغن تھی تو سماع کی محفلیں بھی شہر کے باہر باغوں میں ہونے لگی تھیں۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ ''فوائد الفواد'' کی پہلی ہی مجلس توبہ کی فضیلت کے بیان سے شروع ہوتی ہے، اور حضرتؒ نے فرمایا: توبہ کرنے والا، متقی انسان کے برابر ہو جاتا ہے اس لیے کہ متقی وہ ہے جس نے مثلاً تمام عمر میں کبھی شراب نہ چکھی ہو یا کوئی گناہ اُس سے سرزد نہ ہوا ہو، اور تائب وہ ہے جس نے گناہ کیا اور اُس سے رجوع کر لیا۔ یعنی وہ گناہ کی لذت سے آشنا ہو کر اُسے چھوڑتا ہے تو یہ زیادہ بڑا مجاہدۂ نفس ہے۔ حضرتؒ کے یہ الفاظ خود اشارت کر رہے ہیں کہ امیر حسن سے خطاب ہے اور انھوں نے اُسی زمانے میں توبہ کی ہے۔

بیعت کے بعد امیر حسن ہر جمعہ کو خدمتِ شیخ میں حاضری دیتے تھے اور جمعہ کی نماز کیلوکھڑی کی جامع مسجد میں حضرت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

امیر حسن کی سیرت اور اخلاق

سب ہم عصر تذکرہ نگار امیر حسن کے مکارمِ اخلاق اور حسنِ سیرت کی شہادت دیتے ہیں، ضیاء الدین برنی جو امیر حسن کے دوست تھے، اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:

> امیر حسن مذکور باوصاف واخلاقِ مرضیہ، متّصف بودہ است، وبعزت خداوندان مکارمِ اخلاق کہ در لطائف وظرائف مجلسہا واستحضار اخبار سلاطین واکابر وعلمائے بزرگ دہلی واستقامتِ عقل وزی ء زیستِ صوفیہ ولزوم قناعت واعتقاد پاکیزہ وخوش بودن وخوش گذرانیدن بے اسباب دنیا، وتجرد وتفرد از علائقِ دنیا ہمچو اُو کسی را کمتر دیدہ ام ـــــ

چنان شیرین مجلس وظریف وخوش باش ومزاج دان ومودب ومہذب بود کہ مارا راحتے واُنسے کہ بمجالستِ اُومی شد از مجالستِ غیر اُودنیا فتیم" (تاریخ فیروز شاہی)

(امیر حسن مذکور نہایت پسندیدہ اخلاق واوصاف سے متصف تھے اور میں نے بہت کم لوگ دیکھے ہیں جو پاکیزہ اخلاق والوں کی طرح مجلسوں میں لطیف اور ظریفانہ باتیں کرنے دہلی کے بڑے علماء اکابر اور سلاطین کی تاریخ سے واقفیت، صوفیہ کی سی زندگی اور سمجھ، قناعت، پاکیزگی، اعتقاد، اور دنیوی ساز وسامان کے بغیر تجرد اور دنیا سے بے تعلقی کی زندگی میں خوش اور مطمئن رہنے میں اُن کی مثل ہوں۔۔۔ ان کی صحبت اس قدر شیریں ہوتی تھی اور وہ ایسے ظریف خوش مزاج، باادب اور مہذب تھے کہ ہم لوگوں کو جو راحت اور کشش اُن کی ہم نشینی میں حاصل ہوتی تھی وہ کسی اور کی صحبت میں نہیں ملتی تھی۔ (اردو ترجمہ از ڈاکٹر معین الحق ص ۱۲۳/۵۲۲) شائع کردہ (مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۹ء

سیر الاولیاء کا مؤلف امیر خُرد کرمانی بھی امیر حسنؒ سے ذاتی طور پر واقف ہے وہ کہتا ہے کہ لطافت طبع میں اُن کا جواب نہ تھا، عشق انگیز اشعار کہتے تھے اور ایسے لطائف ونکات اُن کی گفتگو میں ہوتے تھے کہ بادشاہ اور شہزادے بھی اُن کی باتوں کو سننے کے مشتاق رہتے تھے وہ اس دنیا میں مجرد رہے اور دیوگیر میں دفن ہوئے۔ (سیر الاولیاء ۳۱۸)

محمد قاسم فرشتہ کا بیان ہے کہ وہ فضل ودانش میں باکمال ہونے کے علاوہ حسن وجمال میں بھی بے مثال تھے، مگر باقی جو داستان فرشتہ نے لکھی ہے وہ بازاری گپ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، کسی دوسرے تذکرہ نگار نے اُن کے حسن وجمال کا ذکر نہیں کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی نے امیر حسن کی سیرۃ اور حسنِ اخلاق کو چند لفظوں میں ظاہر کر دیا ہے:

"اور ادرمیان فضلائے عصر عزتے ومکانے دیگر بود، درمیانِ مریدانِ

شیخ نظام الدینؒ بقرب وعنایتِ شیخ امتیازے داشت ودر حسنِ معاملت صفائے سریرت وسائرِ صفاتِ حمیدہ یگانۂ عصر بود وبہ اوصافِ تصوف موصوف۔"(اخبار الاخیار)

"انھیں اپنے زمانے کے فضلاء میں خاص مرتبہ اور عزت حاصل تھی اور حضرت شیخ نظام الدینؒ کے مریدوں میں شیخ سے قرب اور اُن کی خصوصی توجہ سے ممتاز تھے۔ حسنِ معاملہ، صفائی باطن اور دوسری سب اچھی صفات میں یگانہ ویکتا تھے۔ اور تصوف کی خوبیوں سے بھی آراستہ تھے۔

غرض امیر حسن ایک خوش مزاج، پاکیزہ اطوار، مرنجان مرنج، قانع، متوکل، صلاح کوش اور صوفی منش انسان تھے۔ انھیں دربار سے امیر خسرو کی طرح انعام واکرام نہیں ملے، بلکہ اکثر تنگ دستی میں گزر کرتے تھے اپنے افلاس کی طرف انھوں نے بعض اشعار میں اشارہ بھی کیا ہے۔ وہ آزادانہ مجردانہ اور قلندرانہ زندگی گزارتے تھے اور شیخ کے بتائے ہوئے اعمال واوراد و عبادات میں مشغول رہتے تھے۔ فوائد الفواد کی ایک مجلس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس ملیح نامی ایک غلام تھا جسے انھوں نے حضرتؒ کی مجلس میں آزاد کر دیا تھا۔

تصانیف

برنی نے لکھا ہے: "اُورا تالیفاتِ نظم ونثر بسیار است" (ص ۳۶۰) لیکن ان کی شہرت کو رہتی دنیا تک شاداب رکھنے کے لیے صرف فوائد الفواد ہی کافی ہے۔

امیر حسن کا ایک مختصر رسالہ "مخ المعانی" علی گڑھ کے ذخیرہ شاہ سلیمان میں موجود ہے (رقم ۵:۱۱۵) یہ رسالہ صرف ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی نقل کسی نے ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں کی ہے۔ اس کا موضوع "عشق" ہے۔ فوائد الفواد جلد ۲ مجلس ۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۲۲ محرم ۷۱۲ھ چہار شنبہ یکم جون ۱۳۱۲ء کو امیر حسن نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اسے پسند فرمایا۔ غالباً یہ اسی زمانے میں لکھا گیا ہوگا۔

دوسری تصنیف امیر حسن کا دیوان ہے۔ جسے مسعود علی محوی نے اپنے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ ایڈٹ کیا، اور مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد نے ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں حیدر آباد دکن سے چھپوایا تھا۔ امیر حسن کی اور کوئی تصنیف موجود نہیں۔ بعض حضرات نے شہزادہ محمد خان شہید کے مرثیہ، نثر کو بھی علیحدہ تصنیف مانا ہے۔ یہ مرثیہ کُلّیاتِ میر حسن مرتبہ مسعود علی محوی کے علاوہ بدایونی کی منتخب التواریخ اور تاریخِ مبارک شاہی میں بھی موجود ہے۔ محوی کا پیش کردہ متن صحت سے زیادہ قریب ہے۔

امیر حسن دہلویؒ نے شادی نہیں کی، تمام عمر مجرد رہے۔ اُن کے رشتہ داروں میں میر چھجو اور شمس الدین ماہرو کے نام ہمیں معلوم ہیں اور یہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ شمس دبیر سے اُن کی قرابت تھی۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد اُنھیں محمد بن تغلق کے زمانے میں دولت آباد کو کوچ کرنا پڑا۔ محمد غوثی شطاری مولف گلزار ابرار کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر حسنؒ کو حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے حضرت برہان الدین غریبؒ کے قافلے کے ساتھ دولت آباد کے لیے رخصت کیا تھا۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔ تقریباً دس سال وہاں رہے اور وہیں ۲۹۔ صفر ۷۳۸ھ/ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۳۳۷ء جمعہ کے دن انتقال[1] ہوا۔ علاقہ بالا گھاٹ میں دفن ہوئے، اسی احاطے میں غلام علی آزاد بلگرامی کا مزار بھی ہے۔ ان کی تاریخِ وفات ''مخدومِ اولیاء'' سے برآمد ہوتی ہے۔ دولت آباد میں وہ ''حسن شیر'' کے نام سے معروف ہیں اور یہ غالباً حسن شاعر کی خرابی ہے۔ حسن نام کے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرنے کے لیے انھیں حسن شاعر کہا گیا ہوگا۔ امیر حسن عربی و فارسی کا بہترین اور راسخ علم رکھتے تھے جیسا کہ اُن کی نظم و نثر سے ظاہر ہے، نہایت ذہین اور لطیف طبع تھے، جوانی میں خوبصورت اور سڈول رہے ہوں گے، نکتہ آفرینی میں اُن کا جواب نہ تھا، علمِ مجلسی سے خوب واقف تھے کہ جوانی بادشاہوں کے دربار میں گزری تھی، اور پختگی کی عمر کو پہنچے تو ''شہنشاہِ دین[2]'' حضرت نظام الدینؒ کی بارگاہ میں قرب نصیب ہوا۔ بات میں نکتہ پیدا کرنا اور سہل اسلوب میں دل پر اثر کرنے والی نظم و نثر لکھنا اُن کا کمال تھا۔ وہ اپنی

1- امیر حسن کا سال وفات ۷۳۸ھ تو معلوم ہے، انتقال کی تاریخ 'تذکرۂ اعراسِ بزرگاں' (قلمی) سے لی گئی ہے جس میں لکھا ہے کہ انکا عرس ۲۹ صفر کو ہوتا ہے۔

2- یہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی تاریخ وفات بھی ہے جس سے ۷۲۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔

شاعری میں سعدی شیرازیؒ کی پیروی کرتے تھے اور انھیں ''سعدیِ ہند'' کہا جاتا تھا۔ مولانا جامیؒ نے اُن کے اسلوب کو ''سہلِ ممتنع'' بتایا ہے کہ دیکھنے میں بہت آسان معلوم ہوتا ہے، مگر ویسا کہنا دشوار ہے۔ مگر حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا: ''امیر حسن اور امیر خسرو نے بہت چاہا کہ خواجہ سعدیؒ کے طرز پر شعر کہیں، میسر نہ ہوا۔ خواجہ سعدیؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ ''حال'' سے کہا ہے[1]۔ ابتداء میں انھیں ترتیبِ دیوان کی طرف کچھ التفات نہیں تھا۔ انڈیا آفس لندن میں اُن کے دیوان فارسی کا جو نسخہ ہے اُس کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے کہ ''میں نے یہ دیوان ۷۱۵ھ میں مرتب کیا جبکہ میری عمر ۶۳ سال ہے۔''

اُن کے دیوانِ فارسی کا ایک نسخہ شاہانِ اودھ کے کتب خانے میں بھی تھا، اُس میں اشعار کی تعداد اشپرنگر نے یہ بتائی ہے:

غزل: ۵۳۳	قصیدہ: ۴۹۰	رباعی: ۲۰۷	کل اشعار: ۶۰۲۷

حیدرآباد سے شائع ہونے والے دیوان میں اشعار کی تعداد کہیں زیادہ ہے:

غزل: ۵۴۹۹	قصیدہ: ۲۱۲۶	رباعی: ۴۵۸	مثنویات: ۱۴۰۰

کل: ۹۴۸۳ (اشعار)

لیکن اس کے علاوہ بھی ابھی اُن کا کلام دوسرے ماخذوں میں مل سکتا ہے اور یقین ہے کہ ۷۱۵ھ میں ترتیب دیا جانے والا دیوان بھی اُن کی آخری روایت نہ ہوگی۔

فوائدالفواد

فوائدالفواد کی چند نمایاں خصوصیات ہیں:

۱۔ صحتِ زبان، صحتِ روایت، حسنِ اُسلوب اور حجیت کے اعتبار سے یہ کسی صوفی درویش کے ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے جو ایک خاص نہج پر اور تاریخ وار مرتب ہوا ہے، ایسا کوئی مکمل ملفوظ اس سے پہلے موجود نہیں تھا، جسے فوائدالفواد کے لیے نمونہ بنایا جاتا، اگرچہ ۵۵۰ھ میں ''سخنانِ ابوسعید ابوالخیر'' (اسرارالتوحید) اور سخنانِ اوحدالدین کرمانی جیسی کتابیں مرتب ہو چکی تھیں مگر وہ ایک مخصوص حلقے میں رہیں اور اُن میں ہر طبقے کی دلچسپی

1- خیرالمجالس (مجلس ۴۴)۔

اور ہدایات کا سامان نہیں تھا۔فوائد الفواد نے پہلی بار ملفوظ لٹریچر کے لیے ایک مثالی نمونہ پیش کیا اور بعد کو جمع ہونے والی ملفوظات کی بہت سی کتابوں کے لیے اسی کتاب سے رہنما خطوط ملے۔

۲۔ امیر حسن نے حتی الوسع اس کا اہتمام کیا کہ جو لفظ حضرت کی زبانِ مبارک سے سنیں اُسے بعینہٖ باقی رکھیں۔اگر لکھتے ہوئے کوئی لفظ چھوٹ جاتا تھا تو وہ جگہ سادہ چھوڑ دیتے تھے اور جب حضرتؒ اُن اوراق پر نظرِ ثانی فرماتے تھے تو خالی جگہوں کی خانہ پُری بھی کر دیتے تھے۔اس سے پہلے یہ شرف ملفوظات کے اور کسی مجموعے کو حاصل نہیں تھا کہ اُس میں الفاظِ شیخ کو بعینہٖ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہو، اور پھر شیخ نے اُس پر نظرِ ثانی بھی کی ہو۔ فوائد الفواد کے بعد یہ چلن بھی رائج ہوا اور بعض ملفوظات اس اہتمام کے ساتھ قلمبند کیے گئے۔

۳۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عربی و فارسی ادبیات کا اعلیٰ درجے کا ذوق رکھتے تھے، خود شاعر بھی تھے، بلکہ شاعر گر تھے، عربی میں اُن کی نثر کے جو نمونے ملتے ہیں وہ اس پر گواہ ہیں کہ وہ عربی زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے تھے، اُنھیں تفسیر سے بھی ذوق تھا، کلام اللہ کے حافظ تھے۔قرآن کے دس پارے تجوید کے ساتھ پڑھ کر قرأت بھی درست کر لی تھی، فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں وقت کے بہترین علماء سے پڑھی تھیں، حدیثِ نبوی کی سماعت ایسے بزرگوں سے کی تھی جنھوں نے مشارق الانوار کے جامع رضی الدین حسن صغانی سے براہِ راست سند حاصل کی تھی، تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ/۳۵۔۱۲۳۴ء) کی تصنیف عوارف المعارف کا درس حضرتِ گنج شکرؒ سے لیا تھا اور عملی تربیت بھی اُن کی خانقاہ میں رہ کر حاصل کی تھی، عقائد کے موضوع پر ابوشکور بلخی کی تمہید المہتدی سبقاً سبقاً پڑھ کر اُس کی بھی سند حاصل کی تھی، یہ وہ علمی کمالات تھے جو ہر صاحبِ ملفوظ کی شخصیت میں جمع نہیں ہوتے، اور ان کا پرتو ہمیں فوائد الفواد کے ایک ایک لفظ میں نظر آ رہا ہے۔اس کتاب میں موضوعات کا جو تنوع ہے وہ کسی دوسرے مجموعے میں شاید ہی مل سکے۔فوائد الفواد کے متنوع موضوعات میں سے چند یہ ہیں:

۱: تفسیر ۲: حدیث ۳: فقہ
۴: اصولِ فقہ ۵: تاریخ ۶: سیرت
۷: سیر الاولیاء ۸: ملفوظاتِ مشائخ ۹: تصوف (نظری)
۱۰: تصوف (عملی) ۱۱: اعمال ۱۲: عبادات
۱۳: اوراد ۱۴: آدابُ المریدین ۱۵: آدابُ الصوفیہ
۱۶: تزکیہ نفس ۱۷: اخلاقیات ۱۸: اصطلاحاتِ صوفیہ
۱۹: فلسفہ ۲۰: منطق ۲۱: آدابِ معاشرت
۲۲: تعبیر رویا ۲۳: حکایاتِ مشائخ ۲۴: اصولِ عقائد
۲۵: ادب و شعر ۲۶: سماع ۲۷: لغت اور فقہ اللغۃ
۲۸: وعظ و تذکیر ۲۹: تمثیلات ۳۰ لطائف

ان کے علاوہ بھی فوائد الفواد میں بہت کچھ موجود ہے۔ یہ تو وہ جواہر ہیں جو ہم جیسے ظاہر بین لوگوں کو نظر آ رہے ہیں۔ اس میں حکمت و معرفت عشق و محبت مشغولیِ باطن اور روحانی نعتوں کے جو اسرار ہیں اُن سے صاحبانِ نسبت حسبِ توفیق فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور اس کتاب کو اگر غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ ایسا ہی اثر کرتی ہے جیسے کوئی شخص حضرتؒ کی خانقاہ میں چھ ماہ تک مسلسل حاضر رہ کر زیرِ تربیت رہا ہو۔

فوائد الفواد کی پہلی مجلس ۳ شعبان ۷۰۷ھ مطابق ۲۸، جنوری ۱۳۰۸ء اتوار کو قلمبند ہوئی ہے اور پانچویں جلد کی ۲۲ ویں اور آخری مجلس ۲۰ شعبان ۲۲۷ھ/۵ ستمبر ۱۳۲۲ء اتوار کو لکھی گئی ہے۔ ان ۱۸۸ مجلسوں میں بعض طویل ہیں اور بعض بہت مختصر ہیں۔ اکثر دو مجلسوں کے درمیان زمانی فصل بھی بہت زیادہ ہے، مثلاً جلد اول کی ابتدائی مجالس عموماً جمعہ کے دن کی ہیں۔ آگے چل کر یہ فصل بڑھتا جاتا ہے اور کبھی دو مجلسوں کے درمیان کئی ماہ کا فصل واقع ہو جاتا ہے۔ امیر حسن جب دہلی میں ہوتے تھے تو پابندی سے حضرتؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے، اور اس ۱۵ سال کی طویل مدت میں انھوں نے یقیناً ہزاروں صفحات لکھے ہوں گے، بعد کو ان صفحات سے منتخب حصے نکال کر انھیں "فوائد الفواد" میں شامل کیا۔ انھوں نے انتخاب میں اس کا خیال رکھا کہ مضامین کی تکرار نہ ہو اور اُن میں تنوع اور تازگی باقی رہے۔ صرف وہی ملفوظات شامل

کیے جائیں جن میں حضرتؒ کے بزرگوں کا تذکرہ ہو، آپ کے سوانحی حالات پر روشنی پڑتی ہو، شریعت وطریقت کے رموز واسرار کی تشریح ہو، یا اس سے تصحیح عقائد کی غرض حاصل ہوتی ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی اہتمام کیا کہ حضرتؒ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں ایجاز واختصار کے ساتھ اہم نکات کو پیش کر دیا جائے۔ محمد شاہ تغلق کے عہد حکومت میں جب دارالخلافہ دہلی سے دولت آباد (دیوگیر) کو منتقل ہوا (۷۲۷ھ/۱۳۲۷ء) اور شاہی حکم سے ساری آبادی دہلی سے منتقل ہوگئی تو امیر حسن بھی دہلی کو خیرباد کہہ گئے، اُن کے سامانِ سفر میں یہی فوائد الفواد کے مسودات تھے جنھیں وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اپنی وفات سے قبل انھوں نے وصیت کی یا خود اپنی زندگی میں ایسا کیا ہوگا، کہ ان مسودات کو ایک قبر میں دفن کیا گیا، اور اُس کے متصل حسن سجزیؒ مدفون ہوئے، یہ دونوں قبریں آج بھی دولت آباد میں اسی طرح موجود ہیں ایک قبر عرض میں پتلی ہے اور اس سے بالکل متصل حسن دہلوی آسودۂ خاک ہیں۔

اگر فوائد الفواد کے وہ سارے مسودات ہمارے زمانے تک پہنچ گئے ہوتے تو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی مبارک زندگی اور پُرکشش شخصیت کے بارے میں اور بھی ہزاروں نئی باتیں ہمیں پڑھنے کو مل سکتی تھیں۔

فوائد الفواد کی مقبولیت

فوائد الفواد ہر دور میں بے حد مقبول رہی، اور اسے چشتی نظامی سلسلے کے اولیاء نے ہی نہیں بلکہ دوسرے سلاسل کے درویشوں نے بھی دستور العمل سمجھا ہے۔

ہر دور میں فوائد الفواد کی نقل اور کتابت بھی ہوتی رہی ہے اور اس کثرتِ نقل سے اُس کی بعض روایتوں میں معمولی لفظی اختلافات بھی راہ پا گئے ہیں۔ لیکن شمالی ہندوستان میں پچھلے سات سو برسوں میں اتنے سیاسی انقلابات آئے ہیں کہ بقول شاعر: چمن اُڑ گئے آندھیاں آتے آتے۔ ہمیں اب فوائد الفواد کا کوئی بہت قدیم نسخہ نہیں ملتا، جو نسخے دستیاب ہیں، ان میں اکثر عہد محمد شاہی کے بعد کے ہیں۔

فوائد الفواد کے قلمی نسخے

فوائد الفواد کے چند قلمی نسخے جو دستیاب ہیں یہ ہیں:

۱۔ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد۔ قلمی فارسی۔ فن تصوف نمبر ۱۸۷۳ (یہ غالباً سب سے قدیم نسخہ ہے) اس پر متعدد مہریں بھی ثبت تھیں جو کسی بدتوفیق شخص نے مٹادی ہیں۔ ایک مہر پر الفاظ ''معتمد خاں مرید شاہجہاں'' پڑھے جاتے ہیں۔

۲۔ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد۔ نمبر اندراج ۱۲۰ (فارسی) مکتوبہ ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء

۳۔ نیشنل میوزیم نئی دہلی۔ نمبر اندراج ۲/۲۶۳/۷ مکتوبہ ۱۲۲۰/۱۸۰۵ء

۴۔ ایضاً، نمبر اندراج ۱۴۱۵ مکتوبہ ۱۲۴۵ھ/۳۰۔۱۸۲۹ء

۵۔ ایضاً، (ٹونک کلکشن) نمبر اندراج ۲۳۸۲ بلا تاریخ۔[1]

ان کے علاوہ نیشنل میوزیم کراچی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی قلمی نسخے موجود ہیں مگر کوئی بھی زیادہ قدیم نہیں ہے۔

بعض قدیم کتابوں میں فوائد الفواد کے حوالے سے جو باتیں لکھی گئی ہیں وہ اب ہمیں اس کتاب میں نظر نہیں آتیں، اس کا یہ مطلب ہے کہ فوائد الفواد کی قدیم روایتوں میں اور موجودہ روایت میں مطالب اور موضوعات کا اختلاف بھی رہا ہے۔ مثال کے طور پر ہم صرف سیر العارفین کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مغلوں کے ابتدائی عہد کی تالیف ہے، اس میں شمس الدین بزاز کا ایک واقعہ فوائد الفواد کے حوالے سے لکھا ہے مگر وہ کتاب میں نہیں ملتا۔ (سیر العارفین اردو ترجمہ ۱۴۵) اسی طرح سیر العارفین میں ہے: کتاب فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک رات میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مقام پر بیٹھے اور وضو کرتے ہوئے خواب میں دیکھا، صبح کے وقت مولانا حسام الدین اُس مقام پر پہنچے اور اُس مقام کی زمین تر دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ بالضرور قبر میری اِسی جگہ بنادیں، چنانچہ اب تک قبر اُن کی خطہ بدایوں کی اُسی زمین میں واقع ہے۔ (سیر العارفین اردو ترجمہ از غلام احمد سنبھلی صفحہ ۱۱۰، مطبوعہ شمس المطابع مراد آباد ۱۹۰۱ء)

سیر العارفین کا اُردو ترجمہ محمد ایوب قادری مرحوم کا کیا ہوا مرکزی اردو بورڈ لاہور سے

1- مزید نسخوں کے لیے ملاحظہ ہوں: اسٹوری: ۱۹۵۳ء پرشین لٹریچر حصہ ۲، ص ۹۴۲۔ ریو فہرست برٹش میوزیم لندن جلد ۳ ص ۹۷۲-۹۷۳ (۱۹۶۶ء)

شائع ہوا ہے۔ اُس میں نانِ ثرید کی فضیلت کے بارے میں فوائد الفواد کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے (صفحہ ۱۸۲) وہ فوائد الفواد میں بہت اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

نافع السالکین میں حضرت احمد پارساؒ کا ایک قصہ فوائد الفواد کے حوالے سے نقل ہوا ہے۔ وہ اس کتاب میں نہیں ہے۔ اس طرح کی اور بھی کچھ مثالیں ملتی ہیں اور یہ اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ فوائد الفواد کے تمام معلوم قلمی نسخوں اور دوسری کتابوں کی مدد سے اس کا متن نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ مدوّن کرنے کی ضرورت ہے۔

فوائد الفواد کے مطبوعہ نسخے

گذشتہ سوا سو برس میں فوائد الفواد کئی بار شائع بھی ہوئی ہے۔ اُس کے چند ایڈیشن یہ ہیں:

۱۔ ۱۲۸۲ھ/۶۶۔۱۸۶۵ء مطبع حسنی دہلی، باہتمام احمد حسن خاں

۲۔ ۱۰ ربیع الاوّل ۱۲۸۲ھ/۴۔ اگست ۱۸۶۵ء مطبع ہندو پریس دہلی، باہتمام پیارے لال و بفرمائش لالہ مکھن لال وخلیفہ نبی بخش

۳۔ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ/اکتوبر ۱۹۰۸ء (بار چہارم) نول کشور لکھنؤ

۴۔ ۱۳۱۳ھ/۹۶۔۱۸۹۵ء مسلم پریس دہلی، اُردو ترجمہ از غلام احمد بریان، اسے جناب مسلم احمد نظامی نے ''ارشاد محبوب'' کے نام سے چھاپا ہے۔

۵۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف لاہور پاکستان اُردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور (صفحات ۴۹۰) اس سے پہلے محکمہ اوقاف نے ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں فوائد الفواد کا فارسی متن جناب محمد لطیف ملک کا مرتب کیا ہوا بہت اہتمام سے شائع کیا تھا اور اب تک شائع ہونے والے مُتون میں یہی سب سے اچھا ہے۔

۶۔ ۱۹۷۸ء مدینہ پبلشنگ کمپنی، جناح روڈ کراچی (صفحات ۳۹۴) اردو ترجمہ از غلام احمد بریان، مع مقدمہ از شمس بریلوی۔

فوائد الفواد کے ترجمے

کتاب اگر اس اہمیت کی ہو جیسی فوائد الفواد ہے کہ اس میں شریعت وطریقت کے مسائل

اور اسرار و دقائق کو نہایت دلنشین اور موثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے اور یہ چشتی نظامی سلسلے سے وابستہ لاکھوں طالبانِ حق کا دستور العمل رہی ہے، تو کسی دوسری زبان میں اُس کے ترجمے کا معاملہ اور بھی نازک ہو جاتا ہے۔ یہاں مترجم کے لیے صرف فارسی زبان سے واقف ہونا اور اردو زبان میں اظہار پر قادر ہونا ہی کافی نہیں بلکہ تصوف اسلامی کی نظری اور عملی واقفیت بھی درکار ہے، اور شریعتِ اسلامیہ سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اگر وہ خود ایک باعمل درویش اور صاحبِ نسبت و صاحبِ سلسلہ بھی ہو تو اس کتاب کے مطالب کو اور بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور سمجھا سکتا ہے۔ ترجمے کی دشواریوں کو میں صرف چند مثالوں سے واضح کرنا چاہوں گا:

۱۔ فوائد الفواد جلد اوّل میں ۳۔ محرم الحرام ۷۰۸ کی مجلس: ۱۳ کی ایک عبارت کا ترجمہ پروفیسر محمد سرور نے یوں کیا ہے: متعدی طاعت وہ ہے کہ اُس سے دوسرے کو منفعت اور راحت پہنچے۔ اتفاقاً خواہ از راہِ شفقت۔ پھر جسے یہ راحت پہنچے وہ دوسرے پر لطف و کرم کرے اسے متعدی طاعت کہتے ہیں۔'' (ترجمہ سرور: ۶۵)

۱:۲ غلام احمد بریان نے اپنے ترجمے میں اس پوری مجلس کو چھوڑ دیا ہے۔ مجلس کا عنوان اور تاریخ تو موجود ہے مضمون ندارد ہے۔

۱:۳ محمد لطیف ملک کے مرتب کردہ متن میں اصل فارسی عبارت یوں ہے:

''امّا طاعتِ متعدیہ آنست کہ از د منفعتی و راحتی بدیگری رسد باتفاقی و اشفاقی و بدانچہ دسترس شود لطف در حقِ غیری کند، آن را طاعتِ متعدیہ گویند۔'' (فارسی متن: ۲۱)

اس عبارت میں لفظ ''اتفاقی'' غلط ہے، صحیح انفاق ہے، بمعنی خرچ کرنا، اور ترجمہ یوں ہو گا:

''لیکن متعدی عبادت وہ ہے کہ اُس سے دوسرے کو فائدہ یا راحت ملے، خواہ خرچ کرنے سے یا شفقت کرنے سے۔ اور جو کچھ بھی میسر ہو اُس سے دوسروں کے حق میں بھلائی کرے، اسے طاعت متعدیہ کہتے ہیں۔''

''اس مثال سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ایک نقطے کے فرق سے ترجمہ کیا سے کیا ہو گیا۔

دوسری مثال: اس سے اگلی چودھویں مجلس میں ہے ''سخن در وِلایت و وَلایت افتاد، می فرمودند کہ شیخ را ہم وِلایت باشد وہم وَلایت۔ وِلایت آنست چوں تائب شود و طاعت کند ہر آئینہ از طاعت ہا ذوق گیرد ممکن آنست کہ مریدان را بخدار ساند وآدابِ طریقت تعلیم فرماید ۔۔۔'' (ص ۲۲) متن کے مرتب نے حاشیے میں یہ اظہار بھی کر دیا ہے کہ نسخہ ن و ح میں الفاظ ''چوں تائب شود و طاعت کند ہر آئینہ از طاعت ہا ذوق گیرد ممکن آنست، موجود نہیں ہیں، پھر بھی اُنھوں نے اس جملے کو متن میں شامل رکھا، حالانکہ سیاق وسباق سے ان الفاظ کا کوئی علاقہ نہیں، یہ پہلی مجلس کے الفاظ ہیں جو لاہور کے مطبوعہ فارسی متن میں صفحہ ۲ سطر ۹۔۱۰ پر آئے ہیں اور یہاں ۱۴ ویں مجلس میں کسی ناقل کی غلطی سے شامل ہو گئے ہیں۔ پروفیسر محمد سرور اور غلام احمد بریان دونوں نے عبارت کے بے جوڑ ہونے پر غور نہیں کیا، اور ترجمہ کر دیا۔ بریان والا ترجمہ تو غلط اور ناقص بھی ہے۔

۲۔ پندرھویں مجلس میں ایک فقرہ کا ترجمہ پروفیسر محمد سرور نے یوں کیا ہے: خواجہ علی کے یہ کہنے کے بعد پھر انھوں نے جو یہ بات کہی تھی کیا اس میں گستاخی کا عمل دخل تھا؟ فرمایا: بے شک ''وہ ذرا چوڑے ہوئے تھے لہٰذا اس دولت کو بھی کھو بیٹھے۔'' (سرور: ۷۰)

۱:۲ جناب غلام احمد بریان کا ترجمہ یہ ہے: انھوں نے یہ سن کر جواب دیا کہ آگے آؤ اور غائب ہو گئے خواجہ علی نے اُن کو نہ دیکھا اور نہ بعد اس واقعے کے بعد پھر کبھی آواز آئی۔ بندہ نے عرض کیا کہ خواجہ علی نے گستاخی کی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک گستاخی کی تھی۔ اور اسی وجہ سے وہ اس دولت سے بھی محروم رہے۔ (ترجمہ بریان: ۷۵۔۷۶)

۲:۲ فارسی متن کی اصل عبارت یہ ہے: ''بعد ازاں کہ این سخن بگفت پیش ازان آواز ہم نہ شنید درین میان بندہ عرض داشت کرد: مگر خواجہ علی آن سخن کہ گفت گستاخی کرد؟ فرمود کہ آرے بدان انبساطے کہ کرد ازان دولت ہم محروم ماند۔'' (ص ۲۵)

اب غور کیجیے کہ سرور نے ''بدان انبساطے کہ کرد'' کا ترجمہ کیا ہے: ''وہ ذرا چوڑے ہوئے تھے'' اور یہاں خود امیر حسن اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ بندے نے عرض کیا، تو اُس کا ترجمہ ہی ندارد ہے۔ حالانکہ متن بالکل واضح تھا۔ بریان کے ترجمے میں یہ الفاظ کہ ''ذرا

آ گے آ دَ'' متن سے کہیں مستفاد نہیں ہوتے، انھوں نے اس سادے سے جملے کو خبط کر دیا ہے کہ این ''سخن بگفت پیش ازان آواز ہم نہ شنید'' یہاں بھی متن میں ایک نقطے کی فروگذاشت ہے کہ ''پیش'' کی جگہ ''بیش'' ہونا چاہیے۔ عبارت کا سیدھا سادھا ترجمہ وہ ہے جو اس کتاب میں ملے گا۔ انبساط کا مفہوم ''شوخی یا چہل'' ہے۔

۴: سولھویں مجلس کے آخری فقرے کا ترجمہ غلام احمد بریان نے یوں کیا ہے: ''پس اگر اس حالت کے لاحق ہونے پر بھی توبہ نہ کی اور عذر تقصیر نہ کیا درجہ تسلی میں جا پڑے گا یعنی دوست اس کی جدائی پر دل دھرے گا۔'' (شمس ص ۷۷)

۴:۱ پروفیسر محمد سرور نے اس میں ایک فقرے کا ترجمہ یوں کیا: یعنی اس کے دوست کا دل اُسے اس کی جدائی پر مطمئن کر لے گا۔ (سرور ص ۷۲)

۴:۲ فارسی متن میں یوں ہے: پس اگر اینجا ہم در توبہ تقصیرے رود بعد ازان تسلی شود۔ تسلی چہ باشد؟ یعنی دوستِ اُو در ابر جدائیِ او دل بیارایدِ۔ (متن: ۲۷)

اس میں بھی تل اُوٹ پہاڑ والا معاملہ ہے۔ یہاں ''بیارایدِ'' کی جگہ ''بیارامد'' چاہیے۔ بریان نے ''در توبہ تقصیرے رود'' جیسے سادہ سے جملے کا ترجمہ بھی درست نہ کیا۔

یہ مثالیں بہت طویل اور کثیر ہو سکتی ہیں، میں نے ابتدائی اوراق سے صرف دو تین نمونے یہ ظاہر کرنے کو نقل کیے ہیں کہ ترجمہ کتنا دشوار کام ہے اور فوائد الفواد کے جو تراجم ہوئے ہیں اُن میں کسی نوعیت کی غلطیاں دانستہ یا نادانستہ سرایت کر گئی ہیں۔ چند اور باتوں کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے زیرِ نظر ترجے کی نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کروں گا۔ ذیل کے اشارات میں پہلا نمبر فوائد الفواد کی جلد کا اور دوسرا مجلس کا ہے۔

۱:۲۱ ''فرمود کہ غائب جمع رغیب است یعنی چیز ہائے بسیار است دریں شب۔'' یہ اصل میں خیر ہادے بسیار'' ہونا چاہیے۔ اسی پیرا کے آخر میں ہے ''آن سال تمام نزیست'' سیاق کا تقاضا یہ ہے کہ ''آن سال تمام بزیست۔ یعنی اُس پورے سال وہ زندہ رہا (جس دن غروبِ آفتاب کے بعد نیا سال شروع ہوتا اُس کے آغاز سے قبل ہی انتقال کیا)

۱:۲۵ ''ایں سخن بر خاطرِ گرامی ایشان گران آمد ساعتی شد بر لفظ مبارک راند'' یہاں ساعتی شد کی جگہ ''ساکت شد'' کا محل ہے۔

۲۵:۱ فارسی متن میں ایک فقرہ یوں ہے: ''گدائے مردہ مردہ گیر'' (مطبوعہ متن ۴۴) اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم تو گدائے مردہ ہو خود کو مردہ ہی سمجھو، سرور نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے
''مردہ فقیر کو مردہ ہی جان اور پھر یہ بھی دیکھ کہ مبادا یہ بدنامی کسی کے سر تھوپ دی جائے''
اس کو ایک حد تک درست مانا جا سکتا ہے، مگر بریان نے عبارت کی طرف سے آنکھیں موند کر جو دل چاہا لکھ دیا فرماتے ہیں: ''اس خیال کے آتے ہی پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ بہت بڑی بدنامی ہوگی اور یہ امر طریقِ درویشی سے بعید ہے۔'' (بریان: ۹۰)
نظامی صاحب کا ترجمہ بالکل متن کے مطابق ہے: ''پھر میں نے تامل کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ تم تو گدائے مردہ ہو اپنے آپ کو مردہ ہی سمجھو۔ مگر یہ بدنامی کسی اور پر نہ آ جائے۔''
اسی مجلس میں آگے یہ عبارت ہے: ''خدمت شیخ محمد پسرِ خود را طلب من فرستاد'' اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ شیخ کے کسی فرزند کا نام محمد نہ تھا۔ سب سے چھوٹے بیٹے محمد یعقوب تھے۔ ایک بھتیجے یعنی شیخ نجیب الدین متوکل کے بیٹے کا نام محمد تھا۔ اور ایک آپ کے پوتے بھی محمد تھے جن کی عرفیت ممن تھی: غور طلب یہ ہے کہ یہاں کون مراد ہے؟

۲۸:۱ مطبوعہ فارسی متن ہے: ''از جانبِ تو نیز استعدادے و قابلیتے می باید و نیز من از آنِ خودی کنم۔'' (ص ۵۲)
ترجمہ محمد سرور: نیز میں کوئی خود اپنے پاس سے تھوڑا ہی دیتا ہوں (ص ۹۶) کسی حد تک درست ہے۔ بریان کہتے ہیں: اور کسی کو میں اپنی جانب سے تھوڑی دیتا ہوں۔ (ص ۹۶)
نظامی: نیز کیا میں خود کرتا ہوں؟ (مجلس ۲۸)
یہاں متن اس طرح درست ہے: و نہ من از آنِ خودی کنم (اور نہ یہ میں اپنے پاس سے دیتا ہوں)۔

۱:۲ من درمیانِ شان نخواہم بود (۷۰) یہاں درمیانِ شایان ہونا چاہیے اور اسی سے ترجمہ درست ہوگا۔

۴:۲ دوسری جلد کی چوتھی مجلس میں ہے: ''از احوالِ او حکایت می فرمود کہ مردِ نیک بود اخلاق نیکو داشت و اتفاق نیز۔'' (ص ۷۴)

سرور: ''اُس کے حالات بیان کر رہے تھے آپ نے فرمایا: ''وہ نیک آدمی تھا، اچھے اخلاق کا مالک تھا اور ملنسار تھا۔'' (۱۲۱)

بریان: ۱۲۶ ''متوفی کے حالات بیان فرمار ہے تھے کہ مرنے والا نیک شخص تھا۔ اس کا اخلاق اچھا تھا، ملنسار تھا اور دنیا کے نیک و بد سے کچھ کام نہ تھا۔''

یہاں متن میں اتفاق نہیں ''انفاق'' ہے اور مراد یہ ہے کہ نیک کاموں میں خرچ بھی کرتے تھے۔ نظامی صاحب کا ترجمہ درست ہے۔

۵:۲ ''مرا گفتنیہا بسیار گفت'' (۸۱۔۸۰) یہاں ''نا گفتنیہا'' ہونا چاہیے اور نظامی صاحب کا ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

۶:۲ ''سراج الدین لقب مردے بود ساکن قصبہء ابوہر۔ وقتے من آن جا رسیدم و در خانہء اُو نزول کردم۔ اُو و قوم اُو ہر دو بخدمتِ شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز ارادت آوردہ بودند۔'' (۹۶)

ترجمہ سرور: ''ایک شخص تھا جس کا لقب سراج الدین تھا اور وہ ابوہر کا رہنے والا تھا جس روز میں ابوہر پہنچا تو اُس کے گھر ٹھہرا، وہ اور اس کے عزیز و اقارب ہر دو شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔'' (۱۴۳)

ترجمہ بریان: ۱۳۵ ''شیخ سراج الدین ساکن ابوہر ایک بزرگ شخص تھے، شیخ الاسلام فریدالدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کو شرفِ بیعت حاصل تھا اور اس گاؤں کے کئی آدمی حضرت سے بیعت تھے۔ یہاں جو لفظ ''قومِ اُو'' استعمال ہوا ہے، وہ بیوی کے لیے ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ ''وہ اور اُن کی بیوی دونوں۔۔۔'' نظامی صاحب کا ترجمہ درست ہے۔

۱۸:۲ یہاں متن میں غلطی ہے ''اللہ المعانی'' چھپا ہے اور کسی مترجم نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ اللہ العافی ہونا چاہیے۔ نظامی صاحب نے اپنے ترجمے میں اس غلطی کی اصلاح کر دی ہے۔

۲۱:۲ ''بسیار مسلمانان بدست ہندوان کشتہ شدند'' (۱۱۴) اس موقع پر اور اسی طرح صفحہ ۱۲۹ (متن فارسی) ہندو سے مراد اہل ہند نہیں ہے، فارسی میں ''ہندو'' کا مفہوم بٹ مار ہے

جیسے حافظ نے کہا ہے: بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را۔ البتہ متن فارسی کے صفحہ ۲۰۱، ۳۰۵ پر یہ لفظ انھیں معنوں میں استعمال ہوا ہے جن سے ہم آشنا ہیں۔ ایسے مواقع پر ترجمے کی بد احتیاطی غلط فہمیاں پیدا کر دیتی ہے۔ فارسی لفظ ہندو کا ہمارے مستعملہ لفظ سے مماثل ہونا محض اتفاق ہے۔

۹:۴ ''روزے این مُشرِف سخنے گفت، مولانا رضی الدین تبسمی کرد، مُشرِف دوات جانبِ اُو فرستاد اُو منحرف شد بدُ و ترسید۔'' (۱۷۹)

ترجمہ سرور: ۲۲۷ ''ایک روز یوں ہوا کہ اُس مُشرف نے کوئی بات کی جس پر مولانا رضی الدین مسکرا دیئے۔ مُشرف نے اُن پر دوات کھینچ ماری، انھوں نے منہ موڑ لیا اور مُشرف سے گھبرانے لگے۔''

ترجمہ برہان: ''ایک روز کچھ گفتگو ہوگئی، مُشرف نے کچھ بیان کیا آپ نے سن کر تبسم فرمایا، مشرف نے کہا کہ اس کا فیصلہ کر لیجیے، یہ کہہ کر دوات آپ کے پاس بھیجی کہ سوال لکھ دیجیے۔ آپ کو بُرا معلوم ہوا، اور اُس جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔'' (۲۰۰)

نہایت غلط اور من مانا ترجمہ ہے۔ سرور تو یہ نہ سمجھے کہ متن میں ''بدو ترسید'' میں ایک نقطہ زائد لگ گیا ہے ''بدو نہ رسید'' ہونا چاہیے اور برہان نے ''دوات بدُ و فرستاد'' کا مطلب نہ سمجھا۔ سیدھا سا ترجمہ یہ ہے کہ ''ایک روز اُس مشرف نے کوئی بات کہی، مولانا رضی الدین مسکرا دیئے، مشرف نے اُن پر دوات کھینچ ماری، یہ ذرا ترچھے ہو گئے، دوات اِن کے لگی نہیں۔''

اس سے اگلی سطر میں پیش ازیں کی جگہ بھی ''بیش ازین'' (اس سے زیادہ) ہونا چاہیے۔ نظامی صاحب نے صحیح ترجمہ کیا ہے۔

۱۹:۴ ''من زیارتِ اُو بروم و ہم در شہر بباشم۔'' (۲۴۳)

یہاں محل یہ ہے کہ حضرتؒ کے استاذ کا انتقال ہوا ہے، آپ اُن کی مجلسِ سوم میں شرکت کے لیے غیاث پور سے شہرِ دہلی (سیری) تشریف لے جا رہے ہیں اور اُس زمانے میں غیاث پور کیلوکھیری کا علاقہ اُمراء کی عیاشیوں کا مرکز بنا ہوا ہے، آپ یہ نیت کر رہے ہیں کہ اب فاتحہ سوم کے لیے جاؤں گا تو وہیں شہر میں رہ پڑوں گا، غیاث پور واپس نہ آؤں گا۔ یہ مفہوم حاصل

کرنے کے لیے بناشم کو باشم پڑھنا ہوگا۔ دوسرے مترجمین کے مقابلے میں یہاں بھی نظامی صاحب کا ترجمہ قرینِ صحت ہے۔

غیاث پور کے ہی ذکر میں یہ عبارت ہے: ''من ہیچ وقت غیاث پور راندیدہ بودم ونمی دانستم کہ غیاث پور کجاست؟ چون این آواز شنیدم، بردوستی رفتم آن دوست رانقیبی بود نیشاپوری۔ (۲۴۲) اس عبارت نے اب تک ہر مورخ اور تذکرہ نگار کو مغالطے میں رکھا ہے۔ نقیبی نیشاپوری نام ہوسکتا ہے مگر عبارت کہتی ہے کہ اُس نقیب کا ایک دوست تھا نیشاپوری۔ اب اس کا ترجمہ کرنے والوں نے بھی خوب چکر کھائے ہیں مثلاً محمد سرور: ۲۸۹ ''اس کا ایک راز دار تھا جو نیشاپور کا رہنے والا تھا'' ترجمہ، بریان: ۲۵ ''ایک دوست کے گھر کو گیا جس کو نقیب نیشاپوری کہتے تھے'' نظامی صاحب کو بھی اس جگہ مغالطہ ہوا، انہیں کیا خود مجھے بھی بارہا غور کرنے کے باوجود اس کا مفہوم سمجھ میں نہ آیا، اچانک ذہن میں یہ بات آئی کہ عبارت یوں ہے: ''آن دوست راتقی بود نیشاپوری'' یعنی میں ایک دوست کے گھر گیا جس کا لقب نیشاپوری تھا، اس سے وہ گنجلک دور ہوگئی۔

۳۶:۴ اس مجلس میں شیخ احمد کا نام آتا ہے جنہیں متن میں شیخ احمد نہروانی کہا گیا ہے، اور سب اسی طرح لکھتے رہے ہیں، لیکن یہ نسبت وطنی نہروالہ کی طرف ہے، اس نام کا ایک قصبہ پنجاب میں بھی ہے، اور گجرات میں بھی موجود شہر پٹن کا پرانا نام نہروالہ تھا۔ شیخ احمد کی نسبت گجرات والے نہروالہ کی طرف ہے اور اسے نہروالی ہونا چاہیے۔

۴۶:۴ دو وقتی من از خدمتِ شیخ۔۔۔خرقہ یافتم از گلیم خرقہ چشتی و آن ہنوز بامن ہست۔ ترجمہ سرور: ۳۶ ''فرمایا جب مجھے شیخ۔۔۔سے خرقہ ملا یہ گلیم (کمبل) چشتی سلسلے کا خرقہ تھا۔''

بریان: ۳۰۷ مجھے حضرت شیخ۔۔۔نے ایک گلیم عطا فرمایا تھا۔ جواب تک میرے پاس موجود ہے۔ یہاں چشتی کی تجنیس خطی نے مغالطے میں ڈال دیا، صحیح متن یوں ہے: ''خرقہ یافتم از گلیم، خرقہ خشنے''۔ خشن بمعنی موٹا، کھردرا۔

ان چند مثالوں کے یہاں درج کرنے سے مدعا یہ ہے کہ کتاب میں اصل اہمیت الفاظ کی ہوتی ہے، باقی سب ثانوی باتیں ہیں، کسی کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے یا کسی عبارت کی

تشریح کرتے ہوئے الفاظ کے دائرے سے باہر نکل کر سوچنا ہمیشہ غلطی کا سبب بنتا ہے۔ مذہبی اور اصولی کتابوں میں الفاظ کی رعایت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کے ترجمہ فوائد الفواد کو میں پچھلے تراجم سے بہتر کہہ رہا ہوں تو اس دعوے کی دلیلیں کچھ تو وہ ہیں جو اوپر بیان کی گئیں اور چند اضافی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کے نواسے اور حضرت بدر الدین اسحٰق علیہ الرحمۃ کی اولاد ہیں، شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ کے لائق فرزند اور جانشین ہیں، سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی نسبت اُن کے گھر کی چیز ہے، اس لیے فوائد الفواد کے اسرار و معانی کی لطافتوں کو ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟

۲۔ وہ خود ایک باعمل درویش ہیں، اور اُن کے ہاتھوں سے یہ نعمت ہزار ہا بندگانِ خدا کو پہنچ رہی ہے، اس زمانے میں شاید ہی کسی بزرگ نے ایسے سلیقے اور اتنے حزم و احتیاط اور روایات سلسلہ کی پاسداری کے ساتھ چشتی نسبت کو شائع کیا ہو، جیسا اللہ تعالیٰ اُن کے فیض سے عام کرا رہا ہے۔

۳۔ برسوں سے اُن کا معمول ہے کہ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء سفر و حضر میں اُن کی رفیق رہتی ہیں اور خواہ ایک دو صفحات ہی مطالعہ کریں، مگر روز ان کا مطالعہ کرتے ہیں، حتیٰ کہ اُس کی مجالس کے مفاہیم انھیں تقریباً حفظ ہو گئے ہیں، اور اُن کی تقریر و تحریر میں بھی اکثر و بیشتر ان کتابوں کے حوالے ضرور آ جاتے ہیں۔ اس تعلق خاطر نے اور مطالعے کی کثرت نے فوائد الفواد کے مضامین پر انھیں اتنا حاوی کر دیا ہے کہ اُس کی فارسی جو پہلے بھی زیادہ مشکل نہ تھی، اُن کے لیے اُردو کی طرح سہل اور سرل ہو گئی ہے۔

۴۔ اگر میں یہ کہوں کہ وہ فارسی کے باقاعدہ ''عالم'' ہیں تو یہ مبالغہ ہوگا مگر اتنا بے تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی تعلیم اُس زمانے میں ہوئی جب فارسی کا آب و دانہ اس ملک میں تھوڑا بہت باقی تھا۔ اور ایسے اساتذہ موجود تھے جن کی صحبت سے علم کا رسوخ حاصل ہوتا تھا۔ اس لیے انھوں نے جتنی فارسی پڑھی ہے اُس میں کہیں جھول نہیں ہے۔ سب سے بڑی اور قابل تعریف بات جو ایک عالم کی پہچان ہے، وہ یہ کہ وہ ہمہ وقت سیکھنے کے لیے آج بھی آمادہ رہتے ہیں اُن کا ذہن جدید ہے زنگ خوردہ نہیں، اس لیے وہ غیر مانوس

خیالات سے بھڑ کتے نہیں، اور اُن کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۵۔ جس زبان سے ترجمہ ہو رہا ہو اُس سے زیادہ قدرت و مہارت کی ضرورت اُس زبان میں ہوتی ہے جس میں ترجمہ کیا جائے۔ اردو کے لیے کہنا ہی کیا ہے؟ بطخ کے بچے کو تیرنا کون سکھاتا ہے؟ وہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے بیٹے ہیں یہی اُن کی سب سے بڑی اُردو کی سند ہے۔

خواجہ حسن نظامیؒ کا اسلوبِ نثر بہت شیریں اور دلنواز ہے، وہ اس طرح لکھتے ہیں کہ کہیں آورد یا تکلف کا نام نہیں ملتا، حسن ثانی نظامی صاحب نے خواجہ صاحب کے اسلوب کی کامیاب پیروی کی ہے۔ وہ آسان زبان لکھتے ہیں، سامنے کے الفاظ سے کام لیتے ہیں، عبارت کو بوجھل نہیں بناتے اُس کے آہنگ اور ترنم کا لحاظ رکھتے ہیں، اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں بھی ایک لَے قائم کر دیتے ہیں، یہ خوبیاں اس ترجمے کی عبارت میں بھی موجود ہیں۔

۶۔ بعض مواقع پر آپ کو یہ احساس ہو گا کہ کوئی لفظ ذرا بھاری آ گیا اور اس سے زیادہ آسان یا عام استعمال کا لفظ موجود تھا، تو اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ازراہِ عقیدت یہ کوشش کی ہے کہ اصل متن کے جو الفاظ اردو میں رائج ہیں اور سمجھے جا سکتے ہیں، انہیں حتی الوسع جوں کا توں باقی رکھا جائے کیونکہ یہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ ہے۔ لیکن اُس اہتمام سے ترجمے میں کسی طرح کا نقص واقع نہیں ہونے دیا ہے۔

فوائد الفواد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سینکڑوں سال سے بزرگوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ اگر یہ کتاب بیمار کو سنائی جائے، یا کوئی اپنی کسی حاجت کے پورا ہونے کی نیت سے اس کو نقل کرے تو ابھی کتاب کی قرأت یا نقل تمام نہیں ہو گی کہ بیمار شفایاب ہو جائے گا اور جو اُس کی جائز حاجت ہے وہ انشاء اللہ پوری ہو گی۔ مجھے حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی مدظلہ العالی نے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے کا حکم دیا تو اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کے باوجود میں نے اسے دین و دنیا کی سعادت سمجھ کر قبول کیا ہے، اور اُمید کرتا ہوں جتنی دیر میرا قلم حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاکیزہ حالات اور ملفوظات لکھنے میں مشغول رہا ہے، وہ

لمحاتِ زندگی کا سب سے اچھا مصرف تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی کا فیضان جاری رکھے، انھیں اور ان کے مخلصین کو بھی علمِ نافع اور عملِ مقبول روزی کرے۔ آمین ثم آمین۔

نثار احمد فاروقی

جمعہ ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

دہلی یونیورسٹی، دہلی

۳۔ فروری ۱۹۸۹ء

-☆-

جلد اوّل

چونتیس [34] مجلسیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ غیبی ہیرے موتی اور لاریبی[1] پھول، خواجہ، راستین، لقب یافتہ و ما ارسلنٰک الّا رحمۃ اللعلمین[2] فقیروں اور مسکینوں کے بادشاہ، شیخ نظام الحق والشرع والدین متع اللہ المسلمین بطول بقایہ[3] آمین کے خزانہ، تلقین اور نہاں خانہ، یقین سے جمع کیے جاتے ہیں اور جو کچھ اس شمع محفل ملکوت[4] سے کانوں تک پہنچا۔ چاہے وہ حضرت کا عین لفظِ مبارک ہو یا اس کے معانی، اسے اپنی محدود سمجھ کے موافق لکھ لیا۔ اور چونکہ اس مجموعے سے دردمندوں کے دل بہت فائدے اٹھائیں گے اس لیے اس کا نام فوائد الفواد (دلوں کے فائدے) رکھا ہے اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔ اور اسی پر بھروسہ ہے۔

پہلی[1] مجلس

اتوار۔ ماہ شعبان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی تیسری تاریخ سات سو سات ہجری (۷۰۷ھ) پروردگار کی رحمت کے امیدوار بندہ گناہ گار حسن علا سجزی کو جو اس تلقین کا لکھنے والا اور ان معانی کا جمع کرنے والا ہے۔ اس شاہ فلک جاہ، ملک وسعت گاہ کی قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی اسی وقت اس آفتاب روشن ضمیری کے قطب کی بے نظیر نظر کے فیض سے اس کے

1- اُس عالم اور جہان کے پھول، جس پر کوئی شبہ نہیں ہے۔
2- اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر عالمین کے لیے رحمت بنا کر۔
3- اللہ تعالیٰ ان کی درازی عمر سے مسلمانوں کو فائدے پہنچائے۔
4- محسوس اور موجود نظر آنے والا عالم ناسوت کہلاتا ہے۔ اس کے بطون کو ملکوت کہتے ہیں۔

باطن نے چہار طبع کی آلائش کا ترک اختیار کیا اور اس کے سر کو اس ناصیہء اصفیا[1] کی کلاہ چہار ترکی سے زینت ملی الحمد للہِ علےٰ ذالک۔

اس روز فرض نمازوں اور چاشت کی نماز، اور چھ رکعت بعد نماز مغرب اور ایام بیض کے روزوں کی تاکید کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تائب، متقی کے برابر ہے۔ کیونکہ متقی تو وہ ہوتا ہے کہ مثلاً اس نے ساری عمر کبھی شراب نہ پی ہو یا اور کوئی گناہ اس سے نہ ہوا ہو۔ اور تائب وہ ہوتا ہے کہ گناہ کیا اور پھر توبہ کر لی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دونوں اس حدیث کے مطابق برابر ہیں کہ ''التائب من الذنب کمن لاذنب لہ'' (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں) یہ تشریح بھی اسی ضمن میں فرمائی کہ جس نے گناہ کیا اور گناہ سے خوب ذوق پایا جب (وہ) توبہ کرتا ہے اور طاعت کرتا ہے تو اس طاعت میں بھی خوب ذوق پاتا ہے۔ اور (عین) ممکن ہے کہ اس راحت کا ایک ذرہ جو اسے طاعت میں حاصل ہوا، وہ ذرہ گناہوں کے کھلیان کے کھلیان جلا ڈالے!

پھر ذکر یہ آیا کہ مردان خدا خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور حق تعالیٰ انھیں ظاہر کر دیتا ہے، زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ خواجہ ابوالحسن نوری اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھرے۔ مناجات میں کہا کرتے تھے کہ الٰہی! مجھے اپنے شہروں میں اپنے بندوں کے درمیان چھپا لے۔ انھوں نے ایک ہاتف سے آواز سنی کہ اے ابوالحسن! الحق لایسترہ شی۔ یعنی حق کو کوئی چیز نہیں چھپاتی۔ اور حق ہرگز پوشیدہ نہیں رہتا!

اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ خطہء ناگور میں ایک بزرگ تھے۔ انھیں حمید الدین سوالی کہتے تھے۔ علیہ الرحمۃ والغفران۔ ان سے سوال کیا گیا کہ مشائخ میں سے بعض انتقال کر جاتے ہیں اور ان کے انتقال کے بعد کوئی ان کا نام (بھی) نہیں لیتا اور بعض جب انتقال کر جاتے ہیں (تو) ان کا نام اور شہرت دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جاتے ہیں۔ احوال کا یہ فرق کیسے ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ جو زندگی میں اپنے اشتہار کی کوشش کرتے ہیں۔ وفات کے بعد ان کا نام اور شہرت مٹ جاتے ہیں اور جو زندگی کے زمانے میں خود کو پوشیدہ

1- ناصیہء اصفیاء۔ اصفیاء کی پیشانی۔ یہ تشبیہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے چہرہ مبارک کے لیے ہے۔ جیسے انسانی چہرے پر پیشانی نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت کی حیثیت اصفیاء کے لیے پیشانی کی سی ہے۔

رکھتے ہیں وفات کے بعد ان کا نام اور شہرت سارے جہان میں پہنچ جاتے ہیں۔

پھر مشائخ کبار اور ابدال پر ان کے ترقیٔ درجات کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا۔ اس نے کسی کو دیکھا کہ ہاتھ پیر ٹوٹے ہوئے اور خراب (حال) خانقاہ کے دروازے پر آ پڑا ہے یہ شخص شیخ کی خدمت میں گیا اور اس دروازے پر پڑے ہوئے آدمی کا حال سنا کر دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے فرمایا خاموش رہو! اس نے بے ادبی کی ہے۔ اس آنے والے نے پوچھا کہ اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ وہ ابدالوں میں سے ایک ہے۔ کل وہ لوگ اپنے دوسرے دو ساتھیوں کے ساتھ، اس قوتِ پرواز سے جو ابدالوں کو حاصل ہے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ جب اس خانقاہ پر پہنچے تو ان کا ایک ساتھی تو خانقاہ سے ہٹ کر ادب سے داہنی طرف ہو کر گزر گیا۔ دوسرا ساتھی بھی خانقاہ کی بائیں جانب سے نکل گیا۔ یہ چاہتا تھا کہ بے ادبی کے ساتھ خانقاہ کے اوپر سے گزرے (چنانچہ) گر پڑا!

یہ معانی بھی اسی سلسلے میں بیان فرمائے۔ پیر کے ادب کا دھیان رکھنے اور اس کے سامنے اچھا جواب دینے کے بارے میں۔ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز ایک دفعہ عید کی رات کو اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے اور چار اشخاص مردانِ غیب میں سے ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ (حضرت نے) ان میں سے ایک کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ تم کل عید کی نماز کہاں پڑھو گے؟ اس مرد نے کہا مکہ مبارک میں! اس کے بعد دوسرے سے پوچھا کہ تم کہاں ادا کرو گے؟ مرد بولا کہ مدینہ معظمہ میں! اس کے بعد تیسرے سے دریافت کیا کہ تم کہاں پڑھو گے؟ اس نے جواب دیا کہ بیت المقدس میں! پھر چوتھے سے پوچھا کہ تم کہاں ادا کرو گے؟ وہ آداب بجالایا اور عرض کی بغداد ہی میں! اپنے خواجہ کے ساتھ! خواجہ نے اس کے بارے میں اس طرح فرمایا تو ان سب سے زیادہ زاہد ہے عالم ہے اور افضل ہے!

پھر تزکیے کا ذکر نکلا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ مرد کا کمال چار چیزوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم ملنا جلنا!

پھر جد و اجتہاد کی بات آئی۔ بندے نے یہ دو شعر حضرت کی زبانِ گوہر بار سے سنے۔

چوتھی[4] مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان دامت حرمتہ کی بائیسویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ دریافت فرمایا کہ مغرب عشاء کے درمیان جو چھ رکعت (نماز) اوابین بتائی ہے۔ پڑھتے ہو؟ عرض کی، جی ہاں۔ اس کے بعد ایام[1] بیض کے روزوں کے بارے میں پوچھا کہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی رکھتا ہوں۔ اس کے بعد نماز چاشت کے بارے میں دریافت فرمایا کہ ادا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی ادا کرتا ہوں۔ اس کے بعد چار رکعت صلوٰۃ السعادت کا حکم فرمایا اس روز یہ سعادت دوسری سعادت کے ساتھ مل گئی! والحمد للہِ علیٰ ذالک۔

پانچویں[5] مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی تیرہویں تاریخ جمعے کو نماز سے پہلے قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ پوچھا کہ معمول کے خلاف نماز سے پہلے کیسے آئے؟ عرض کیا گیا کہ نماز تراویح مولانا ظہیر الدین حافظ سلمہ، اللہ تعالٰی کی اقتداء میں پڑھتا ہوں اور وہ ہر رات تین سیپارے پڑھتے ہیں۔ بندے کی خواہش ہے کہ دس رات متواتر بلا ناغہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لے تاکہ ختم قرآن کا ثواب حاصل ہو جائے۔ اگر اجازت ہو تو نمازِ جمعہ کے بعد واپس چلا جاؤں تاکہ تراویح مل جائے۔ ارشاد ہوا اچھی بات ہے!

اس کے بعد اسی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمت اللہ علیہ نے ایک رات کو حاضرین کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے؟ جو آج رات کو دو رکعت نماز پڑھے اور ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرے؟ حاضرین میں سے کوئی اس بات کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ شیخ بہاء الدین آگے بڑھے اور ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کر لیا اور چار سیپارے مزید پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھ کر نماز پوری کی۔

اس موضوع کی مناسبت سے دوسری حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہاء الدین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجھے جو کچھ ملا نماز سے ملا اور مشائخ اور زاہدوں کے اوراد سب میں نے کیے مگر ایک چیز

1- ہر مہینے کی تیرہ چودہ، پندرہ تاریخوں کو ایام بیض کہتے ہیں۔ ان دنوں کی راتیں روشن چاندنی راتیں ہوتی ہیں۔

مجھ سے نہ ہو سکی اور... یہ تھی کہ مجھے اطلاع دی گئی کہ فلاں بزرگ آغازِ صبح سے طلوع آفتاب تک ختم قرآن کر لیتے ہیں۔ ہر چند میں نے (بھی) چاہا لیکن کر نہ سکا۔

اسی ضمن میں ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ کعبے شریف کا طواف کر رہے تھے۔ (انھوں نے) ایک (اور) بزرگ کو (بھی) طواف کعبہ میں دیکھا (اور) ان بزرگ کے پیچھے چلنے لگے۔ جہاں وہ قدم رکھتے۔ قاضی حمید الدین بھی اپنا قدم وہیں رکھتے۔ ان روشن ضمیر پیر کو اس بات کی خبر ہو گئی۔ بولے (یہ) ظاہری پیروی کیا کرتے ہو۔ اس (کام) کی پیروی کرو جو میں کرتا ہوں۔ قاضی حمید الدین علیہ الرحمۃ نے پوچھا آپ کیا کرتے ہیں؟ پیر نے کہا کہ میں ایک روز میں سات سو مرتبہ ختم قرآن کرتا ہوں۔ قاضی حمید الدین کو بہت تعجب ہوا اور (دل میں) یہ اندیشہ گزرا کہ شاید قرآن کے معانی کو الفاظ کے بغیر تصور کر لیتے ہوں گے اور خیال میں پڑھتے ہوں گے۔ پیر نے اپنا سر اٹھایا اور بولے "لفظ بہ لفظ۔ موہوم نہیں!" جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ حکایت تمام کی۔ اعز الدین علی شاہ سلمہ اللہ تعالےٰ نے جو خاص مریدوں میں سے ایک تھے پوچھا کہ شاید یہ کرامت ہو گی؟ خواجہ نے فرمایا ہاں کرامت ہو گی۔ ہر معاملہ جو عقل میں آ جائے وہ اور ہوتا ہے۔ اور جس میں عقل کو دخل نہ ہو وہ کرامت ہوتی ہے۔

پھر مشائخ کی طاعت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے سلسلے میں مجھ تک جو کچھ بھی پہنچا میں نے وہ سب کیا۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رسالتؐ پناہ نے ایک دفعہ نماز معکوس بھی ادا کی ہے۔ میں (بھی) گیا اور پاؤں رسی سے باندھے اور اپنے آپ کو سرنگوں ایک کنویں میں لٹکا دیا اور اسی طرح نماز پڑھی۔ جب یہ حکایت تمام فرمائی (اس) کمینہ بندے کی طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ جو بھی تھا حسن عمل سے کسی مقام تک پہنچا۔ اگر چہ خدا کا فیض تو پہنچتا ہی ہے۔ لیکن ہمیں خود بھی جدوجہد کرنی چاہیے۔

چھٹی6 مجلس

اسی سال ماہ شوال کی پانچویں (تاریخ) جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل

ہوئی۔ ترک و تجرید کی گفتگو آئی۔ اس کے دوران فرمایا کہ ایک درویش تھے حد درجے فقیر اور مسکین۔ ان کا پیٹ بھوک کے مارے کمر سے چپکا ہوا تھا۔ کسی راہ جاتے تھے۔ خواجہ محمود پٹوہ نے جو ہمارے یار (مرید) ہیں ایک دانگ (چھوٹا سکّہ) ان کے سامنے رکھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آج میں نے کھلی پیٹ بھر کر کھالی ہے۔ خوراک کی طرف سے میں نے پوری بے فکری کر لی ہے۔ آج مجھے اس دانگ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس کے صدق کی انتہا پر تعجب فرمایا اور ارشاد ہوا کہ زہے قناعت وقوت صبر!

یہ حکایت بھی اسی ضمن میں بیان فرمائی۔ قناعت کے بارے میں اور غیر حق سبحانہ وتعالیٰ سے لالچ نہ رکھنے کے بارے میں فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جنھیں شیخ علی کہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنا خرقہ سی رہے تھے اور پیر پھیلا رکھے تھے اور الٹا خرقہ ران پر ڈالے بخیہ کر رہے تھے۔ اسی دوران ان سے کہا گیا کہ خلیفہ آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی نشست ذرا بھی نہیں بدلی۔ اسی طرح بیٹھے رہے (اور) بولے آنے دو۔ خلیفہ آیا سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا۔ شاید صاحب نے (اے ڈی سی) جو خلیفہ کے ساتھ آیا تھا کہا کہ شیخ پاؤں سمیٹ لو! شیخ نے اس کی بات کی طرف ذرا التفات نہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک دو بار حاجب نے اس بات کو دہرایا (بھی) الغرض جب خلیفہ کی واپسی کا وقت ہوا (تو) شیخ نے ایک ہاتھ حاجب کا پکڑا اور ایک خلیفہ کا۔ اس کے بعد بولے کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو سمیٹ رکھا ہے۔ اب میرے لیے جائز ہے کہ پاؤں کو نہ سمیٹوں۔ یعنی تم سے مجھے کچھ لالچ نہیں ہے۔ نہ کچھ لینا نہ لینا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ سکیڑ لیے ہیں (اور) مجھے اس کا حق ہے کہ پاؤں نہ سکیڑوں! کچھ اس کا ذکر ہوا کہ سلوک کی اصل کیا ہے اور جو مغز معانی ہے وہ کیا ہے۔ اس درمیان ارشاد ہوا کہ ایک شخص خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ والغفر ان کی خدمت میں آیا اور مرید ہو گیا۔ (پھر) خواجہ کے فرمان کا منتظر رہا کہ نماز روزے اور اوراد کے سلسلے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ خواجہ نے صرف اتنا کہا کہ جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ اور اپنے لیے وہی چاہو جو دوسروں کے لیے چاہتے ہو۔ الغرض یہ شخص واپس چلا گیا اور ایک مدت کے بعد پھر خواجہ اجل شیرازی علیہ الرحمت کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں اس روز حضور سے مرید ہو کر منتظر تھا کہ خواجہ مجھ سے نماز اور اوراد کے بارے میں فرمائیں گے۔ مگر (کوئی) حکم نہ ہوا۔ آج پھر منتظر

ہوں۔خواجہ نے پوچھا اس روز تمہارا سبق کیا تھا؟ مرید حیران ہوا اور کچھ جواب نہ دیا، خواجہ نے تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا اس روز میں نے تم سے کہا تھا کہ جو کچھ اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرو اور اپنے لیے وہی چاہو جو کسی غیر کے لیے چاہتے ہو۔ تمہیں یہ بات یاد نہیں رہی۔ پس جب پہلی مشق ہی درست نہیں کی تو دوسری مشق کیسے کراؤں؟

یہ حکایت پوری ہونے کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک بزرگ تھے۔ پرہیزگار، وہ اکثر کہا کرتے کہ نماز، روزہ اور تسبیح واوراد سب دیگ کے مسالے ہیں۔ اصل چیز دیگ میں گوشت ہوتا ہے۔ جب تک گوشت نہ ہوان مسالوں سے کچھ نہیں بنتا۔ ان بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ یہ تمثیل اکثر بیان فرماتے ہیں (ذرا) تشریح (بھی) کیجیے۔ ان بزرگ نے کہا کہ گوشت ترک دنیا ہے اور نماز، روزہ اور اوراد و تسبیح اس کے مسالے ہیں اوّل آدمی کو چاہیے کہ ترک دنیا اختیار کرے اور اس کا تعلق کسی چیز سے نہ رہے۔ اگر وہ نماز روزہ (نفلی) اور اوراد وغیرہ کرے نہ کرے مضائقہ نہیں۔ لیکن جب دنیا کی محبت دل میں ہوگی تو دعاؤں اور اوراد وغیرہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اگر گھی اور کالی مرچ، لہسن، پیاز دیگ میں ڈالیں اور پانی بھی چھوڑ دیں اور شوربا تیار کریں تو اسے شوربائے زور (نقلی شوربا) کہیں گے اور شوربائے مزور بھی یعنی جھوٹا شوربا۔ پس اصل شوربا وہ ہوگا کہ جو گوشت سے تیار ہو۔ چاہے اس میں مسالے ہوں یا نہ ہوں۔

اس کے بعد ترک دنیا کی تحقیق میں یہ لفظ زبانِ مبارک پر آیا کہ ترکِ دنیا یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کرلے مثلاً لنگوٹی باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترکِ دنیا یہ ہے کہ لباس پہنے اور کھانا کھائے۔ البتہ جو کچھ آئے اسے خرچ کرتا رہے۔ جمع نہ کرے اور اس سے رغبت نہ رکھے اور دل کو کسی چیز سے اٹکائے نہ رکھے۔

ساتویں مجلس [7]

اسی سال شوال کی انیسویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ذکر آدابِ تصوف اور اشارات مشائخ اور ان کی اصطلاحات کا نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ شیخ جمال الدین بسطامی رحمۃ اللہ علیہ دار السلطنت دہلی میں شیخ الاسلام تھے۔ اہل صفہ

کے مراسم اور آداب کو خوب جانتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان کے سامنے پانی کا ایک کوزہ لایا گیا اور اس کوزے کے چار کونے تھے۔ یعنی پکڑنے کی چار جگہیں تھیں۔ کوئی بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ وہ بولے کہ اسے لقمانی کوزہ کہتے ہیں۔ شیخ جمال الدین بسطامیؒ نے فرمایا لقمانی کوزہ کیوں کہتے ہیں؟ وہ بزرگ چپ ہو گئے اس کے بعد شیخ جمال الدین نے قصہ سنایا کہ ایک بزرگ تھے۔ ان کو شیخ لقمان سرخسی کہتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں روایت ہے کہ شاید کوئی جمعہ ان سے چھوٹ گیا یا شرع کی ظاہری باتوں میں سے کوئی شعار رہ گیا واللہ اعلم اس شہر کے امام ان کے احتساب کے لیے نکلے۔ ان سے کہا گیا کہ شہر کے آئمہ آ رہے ہیں تاکہ آپ سے بحث کریں۔ شیخ لقمان نے پوچھا کہ سوار آ رہے ہیں یا پیدل؟ عرض کیا گیا سوار آ رہے ہیں۔ اس وقت شیخ ایک دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دیوار سے بولے کہ خدائے عزوجل کے حکم سے چل! دیوار اسی وقت چلنے لگی۔ مقصد یہ کہ ان ہی شیخ لقمان نے ایک دفعہ کسی مرید سے پانی کا کوزہ طلب کیا۔ مرید نے کوزہ پیش کیا جس میں کوئی کونا اور پکڑنے کی جگہ نہ تھی۔ شیخ نے حکم دیا کہ ایسا کوزہ لانا چاہیے جس میں کونا ہو اور (جسے) پکڑ سکیں۔ مرید گیا اور ایک کوزہ ایک کونے والا بنا کر لایا اور شیخ کی خدمت میں (اس طرح) پیش کیا کہ اسی کونے کو پکڑے ہوئے تھا۔ شیخ مسکرائے اور بولے کہ اس کونے کو تو تم نے پکڑ رکھا ہے۔ میں کس جگہ سے پکڑوں؟ جاؤ دو ہتی کوزہ بنا کر لاؤ۔ مرید پھر واپس گیا اور دو ہتی کوزہ بنا کر پیش کیا۔ ایک ہتہ ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا اور دوسرا ہتہ دوسرے ہاتھ سے۔ شیخ نے پھر کہا کہ دونوں طرف سے تو تم نے پکڑ رکھا ہے۔ میں کس جگہ سے تھاموں۔ جاؤ تین ہتی کوزہ بنا کر لاؤ۔ مرید گیا اور تین ہتی کوزہ بنا کر لایا۔ دو ہتے (اپنے) دونوں ہاتھوں سے پکڑے اور تیسرے ہتے کو اپنے سینے کی طرف کر لیا۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ جاؤ چار ہتی کوزہ بناؤ۔ اس کے بعد اس مرید نے اسی طرح کا چار ہتی کوزہ بنا کر پیش کیا۔ غرض یہ کہ اس کوزے کو لقمانی کوزہ اسی سبب سے کہتے ہیں۔

آٹھویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی چھبیسویں تاریخ جمعے کو نماز کے بعد قدم بوسی کی دولت حاصل

ہوئی۔نماز کا اور امام اور مقتدیوں کی حضوریٔ (قلب) کا ذکر آیا۔ارشاد فرمایا کہ نماز کی حضوری کی ابتداء یہ ہے کہ نمازی جو کچھ پڑھے اس کے معانی کو دل پر طاری کرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک شخص تھے۔انھیں حسن افغان کہتے تھے۔صاحب ولایت تھے اور انتہائی بزرگ۔اتنے کہ شیخ بہاء الدین فرماتے تھے کہ اگر کل مجھ سے پوچھا گیا کہ ہماری درگاہ میں کیا (تحفہ) لائے تو میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں۔ایک دفعہ یہ حسن کسی گلی میں جا رہے تھے۔ایک مسجد میں پہنچے مؤذن نے تکبیر کہی۔امام آگے بڑھے اور ایک خلقت جماعت میں شامل ہوگئی۔خواجہ حسن بھی آئے اور مقتدی بن گئے۔جب نماز ہو چکی اور خلقت واپس ہوئی تو خواجہ حسن امام کے پاس گئے اور بولے۔اے خواجہ تم نے نماز شروع کی اور میں تمہارے ساتھ شامل ہوا۔تم یہاں سے دہلی گئے اور وہاں سے غلام خریدے۔پھر واپس آئے اور ان غلاموں کو خراسان لے گئے اور وہاں سے ملتان واپس آئے اور وہاں سے مسجد میں تشریف لائے۔میں تمہارے پیچھے حیران (پریشان) پھرتا پھرا۔آخر یہ کیسی نماز ہے؟

اس کے بعد ان کی بزرگی کی شرح میں فرمایا کہ ایک دفعہ کسی گاؤں میں مسجد بنائی جا رہی تھی خواجہ حسن وہاں پہنچے۔اہل عمارت سے بولے کہ محراب کو یوں سیدھا کرو کیونکہ قبلہ اس طرف ہے! یہ بات کہی اور ایک طرف اشارہ کیا۔ایک مولوی صاحب بھی وہاں موجود تھے۔وہ جھگڑنے لگے کہ نہیں قبلے کا رُخ دوسری طرف ہے۔الغرض ان کے درمیان خوب بحث ہوئی۔خواجہ حسن نے مولوی سے کہا رُخ اس جانب کرو جدھر میں بتا رہا ہوں اور غور سے دیکھو۔مولوی صاحب نے اس جانب رُخ کیا (تو) کعبے کو اسی رُخ دیکھا جدھر خواجہ حسن بتا رہے تھے۔

اس کے بعد ان کے احوال کی تفصیل بتائی کہ وہ اُمّی (بے پڑھے لکھے) تھے۔کچھ بھی نہیں پڑھا تھا لوگ آتے تھے اور کاغذ اور تختی ان کے سامنے رکھتے تھے۔چند سطریں اس پر لکھی ہوتی تھیں۔بعض نظم میں اور بعض نثر میں۔بعض عربی اور بعض فارسی ہر موضوع پر چند سطریں لکھتے تھے اور ان سطروں کے درمیان ایک سطر قرآن مجید کی آیت کی بھی لکھ دیتے تھے۔پھر ان سے پوچھتے تھے کہ ان سطروں کے درمیان قرآن (مجید) کی سطر کونسی ہے؟ وہ قرآن کی آیت کی طرف اشارہ کرتے کہ یہ ہے ان سے کہا جاتا کہ آپ نے تو قرآن پڑھا نہیں ہے۔آپ کو

کیسے معلوم ہوا کہ یہ قرآن کی آیت ہے فرماتے کہ (جو) نور اس سطر میں دیکھتا ہوں وہ دوسری سطروں میں نہیں ہے۔

ان بزرگ کے احوال کی مناسبت سے ذوق نماز کے استغراق کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک شخص تھے جنھیں خواجہ کریم کہتے تھے۔ وہ شاید دہلی میں اوّل اوّل کلرک رہے تھے۔ آخر میں دنیا کے دھندوں سے منہ پھیر لیا اور واصلوں میں سے ہو گئے۔ چنانچہ اکثر کہا کرتے کہ جب تک میری قبر دہلی میں ہے کوئی کافر غالب نہیں آ سکتا۔ ان کی نماز کے حضور کا حال بیان فرمایا کہ ایک دفعہ مغرب کی نماز کے وقت دروازہ کمال کے سامنے نماز میں مشغول تھے شاید اس زمانے میں میواتیوں کا (بڑا) خطرہ تھا۔ کوئی بھی ناوقت اس دروازے کے قریب اور ان اطراف میں جانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ یہ خواجہ کریم نماز میں مشغول ہوئے ان کے ساتھی دروازے پر کھڑے تھے اور آواز دے رہے تھے کہ جلدی شہر میں آ جاؤ اور دروازے کا دربان بھی شور مچا رہا تھا۔ الغرض ان خواجہ کریم نے اپنی نماز پورے حضور کے ساتھ تمام کی جب وہ اس جگہ سے واپس آئے تو ان سے کہا گیا کہ تم نے ہماری کوئی آواز نہیں سنی؟ جواب ملا نہیں۔ بولے تعجب ہے ہم نے اتنا تو شور مچایا اور تم نے نہیں سنا۔ فرمانے لگے تعجب تو اس پر ہے کہ کوئی نماز میں ہو اور کسی کا شور (اور اودھم) سنے اس کے بعد فرمایا کہ جب سے ان خواجہ کریم نے خدائے عزوجل سے لو لگائی تمام عمر کبھی درہم و دینار کو ہاتھ میں نہیں لیا۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر دنیا اور اس کی لذتوں کے ترک کے سلسلے میں گفتگو فرمانے لگے ارشاد ہوا کہ ہمت بلند رکھنی چاہیے اور دنیا کی آلائش میں نہیں پھنسنا چاہیے۔ خواہشات سے بلند ہو جانا چاہیے۔ اس وقت یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے:

یک لحظہ ز شہوتے کہ داری برخیز

تا بنشیند ہزار شاہد پیشت

ترجمہ: لمحہ بھر کو اپنی خواہشوں سے بلند ہو جاؤ تا کہ ہزار معشوق تمہارے سامنے بیٹھ جائیں ا

نویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی دسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ ارشاد

ہوا کیا بات ہے۔ آج کیسے آ گئے۔ یعنی معمول تو جمعے کا تھا۔ بندے نے عرض کی کہ یہ سعادت آج ہی مقدر تھی۔ جب بھی قسمت یاوری کرتی ہے قدم بوسی کی سعادت میسر آ جاتی ہے۔ فرمایا، اچھا کیا۔ جو بھی غیب سے آتا ہے اچھا ہوتا ہے۔

اس کے بعد صحبت کے اثر کا تذکرہ آیا۔ فرمایا کہ صحبت کا اثر قوی ہوتا ہے۔ پھر ترک دنیا پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ کون ہے جس نے گھٹیا چیز کو نہ چھوڑا اور اعلیٰ چیز اس تک خود نہ پہنچی!

10
دسویں مجلس

اسی مہینے کی پندرہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ عزیزوں کی ایک جماعت جیسے مولانا وجیہہ الدین پائلی اور مولانا حسام الدین حاجی اور مولانا تاج الدین یار اور مولانا جمال الدین اور دوسرے مرید حاضر تھے۔ کھانا سامنے رکھا گیا۔ ارشاد ہوا کہ جس کا روزہ نہ ہو (کھانا) کھائے۔ ایام بیض کی وجہ سے اس مجمعے کے اکثر لوگ روزے سے تھے۔ اس کے بعد کھانا ان دو تین آدمیوں کے پاس بھجوا دیا گیا جو روزے سے نہیں تھے۔ اس وقت زبان مبارک سے فرمایا کہ جب عزیز آئیں تو کھانا سامنے رکھنا چاہیے مگر کسی سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ تم روزے دار ہو کیونکہ اگر روزے سے نہ ہوگا تو خود کھا لے گا۔ اور یہ نہ پوچھنے میں کہ تم روزے سے ہو کیا حکمت ہے؟ یہ کہ اگر کہے گا کہ میرا روزہ ہے تو دکھاوے کا دخل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ روزے دار ایسا پکا اور سچا مرد ہوا کہ دکھاوے کا اس پر گزر نہیں (اور پھر) وہ کہے کہ میرا روزہ ہے تو اس کی طاعتِ حالی علانیہ دفتر میں لکھی جائے گی۔ اور اگر کہے کہ میرا روزہ نہیں ہے تو یہ جھوٹ بولنا ہوگا۔ اور اگر خاموش رہے تو پوچھنے والے کی تحقیر ہوگی۔

11
گیارہویں مجلس

اسی مہینے کی اکیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ نیک مردوں کے قدم کی برکت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جو بھی جگہ ہے۔ ان ہی کے قدموں کی برکت سے راحت بخش ہے۔ مثال کے طور پر دہلی کی جامع مسجد۔ فرمایا کہ کتنے اولیاء اور بزرگوں کے قدم وہاں پہنچے ہوں گے کہ یہ جگہ ایسی راحت بخش ہے۔

اس دوران فرمایا کہ میں نے محمود کبیر سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ صبح کے وقت میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جامع مسجد کے ملمع شدہ کنگوروں کے اوپر جو محراب کے طاقوں کے اوپر بنے ہوئے ہیں آ جا رہے تھے۔ پرندے کی طرح بڑی تیزی سے اور بے خوفی سے اس کنارے سے اس کنارے تک (کبھی) آتے تھے اور (کبھی) جاتے تھے میں دور سے دیکھ رہا تھا۔ جب صبح ہونے لگی تو ان کنگوروں پر سے نیچے اتر آئے۔ میں ان کے سامنے گیا اور سلام کیا مجھ سے کہنے لگے تم نے دیکھا؟ میں نے کہا (جی ہاں) دیکھا۔ بولے کسی سے کہنا نہیں۔

اسی دوران کاتب (حسن علا سجزیؒ) نے عرض کیا کہ بزرگوں میں سے اکثر اپنے احوال کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ (اس میں) کیا حکمت ہے؟ ارشاد ہوا کہ اگر راز کو فاش کر دیں تو دوسرے راز کے محرم بننے کے قابل نہ رہیں۔ اگر ایک (آدمی) دوسرے سے راز کہتا ہے اور (راز) سننے والا اس کو ظاہر کر دیتا ہے تو وہ (راز) بتانے والا (پھر) دوسرا راز نہیں بتائے گا۔ بندے نے عرض کی کہ یہ کیا بات ہے کہ خواجہ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ بہت دفعہ غیب کی باتیں زبان پر لائے ہیں؟ فرمایا کہ جس وقت اولیاء شوق کے غلبے میں ہوتے ہیں تو بے خودی کے عالم میں کچھ کہہ دیتے ہیں۔ البتہ جو کامل ہیں وہ اسرار میں سے کوئی چیز بھی ظاہر نہیں کرتے اس کے بعد دوبارہ یہ مصرع زبانِ مبارک پر آیا۔

مرداں ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند

ترجمہ: مردوں نے ہزار دریا پیے اور (پھر بھی) پیاسے گئے۔

پھر فرمایا کہ بہت بڑا حوصلہ چاہیے کہ راز کے قابل ہو سکے۔ اور اس کے اہل پوری طرح ہیں تو اصحاب صحو (سالک) ہیں۔ بندے نے پوچھا کہ اصحاب سکر (مجذوب) کا مرتبہ اونچا ہے یا اصحاب صحو کا؟ فرمایا کہ اصحاب صحو کا مرتبہ واللہ اعلم۔

12
بارہویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی چودھویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی زبان کی تاثیر کا ذکر آیا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ وہ طاعت اور وہ ورد جو کسی صاحب نعمت کی زبان سے ملا ہو اس کے ادا کرنے میں راحت ہی دوسری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چند ورد

ہیں جو میں نے خود اپنے آپ پر واجب کر لیے ہیں۔ اور چند دوسرے ورد ہیں جو مجھے اپنے خواجہ سے عطا ہوئے ہیں ان دنوں وردوں کی ادائیگی کے وقت جو جو راحتیں میسر آتی ہیں ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

پھر بات اختیار کے ترک کی آئی، یعنی خود اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کرنا چاہیے، زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو دوسروں کے محکوم ہیں۔ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو حاکم ہیں۔ (پیر ہونے سے مرید ہونا بہتر ہے۔ مترجم)

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ جمعے کے روز نماز کے لیے اپنی خانقاہ سے باہر نکلے۔ مریدوں سے پوچھنے لگے کہ جامع مسجد کا راستہ کونسا ہے۔ کس طرح جانا چاہیے؟ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ راستہ یہ رہا! ان سے پوچھا گیا کہ اتنی دفعہ آپ جمعے کی نماز کو گئے ہیں۔ راستہ نہیں جانتے؟ بولے جانتا ہوں لیکن اس وجہ سے پوچھتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے دوسرے کا محکوم بن جاؤں؟ اس کے بعد ترک وطن اور مکان و محل وغیرہ کی محبت کے سلسلے میں وعظ فرمایا اور یہ اشعار زبان مبارک پر آئے:

دشت و کہسار گیر ہم چو وحوش
خانماں را بمان بگربہ و موش
قوت عیسیٰ چو ز آسماں سازند
ہم بداں جاش خانہ پردا زند
خانہ را گر برائے قوت کنند
مور و زنبور و عنکبوت کنند

(ترجمہ: پہاڑ اور جنگل کو جنگلی جانوروں کی طرح ٹھکانہ بناؤ۔ گھر بار کو چوہے بلی کے لیے چھوڑ دو۔ (حضرت) عیسیٰ کی روزی آسمان پر تھی۔ زمین ان کا گھر بنا دیا گیا، کھانے کے لیے اگر گھر بناتے ہیں تو چیونٹیاں اور بھڑیں اور مکڑیاں بناتے ہیں۔)

13
تیرہویں مجلس

سات سو آٹھ ہجری ماہِ محرم الحرام کی تیسری تاریخ کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔

طاعت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک طاعت ہے لازمی اور ایک طاعت ہے متعدی۔ لازمی تو وہ ہے کہ جس کا فائدہ اسی ایک طاعت کرنے والے کی ذات کو پہنچتا ہے۔ اور وہ نماز ہے اور روزہ ہے۔ اور حج ہے اور اوراد اور تسبیحات اور اسی طرح کی (اور) چیزیں ہیں۔ لیکن طاعت متعدی وہ ہے کہ جس سے فائدہ اور راحت دوسروں کو پہنچے۔ خرچ کرنے سے اور شفقت برتنے سے اور جہاں تک ہو سکے دوسروں کے حق میں مہربانی کرنے سے۔ اس کو طاعت متعدیہ کہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب بے حد و اندازہ ہے۔ اور طاعت لازمہ میں تو اخلاص ہونا چاہیے تا کہ قبول ہو جائے۔ لیکن طاعت متعدیہ تو جس طرح کی بھی ہو اور جیسے بھی کی جائے اس کا ثواب ہے۔ واللہ الموفق۔

14
چودھویں مجلس

اسی مہینے کی ساتویں (تاریخ) جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ وِلایت اور وَلایت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ شیخ کے لیے وَلایت بفتح واوٗ بھی ہوتی ہے اور وِلایت (بکسر واوٗ) بھی۔ وَلایت تو یہ ہے کہ جب تائب ہوتا ہے اور طاعت کرتا ہے تو اس طاعت سے بڑا ذوق پاتا ہے اور ممکن ہے کہ مریدوں کو خدا تک پہنچا دے اور طریقت کے آداب سکھائے اور (غرضیکہ) جو کچھ اس کے اور خلقت کے درمیان ہے اس کو وَلایت کہتے ہیں۔ لیکن جو کچھ اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہے وہ وِلایت ہے۔ اور وہ خاص محبت ہے اور جب شیخ دنیا سے انتقال کرتا ہے تو وِلایت اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ مگر وَلایت جس کو چاہتا ہے دے جاتا ہے۔ اپنی پسند کے آدمی کو اگر وہ نہ دے تو بھی جائز ہے کیونکہ حق عزوجل اس وَلایت کو کسی دوسرے کو عطا کر دیتا ہے۔ لیکن وِلایت جو اس کے ساتھ ہوتی ہے اس کو اپنے ساتھ ہی لے جاتا ہے۔

اس باب میں حکایت بیان فرمائی کہ کسی بزرگ نے ایک مرید کو کسی بزرگ کے پاس بھیجا اور معلوم کرایا کہ رات کو بساط عالم پر کیا گزری۔ انھوں نے جواب کہلوایا کہ رات کو شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز نے مسجد[1] مہنہ میں انتقال کیا۔ ان بزرگ نے پھر کسی کو بھیجا اور

1- فضل اللہ ابوسعید بن ابی الخیر ولادت ۳۵۷ھ مہنہ اقلیم خاوران خراسان وفات ۴ شعبان ۴۰۲ھ جمعہ۔ انھوں نے ابوعبدالرحمان السلمی سے بھی خرقہ لیا تھا۔

پچھوایا کہ ان کی وَلایت کس کو دی گئی۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی مجھے خبر نہیں جو کچھ معلوم تھا وہ بتا دیا۔ اس کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ان کی ولایت شمس العارفین علیہ الرحمۃ والغفر ان کو دی گئی ہے۔ رات ہی کو شمس العارفین کے دروازے پر پہنچے۔ شمس العارفین نے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے ان سے فرمایا خدا تعالیٰ کے اتنے سارے شمس العارفین ہیں (کیا خبر) کن شمس العارفین کو (ولایت) دی گئی ہے۔

اس کے بعد شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنایا جو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے بھائی تھے۔ ارشاد ہوا کہ جب وہ تعلیم و تحصیل کے لیے مدرس کے پاس گئے تو استاد نے پوچھا کہ نجیب الدین متوکل تم ہی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نجیب الدین متاکل (خراب وخستہ) ہوں۔ متوکل (توکل رکھنے والا) کون ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد استاد نے کہا کہ شیخ الاسلام فرید الدین کے بھائی تم ہی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ظاہری بھائی ہوں۔ معنوی بھائی کون ہوسکتا ہے!

پھر اصحاب نعمت کی بخششوں کا ذکر نکلا کہ وہ خدمت کرنے والوں پر بڑی نظر (عنایت) رکھتے ہیں۔ اس درمیان فرمایا کہ ایک خواجہ تھے صاحب نعمت و ہمت۔ کبھی کبھی قاضی عین القضاۃ علیہ الرحمۃ والغفر ان کے پاس خرچ بھیجا کرتے۔ شاید قاضی عین القضاۃ علیہ الرحمۃ نے کبھی کسی اور دوسرے سے فرمائش کی اور اپنی ضرورت پوری کرلی۔ ان خواجہ نے سنا تو آزردہ خاطر ہوئے اور عین القضاۃ سے اپنی ناراضی کہلوائی کہ کسی دوسرے سے کوئی چیز لی مجھے یہ دولت کیوں نہ عطا کی۔ عین القضاۃ نے ان کو لکھا کہ اس بات کے لیے رنج نہ کیجیے۔ اجازت دیجیے تاکہ دوسروں کو بھی دولت ملے اور ان لوگوں میں سے نہ بنیے (جن میں سے) ایک نے کہا تھا اے اللہ مجھ پر رحم کر و اور محمدؐ پر (رحم کر) اور ہم دونوں کے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر! اور ان لوگوں میں سے نہ بنیے (جن میں سے) ایک نے کہا کہ۔

اے باغبان آ اور باغ کا دروازہ کھول دے۔ اور جب میں اور میرا محبوب اندر آ جائیں تو دروازہ بند کر دے۔ اسی روز میرا چھوٹا بھائی راقم الحروف (امیر حسنؒ) کا بھتیجا مرید ہوئے، اور بیعت کی اور اس کا بھائی شمس الدین محلوق ہوا (سر منڈوایا) اور اسی روز شیخ جلال الدین ہانسوی کے پوتے (یا نواسے) محلوق ہوئے اور مولانا برہان الدین غریب سلمہ، اللہ تعالیٰ نئے سرے

سے محلوق ہوئے اور شیخ عثمان سیوستانی نے کلاہ کی درخواست کی اور (کلاہ) پائی اور شمس الدین کو خرقہ ملا۔ بہت ہی راحت والا دن تھا۔ اس موقعے پر شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ جب وہ شیخ الاسلام قطب الدین اوشی قدس سرہٗ کی خدمت میں آئے اور سر کے بال اتروائے تو شیخ نے فرمایا۔

حقیقت میں چراغ اسی وقت بجھتا ہے جب اس کے سر سے روغن نکل جاتا ہے۔

پندرہویں مجلس 15

اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کی چھٹی تاریخ بدھ کو خضر آباد چھاؤنی سے حاضر ہوا، قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ مردان غیب کا ذکر آیا کہ وہ جب کسی کو قابل دیکھتے ہیں اور طاعت مجاہدہ میں عالی ہمت پاتے ہیں تو اڑا لے جاتے ہیں۔ اس اثنا میں فرمایا کہ نصیر لقب ایک جوان بدایوں میں تھے۔ ان سے میں نے سنا کہ وہ کہتے تھے میرے باپ پہنچے ہوئے درویشوں میں سے تھے۔ ایسا ہوا کہ ایک رات انہیں دروازے کے سامنے سے آواز دی گئی۔ وہ باہر آئے۔ ہم نے بس اندر سے سلام اور علیک (سلیک) سنی اور اتنا اور سنا کہ ہمارے والد کہتے ہیں کہ فرزندوں اور گھر والوں سے رخصت ہولوں۔ بولے اتنی مہلت نہیں ہے۔ اس کے بعد کچھ پتہ نہ چلا کہ میرے والد اور وہ (لوگ) کیا ہوئے!

اسی باب میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنایا کہ انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے زمانے میں ایک جوان تھے۔ جنھیں قزوینی علیہ الرحمۃ کہتے تھے۔ ان کے گھر میں مردانِ غیب جمع ہوئے۔ اور نماز کے وقت خلق صف بہ صف کھڑی ہوئی، مردانِ غیب میں سے ایک (شخص) نے امامت کی جماعت نے بلند قراءت سنی اور تسبیحات اور جو کچھ نماز میں ہوتا ہے (سنا) البتہ اس امام کو نہیں دیکھا صرف یہ قزوینی دیکھتے تھے۔ شیخ شہاب الدین فرماتے ہیں کہ انھیں مردانِ غیب میں سے ایک شخص نے ایک مہرہ (سونے کا سکہ) انھیں قزوینی کے ہاتھ مجھے بھجوایا تھا اور وہ مہرہ اب تک میرے پاس ہے۔

اسی ضمن میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرد تھے علی نام جب بھی مردانِ غیب ان کے حجرے کے دروازے پر آتے اور کہتے سلام علیک تو خواجہ علی صرف ان کی آواز سنتے اور بس کئی دفعہ ایسا

ہوا یہاں تک کہ ایک روز (یہ) سب آئے اور بولے سلام علیک اے خواجہ علی! خواجہ علی نے (سلام کا) جواب دیا اور بولے اے مردو! بس سلام کرو گے اور آواز دیتے رہو گے، اپنی صورت نہیں دکھاؤ گے یہ بات کہنے کے بعد انھوں نے پھر کبھی آواز بھی نہیں سنی۔ اس درمیان بندے نے عرض کی شائد خواجہ علی نے یہ بات کہہ کر گستاخی کی۔ ارشاد ہوا ہاں! شوخی (کی بات) کیا کی اس دولت ہی سے محروم ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مردانِ غیب پہلے آواز دیتے ہیں اور اپنی بات سناتے ہیں اس کے بعد ملاقات کرتے ہیں اور پھر اڑا لے جاتے ہیں۔ اس حکایت کے آخر میں زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ کیا با راحت مقام ہے کہ جہاں کسی کو یہ لے جاتے ہیں۔

سولہویں مجلس [16]

اسی مہینے کی انیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ سلوک کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ چلنے والا کمال کی طرف رُخ رکھتا ہے۔ یعنی سالک جب تک سلوک میں ہے۔ کمالیت کا امیدوار ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ سالک ہوتا ہے۔ اور واقف ہوتا ہے۔ اور راجع۔ چنانچہ سالک وہ ہے جو راستہ چلتا ہے۔ اور واقف وہ ہے کہ جس کو وقفہ پڑ جاتا ہے۔ بندے نے عرض کی کہ کیا سالک کو بھی وقفہ پڑتا ہے؟ فرمایا ہاں! جب بھی سالک کی طاعت میں کوئی فتور پڑتا ہے۔ جیسے کہ طاعت کا ذوق نہ رہے تو اس کے لیے وقفہ ہوتا ہے۔ اگر جلدی ہوشیار ہو جائے اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو تو پھر سالک ہو سکتا ہے۔ اور اگر خدا کی پناہ اسی (حال پر) جما رہے تو اس کا خطرہ ہے کہ راجع ہو جائے۔

اس کے بعد اس راہ کی لغزش کی سات قسمیں بیان فرمائیں۔ اعراض حجاب تفاصل۔ سلب مزید، سلب قدیم، تسلی، عداوت ان قسموں کی تمثیل اور تفصیل میں فرمایا کہ (جیسے) دو دوست ہوں۔ عاشق اور معشوق۔ ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے ہوئے۔ اس درمیان اگر عاشق سے کوئی حرکت یا کام یا بات یا فعل ایسا ہو جائے جو اس کے دوست کی پسند کا نہ ہو تو دوست اس سے اعراض کرتا ہے۔ یعنی منہ موڑ لیتا ہے۔ پس عاشق پر واجب ہے کہ اسی وقت

استغفار میں مشغول ہو جائے اور معذرت چاہے اور یقیناً اس کا دوست اس سے راضی ہو جائے گا، تھوڑی سی بے توجہی جو ہوئی تھی جاتی رہے گی۔ اور اگر وہ محبت کرنے والا اس خطا پر اصرار کرے گا اور عذر (پیش) نہیں کرے گا تو وہ اعراض حجاب تک پہنچ جائے گا۔ معشوق ایک حجاب (پردہ) درمیان میں لے آئے گا۔ جیسے ہی خواجہ ذکرہٗ بالخیر حجاب کی تمثیل میں اس بات پر پہنچے۔ ہاتھ اونچا کیا اور آستین چہرہ مبارک کے سامنے کر لی اور فرمایا کہ مثلاً اس طرح کا حجاب محب اور محبوب کے درمیان ہو جائے گا۔ پس محب (عاشق) پر واجب ہوگا کہ معذرت کی کوشش میں رہے اور توبہ کرے۔ اور اگر اس معاملے میں سستی کرے گا تو وہ حجاب تفاصل میں بدل جائے گا۔ کیا ہوگا؟ یہ کہ وہ دوست اس سے جدائی اختیار کر لے گا پس شروع میں اعراض سے زیادہ نہیں تھا۔ چونکہ معافی نہیں چاہی حجاب ہو گیا اور جب اس ناپسندیدگی پر اڑا رہا تو تفاصل ہو گیا (دوری ہو گئی) اگر اس کے بعد بھی وہ دوست معافی نہ مانگے تو سلب مزید (واقع) ہوگا یعنی اس کے اوراد اور طاعت وعبادت کے ذوق میں جو بڑھت تھی وہ واپس لے لی جائے گی۔ پس اگر اس پر بھی عذر نہ کرے اور اس ہٹ دھرمی پر جما رہے تو سلب قدیم ہوگا کہ وہ طاعت اور وہ راحت جو "مزید" (بڑھوتری) سے پہلے میسر تھی وہ بھی چھن جائے گی پس اگر یہاں بھی توبہ میں کسر رہ جائے تو اس کے بعد تسلی ہوگی۔ تسلی کسے کہتے ہیں؟ یعنی اس کے دوست کا دل اس کی جدائی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ پس اگر پھر بھی توبہ میں سستی ہو تو عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محبت جو تھی وہ عداوت میں بدل جاتی ہے، نعوذ باللہ منھا۔

17
ستارہویں مجلس

اسی مہینے کی چھبیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ملی۔ کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ لوگوں کو کھانا کھلانا بہت اچھی چیز ہے۔ اسی دوران فرمایا کہ خواجہ علی فرزند خواجہ بزرگ شیخ رکن الدین (اللہ تعالیٰ ان سب کو قیامت میں خیر سے اٹھائے) تاتاری کافروں کے حملے میں گرفتار ہوئے۔ ان کو چنگیز خاں کے سامنے لے گئے[1]۔ اسی خاندان کے مریدوں میں سے ایک شخص وہاں حاضر تھا۔ وہ دربار میں رسوخ رکھتا تھا۔ جب

1- یہ محرم ۶۱۷ھ ۱۲۲۰ء کا قصہ ہے۔ تاریخ بناکتی۔ تہران مصر ۳۶۶

(اس نے) خواجہ علی کو گرفتار دیکھا تو حیران رہ گیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ ان کی رہائی کی کیا ترکیب ہو اور ان کا ذکر چنگیز خاں کے سامنے کس حیثیت سے کروں۔ اگر کہتا ہوں کہ یہ بڑے بزرگ اور صاحب کرامت خاندان سے ہیں تو اسے کیا معلوم اور اگر طاعت وعبادت کا ذکر کرتا ہوں تو وہ بھی موثر نہ ہوگا۔ مختصر یہ کہ بڑے سوچ بچار کے بعد چنگیز خاں کے سامنے گیا اور کہا کہ اس شخص کا باپ بہت بزرگ آدمی تھا۔ مخلوق کو کھانا کھلاتا تھا۔ اس کو رہائی دینی چاہیے، چنگیز خاں نے پوچھا کہ اپنے لوگوں کو کھانا دیتا تھا یا غیر لوگوں کو؟ اس شخص نے جواب دیا غیر لوگوں کو۔ اپنے لوگوں کو تو سب ہی کھلاتے ہیں۔ مگر اس کا باپ خلق بیگانہ کو کھانا تقسیم کرتا تھا۔ چنگیز خاں اس بات سے خوش ہو گیا اور بولا کہ وہ آدمی کیسا نیک ہوتا ہے جو خلقِ خدا کو کھانا دیتا ہے۔ پس اسی وقت حکم دیا کہ اسے رہا کر دیں اور خلعت بھی عطا کیا اور معذرت کی اس کے بعد خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ کھانا کھلانا تمام مذہبوں میں پسندیدہ ہے۔

اس کے بعد خطرہ اور عزیمت اور فعل کا ذکر آیا۔ فرمایا اوّل خطرہ ہے کہ پہلے آدمی کے دل میں کوئی چیز آتی ہے۔ اس کے بعد عزیمت ہے۔ یعنی اس خیال پر دل جم جاتا ہے اس کے بعد فعل ہے۔ یعنی اُس عزیمت (ارادہ) کو عمل تک پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ عوام کو جب تک کر نہ گزریں نہیں پکڑتے۔ لیکن خواص کی خطرے ہی پر پکڑ ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ ہر حال میں خدا کی طرف رجوع رہیں۔ کیونکہ خطرہ اور عزیمت اور فعل سب حق (تعالیٰ) کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ہر صورت میں حق کی پناہ مانگیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی خطرہ میرے دل میں ایسا نہیں گزرا کہ اس کے فعل کی تہمت مجھ پر نہ لگی ہو۔ اگرچہ کہ ہرگز وہ فعل میں نے نہ کیا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کوئی کامل اور سچے درویش ان کی خانقاہ میں آئے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ان کی معرفت کا کمال دیکھا اور سمجھ گئے کہ وہ کیسے (کامل) مرد ہیں۔ افطار کے وقت اپنی لڑکی سے کہا کہ پانی کا کوزہ ان کے سامنے لے جائے۔ لڑکی اگرچہ چھوٹی تھی مگر پورے ادب اور نہایت احترام کے ساتھ پانی ان درویش کے سامنے لے گئی۔ شیخ ابوسعید کو بیٹی کا ادب بہت اچھا لگا اور دل میں کہنے لگے کہ وہ کیا خوش قسمت آدمی ہوگا جس کے نکاح میں یہ لڑکی جائے گی۔ جب یہ خیال ان کے دل میں آیا، حسن موذن کو جو خانقاہ کے خادم تھے بازار میں (انھوں نے) بھیجا اور کہا کہ جاؤ خبر لاؤ کہ شہر میں کیا

چرچہ ہے؟ حسن موذن بازار میں گئے اور واپس آ کر شیخ سے کہا کہ بازار میں آج میں نے ایک ایسی بات سنی ہے کہ کسی کان میں اس کے سننے کی طاقت نہیں۔ شیخ بولے کہ کہو! حسن نے جواب دیا کہ وہ بات میری زبان پر کیسے آئے۔ شیخ نے حکم دیا کہ جو کچھ تم نے سنا ہے وہ کہہ گزرو! حسن موذن نے کہا کہ بازار میں ایک شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ شیخ ابوسعید چاہتے ہیں کہ خود اپنی بیٹی سے شادی کر لیں۔ شیخ ہنسے اور بولے کہ میرے اس خطرے ہی پر میرا مواخذہ ہو گیا۔

جب خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے یہ حکایت پوری کی بندے نے عرضداشت کی کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر اپنے زمانے کے بندوں میں نیک بخت ترین ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں اور بندے کی اس بات پر تعریف فرمائی۔

پھر توبہ کی استقامت کا ذکر آیا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ اگر ایک شخص شراب سے توبہ کرتا ہے تو لازمی طور پر اس کے پُرانے ساتھی اور ہم جولی اس کی مزاحمت کرتے ہیں اور ہر دفعہ شراب پینے کے لیے اس مقام پر اسے بلاتے ہیں جہاں انھوں نے لطف اٹھایا تھا اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ پھر شراب پیے اور یہ بات اسی وقت ہوتی ہے جب اس کے دل میں کسی قدر لگاؤ رہ گیا ہو اور اگر تائب دل کو اس خیال سے پوری طرح صاف کر لیتا ہے تو کوئی ہم جولی اور ساتھی اس کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ توبہ کی تو سچائی کا ثبوت اس کے ساتھیوں اور ہم جولیوں کا ساتھ چھوٹنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس کسی کا ذکر کسی گناہ اور کسی فسق کے ساتھ لوگ زبان پر لاتے ہیں یہ اس وقت ہوتا ہے کہ کسی قدر اس شخص کا دل اس فسق اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن جب توبہ کرنے والا اپنے دل کو پوری طرح اس ناشائستہ (کام) سے پھیر لیتا ہے تو پھر کوئی بھی اس جرم و گناہ کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ یہ ساری بات توبہ کی استقامت کی دلیل ہے۔ یعنی جب تک تائب توبہ میں مستقیم ہے تو نہ اس کا ذکر کوئی معصیت کے ساتھ کر سکتا ہے نہ فسق کے ساتھ اس کا نام زبان پر لا سکتا ہے۔ البتہ اس گناہ اور اس معصیت کی طرف مائل ہوگا تو ضرور اس کو طلب کرنے میں کھینچا تانی کریں گے اور زبان پر بھی اس کا ذکر فسق فجور کے ساتھ لائیں گے۔

پھر حیدر زادہ علیہ الرحمت کا ذکر نکلا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ وہ ترک بچے تھے اور ایک صاحب حال درویش تھے۔ جس زمانے میں چنگیز خاں کی یورش ہوئی کافروں نے

ہندوستان کا رُخ کیا۔ ان ایام میں انھوں نے ایک روز مریدوں کی طرف رُخ کر کے کہا کہ مغلوں سے (بچ کر) بھاگو کہ وہ غالب آ جائیں گے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیسے؟ بولے وہ ایک درویش کو اپنے ساتھ لا رہے ہیں اور خود اس درویش کی پناہ میں آتے ہیں۔ میں نے عالم باطن میں اس درویش سے کُشتی کی اور اس نے مجھے زمین پر دے مارا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ وہ غالب آ جائیں گے تم لوگ بھاگو۔ اس کے بعد خود ایک غار میں چلے گئے اور غائب ہو گئے۔ انجام وہی ہوا جو انھوں نے کہا تھا۔

اس حکایت کے بیان کے بعد بندے نے عرض کی کہ یہ جو لوہے کے طوق و کڑے ہاتھ اور گردن میں ڈالتا ہے۔ کیا انھیں کی پیروی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں۔ لیکن ان پر تو ایک حال طاری ہوا کرتا تھا کہ اس حال میں گرم دہکتے ہوئے لوہے کو اٹھا لیتے تھے اور خود اپنے ہاتھ سے کبھی طوق بناتے تھے اور کبھی کڑا بنا لیتے تھے۔ لوہا ان کے ہاتھ میں موم ہو جاتا تھا اور یہ گروہ جو ہے یہ طوق اور کڑے تو پہنتا ہے لیکن وہ حال کہاں ہے۔

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ زندگی یہ ہے کہ درویش ذکر حق میں مشغول رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ تھے ان کو میرہ گرامی کہتے تھے۔ کسی درویش کو یہ آرزو ہوئی کہ ان کی زیارت کو آئے اور ان درویش کی یہ کرامت تھی کہ جو خواب بھی دیکھتے سچا ہوتا۔ اس خواب کی تعبیر بالکل وہی ہوتی جو دیکھا ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ان پر میرہ گرامی کا اشتیاق (ملاقات) غالب آیا۔ میرہ گرامی جہاں تھے وہاں روانہ ہوئے۔ راستے میں کسی منزل پر اترے اور سو گئے، انھوں نے خواب میں سنا کہ میرہ گرامی مر گئے۔ جب صبح ہوئی تو اٹھے اور بولے کہ افسوس اتنا راستہ ان کی ہوس میں طے کیا اور وہ وفات پا گئے۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ خیر چلتا ہوں۔ جس مقام پر وہ تھے وہاں ان کی قبر کی زیارت کروں۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں میرہ گرامی تھے تو ہر کسی سے پوچھنا شروع کیا کہ میرہ گرامی کی قبر کہاں ہے؟ سب نے کہا وہ تو زندہ ہیں ان کی قبر کیوں پوچھتے ہو۔ یہ درویش حیران ہوا کہ میرا خواب جھوٹا کیسے ہو گیا۔ الغرض میرہ گرامی کی خدمت میں آیا اور سلام کیا۔ میرہ گرامی نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا اے خواجہ معنی کے اعتبار سے تمہارا خواب سچا تھا۔ کیونکہ میں مسلسل یادِ حق میں مشغول رہتا ہوں۔ اس رات کو اس کے غیر میں مشغول ہوا۔ یہ ندا عالم میں کر دی گئی کہ میرہ گرامی مر گیا! واللہ اعلم۔

18
اٹھارہویں مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاخریٰ کی تیرہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ روزے کی گفتگو ہو رہی تھی۔ زبانِ مبارک سے فرمایا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ تین روز روزہ رکھتے تھے۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ وہ تین روز کون سے ہیں؟ اس کے بعد فرمایا کہ آداب درویشی یہ ہیں کہ تہائی سال روزہ رکھا جائے۔ یعنی ایک سال میں چار مہینے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کی تقسیم کی گئی ہے۔ جو لوگ تین مہینے روزہ رکھتے ہیں۔ دس محرم کے اور دس ذی الحجہ کے اور رکھتے ہیں اور دس روز دوسرے متبرک دنوں اور موسموں کے رکھتے ہیں۔ یہ سب تہائی سال بن جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کا تعین ایک اور طرح سے بھی کرتے ہیں کہ اگر ہفتے میں دو دن روزہ رکھیں مثلاً پیر کو اور جمعرات کو تو اس طرح بھی تہائی سال ہو جائے، پھر صائم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس پر دوزخ تنگ ہوگئی اور انھوں نے نوے کی گرہ لگائی[1]۔ اب ان دونوں حدیثوں کو کس طرح مطابق کیا جائے گا؟ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ اس کے معنی اس طرح ہوں گے کہ جس نے پیوستہ روزے رکھے تو ان میں وہ پانچ روز دونوں عیدوں اور ایام تشریق کے بھی ہوئے۔ بس یہ ایسا ہوگا کہ اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔ اور جس نے متواتر روزے رکھے مگر ان پانچ روز افطار کیا (کھایا پیا) اس پر تنگ ہوگئی دوزخ جس طرح نوے کی گرہ یعنی اس شخص کی گنجائش نہیں ہوگی دوزخ میں جیسے کہ نوے کی گرہ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ جو مسلسل روزے رکھتا ہے اس کو عادت ہو جاتی ہے اور روزے کی تکلیف اس پر آسان ہو جاتی ہے۔ پس ثواب اس میں زیادہ ہوگا کہ ایسا روزہ رکھیں جو نفس پر زیادہ دشوار ہو۔ اور اس روزے کو روزہ داری

1- عقد تسعین نوے کی گرہ۔ گنتی کا ایک طریقہ تھا جس میں ہاتھ کی انگلیوں کو موڑ کر بند کر لیا جاتا تھا۔ مراد یہ کہ جہنم اس پر بند مٹھی کی طرح تنگ ہو جائے گی۔

کہتے ہیں کہ ایک روز روزہ رکھا اور دوسرے روز افطار کیا (کھایا پیا)۔

19 انیسویں مجلس

اسی مہینے کی انیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ جیسے ہی بندے نے سر زمین پر رکھا ارشاد ہوا کہ ظہر کی نماز کے بعد دس رکعت نماز پڑھو، پانچ سلاموں سے اور ان دس رکعتوں میں قرآن کی آخری دس سورتیں پڑھو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس نماز کو نماز خضر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی نماز ہے جو کوئی یہ نماز پڑھتا ہے۔ خضر علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔

اس کے بعد سنت نمازوں میں سورتوں کا تعین فرمایا۔ صبح کی نماز کی سنتوں میں فاتحہ کے بعد الم نشرح اور الم ترکیف اور نماز ظہر کی چار رکعتوں میں سے ایک میں سورہ قل یاایھا الکفرون تا قل ھو اللہ احد اور نماز ظہر کی دو رکعت سنت میں آیت الکرسی اور آمن الرسول اور عصر کی نماز کی سنتوں میں اذا زلزلت الارض تا الھکم التکاثر اور شام کی نماز کی سنتوں میں سورہ کافرون، سورہ اخلاص اور سونے کی نماز (عشاء) میں آیۃ الکرسی و آمن الرسول اور شھد اللہ اور قل اللھم مالک الملک اور عشاء کی نماز کی دو رکعت سنت میں قل یاایھا الکفرون اور اخلاص اور نمازِ وتر میں انا انزلنٰہ، وسورہ الکافرون وسورہ اخلاص۔

20 بیسویں مجلس

اسی مہینے کی ستائیسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ذکر صبر جمیل کا ہو رہا تھا۔ اس معنی میں کہ خلق میں اعزہ کی وفات پر جو لوگ صبر کرتے ہیں بڑا کام کرتے ہیں، برخلاف ان کے جو بے صبری (کا مظاہرہ) کرتے ہیں اور مرنے والے کا نام لے لے کر بین کرتے ہیں۔ یہ کچھ چیز نہیں ہے۔

اس درمیان فرمایا کہ کہتے ہیں حکیم بقراط کے بیس لڑکے تھے۔ ایک ہی دن میں اس کے بیسوں کے بیس لڑکے مر گئے۔ شاید چھت ان پر گر پڑی تھی۔ بیسوں لڑکے ہلاک ہو گئے۔ جب یہ خبر بقراط کو پہنچائی گئی تو اس حادثے پر اپنی طبیعت کو متغیر نہیں کیا۔

اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ مجنوں کو خبر کی گئی کہ لیلیٰ مرگئی۔ بولا کہ تُف ہے مجھ پر کہ ایسے سے میں نے دوستی ہی کیوں کی جو مرجائے!

اس کے بعد جب رات ہوگئی تو جمعے کی رات تھی۔ کوئی عورت خدمت میں آئی اور بیعت کی۔ عورتوں کی صلاحیت کے ثمرے کے بارے میں بہت سے نکتے بیان فرمائے۔ اسی درمیان فرمایا کہ ایک خاتون تھیں۔ اندرپت میں ان کو عمہ پکارے تھے۔ بڑے باعفت باصلاحیت۔ چنانچہ بارہا شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی زبان مبارک پر آیا کہ وہ عورت ایک مرد ہے جس کو عورتوں کی صورت میں بھیجا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ درویش لوگ نیک عورتوں اور نیک مردوں کی حرمت سے جو دُعا مانگتے ہیں تو پہلے نیک عورتوں کی دہائی دیتے ہیں اس اعتبار سے کہ نیک عورتیں کم ہوتی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب شیر جنگل سے نکلتا ہے تو کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ شیر نر ہے یا مادہ۔ یعنی بات تو جب ہے کہ آدم کا فرزند طاعت و تقویٰ میں مشہور ہو چاہے مرد ہو چاہے عورت۔

اس کے بعد پارساؤں کی فضیلت اوران کی حکایت کے سلسلے میں یہ دو مصرے زبان مبارک پر آئے۔

اگر میں نیک ہوں تو ان میں میرا حشر ہو
اور اگر بد ہوں تو ان کے طفیل مجھے بخش دیا جائے

اکیسویں مجلس 21

اسی سال ماہ مبارک رجب کی تیرہویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ بندے سے پوچھا کہ تم زیادہ تر کن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو؟ بندے نے آپ کے بعض بزرگ مریدوں کے نام لیے اور عرض کیا کہ ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ آفریں فرمائی اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا۔

عاشقوں کے ساتھ بیٹھو اور عاشقی کا غم کھاؤ
اور جو عاشق نہ ہو اس سے قربت کم رکھو

یہ شعر پڑھا اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ کا کہا ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ مشائخ کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ (فلاں) کن لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا رکھتا ہے۔ اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس قبیل کا ہے۔

پھر لیلۃ الرغائب کی فضیلت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ (غائب جمع ہے رغیب (مرغوب) کی یعنی اس رات میں بہت سی نیکیاں ہیں۔ زبانِ مبارک سے فرمایا کہ ایک نماز جو لیلۃ الرغائب میں آئی ہے جو کوئی اس کو ادا کرتا ہے وہ اس سال میں نہیں مرتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص تھا جو برابر یہ نماز پڑھتا تھا۔ جس سال اس کی وفات ہونی تھی جب سال ختم پر آیا تو وہ رات جو لیلۃ الرغائب ہونی تھی اسی کے دن میں وفات پائی۔ یعنی اس پورے سال تک جی لیا۔

پھر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہٗ کی نماز کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ یہ نماز تیسری، چوتھی، پانچویں رجب کو ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تیرہویں، چودھویں، پندرہویں بھی آیا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک روایت سے اس طرح بھی ہے کہ تیئسویں یا چوبیسویں یا پچیسویں۔

اس کے بعد اس نماز کی فضیلت میں بہت کچھ فرمایا۔ اسی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ مدرسہ معزی میں ایک مولوی تھے جنھیں مولانا زین الدین کہتے تھے۔ بڑے دانشمند آدمی تھے۔ جو بھی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا شافی جواب دیتے اور مباحثے میں فلسفیانہ طریقے سے حصہ لیتے۔ ان سے ان کی تعلیم کا حال پوچھا گیا۔ بولے میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا ہے۔ اور کسی کی شاگردی نہیں کی ہے۔ جب بوڑھا ہو گیا تو ایک دفعہ خواجہ اویس قرنی کی نماز پڑھی اور دعا کی کہ الٰہی میں بڑھاپے کو پہنچ گیا اور کچھ تعلیم حاصل نہ کی، مجھے علم کرامت فرما۔ حق تعالیٰ نے اس نماز کی برکت سے علم کا دروازہ مجھ پر کھول دیا۔ یہاں تک کہ جس مسئلے کی گفتگو آتی ہے۔ میں بخوبی اس کی تشریح کرتا ہوں اور پوری درستی کے ساتھ اسے بیان کرتا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ آخر رجب میں بھی ایک نماز آئی ہے۔ درازی عمر کے لیے اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ والغفر ان متواتر یہ نماز پڑھتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے شیخ ضیاء الدین پانی پتی علیہ الرحمۃ کے صاجزادے شیخ نظام الدین سے سنا ہے کہ جس سال میں شیخ بدرالدین غزنوی علیہ الرحمۃ والغفر ان کی وفات

تھی۔اس سال انھوں نے یہ نماز ادا نہیں کی۔ان سے کہا گیا کہ اس سال یہ نماز آپ نے کیوں نہیں ادا کی؟ بولے میری عمر میں اب کچھ باقی نہیں ہے۔وہی ان کی وفات کا سال تھا۔

بائیسویں 22 مجلس

اسی سال ماہ رجب کی تیئیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی کعبے اور اس کی عمارت اور اس کی خرابی کا ذکر آیا۔ارشاد ہوا کہ کعبے کو دو بار خراب کیا گیا ہے۔رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ کعبے کو دو بار خراب کریں گے تیسری بار آسمان پر لے جائیں گے اور یہ آخر زمانے میں ہوگا۔اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔اور اس طرح ہوگا کہ جب قیامت قریب آئے گی تو بتوں کو لائیں گے۔اور کعبے میں رکھیں گے اور وہ قبیلہ کہ جس کا نام اوس ہوگا، اس کی عورتیں آئیں گی اور ان بتوں کے سامنے رقص کریں گی۔اس وقت کعبے کو آسمان پر اٹھا لیا جائے گا۔

تیئیسویں 23 مجلس

اسی سال شعبان کی گیارہویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ بندے کو سامنے بلا کر فرمایا کہ تمھیں چاہیے کہ ہمیشہ طاعت و عبادت میں مشغول رہو اور اوراد اور دعاؤں کے پڑھنے میں محنت کرو۔اور چاہے مشائخ کی کتابوں کے مطالعے میں رہو (غرض یہ کہ مشغول رہو اور بیکار نہ رہو۔اس کے بعد خاص اپنے لباس سے مشرف فرمایا اور کلاہ اور کرتا پہنایا۔والحمدللہ رب العلمین۔

چوبیسویں 24 مجلس

اسی مہینے کی پچیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔شب بیداری اور قرآن کی تلاوت اور اس گروہ کا ذکر آیا جو مسجد میں شب بیداری کرتا ہے۔بندے نے عرض کی اگر اپنے گھر میں شب بیداری کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ اپنے گھر میں ایک ہی پارہ پڑھنا بہتر ہے اس سے کہ مسجد میں ختم (قرآن) کریں اس کے بعد کسی کا ذکر آیا کہ جو اگلے وقتوں میں

دمشق کی مسجد میں ہمیشہ شب بیدار رہتا تھا اور ساری رات قیام کرتا تھا (نفل پڑھتا تھا) شیخ الاِسلام کے عہدے کی امید میں۔ اس درمیان خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر آنکھ میں آنسو بھر لائے اور زبان مبارک سے فرمایا، پھونک دو پہلے شیخ الاسلامی کو اور پھر خانقاہ کو اور اس کے بعد خود کو!

اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک بقال (بنیے) تھے علیہ الرحمۃ جو پچیس سال روزے سے رہے اور کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی۔ اس حد تک کہ ان کے گھر والوں کو بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ روزہ رکھتے ہیں۔ اگر گھر میں ہوتے تو یہ ظاہر کرتے کہ دکان میں کوئی چیز کھالی ہے۔ اور اگر دکان میں ہوتے تو یہ ظاہر کرتے کہ گھر میں کچھ کھالیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اصل میں نیت نیک ہونی چاہیے۔ کیونکہ خلق کی نظر تو عمل پر ہے۔ لیکن خدا کی نظر نیت پر ہے۔ جب نیت خدا کی طرف ہو تو تھوڑا سا عمل بھی پسندیدہ ہے۔

اس باب میں قصہ سنایا کہ دمشق کی جامع مسجد میں وقف بہت ہے۔ اس جگہ کا متولی بڑا حیثیت دار ہوتا ہے۔ گویا دوسرا بادشاہ ہو۔ اس درجے کہ اگر بادشاہ کو مال کی ضرورت ہو تو متولی سے قرض لیتا ہے۔ الغرض ایک درویش نے ان اوقاف کے لالچ میں دمشق کی جامع مسجد کے اندر طاعت وعبادت کا آغاز کیا کہ شاید شہرت ہو جائے اور تولیت اس کو دے دیں۔ ایک مدت طاعت میں مشغول رہا کسی نے اس کا نام تک نہ لیا۔ یہاں تک کہ ایک رات اس دکھاوے کی طاعت پر پشیمان ہوا اور خدا تعالیٰ سے عہد کیا کہ تجھ کو خاص تیری خاطر پوجوں گا۔ اس عہدے کی خاطر نہیں۔ یہ عہد کیا اور وہی طاعت جو کر رہا تھا اس میں کچھ کمی نہ کی۔ صالح نیت کے ساتھ اس میں مشغول رہا۔ اس کے بعد ہی اس کو تولیت کے منصب کے لیے بلایا گیا۔ بولا نہیں۔ میں نے اسے ترک کر دیا ہے۔ بہت اس کی طلب میں رہا۔ اب جبکہ ترک کی ٹھانی ہے تو مجھے عنایت کر رہے ہیں۔ الغرض اسی طرح خدا میں مشغول رہا اور اس شغل سے آلودہ نہیں ہوا۔

پچیسویں 25 مجلس

ماہِ مبارک رمضان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی نویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی سعادت سے مشرف ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے یہ بات بیان کی کہ ایک شخص تھا۔ بڑی صلاحیت والا اور درویشوں کی خدمت کا بڑا مشتاق۔ اس سے میں نے کہا کہ تم خواجہ کے مرید کیوں نہیں ہو

جاتے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایک دفعہ بیعت کی نیت سے وہاں گیا تھا۔ وہاں میں نے نفیس کپڑے بچھے ہوئے اور شمعیں جلتی ہوئی دیکھیں۔ میرا اعتقاد ڈانواڈول ہوگیا۔ میں واپس چلا آیا، خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے جب یہ بات سنی تو حاضرین کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ یہاں جامہ ہائے خواب[1] اور شمعیں کب تھیں؟ اس کے بعد مسکرا کر فرمایا کہ چونکہ بیعت کی دولت اس کی قسمت میں نہ تھی تو اس کو ایسا ہی دکھایا گیا اس درمیان بندے نے عرض کی کہ جامہ ہائے خواب اور شمعیں اگر ہوں بھی تو اعتقاد کیوں خراب کیا جائے؟ زبان مبارک سے فرمایا کہ بعض کا اعتقاد ذرا سی چیز سے بدل جاتا ہے اور بعض کا اعتقاد مضبوط ہوتا ہے اور ارادت میں پوری طرح پکا!

پھر فرمانِ پیر کی نگہداشت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز ایک دعا ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کہ کوئی ہے جو اس دعا کو یاد کر لے! میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصود یہ ہے کہ میں یاد کروں۔ میں آداب بجالایا اور عرض کی اگر حکم ہو تو بندہ یاد کر لے۔ وہ دعا مجھے عطا فرما دی۔ میں نے عرض کی کہ ایک دفعہ شیخ کے سامنے پڑھ لوں۔ پھر یاد کروں۔ ارشاد ہوا پڑھو۔ جب میں نے پڑھا تو ایک اعراب کی اصلاح فرمائی کہ اس طرح پڑھو۔ میں نے جس طرح شیخ نے فرمایا تھا پڑھا۔ اگرچہ جس طرح میں نے پڑھا تھا وہ بھی معنی رکھتا تھا۔ القصہ اسی وقت وہ دعا مجھے دل سے یاد ہوگئی۔ میں نے عرضداشت کی کہ دعا یاد کر لی ہے۔ حکم ہو تو پڑھوں۔ ارشاد ہوا پڑھو! میں نے دعا سنائی اور وہ اعراب جو شیخ نے بتایا تھا اس کو اسی طرح پڑھا۔ جب شیخ کی خدمت میں سے باہر آیا تو مولانا بدرالدین اسحٰق علیہ الرحمۃ والغفران نے مجھ سے کہا کہ تم نے اچھا کیا کہ اعراب اسی طرح پڑھے جیسے شیخ نے بتائے تھے۔ میں نے کہا اگر سیبویہ جو اس علم کو وضع کرنے والا ہے اور وہ سب جو اس علم کے بانی ہوئے ہیں۔ آئیں اور مجھ سے کہیں کہ اعراب اسی طرح ہیں جس طرح تم نے پڑھے تھے (تب بھی) میں اسی طرح پڑھوں گا جس طرح شیخ نے فرمایا ہے۔ مولانا بدرالدین نے کہا۔ یہ آداب جو تم ملحوظ رکھتے ہو ہم میں سے کسی کو بھی میسر نہیں!

پھر پیر کی بارگاہ کے آداب کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ میں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس

1- کپڑے کی اعلیٰ قسم جس کو اُمراء استعمال کرتے تھے۔

اللہ سرہٗ العزیز سے سنا ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایک جرأت اپنے پیر شیخ قطب الدین قدس سرہٗ العزیز کے سامنے کی تھی۔ اور ہوا یہ کہ میں نے ایک دفعہ شیخ سے اجازت مانگی کہ چلّہ کروں اور گوشہ نشین ہو جاؤں۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ ضرورت نہیں ہے۔ اس سے شہرت حاصل ہوتی ہے ہمارے خواجگان سے ایسی روایت نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ شیخ پر میرا حال روشن ہے کہ میری نیت شہرت کی ذرا بھی نہیں ہے۔ میں شہرت کے لیے نہیں کہتا۔ شیخ قطب الدین خاموش ہو گئے، اس کے بعد میں باقی ساری عمر سخت شرمندہ رہا اور توبہ کرتا رہا کہ ایسا جواب کیوں دیا جو ان کے حکم کے موافق نہیں تھا۔

جب یہ حکایت پوری ہو گئی خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے قصہ سنایا کہ مجھ سے بھی ایک دفعہ ایک شیخ کے سامنے بے ارادہ ایک جرأت ہو گئی تھی اور ہوا یہ کہ ایک روز عوارف کا نسخہ شیخ کے سامنے تھا۔ اس میں سے فوائد بیان فرما رہے تھے۔ شاید وہ نسخہ باریک خط میں لکھا ہوا اور کسی قدر خراب حالت میں تھا۔ شیخ اُس کے بیان کرنے میں کسی قدر اٹکتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ ایک دوسرا نسخہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیکھا تھا۔ مجھے وہ یاد آ گیا عرض کی کہ شیخ نجیب الدین کے پاس صحیح نسخہ ہے۔ شاید یہ بات خاطر گرامی پر گراں گزری کچھ توقف فرمایا پھر زبان مبارک سے گویا ہوئے: یعنی درویش میں سقیم نسخے کی صحت کی طاقت نہیں ہے؟ ایک دو بار یہی بات زبان مبارک پر آئی اور میرے دل میں ذرا بھی خیال نہیں تھا کہ کس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اگر میں نے جان بوجھ کر اس نیت کے ساتھ یہ بات کہی ہوتی تو اپنے بارے میں سوچتا بھی کہ یہ بات مجھ سے متعلق ہے۔ جب دو تین بار یہ بات فرمائی تو مولانا بدرالدین اسحٰق علیہ الرحمۃ والغفران نے مجھ سے کہا کہ شیخ یہ بات تمہارے بارے میں فرماتے ہیں۔ میں کھڑا ہو گیا اور سر ننگا کر لیا اور شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کی کہ پناہ بخدا جو اس بات سے میرا مقصود مخدوم کی طرف کنایہ رہا ہو۔ میں نے ایک نسخہ دیکھا تھا۔ اس کا ذکر کر دیا۔ میرے دل میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ ہر چند کہ میں معذرت کرتا تھا۔ ناخوشی کا اثر اسی طرح شیخ میں دیکھتا تھا۔ جب وہاں سے اٹھا تو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ کسی کو ایسا دن اور ایسا غم نہ ملے جیسا اس روز مجھے تھا۔ مجھے رونا آنے لگا۔ مضطرب اور حیران باہر آیا۔ یہاں تک کہ ایک کنویں پر پہنچا۔ چاہتا تھا کہ خود کو اس کنویں میں گرا دوں پھر میں نے تامل کیا اور اپنے آپ سے

کہا کہ تم تو گدائے مردہ ہو اپنے آپ کو مردہ ہی سمجھو مگر یہ بدنامی کسی اور پر نہ آجائے۔

اس حیرت و حسرت میں سراسیمہ ہو کر باہر جنگل کی طرف نکل گیا اور آپ ہی آپ گریہ و زاری کرتا رہا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس وقت میرا کیا حال تھا۔ الغرض شیخ کے ایک صاحبزادے تھے شہاب الدین لقب۔ میرے اور ان کے درمیان محبت کا تعلق تھا۔ ان کو اس حال کی خبر ہوئی۔ شیخ کی خدمت میں گئے اور میری کیفیت عمدگی سے خدمت میں عرض کی۔ حضرت شیخ نے اپنے لڑکے محمد کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا۔ میں آیا سر قدم مبارک میں رکھ دیا۔ اس وقت خوش ہوئے دوسرے روز مجھے سامنے بلایا اور بہت شفقت اور مرحمت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ یہ سب تمہارے کمال حال کے لیے کرتا ہوں۔ یہ لفظ اس روز حضرت سے میں نے سنا کہ پیر مرید کا مشاطہ ہوتا ہے۔ اس وقت مجھے خلعت عطا ہوا اور اپنے خاص لباس سے مشرف فرمایا۔ والحمدللہ رب العلمین۔

چھبیسویں 26 مجلس

اسی سال اور اسی مہینے کی اکیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ طاعت کی کوشش کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شروع میں جب لوگ طاعت کا آغاز کرتے ہیں تو یقیناً نفس پر گراں گزرتا ہے اور دشوار نظر آتا ہے۔ لیکن جب کوئی دل سے اس میں لگ جاتا ہے تو حق تبارک و تعالےٰ توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور اس کام کو اس پر آسان کر دیتا ہے۔ اسی طرح جو بھی کام ہو ابتداء میں مشکل لگتا ہے (مگر) جب لوگ شروع کر دیتے ہیں تو آسانی سے پورا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کی بارہا خواہش ہوئی کہ جوامع الحکایات کی ایک کاپی نقل کرالیں۔ آمدنی بہت محدود تھی اور کتابت کا سامان اور کاتب کی اجرت بڑی ناقابل برداشت۔ یہاں تک کہ اگر کاغذ حاصل کرتے تو کتابت کا خرچ نہ ہوتا اور اگر یہ خرچ ہاتھ آتا تو کاغذ اور دوسرا سامان نہ ہوتا۔ الغرض ایک روز حمید نامی ایک کاتب ان کے پاس آئے۔ شیخ نجیب الدین نے فرمایا کہ ایک زمانے سے آرزو ہے کہ جوامع الحکایات کو لکھواؤں، مگر کسی طرح میسر نہیں آتا۔ حمید نے عرض کی اس وقت کیا موجود ہے؟ شیخ

نے فرمایا۔ایک درم حمید نے ▪▪ ایک درم لیا۔اور اس سے کاغذ خرید لایا اور کتابت کرنے لگا۔ ظاہر ہے کہ ایک درم میں چند ہی کاغذ آئے ہوں گے۔

مختصر یہ کہ اس نے ابھی ان کاغذوں پر کتابت مکمل بھی نہ کی تھی کہ دوسری نذر (حضرت متوکلؒ کو) پہنچ گئی اور مزید کاغذ کا سامان ہو گیا اور دوسری چیزیں بھی فراہم ہو گئیں اور کتابت کی اجرت بھی اسی میں سے نکل آئی۔اس کے بعد متواتر (کچھ نہ کچھ) آتا رہا اور وہ کتاب بہت جلد اور خوبی کے ساتھ مکمل ہو گئی۔خلاصہ یہ کہ جب کام کی ابتدا ہو گئی (تو) پورا (بھی) ہو گیا۔

پھر شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے مناقب اور ان کے اعتقاد کی خوبی تک بات پہنچی۔فرمایا کہ ایک روز میں ان کی خدمت میں بیٹھا تھا اور اس وقت میرے سر پر بال[1] تھے۔میں ان سے مخاطب ہوا تو عرض کی کہ ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اس نیت سے پڑھیے کہ میں قاضی (جج) بن جاؤں۔شیخ نجیب الدین خاموش ہو گئے۔مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید سنا نہیں۔دوسری بار عرض کیا کہ ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اس مقصد سے پڑھیے کہ میں کسی جگہ قاضی ہو جاؤں! پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔یہاں تک کہ تیسری مرتبہ جب میں نے عرض کیا تو ہنسے اور بولے: تم قاضی نہ بنو تم تو کچھ اور چیز بنو۔الغرض حضرت خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ انھیں اس کام سے کس قدر نفرت تھی کہ فاتحہ (بھی) نہ پڑھی۔

پھر بخشش (ومغفرت) کا ذکر آیا۔فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک درم تھیلی میں ہو اور وہ ضرورت کے وقت چاہے کہ اس درم کو تھیلی میں سے نکالے اور وہ درم تھیلی کے کسی کونے میں چھپا رہ جائے۔اور اس شخص کے ہاتھ نہ آئے اور وہ سوچے کہ (کہیں) کھو گیا اور وہ غمگین ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے۔اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس حدیث میں اُس شخص کے بارے میں وعدہ ہے کہ جس کے پاس بس وہی ایک درم ہو۔کیونکہ اگر کسی کے پاس بہت سے درم ہوں اور ان میں سے ایک درم گم ہو جائے تو وہ مغموم نہیں ہوتا۔البتہ وہ شخص جس کے پاس بس ایک ہی درم ہو اور وہ گم ہو جائے تو وہ مغموم ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔ان معانی کا

1-غالباً حضرت کی مراد یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت مرید نہیں ہوئے تھے۔مرید ہوتے وقت بالوں کی لٹ کاٹی جاتی ہے اور بعض سر بھی منڈواتے ہیں جس کو محلوق ہونا کہتے ہیں۔

اظہار اس روز ہوا اور یہی دن تھا کہ خلعت اور خاص جوتیاں بخشش فرمائیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

27
ستائیسویں مجلس

اسی سال اسی مہینے کی اٹھائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ حسبِ عادت دہلیز کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ دروازے کے پاس ایک زینہ (سیڑھیاں) تھا۔ جب بندے نے سر زمین پر رکھا تو اشارہ فرمایا کہ وہیں زینے کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ جب بھی دروازے کے ایک پٹ پر ہوا کا جھونکا لگتا۔ وہ بند ہو جاتا۔ بندے نے اس دروازے کو اپنے ایک ہاتھ سے مضبوط پکڑ لیا تا کہ کھلا رہے۔ کچھ وقت گزرا۔ بندے کی طرف نگاہ فرمائی۔ دیکھا کہ در پکڑے بیٹھا ہوں۔ ارشاد ہوا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ بندے نے سر زمین پر رکھ دیا اور عرض کی کہ میں نے یہ در پکڑ لیا ہے! تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم نے یہ در پکڑا ہے اور مضبوط پکڑا ہے! اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمت اللہ علیہ بارہا فرماتے کہ ہر دری اور ہر سری نہ بنو۔ ایک در پکڑو اور مضبوط پکڑو!

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز صبح کے وقت کوئی دیوانہ ایک دروازے پر کھڑا تھا جب دروازہ کھولا گیا تو خلقت باہر آئی۔ ہر شخص کسی جانب روانہ ہو گیا، کوئی دائیں طرف کوئی بائیں طرف کوئی سامنے ہر ایک کسی طرف چلا گیا۔ دیوانے نے جب یہ دیکھا تو بولا کہ یہ لوگ پراگندہ اور الگ الگ اور مخالف جاتے ہیں۔ (جب ہی تو) کسی ٹھکانے پر نہیں پہنچتے۔ اگر سب ایک راہ جائیں تو مقصود تک پہنچ جائیں۔

قلت طعام کا ذکر نکلا اور اس بات کا کہ بھرے پیٹ پر کچھ کھانے کا کیا نفع نقصان ہے۔ پھر زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ بھرے پیٹ کچھ کھانا۔ دو آدمیوں کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے۔ ایک تو وہ جس کے ہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہو۔ اگرچہ وہ شخص سیر ہو چکا ہوتا ہم اس خیال سے کہ مہمان کچھ کھا لے اس کو جائز ہے کہ کسی قدر بھرے پیٹ پر بھی مزید کھا لے۔ دوسرے وہ روزے دار جس کے لیے سحری کا سامان نہ ہو اور وہ جانتا ہو کہ سحری کے وقت کوئی چیز نہ ہو گی اگر وہ چھکا ہوا ہونے پر بھی کچھ کھا لے تو جائز ہے۔

پھر مسنون دعاؤں کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت اور بلا میں گرفتار ہو کہ کسی علاج سے بھی (وہ مصیبت اور بلا) دفع نہ ہوتی ہو تو جمعے کے روز عصر کی نماز کے بعد سے غروب کے وقت تک کسی کام میں نہ لگے سوائے ان تین اسماء کے ذکر کے اور ان (تینوں) کو ایک ساتھ پڑھے۔ وہ تین اسم یہ ہیں۔ یا اللہُ، یا رحمٰنُ، یا رحیمُ، ضرور اس رنج سے خلاصی مل جائے گی۔

اٹھائیسویں 28 مجلس

اسی سال ماہِ شوال کی آٹھویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ اس روز اس ادنیٰ غلام (حسن علا سجزی) نے ان معانی کے جمع کرنے کا حال عرض کیا۔ بڑا اچھا وقت اور بڑی باراحت خلوت تھی۔ بندے نے سر زمین پر رکھا اور گویا ہوا کہ میری ایک عرضداشت ہے۔ اگر حکم ہو تو پیش کروں۔ ارشاد ہوا ضرور کہو۔ بندے نے عرض کی کہ ایک سال سے زیادہ ہو گیا کہ مخدوم کی غلامی میں داخل ہوں۔ اور ہر بار (جب بھی) قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی ہے۔ زبان گوہر بار سے فوائد سنے ہیں چاہے وعظ و نصیحت اور طاعت کی ترغیب ہو چاہے حکایات مشائخ اور ان کے احوال ہوں۔ ہر باب میں روح افزا کلمات (اس) لکھنے والے کے کان تک پہنچے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ بیچارے کا دستور عمل بلکہ مجھ درماندہ کے لیے راستے کی رہنما بن جائیں۔ (ان کو) اپنی فہم کے بقدر میں نے قلم بند کر لیا ہے اس لیے بھی کہ بارہا زبانِ مبارک پر آیا ہے کہ کتاب مشائخ اور ان کے ارشادات جو انھوں نے سلوک کے بارے میں فرمائے ہیں نظر کے سامنے رکھنے چاہئیں۔ پس کوئی بھی مجموعہ میرے مخدوم کے جان بخش ملفوظات سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پس اس وجہ سے بندے نے جو کچھ بھی زبانِ مبارک سے سنا جمع کر لیا اور اب تک اس کا اظہار نہیں کیا ہے۔ حکم کا منتظر ہوں کہ کیا فرمان صادر ہوتا ہے۔

جب خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے یہ عرضداشت سنی تو حکایت بیان فرمائی کہ جب میں حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہُ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو یہی بات میرے دل میں بھی آئی تھی کہ جو کچھ حضرت کی زبان مبارک سے سنا کروں گا لکھ لیا کروں گا۔ اول روز دست

بوسی کی دولت ملی تو پہلی بات جو شیخ سے سنی یہ تھی کہ زبان مبارک سے فرمایا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اے کہ تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب کر دیا اور تیرے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو کھنڈر کر رکھا ہے۔

اس کے بعد میں نے چاہا کہ قدم بوسی کے اشتیاق کا حال حضرت کی خدمت میں کچھ عرض کروں۔ (مگر) حضرت شیخ کی موجودگی کے رعب نے مجھ پر غلبہ کیا صرف اس قدر کہہ سکا کہ (حضور) عالی کی قدم بوسی کا اشتیاق بہت ہی غالب ہو گیا تھا۔ جب شیخ نے رعب کا اثر مجھ پر دیکھا تو یہ لفظ زبان مبارک پر آیا۔ لِکُلِّ دَاخِلٍ دھشۃٌ ہر آنے والا کچھ مرعوب ہوتا ہے۔ الغرض اس روز شیخ سے میں نے جو کچھ سنا اپنے مقام پر واپس آنے کے بعد اسے لکھ لیا۔ اس کے بعد جب بھی کچھ سنتا اس کو میں قلم بند کر لیتا۔ یہاں تک کہ یہ بات میں نے شیخ کو بتائی چنانچہ بعد میں جب کبھی کوئی حکایت یا کوئی نکتہ بیان فرماتے تو پوچھ لیتے کہ تم موجود ہو؟ اس درجے (اس کا اہتمام تھا) کہ اگر میں موجود نہ ہوتا تو جب دوبارہ خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ ▌ئدہ جو میری غیر موجودگی میں بیان فرمایا تھا اس کو دہراتے!

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے ایک کرامت دیکھی کہ انھی دنوں میں ایک شخص نے مجھے سفید کاغذ یکجا مجلد کیے ہوئے دیئے۔ میں نے وہ لے لیے اور شیخ الاسلام کے فوائد سب ان پر لکھ لیے۔ اوپر لکھا کہ سُبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہِ العلی العظیم۔ اس کے بعد وہ کلمات جو شیخ سے سن چکا تھا لکھے اور ابھی تک وہ مجموعہ میرے پاس ہے۔

یہ احوال بیان فرمانے کے بعد بندے سے فرمایا کہ وہ کاغذ جن پر تم نے لکھا ہے لائے ہو؟ بندے نے عرض کی جی ہاں لایا ہوں۔ ارشاد ہوا لاؤ۔ بندے نے چھ شیٹ کاغذ، جن پر لکھ چکا تھا لا کر دست مبارک میں دے دیئے (انھیں) مطالعے کا شرف عطا فرمایا اور تعریف فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اچھا لکھا ہے اور جیسے جیسے پڑھتے جاتے فرماتے جاتے اچھا لکھا ہے۔ ایک دو جگہ میں نے جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ پوچھا خالی جگہ کیوں چھوڑی ہے۔ عرض کی کہ یہ حروف

اچھی طرح سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ شفقت فرمائی اور ہر بات کا بقیہ حصہ بیان فرمایا وہ کلمات مکمل ہو گئے۔ یہ تھی اس روز کی شفقت و رحمت اور شکستہ پروری۔ الحمد للہ رب العالمین۔

پھر باری تعالیٰ کے فضل و رحمت کا ذکر آیا کہ خلق کے قیاس کے خلاف کارسازی فرماتا ہے۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ خلفائے بغداد میں سے کسی خلیفہ نے ایک جوان کو قید کیا۔ اس جوان کی ماں خلیفہ کی خدمت میں آئی اور روئی دھوئی کہ اس کے بیٹے کو چھوڑ دیں۔ خلیفہ بولا کہ میں نے حکم دے دیا ہے کہ اس کو مستقل قید میں رکھا جائے جب تک میری آل میں سے ایک آدمی بھی خلیفہ رہے گا تیرا بیٹا قید خانے میں رہے گا۔ میں نے اس طرح کا حکم دے دیا ہے۔ بڑھیا نے جب یہ سنا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولی: کہ خلیفہ نے تو خود یہ حکم دے دیا۔ اب تو کیا حکم کرتا ہے۔ خلیفہ نے یہ بات سنی اور اس کا دل پلٹ گیا۔ فرمان جاری کیا کہ بڑھیا کے بیٹے کو رہا کر دیں۔ اس کے بعد ایک قیمتی گھوڑا (بڑھیا کے بیٹے کو عطا کیا اور حکم دیا کہ اس (جوان) کو عطا کردہ گھوڑے پر سوار کر کے بغداد میں گشت کرائیں اور اس کے سامنے یہ پکارتے (چلیں) کہ یہ اللہ کا آزاد کردہ ہے خلیفۃ اللہ (کے حکم) کے خلاف۔ یہ اللہ کی عطا ہے خلیفہ (کی مرضی) کے خلاف!

پھر مرید کی قابلیت اور پیر کی بخشش کا ذکر آیا۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہُ العزیز کے مریدوں میں ایک شخص یوسف نامی تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے شیخ کے سامنے کسی قدر خفگی ظاہر کی کہ میں اتنے سال سے غلامی میں ہوں ہر شخص کو شیخ کی بارگاہ سے کچھ نہ کچھ بخشش ملی۔ مجھے تو ان سب سے پہلے ملنی چاہیے تھی۔ یہ بات اور اس طرح کی باتیں کہتے رہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میری طرف سے کوئی کمی نہیں ہے۔ تیری طرف سے بھی تو استعداد اور قابلیت ہونی چاہیے۔ اور نہ میں اپنے پاس سے دیتا ہوں! اگر خدا تعالیٰ ہی نہ دے تو اس کو کیا کیا جائے؟ مرید اسی طرح شکایت کرتا رہا یہاں تک کہ اس درمیان شیخ کی نظر ایک چھوٹے سے کم عمر لڑکے پر پڑی اس سے فرمایا کہ آؤ۔ جہاں شیخ تشریف فرما تھے۔ اس کے سامنے اینٹوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ شیخ نے اسی چھوٹے بچے سے کہا کہ جاؤ ان اینٹوں میں سے (ایک اینٹ) ہمارے لیے لے آؤ۔ بچہ گیا اور ایک سالم اینٹ شیخ کے سامنے لا کر رکھ دی۔ ایک مرید شیخ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ شیخ نے دوبارہ اس بچے سے کہا کہ جاؤ

ایک اور اینٹ ان مرید کے لیے بھی لے آؤ، وہ بچہ گیا اور پھر ایک سالم اینٹ ان مرید کے سامنے رکھ دی۔ اس کے بعد پھر شیخ نے اس بچے سے فرمایا کہ ایک دفعہ اور جاؤ اور ان مرید کے لیے بھی ایک اینٹ لے آؤ۔ اور یہ اشارہ ان یوسف صاحب کی طرف کیا۔ وہ بچہ گیا اور آدھی اینٹ لایا اور ان کے سامنے رکھ دی۔ شیخ نے فرمایا میں اس کو کیا کروں (کیا) میں نے یہ اپنی طرف سے کیا ہے؟ چونکہ تمہاری قسمت میں اتنا ہی تھا تو میری کیا ذمہ داری؟

29 انتیسویں مجلس

اسی سال ماہِ شوال کی بیسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ شیخ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ بہت بڑے بزرگ تھے ان کی ایک تفسیر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ غزنین میں رہتے تھے۔ سبزی پکاتے اور بیچتے۔ شلغم اور چقندر اور اسی طرح کی سبزیوں کی دیگ پکاتے اور بیچتے۔ اس کے بعد غیبی عنایت کے بیان میں یہ شعر زبانِ مبارک پر آیا۔

حق بشبان تاجِ نبوت دہد

ورنہ نبوت چہ شناسد شبان

(حق تعالیٰ) چرواہے کو نبوت کا تاج دے دیتا ہے ورنہ چرواہے نبوت کو کیا جانیں۔ یعنی پیغمبر موسیٰ علیہ السلام۔ اس کے بعد ان کے احوال میں سے بیان فرمایا کہ اگر کوئی آتا اور کھوٹا درم ان کو دیتا اور جو کچھ انھوں نے پکایا ہوتا اسے خریدتا تو وہ اس درم کو لے لیتے اگرچہ جانتے ہوئے کہ کھوٹا ہے۔ مگر خریدار کے سامنے کچھ نہ کہتے۔ اور جو کھرا درم لاتا تو اس کو بھی (کھانا دے) دیتے۔ یہاں تک کہ خلق خدا کو یہ خیال ہو گیا کہ ان کو کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں ہے۔ اور بہت لوگ آتے اور کھوٹے درم دے دیتے اور وہ کھرے کی طرح لے لیتے اور ان پر ظاہر نہ کرتے اور کھانا ان کے حوالے کر دیتے۔ تا آنکہ ان کے انتقال کا وقت آیا انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولے خداوندا تو خوب جانتا ہے کہ خلق مجھے کھوٹے درم دیتی تھی اور میں کھرے کی طرح انھیں قبول کرتا تھا اور ان کو واپس نہیں کرتا تھا (ان کے منہ پر نہ مارتا تھا) اگر مجھ سے بھی کوئی کھوٹی طاعت ہوئی ہو تو اپنے کرم سے اسے واپس نہ پھیر۔ (میرے منہ پر نہ

مار)۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کوئی صاحبِ دل درویش ان کے پاس آئے اور ان کی دیگ میں سے کھانا طلب کیا۔ شیخ عثمان نے کفگیر دیگ میں ڈالا۔ جب باہر نکالا تو سب چھوٹے بڑے موتی تھے۔ درویش بولے کہ میں ان کا کیا کروں؟ شیخ عثمان نے پھر کفگیر دیگ میں ڈال کر نکالا تو سب سونا نکلا۔ ان درویش نے کہا کہ وہ سب کنکر تھے اور یہ پتھر۔ کس کام کے ہیں؟ اس دیگ میں سے ایسی چیز نکالو کہ میں کھا سکوں۔ تیسری مرتبہ شیخ نے کفگیر پھر باہر نکالا تو وہی سبزی باہر آئی جو پکائی تھی۔ ان درویش نے جب یہ حال دیکھا تو شیخ سے کہا اب تمہیں اس جگہ زیادہ نہیں رہنا چاہیے۔ اس کے چند روز بعد ہی شیخ عثمان رحمت اللہ علیہ دُنیا سے رخصت ہو گئے!

اس کے بعد خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب درویش سے اس طرح کی کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو پھر اسے یہاں نہیں رہنا چاہیے اور حکیم سنائی نے اس بات کو نظم کیا ہے۔

اپنا جان افروز جمال زیادہ نہ دکھا
اور اگر دکھایا ہے تو جا کالا دانا جلا
تیرا وہ جمال کیا ہے؟ تیری مستی!
اور تیرا کالا دانہ کیا ہے؟ تیری ہستی

اس کے بعد زبانِ مبارک سے فرمایا کہ جو کچھ اولیاء ظاہر کر دیتے ہیں وہ ان کی مستی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اصحاب سکر ہیں برخلاف انبیاء کے کہ اصحاب صحو ہیں، سنائی اس کو مستی کہتا ہے یعنی جب بھید کھول دیا تو پھر (جانے میں) دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس بات کو اس عبارت میں کہا ہے۔

تیرا وہ جمال کیا ہے؟ تیری مستی
اور تیرا کالا دانہ کیا ہے؟ تیری ہستی

اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ آدمی کے لیے کشف و کرامت راستے کا حجاب ہیں کام کی چیز محبت میں استقامت ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

30 تیسویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی قعد کی تیئیسویں (تارخ) پیر کے دن قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ایک جوان حاضر ہوا خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس سے پوچھا کہ تمہارے دادا کس پیر کے مرید تھے؟ اس نے جواب دیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمت اللہ علیہ کے مرید تھے۔خواجہ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین رحمت اللہ علیہ بہت کم کسی کو مرید کرتے تھے۔اور یہی طریقہ قاضی حمیدالدین ناگوری رحمت اللہ علیہ کا تھا۔اس مجلس میں مولانا برُہان الدین غریب عصمہ اللہ حاضر تھے انھوں نے پوچھا کہ ان کی مشیخت وبزرگی اللہ تعالیٰ اور (ان کے) شیخ کی طرف سے ملی تھی پھر وہ کسی کو مرید کیوں نہیں کرتے تھے۔خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ مرید کرنے نہ کرنے سے ان کی بزرگی ومشیخت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے دو مرد ہوں۔ان دونوں میں (قوتِ) مردمی موجود ہو۔لیکن ایک اولاد والا بنے اور دوسرا نہ بنے۔جو اولاد والا نہ بنے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی قوتِ مردمی میں کوئی فرق ہے۔اور ایسا بہت دیکھا جاتا ہے۔انبیاء کی امت میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بروز قیامت آمنا وصدقنا جو بھی پیغمبر آئے گا اس کے ساتھ اس کی اُمت ہوگی۔کسی کے ساتھ زیادہ اُمت ہو گی۔کسی کے ساتھ کم۔اور ایک پیغمبر تشریف لائیں گے جن کے ساتھ ایک ہی آدمی ہوگا۔اب اس سے ان کی نبوت میں کوئی کمی یا خرابی تھوڑی ہوگی۔پیر اور مریدوں کی مثال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

31 اکتیسویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی قعد کی اٹھیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔سماع کی بات چلی اور وجد جو اس میں ہوتا ہے۔زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ ننانوے اسمائے (الٰہی) میں الواجد بھی پڑھتے ہیں۔الواجد کے معنی ہیں الغنی اس کے بعد فرمایا کہ الواجد کے معنی وجد سے بھی آئے ہیں۔یعنی وجد عطا کرنے والا جیسے کہ شکور اس کا نام ہے۔شکور اس کو کہتے ہیں جو شکر ادا کرے۔لیکن یہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے شکر کو قبول کرنے والا۔اسی طرح

الواجد ظاہر میں وہ ہوگا جو صاحب وجد ہو اور یہ بات پاک اور برتر خدا کے لیے درست نہیں ہو گی۔ پس اس جگہ واجد کے معنی وجد عطا کرنے والے کے ہیں۔

اس کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی رحمت اللہ علیہ کا ذکر آیا کہ وہ سماع نہیں سنتے تھے۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمت والرضوان فرماتے کہ ہر نعمت جو آدمی میں ممکن ہے وہ شیخ شہاب الدین کو دی گئی۔ سوائے ذوقِ سماع کے۔

اس کے بعد شیخ شہاب الدین کے شغل کے استغراق کی بات آئی۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ اوحد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ شہاب الدین کے پاس آئے۔ شیخ نے اپنا مصلا لپیٹا اور اپنے گھٹنے کے نیچے رکھ لیا اور یہ بات مشائخ کے نزدیک بہت تعظیم کی ہوتی ہے۔ الغرض جب رات ہوئی شیخ اوحد نے سماع کی فرمائش کی۔ شیخ شہاب الدین نے قوالوں کو بلایا اور سماع (قوالی) کی جگہ آراستہ کی اور خود ایک کونے میں چلے گئے اور طاعت و ذکر میں مشغول ہو گئے۔ شیخ اوحد اور وہ لوگ جو اہلِ سماع تھے سماع میں مشغول ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو خانقاہ کا خادم شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ رات کو سماع تھا۔ لہٰذا اس جماعت کے لیے نہاری (ناشتہ) ہونی چاہیے۔ شیخ نے پوچھا کہ کیا رات کو سماع تھا؟ خادم نے عرض کی (جی ہاں) تھا شیخ نے فرمایا کہ مجھے خبر نہیں ہوئی۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین کی حالت استغراق کو دیکھو کہ اس طرح ذکر میں مشغول تھے کہ سماع کی اونچی آوازوں کی انھیں خبر نہ ہوئی اور ہر بار جب سماع کو بند کرتے تھے اور اہلِ سماع قرآن (مجید) کی تلاوت کرتے تھے تو شیخ (اسے) سنتے تھے مگر شیخ ان کے سماع کو اس قدر اونچی آواز کے باوجود نہ سنتے تھے۔ اس سے اندازہ کرو کہ وہ کس درجے شغل میں ہوتے تھے۔

اس کے بعد لاہور کے مزاروں کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ وہاں بہت بزرگ آرام فرما ہیں۔ اس کے بعد بندے سے پوچھا کہ تم نے لاہور دیکھا ہے؟ بندے نے عرض کی جی ہاں دیکھا ہے اور وہاں کے بعض بزرگوں کی زیارت بھی کی ہے جیسے شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اولیاء۔

اس کے بعد زبانِ مبارک سے فرمایا کہ شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک ہی پیر کے مرید ہوئے ہیں اور وہ پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ شیخ حسین زنجانی

ایک زمانے سے لاہور میں رہتے تھے۔ کچھ عرصے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری کو حکم دیا کہ لاہور جاؤ اور وہاں رہو۔ شیخ علی ہجویری نے عرضداشت کی حسین زنجانی وہاں موجود ہیں۔ پیر نے فرمایا کہ تم جاؤ اور جب علی ہجویری ان کے اشارے کے موافق لاہور میں پہنچے تو رات تھی۔ دوسری صبح شیخ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا، پھر بات نظم کی آئی۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بعضے مشائخ کی شاعری اچھی ہے اور بہت ہے جیسے شیخ اوحد کرمانی اور شیخ ابوسعید ابوالخیر اور دوسرے بزرگ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا (کلام) خاص کر شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ خوب کہتے تھے اور شاعری میں انہیں بڑا غلو تھا۔ اس حد تک کہ مریدوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہر شیخ کی کوئی کتاب اور تالیف موجود ہے۔ آپ کوئی چیز کیوں نہیں لکھتے انھوں نے جواب دیا کہ میرا ہر شعر کتاب کے برابر ہے۔

اسی روز اس بندۂ امیدوار (حسن علا سجزی) کو نماز اشراق تعلیم فرمائی۔ دو رکعت، پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد آیت الکرسی تا خالدون اور دوسری رکعت میں آمن الرسول تا آخر سورہ اور آیت اللہ نور السمٰوات والارض تا واللہ بکل شئی علیم۔ اس کے بعد اور دو رکعت نماز استخارہ (پناہ) کے لیے فرمایا۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ الفلق اور دوسری رکعت میں سورہ الناس۔ اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ بتائی۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص۔ اور ان دوگانہ نمازوں کے فوراً بعد جو دعائیں آئی ہیں (ان کا حکم فرمایا) اس کے بعد فرمایا کہ دو رکعتیں اور ہیں وہ بھی بتاؤں گا۔ یہ بات زبان مبارک سے فرمائی اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ جس روز شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے مجھ سے نمازِ اشراق کے لیے فرمایا تھا۔ پہلے ہی چھ رکعتیں بتائی تھیں اور ارشاد ہوا تھا کہ دو اور بھی بتاؤں گا!

بتیسویں 32 مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ آدابِ مجلس اور پیر کی خدمت میں حاضری اور بیٹھنے کے آداب اور جگہ حاصل کرنے کا ذکر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ ادب یہ ہے کہ جب کسی مجلس میں آئیں تو جو جگہ خالی دیکھیں وہاں بیٹھ جائیں یعنی جب

پیر کی خدمت میں آئیں تو اونچی یا نیچی جگہ کے خیال میں نہ رہیں جہاں بھی خالی جگہ دیکھیں بیٹھ جائیں کہ آنے والے کی جگہ وہی ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام والصلوٰۃ کسی جگہ تشریف رکھتے تھے اور صحابہ حلقہ بنائے سرکار ﷺ کے اطراف بیٹھے تھے۔ (اتنے میں) تین آدمی حاضر ہوئے ایک کو اس دائرے میں جگہ مل گئی وہ فوراً وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے کو اس حلقے میں جگہ نہیں ملی، وہ دائرے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تیسرے نے وہاں سے منہ موڑا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے خبر دی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آیا اور اسے حلقے کے اندر جگہ مل گئی اور وہاں بیٹھ گیا ہم اسے اپنی پناہ میں جگہ دیتے ہیں اور جس کو دائرے میں جگہ نہیں ملی اور وہ شرما کے حلقے کے پیچھے بیٹھ گیا ہم اس سے شرماتے ہیں۔ کل قیامت کے دن اس کو رسوا نہیں کریں گے کہ جو شخص منہ پھیر کر چلا گیا ہماری رحمت بھی اس سے منہ موڑتی ہے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ جو بھی آئے مجلس میں جہاں جگہ خالی پائے بیٹھ جائے اور اگر جگہ نہ ہو تو حلقے کے پیچھے بیٹھے۔ بیچ میں نہیں بیٹھنا چاہیے کہ جو بیچ میں بیٹھتا ہے وہ ملعون (لعنت کیا ہوا) ہوتا ہے!

تینتیسویں 33 مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی اکیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کا شرف حاصل ہوا۔ قرآن کی تلاوت اور ترتیل اور اس کے پڑھنے کا جو حق ہے اس کا ذکر آیا۔ زبانِ مبارک سے فرمایا کہ جب پڑھنے والے کو کسی آیت پر ذوق اور راحت حاصل ہو تو چاہیے کہ اس کی تکرار کرے اور راحت پائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تلاوت اور سماع کے دوران جو سعادت حاصل ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ انوار اور احوال اور آثار۔ اور یہ تینوں تین عالموں سے نازل ہوتی ہیں اور یہ تین عالم کون سے ہیں؟ یہ ہیں ملک اور ملکوت اور ان دونوں کے درمیان جبروت۔ اور وہ تین سعادتیں جو نازل ہوتی ہیں یہ تینوں ارواح اور قلوب اور اعضاء پر اترتی ہیں۔ پہلے انوار جو ملکوت سے ہوتے ہیں ارواح پر اس کے بعد احوال جبروت سے قلوب پر پھر آثار ملک سے

اعضاء پر یعنی اول سماع کے حال میں انوار نازل ہوتے ہیں۔ عالم ملکوت سے ارواح پر۔ اس کے بعد جو کچھ دل میں کیفیت ہو اسے احوال کہتے ہیں۔ اور وہ عالم جبروت سے ہوتے ہیں دلوں پر! اس کے بعد گریہ اور حرکت و جنبش جو ظاہر ہوتی ہے اس کو آثار کہتے ہیں اور وہ (اثر) عالم ملک سے ہوتا ہے اعضاء پر۔ والحمد للہ رب العالمین۔

پھر صدقے کا تذکرہ آیا۔ فرمایا کہ اگر صدقے میں پانچ شرطیں موجود ہیں تو بلاشبہ وہ صدقہ قبول ہو جائے گا۔ اور ان پانچ شرطوں میں سے دو (صدقہ) دینے سے پہلے ہیں اور دو دیتے وقت ہیں اور ایک دینے کے بعد ہے۔ جو دو شرطیں دینے سے پہلے کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو کچھ دیا جانے والا ہے وہ حلال کمائی سے ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ نیت کر کے نیک آدمی کو دے ایسے آدمی کو کہ وہ اسے فساد میں خرچ نہ کرے۔ یعنی اچھے لوگوں کو دے۔ اور جو دو شرطیں دیتے وقت کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تواضع اور بشاشت کے ساتھ دے۔ اور کھلے دل سے دے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خفیہ دے۔ اور وہ ایک شرط جو دینے کے بعد کی ہے یہ ہے کہ جو کچھ دیا ہے اس کا ذکر کسی کے سامنے زبان پر نہ لائے۔ اور اس کو بیان نہ کرتا پھرے۔ ان شرائط کے ساتھ جو صدقہ ہوگا مقبول ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ صدقہ ہوتا ہے۔ اور صُدقہ ہوتا ہے۔ صدقہ تو ہم کو معلوم ہے۔ لیکن صُدقہ دین مہر کو کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں معانی صدق و محبت کا تقاضا کرتے ہیں۔ یعنی جو شخص نکاح کرنا چاہتا ہے اسے لازماً صدق و محبت پیدا کرنا چاہیے۔ پس وہ مہر کو درمیان لاتا ہے۔ یہ صدقہ ہے اور جو راہِ حق میں کوئی چیز دیتا ہے تو وہ بھی آنحضرت ﷺ کی محبت میں دیتا ہے۔ صدق محبت کے سبب اس کا نام بھی صدقہ ہے۔

اس کے بعد امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی حکایت بیان فرمائی۔ وہ چالیس ہزار دینار حضرت رسالت (مآب ﷺ) کی جناب میں لائے۔

چالیس ہزار دینار کا شکرانہ (و نذرانہ) عشق کو کیل و کملی کے ساتھ باریاب کرتے ہیں۔

اور اس کا قصہ یہ ہے کہ اُس روز (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں چالیس ہزار دینار موجود تھے۔ یہ سب کے سب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے آئے۔ مصطفےٰ علیہ السلام والتحیۃ نے دریافت فرمایا کہ بچوں اور گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ فرمایا کہ خدا کافی

ہے اور اس کا رسولؐ! اس کے بعد حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہٗ تشریف لائے اور جو کچھ ابو بکر صدیق لائے تھے اس کا آدھا لے کر آئے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بچوں اور گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ بولے آدھا لے آیا ہوں، آدھا گھر والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بارے میں نذرانے کی نسبت سے ان کا مرتبہ متعین فرمایا۔

اس کے بعد (حضرت) ابوبکر صدیقؓ کی کرامت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ جس روز وہ چالیس ہزار دینار لائے تھے کملی اوڑھے ہوئے تھے اور کیل سے اسے جوڑے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

اُسی وقت جبرائیل علیہ السلام بھی حضرت رسالت والتحیۃ کی خدمت میں اسی لباس میں حاضر ہوئے۔ رسول علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا لباس ہے؟ جبرائیل بولے یا رسول اللہ آج تمام فرشتوں کو حکم ہوا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی موافقت میں گلیم اوڑھیں اور اس میں کیل لگائیں۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ، بالخیر دو مصرعے زبان مبارک پر لائے جن کا ترجمہ یہ ہے: ''چالیس ہزار دینار کا شکرانہ یوں دیتے ہیں کہ عشق کو کیل و کملی کے ساتھ باریاب کرتے ہیں۔''

یہاں سے صدق کا ذکر آیا حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص تھا اس کے پاس تھیلی میں پچیس سونے کے دینار تھے اس نے سوچا کہ کعبے کی زیارت کو جاؤں اور یہ دینار کعبے کے مجاوروں اور وہاں کے رہنے والوں کی نذر کروں۔ یہ نیت کر کے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک بے باک ڈاکو نے اسے آ لیا اور تلوار نکال لی تا کہ اسے مار ڈالے۔ اس شخص نے تھیلی جو اس کے پاس تھی باہر نکال کر اس کے سامنے ڈال دی اور بولا کہ مجھے کیوں مارتے ہو۔ میرے پاس تو بس یہی سونے کے پچیس دینار ہیں جو اس تھیلی میں ہیں، انہیں لے لو۔ ڈاکو نے تھیلی اٹھائی سونے کے دینار باہر نکالے اور گنے تو پورے پچیس دینار تھے۔ یہ سب دینار اس شخص کے سامنے رکھ کر بولا کہ اپنا مال سنبھال اور سلامتی سے چلا جا کہ تیری سچائی نے میرے غصے کو ٹھنڈا کر دیا۔

اس کے بعد تصدق کے معنی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ امیر المومنین

عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو گھوڑا عنایت فرمایا تھا اور وہ گھوڑا اس کے پاس سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اس شخص سے گھوڑا اس روز کی قیمت پر خرید لیں جس روز اُسے عنایت کیا تھا جب یہ بات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی گئی تو رسول علیہ السلام نے منع فرما دیا اور کہا مت خریدو۔ اپنی دی ہوئی چیز کو دوبارہ نہیں خریدنا چاہیے چاہے وہ کوڑیوں ہی میں کیوں نہ ملے۔

اس کے بعد کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ ایک دام کا کھانا تیار کرا کے رفیقوں کے سامنے رکھنا اس سے بہتر ہے کہ بیس درم صدقہ کیے جائیں۔

کھانا کھلانے کی فضیلت میں یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک شخص تھا صاحب حال درویش۔ وہ بخارا کے صدر جہاں کے پاس آیا اور کہا کہ میرا شہر کے بادشاہ کے پاس کچھ کام ہے تم سفارش کر دو اور میرا کام کرا دو۔ صدر جہاں نے جواب دیا کہ میں تجھے کیا جانوں اور مجھے کیا خبر کہ تو کون ہے کہ تیری سفارش کروں۔ اس شخص نے کہا میرا تم پر ایک حق ہے۔ صدر جہاں نے پوچھا کیا حق ہے؟ بولا ایک دفعہ تم کھانا نکالے بیٹھے تھے اور میں نے بھی آ کر تمہارے دسترخوان پر بیٹھ کر اس کھانے میں سے کچھ کھایا تھا۔ میرا تم پر یہ حق ہے۔ صدر جہاں نے جب یہ سنا تو فوراً اٹھا اور بادشاہ کے پاس جا کر اس کا کام کرا دیا۔

اس کے بعد فقراء کے لین دین اور خرید و فروخت کے بارے میں فرمایا کہ شیخ بدرالدین اسحٰق علیہ الرحمت والغفر ان نے کسی کو ایک شطرنجی دی اور کہا کہ اسے بازار میں لے جا کر بیچ ڈالو۔ پھر فرمایا کہ درویشانہ بیچنا، ان سے پوچھا گیا کہ درویشانہ بیچنے کا کیا طریقہ ہے۔ بولے واپس گھر نہ لانا جو مول بھی لگے بیچ ڈالنا۔

چونتیسویں 34 مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی انتیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب اور مناقب پر گفتگو ہونے لگی۔ ارشاد ہوا کہ وہ نو سال تک ایک غار میں مقیم رہے۔ اس غار میں ایک چشمہ جاری تھا۔ ادھم اسی چشمے پر مقیم تھے ا[illegible] خدائے عزوجل

کی عبادت کیا کرتے تھے۔ایک رات کو سخت سردی تھی انھیں ٹھنڈ لگ گئی۔ یہاں تک کہ مرنے کا ڈر ہو گیا۔اسی اندھیرے میں ان کا ہاتھ ایک پوستین پر پڑا۔انھوں نے اسے اپنے اوپر کھینچ لیا اور گرم ہو گئے۔جب دن چڑھا تو پوستین کو اتارا۔کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک اژدھا ہے۔آنکھیں کھول کر اور پھن اٹھا کر وہ حرکت کرنے لگا۔ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ حیرت زدہ ہی تھے کہ ایک آواز انھوں نے سنی "ہم نے تجھے ایک ہلاک کرنے والے سے ایک ہلاک کرنے والے کے ذریعے بچایا" یعنی ہم نے ایک مہلک چیز سے جو سردی تھی تجھے بچایا اژدھے کے ذریعے جو خود مہلک تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور درویش کے ساتھ بھی ایسی ہی کرامت ہوئی تھی۔اس کا قصہ یوں ہے کہ کوئی درویش کنویں میں گر پڑا۔رسّی تھی نہیں کہ باہر نکلتا۔مرنے کے قریب ہو گیا۔یکایک اس نے ایک رسّی کی شکل کی چیز دیکھی جو کنویں کے اوپر سے لٹک رہی تھی۔اس نے خیال کیا کہ بچاؤ کی صورت نکل آئی۔اسے پکڑ کر کنویں سے باہر آ گیا۔اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شیر وہاں آ کر دم لٹکائے بیٹھا ہے اس نے بھی یہی آواز سنی کہ "ہم نے تجھے ہلاک کرنے والے سے ہلاک کرنے والے کے ذریعے بچایا۔" اور یہیں سے اولیاء کی کرامت کا ذکر آیا۔فرمایا کہ ایک نابینا ولی تھے۔ایک مخالف آیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا اس نیت سے کہ ان ولی کا امتحان کرے چنانچہ دل میں خیال کیا کہ یہ آنکھوں سے معذور ہیں، پس ضروری ہے کہ ان کے عالم باطن میں بھی کچھ کمی ہو۔لہٰذا ان نابینا صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ولایت کی نشانی کیا ہے؟ اور جس وقت یہ بات پوچھی ایک مکھی آئی اور اس مخالف کی ناک پر بیٹھ گئی۔مخالف نے اسے اڑا دیا۔مگر وہ پھر ناک پر آ بیٹھی۔اس نے پھر اڑا دیا۔تیسری دفعہ پھر اڑانا پڑا اور اسی درمیان اس نے سوال کیا کہ اولیاء کی نشانی کیا ہے؟ نابینا بولے کہ ایک نشانی تو یہ ہے کہ اولیاء کی ناک پر مکھی نہیں بیٹھتی!

پھر کھانے کی احتیاط اور اس کے اثر کا ذکر آیا۔فرمایا کہ ایک جوان ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوا۔یہ جوان اس قدر عبادت گزار تھا کہ ابراہیم ادہم کو اس کی طاعت و عبادت بہت پسند آئی اور انھوں نے اپنے نفس کو ملامت کی کہ یہ نووارد جوان تو اس قدر طاعت کرتا ہے اور تم اتنی نہیں کرتے اس کے بعد اپنے روشن ضمیر کے نور سے انھیں معلوم ہوا کہ یہ سب شیطانی ہے

جوان ناجائز کمائی کھاتا ہے۔ اور شیطان نے اسے اس طاعت میں لگا رکھا ہے جب ابراہیم ادہم پر اس کا حال کھل گیا تو انھوں نے اس جوان سے کہا اس کھانے میں سے جو میں کھاتا ہوں تم بھی کھایا کرو۔ جوان نے ایسا ہی کیا۔ جو درویشانہ کھانا ابراہیم کھایا کرتے تھے وہ لکڑیاں بیچ کر حاصل کیا جاتا تھا جوان بھی اسی میں سے کھانے لگا اور بے بنیاد طاعت کا غلبہ جو اس پر تھا وہ جاتا رہا تھوڑی سی عبادت رہ گئی۔ چنانچہ فرض نمازیں بھی حیلے سے پڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس جوان کا کام بن گیا اور اخلاص حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ راز جو تمام سعادتوں کا راز ہے ظاہر فرمایا اور کہا کہ شیخ کی ضرورت اسی کام کے لیے ہوتی ہے اس کے بعد اسی سلسلے میں یہ نکتہ بیان فرمایا کہ طاعت چاہے تھوڑی ہو لیکن اخلاص زیادہ ہونا چاہیے۔

پھر مجاہدے کے پھل کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس تک رات کو نہیں سوئے۔ چالیس سال کے بعد ایک رات کو سوئے تو حضرت عزت (اللہ تعالیٰ) کو خواب میں دیکھا۔ اس تاریخ کے بعد جہاں جاتے بستر ساتھ لیے پھرتے کہ سو جائیں اور خواب میں اس دولت کو پھر دیکھیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے آواز سنی کہ خواب کی وہ دولت چالیس سال کی بیداری کا پھل تھی!

پھر دنیا کے جمع خرچ کی بات آئی فرمایا کہ اس حدیث کی روایت دو طرح کی گئی ہے۔ ایک اس طرح کہ اس کے حلال کا حساب ہے اور حرام پر عذاب یعنی جو کچھ حلال کمائی سے جمع کیا ہے اس کا حساب دینا پڑے گا۔ اور جو حرام سے کمایا ہے اس پر عذاب ہوگا۔ دوسری روایت اس طرح ہے کہ اس کے حلال پر عذاب ہوگا اور حرام پر (بھی) عذاب ہوگا۔ حرام پر عذاب تو کھلی ہوئی بات ہے لیکن اس کے حلال پر عذاب کیسے ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ایک شخص کو قیامت کی دھوپ میں کھڑا کیا جائے گا اور حساب مانگا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ یہ عذاب ہوگا اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قول امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ (دنیا کی دولت) حلال پر حساب ہے اور حرام پر عذاب ہے اور اس کی مشتبہ چیزوں پر عتاب!

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ بعض مشائخ چاندی (روپیہ) قبول نہیں کرتے۔ فرمایا کہ روپیہ

لینے اوراس کے خرچ کے بارے میں شرائط ہیں۔ لینے والے کو چاہیے کہ جو کچھ لے حق لے۔ اس کی تشریح یوں فرمائی کہ جیسے کوئی کسی کے سامنے روپیہ (دھیلا) پیش کرتا ہے۔ اسے علوی (سید) دیکھ کر کہ اس نے دو گیسو کر رکھے ہیں[1] اس اعتقاد سے نذر کرتا ہے کہ یہ فرزند رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں حالانکہ... لینے والا علوی (سیّد) نہیں ہوتا پس اسی صورت میں جو کچھ لے گا قطعاً حرام ہوگا۔

اس کے بعد یہ تذکرہ آیا کہ مردود ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگے۔ نہ زبان سے اور نہ دل میں یہ خیال کرے کہ فلاں شخص مجھے کوئی چیز دے تو بڑا اچھا ہو۔ البتہ بغیر مانگے اور بغیر تمنا کیے اس کے پاس کوئی چیز آئے تو وہ جائز ہوگی۔

اس درمیان ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگتا اور دل میں لالچ بھی نہیں رکھتا۔ لیکن اگر کوئی شخص مجھے کچھ دیتا ہے تو میں لے لیتا ہوں اب وہ دینے والا مثلاً شیطان ہی ہو! خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور کہا کہ ان بزرگ نے اسی طرح کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص بھی مجھے کوئی چیز دیتا ہے میں اسے لے لیتا ہوں۔ مجھے کیا خبر کہ وہ کون ہے یا کہاں سے لایا ہے۔ بس اتنا (کافی) ہے کہ میں خود (اس کی) خواہش نہیں رکھتا!

پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احوال کا ذکر آیا کہ ہر پیغمبر کو انتقال کے وقت اختیار دیا جاتا ہے۔ فرمان ہوتا ہے کہ تمہیں اختیار ہے اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ اور دن دنیا میں رہو تو رہو اور اگر نہیں چاہتے تو انتقال کرو۔ چنانچہ حضرت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دل میں خیال کیا کہ کسے خبر کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں خوش ہیں کہ کچھ عرصے اور صحابہ کے درمیان (رونق افروز) رہیں یا اس میں (خوش ہیں) کہ عالم بقا کو سدھاریں۔ یہ بات دل میں سوچی اور رسول علیہ السلام والتحیۃ کی طرف (ٹکٹکی باندھ کر) دیکھنے لگیں۔ رسول علیہ السلام والتحیۃ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا "رسولوں کے اور صدیقوں اور شہدا اور صالحین کے ساتھ! تیری رحمت سے اے سب سے بڑے مہربان!

1- قدیم زمانے میں سید لمبے بال رکھا کرتے تھے اور لمبے گیسو سیّد ہونے کی علامت ہوا کرتے تھے۔

یہ فوائد الفواد کا ایک جزو تھا جو قلم بند کیا گیا۔ شروع شعبان کی ابتداء سنہ سات سو سات سے ذی الحجہ سات سو آٹھ (ہجری) کے آخر تک کہ ایک سال پانچ ماہ کی مدت ہوتی ہے۔ اگر خدائے عزوجل چاہے گا تو جو اور کچھ ان کے انمول بولوں سے سنا جائے گا اسی طرح لکھا جائے گا۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ چاہے اور مدد فرمائے اور اچھی توفیق دے!

☆

جلد دوم

اڑتیس 38 مجلسیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اعلیٰ اوصاف اور یہ مہکتے بول خواجہ راستین قطب الاقطاب فی الارضین ختم المشائخ فی العالمین نظام الحق والشرع والدین (اللہ تعالیٰ ان کی درازی عمر سے مسلمانوں کو مستفید فرمائے آمین) کے مبارک الفاظ اور متبرک کلمات سے جمع کیے گئے ہیں۔ اسی طرح پہلے بھی چند جزو ایک جلد میں لکھے جا چکے ہیں اور ان کا نام فوائد الفواد (دلوں کے فائدے) رکھا گیا ہے امید ہے کہ ان کے پڑھنے والے اور لکھنے والے کو دونوں جہان کی راحت میسر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ صحیفے جو جمع کیے گئے ہیں یاروں کے لیے تحفے (بن گئے) ہیں حسن علاء سجزی (مزید کی) آس لگائے رکھنے والوں میں سے ایک ہے۔

پہلی[1] مجلس

سنہ سات سونو (ہجری) ماہ شوال کی انیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ دنیا والوں سے میل جول چھوڑنے کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ جوانی کے زمانے میں میرا خلوق کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا (مگر) ہمیشہ دل میں یہ رہتا کہ ان سے چھٹکارے کا موقع کب ملے گا۔ اگرچہ کہ وہ طالب علم اور مشغول (بحق) لوگ ہوتے تھے۔ لیکن بحث کے دوران اکثر میرا دل متنفر ہو جاتا تھا اور میں نے کئی دفعہ اپنے ساتھیوں سے کہا بھی میں تمہارے درمیان نہیں رہوں گا میں تو تمہارے پاس بس چند روز کا مہمان ہوں، بندے (حسن علاء سجزی) نے عرض کی کہ کیا (حضرت) شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بیعت ہونے سے قبل آپ ایسا فرماتے تھے؟ ارشاد ہوا۔ ہاں!

دوسری مجلس[2]

اسی سال ماہِ ذی قعد کی ستائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ ذکر یہ تھا کہ مرید لوگ اپنے پیر کی زیارت کے لیے جایا کرتے ہیں اور ہر ایک کچھ مدت بعد جاتا ہے۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ میں تین دفعہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ہر سال ایک مرتبہ انتقال فرمانے کے بعد سات دفعہ اور گیا ہوں اور چھ دفعہ اچھی طرح یاد نہیں لیکن زیادہ خیال یہی ہے کہ سات بار گیا ہوں، کیونکہ ذہن میں یہ بات بھی جمی ہوئی ہے کہ زندگی میں اور وفات کے بعد (کل) دس دفعہ حاضری ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ جمال الدین ہانسی سے سات بار حاضر ہوئے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل جب پہلی مرتبہ حاضر ہوئے اور رخصت کے وقت شیخ سے فاتحہ کی درخواست کی تاکہ جس طرح اس وقت حاضر ہوئے اسی طرح پھر آئیں۔ اور دست بوسی حاصل ہو۔ تو شیخ نے فرمایا کہ فاتحہ کی ضرورت نہیں ہے تم بہت دفعہ آؤ گے۔ (چنانچہ) اس کے بعد اٹھارہ دفعہ اور آئے۔ اٹھارہویں دفعہ واپس ہونے لگے تو پھر فاتحہ کی درخواست کی۔ اس نیت سے کہ پہلی بار فرمایا تھا کہ بہت دفعہ آؤ گے۔ اس وقت سے اب تک انیس پھیرے ہو گئے۔ اب پھر فاتحہ کی درخواست کروں کہ ایک دفعہ آ کر پوری بیس حاضریاں ہو جائیں (لیکن) شیخ خاموش رہے۔ شیخ نجیب الدین سمجھے کہ شاید سنا نہیں اس لیے انھوں نے پھر عرض کی۔ مگر شیخ نے جواب نہ دیا۔ آخر وہ واپس چلے آئے۔ اس کے بعد ان کے درمیان ملاقات نہیں ہوئی۔

پھر شیخ بہاء الدین ذکریا کا ذکر (خیر) آیا کہ وہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں گئے، مگر ان کی خدمت میں سترہ روز سے زیادہ نہیں رہے۔ سترہویں دن ہی شیخ شہاب الدین نے ان کو نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ جب شیخ بہاء الدین ہندوستان آئے تو دوبارہ ارادہ کیا کہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں جب روانہ ہوئے تو شیخ جلال الدین تبریزی سامنے سے آئے اور شیخ بہاء الدین کو واپس کر دیا کہ شیخ الشیوخ کا فرمان یہی ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔

اس کے بعد شیخ بہاء الدین کی بزرگی کا تذکرہ آیا۔ ارشاد ہوا کہ سترہ روز میں ہی انھوں

نے وہ نعمتیں حاصل کرلیں جو دوسرے مرید برسوں میں حاصل نہ کرسکے۔ یہاں تک کہ ان کے بعض پرانے مریدوں کو ناگوار بھی گزرا کہ ہم اتنے سال سے خدمت کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں تو اتنی نعمت ملی نہیں اور ایک ہندوستانی آیا اور اتنی تھوڑی مدت میں اسے خلافت مل گئی اور بے شمار نعمتیں بھی۔ یہ بات شیخ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لائے تھے۔ گیلی لکڑیاں آگ کیسے پکڑ سکتی ہیں۔ ذکریا خشک لکڑیاں لائے تھے۔ جو ایک پھونک میں سُلگ گئیں۔

تیسری[3] مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ طاعت اور مشغولی حق کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جو بھی وجود ہے دو عدموں کے درمیان ہے اور جو وجود دو عدموں کے درمیان ہو اس کو بھی عدم ہی سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ عورتوں کے ایام معروف میں اگر ایک روز خون نظر آتا ہے اور دوسرے روز پاکی رہتی ہے اور پھر تیسرے روز خون نظر آتا ہے تو اس پاکی کے بارے میں بھی خون ہی کا حکم ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ وجود جو دو عدموں کے درمیان ہو اس غیر متواتر پاکی کی طرح ہے جو دو خونوں کے درمیان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس زندگی کا کیا بھروسہ جس کے وجود پر عدم کا حکم لگ سکتا ہے۔ اس تھوڑے وقفے کو بیکاری اور غفلت میں کیوں گزارا جائے۔

پھر ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ مشغول بحق رہتے اور خلقت سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ تم نے کیا حال کر رکھا ہے کہ کسی کے ساتھ بھی اٹھنا بیٹھنا نہیں ہے اور خلق کی صحبت سے پرہیز کرتے ہو۔ ان پیر نے جواب دیا کہ اس سے پہلے میں کتنے ہی ہزار سال تک معدوم رہا اس کے بعد پھر زمانوں کے لیے معدوم ہو جاؤں گا۔ یہ جو تھوڑی سی عمر درمیان میں ملی ہے۔ اس کو کیوں ضائع کروں اور خلقت میں گھل مل کر اور بے نتیجہ چیزوں میں مشغول ہو کر اس کو کیوں خرچ کروں اور اس نقد حیات کو حق کی رضا میں کیوں نہ صرف کروں؟

مولانا محمود اودھی (ان کی پرہیزگاری قائم رہے) حاضر تھے۔ ان سے دریافت فرمایا کہ

کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے عرض کی کہ مولانا برہان الدین غریب (ان کے فضائل قائم رہیں) کے گھر میں رہتا ہوں۔ زبان گوہر فشاں سے ارشاد ہوا کہ جہاں بھی رہو گھرے بن کر رہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ روزانہ زمین کا ایک قطعہ دوسرے قطعے سے زبانِ حال سے دریافت کرتا ہے کہ کیا تجھ پر سے آج کوئی ذکر کرنے والا یا کوئی دردمند گزرا ہے؟ اگر وہ جواب دیتا ہے کہ نہیں گزرا تو وہ قطعہ زمین جس پر سے ایسا آدمی گزرا ہوتا ہے۔ اس قطعے پر شرف محسوس کرتا ہے۔

چوتھی[4] مجلس

اسی سال ماہِ ذالحجہ کی پچیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی شیخ اس روز کسی عزیز کی نمازِ جنازہ میں شرکت فرما کر آئے تھے۔ مرحوم کے بارے میں ارشاد ہوا کہ بہت نیک آدمی تھے اور (نیک کاموں میں) خرچ بھی کرتے تھے۔ کسی کی اچھائی برائی سے واسطہ نہیں رکھتے تھے اور نیکی کی راہ پر چلتے تھے۔ بس کسی کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا۔ پھر فرمایا کہ جب آدمی علم حاصل کرتا ہے تو شرف پاتا ہے اور جب طاعت کرتا ہے تو اس کا کام بہتر ہو جاتا ہے اس وقت پیر کی ضرورت پڑتی ہے کہ دونوں کو توڑ ڈالے یعنی علم و عمل کو اس کی نظر سے گرا دے تا کہ وہ گھمنڈی نہ بن جائے اور گھاٹے میں نہ رہے۔ اس وقت ان مرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ سنا ہے انتقال کے وقت وہ اکیلے تھے۔ اپنے پرائے میں سے کوئی بھی قریب نہ تھا۔ بس وہ تھے اور حق تعالیٰ اور یہ بڑی اچھی حالت اور بہت بڑی سعادت ہے!

اس کے بعد مولانا شہاب الدین خطیب ہانسوی کی حکایت بیان فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ انھوں نے دعا مانگی کہ خداوندا! میں نے تیرے بہت سے عہد پورے کیے اب مجھے امید ہے کہ تو بھی میری ایک بات پوری کرا دے گا اور وہ یہ ہے کہ میرے مرتے وقت کوئی میرے پاس نہ ہو۔ نہ ملک الموت اور نہ کوئی اور فرشتہ بس میں ہوں اور تو ہو!

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ بہت بزرگ آدمی تھے، ہر رات کو سورہ بقر پڑھتے تھے۔ پھر سوتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے یہ سورۃ پڑھی تو گھر کے کونے سے ندا آئی۔

داری سرِ ما و گرنہ دور از برِ ما
ما دوست کشیم و تو نداری سرِ ما[1]

گھر والے سب سو رہے تھے میں حیران رہ گیا کہ یہ کون بول رہا ہے۔ گھر میں کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جو یہ بات کہتا۔ دوسری دفعہ پھر سنا:

داری سرِ ما و گرنہ دور از برِ ما
ما دوست کشیم و تو نداری سرِ ما

خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو اس قدر گریہ طاری ہوا کہ پورا قصہ بیان نہ فرما سکے۔ روتے جاتے تھے اور حکایت بیان کرتے جاتے تھے کہ یہ مولانا شہاب الدین اس خطاب سے گئے اور بڑی مصیبتیں جھیلیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور (دنیا سے) اسی طرح رخصت ہوئے جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔

پھر سماع اور اہل سماع کا ذکر نکلا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ سماع مردوں کے لیے زبردست کسوٹی ہے۔

پھر یہ تذکرہ آیا کہ خوف کا ایمان کیسا ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ کافر لوگ مرتے وقت عذاب کو دیکھ لیں گے اس وقت ایمان لائیں گے۔ یہ ایمان کسی حساب میں نہیں۔ کیونکہ یہ ایمان بالغیب نہیں۔ اگر مومن مرتے وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ لیکن کافر لوگوں کا مرتے وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔

پانچویں مجلس[5]

سنہ سات سو دس ہجری ماہِ محرم کی پندرہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ مشائخ کی کتابوں اور ان فوائد کا ذکر آیا جو انھوں نے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک عزیز حاضر خدمت تھے انھوں نے عرض کی کہ ایک شخص نے مجھے اودھ میں ایک کتاب دکھائی اور کہا کہ یہ حضرت

1- اگر ہم سے تعلق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں ہے تو ہمارے پہلو سے ہٹ جاؤ۔ ہم تو دوست کو ہلاک کرنے والے ہیں تم اس کی تاب نہیں لا سکتے۔

مخدوم (خواجہ نظام الدین) کی لکھی ہوئی ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ نہیں اس نے غلط کہا۔ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جب کشف المحجوب لکھی تو شروع کتاب میں اپنے نام کا ذکر کیا۔ اس کے بعد دو تین جگہ اور (ذکر فرمایا) اور پھر اپنا نام لکھنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے اس سے پہلے عربی اشعار کہے تھے۔ اور ان میں اپنا نام کہیں نہیں لایا تھا ایک ''جوان مرد'' نے (یہ غضب ڈھایا کہ) وہ سارے اشعار اپنے نام کر لیے۔ اور انتقال کے وقت بے ایمان ہو گیا۔

جب یہ قصہ پورا ہو چکا تو یہ تذکرہ آیا کہ موت کی گھڑی بڑی کٹھن گھڑی ہے۔ اور یہ جاننا بھی مشکل ہے کہ (جانے والا) ایمان کے ساتھ گیا یا بے ایمان اس کے بعد زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ سلامتی ایمان کی علامت یہ ہے کہ مرنے والے کا چہرہ رحلت کے وقت زرد ہو جائے اور ماتھے پر پسینہ آ جائے۔ اس دوران یہ بات بیان فرمائی کہ انتقال کے وقت میری والدہ سعادت یہی علامتیں رکھتی تھیں۔

اس کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دو رکعت نماز ہے جو ایمان کی حفاظت کے لیے پڑھنی چاہیے۔ مغرب کی نماز کے بعد پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص (قل ہو اللہ) اور ایک مرتبہ سورہ فلق (قل اعوذ برب الفلق) اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور سورہ الناس (قل اعوذ برب الناس) اس کے بعد سر سجدے میں رکھ دے اور تین دفعہ کہے۔ یا حی یا قیوم ثبتنی علی الایمان (اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کو قائم رکھنے والے مجھے ایمان پر ثابت قدم رکھ) پھر اس نماز کی برکت کے سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ میں نے معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے بیٹے (نواسے یا پوتے) خواجہ احمد سے سنا ہے اور یہ خواجہ احمد بہت ہی صالح مرد تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میرے ایک سپاہی دوست تھے۔ وہ برابر یہ دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ بہت نا وقت ہم اجمیر کے حدود میں تھے۔ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ وہاں ڈاکوؤں کا ڈر تھا اور ڈاکو نظر بھی آنے لگے تھے۔ ہم نے فوراً جلدی جلدی تین رکعتیں فرض اور دو رکعتیں سنت پڑھیں اور شہر کی جانب آ گئے۔ ان دوست نے اس کے باوجود کہ چوروں کا خطرہ دیکھ لیا تھا اور

اتنا خوف طاری تھا، یہ دو رکعت نماز حفاظتِ ایمان ادا کی الغرض جب اس جوان کی وفات کا وقت آیا تو مجھے بھی خبر ہوگئی۔ میں ان کا حال جاننے کی غرض سے مرتے وقت ان کے پاس پہنچ گیا۔ انھوں نے اسی طرح رحلت فرمائی جیسا کہ چاہیے تھا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے ارشاد فرمایا کہ خواجہ احمد نے اس شخص کی رحلت کا حال ان الفاظ میں بیان کیا کہ اگر مجھے عدالت کی کرسی کے سامنے لے جائیں تو میں گواہی دوں گا کہ وہ باایمان گیا۔ والحمدللہ رب العٰلمین۔

اس کے بعد دو رکعت نماز کا اور تذکرہ فرمایا۔ وہ بھی نماز مغرب کے بعد اُس کا ذکر اس طرح فرمایا کہ میرے ایک ہم جماعت دوست تھے۔ ان کو مولانا تقی الدین کہتے تھے۔ وہ بڑے صالح اور سمجھ دار پڑھے لکھے تھے۔ وہ ہمیشہ نماز مغرب کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد والسماء ذات البروج اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد والسماء والطارق پڑھتے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا (معاملہ) کیا؟ کہنے لگے کہ جب میرا کام تمام ہوگیا تو حکم آیا کہ ہم نے اسے ان دو رکعتوں کے طفیل بخش دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ کیا اسے صلوٰۃ النور کہتے ہیں؟ فرمایا کہ نہیں اس کو صلوٰۃ البروج کہتے ہیں۔ صلوٰۃ النور اس دو رکعت نماز کو کہتے ہیں جس کی دونوں رکعتوں میں سورۃ انعام کی شروع کی آیات پڑھتے ہیں۔ پہلی رکعت یستھزءون پر ختم کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں الم یروکم اھلکنا سے شروع کر کے یستھزءون ہی پر ختم کرتے ہیں۔

پھر اس وقت کی اور طلوع کے وقت (کی نماز کی) ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب رات آتی ہے تو ایک فرشتہ کعبے کی چھت پر آ کر پکارتا ہے کہ اے خدا کے بندو اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیو! خدائے تعالیٰ نے تمھیں ایک رات یہ عنایت فرمائی ہے اور ایک رات تمہارے لیے آنے والی ہے اور وہ رات قبر کی رات ہے۔ اُس (آنے والی) رات کے لیے اسی رات کو کچھ ذخیرہ کرلو اور کچھ کام کرلو اور وہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ قل یاایھا الکٰفرون اور دوسری رکعت میں بھی یہی اور جب دن نکلتا ہے تو یہی فرشتہ بیت المقدس کی چھت پر آتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ اے بندگانِ خدا اور اے امتانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ نے تمھیں ایک دن عطا کیا ہے اور ایک دن تمہارے لیے آنے والا ہے اور وہ روز قیامت ہے۔

اور اس دن کے توشے کے لیے آج۔۔۔ ایک کام کرلو اور وہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورۃ الاخلاص (قل ہو اللہ) پڑھو۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ والغفران نے اسے حدیث بتایا ہے حدیث (شریف) کے الفاظ یاد نہیں رہے۔ مفہوم یہی ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اولیاء کی موت اور اس حال کا ذکر آیا جو اس کے بعد ہوتا ہے۔ اس ضمن میں فرمایا کہ اولیاء انتقال کے وقت ایسے ہوتے ہیں جیسے کوئی سو رہا ہو اور اس کا معشوق بھی بستر میں آ گیا ہو۔ رحلت کے وقت اس سونے والے کی حالت ایسی ہوتی ہے گویا یکا یک نیند سے بیدار ہو گیا ہو اور وہ معشوق جس کی طلب میں ساری زندگی رہا تھا اس کو اپنے بستر میں موجود دیکھے۔ اندازہ کرو کہ اس کو کیسی خوشی اور فرحت ہوگی۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ کیا بعض اولیاء ایسے ہوتے ہیں جن کو یہیں مشاہدے کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے؟ فرمایا کہ ہاں لیکن یہ نعمت جو اس وقت دیکھتے ہیں۔ جب وہ کمال کو پہنچتی ہے تو پھر بالکل اس سونے والے کی مانند ہوتے ہیں کہ جو نیند سے بیدار ہو تو اپنے معشوق کو اپنے بستر پر پائے اس حدیث کے موافق کہ الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا۔ یعنی ساری خلقت نیند میں ہے جب موت آئے گی تو بیدار ہوگی۔ یعنی یہاں جو جس طلب میں مستغرق ہے۔ مرنے کے بعد اس کا مطلوب اس کو ملے گا۔

اس کے بعد اولیاء کی موت کے تذکرے میں حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں میرے ایک دوست تھے۔ احمد نام۔ بڑے نیک اور عبادت گزار اور ابدال صفت اگرچہ کہ بے پڑھے لکھے تھے لیکن ہمیشہ شرعی مسائل اور ان کے احکام کی تحقیق میں لگے رہتے اور ہر ایک سے یہی پوچھتے رہتے۔ یہاں تک کہ جب میرا دہلی آنا ہوا تو وہ بھی دہلی آ گئے۔ ایک روز راستے میں ملاقات ہوئی اور مجھے دیکھ کر بڑی گرم جوشی سے ملے۔ اس کے بعد میری والدہ کا حال پوچھا ان کو میری والدہ کی بیماری کا حال تو معلوم تھا۔ لیکن انتقال کی خبر نہ تھی۔ میں نے کہا کہ والدہ تو اللہ کی رحمت کو پیاری ہوئیں۔ بولے تم سلامت رہو۔ پھر (بڑے) مضطرب ہوئے اور بے چین ہو کر رونے لگے۔ جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر حکایت کے اس حصے تک پہنچے تو ان کو اس قدر رونا آیا کہ جو فرماتے تھے پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ رونے کے درمیان یہ دو شعر زبان مبارک پر آئے۔ خبر نہیں کہ احمد صاحب موصوف سے روایت فرمائے یا خود ہی پڑھے۔ الغرض

شعر یہ تھے:

افسوس میرے دل نے کوئی تدبیر نہیں کی
ملن کی راتوں کو زنجیر ڈال کر نہ رکھا
اب تیرا وصل ہماری مدد کرے یا نہ کرے
بارے جدائی نے تو کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی[1]

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ کچھ عرصے بعد ان احمد نے دنیا سے رحلت کی۔ میں نے ان کے مرنے کے بعد ایک روز انھیں خواب میں دیکھا کہ اپنی عادت کے موافق حسب معمول مجھ سے مسائل اور احکام پوچھ رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم پوچھ رہے ہو۔ یہ تو زندگی میں کام آتا ہے اور تم تو مر ہی چکے ہو۔ جب انھوں نے یہ بات سنی تو مجھ سے بولے کہ آپ خدا کے اولیاء کو مردہ کہتے ہیں؟

اس قصے کے دوران ایک جوالقی (ملنگ) آیا اور نامناسب باتیں کرنے لگا جو اس مجلس میں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے کچھ نہیں کہا اور جو توقع اس کی تھی اس کو پورا کیا۔ اس کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ ایسی باتیں بھی ہونی چاہئیں۔ بہت سے لوگ آتے ہیں اور سر قدموں میں رکھتے ہیں اور نذر لاتے ہیں۔ پس اس طرح کے لوگ بھی آنے چاہئیں کہ آ کر بے باکی سے جو چاہے کہہ ڈالیں۔ اس طرح یہ چیزیں ان چیزوں کا کفارہ (کرنے والی) ہو جاتی ہیں۔ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ انہی اول فول لکھنے والوں میں سے ایک شخص آیا اور مجھے بہت کچھ برا بھلا اور نامناسب کہا۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ جب تک دنیا رہے ہمارا جرم اور آپ کی برداشت باقی رہے!

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ انہیں منہ پھٹ لوگوں میں سے کوئی شخص شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہنا شروع کیا کہ آپ نے خود کو بت کیوں بنا رکھا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے نہیں بنایا، خدا نے بنایا ہے۔ وہ پھر بولا کہ نہیں آپ نے خود بنایا ہے۔ شیخ نے ارشاد کیا کہ نہیں جو کچھ بنایا ہے خدا نے بنایا ہے۔ یہ سن کر وہ مخالف کھسیانا ہو گیا

1-(یعنی فراق اور جدائی تو ایک ایسی ابدی حقیقت ہے جو وصال نہ ہونے کی صورت میں پہلے ہی سے ہر طرح موجود رہتی ہے۔ وصال البتہ ایک ایسی چیز ہے اور گریز پا ہے، جس کو حاصل کیا جاتا ہے (اور روکا جاتا ہے)۔

اور واپس چلا گیا۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی جوالقی (ملنگ) شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ وہ اس گروہ کے لیے بڑے سخت تھے۔ جوالقیوں نے اندر آ کر کسی چیز کا سوال کیا۔ شیخ نے کچھ نہ دیا، وہ باہر نکلے اور لڑنے جھگڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اینٹیں اٹھالیں۔ شیخ نے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ (چنانچہ) خانقاہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ وہ لوگ اینٹیں خانقاہ کے دروازے پر مارنے لگے۔ کچھ دیر ہوگئی تو شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ میں شیخ شہاب الدین کا بٹھایا ہوا ہوں میں اپنے آپ ہی نہیں بیٹھ گیا ہوں۔ مجھے ایک مرد خدا نے یہاں بٹھایا ہے۔ اس کے بعد حکم دیا کہ خانقاہ کا دروازہ کھول دو۔ جب دروازہ کھولا گیا تو ان ملنگوں نے سر زمین پر رکھ دیئے اور واپس چلے گئے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے ارشاد کیا کہ پہلے (انھوں نے) خانقاہ کا دروازہ بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ یقیناً بشریت تھی اور خبر نہیں وہ گھڑی کیسی گھڑی تھی۔ اس کے بعد جب کچھ وقت گزر گیا تو پھر دروازہ کھلوا دیا۔

اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جنگ احد میں بہت صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی کہ اے محمد ﷺ آپ بھی لحہ بھر کو ان شہداء کے درمیان لیٹ جائیں، یہاں تک کہ غضب کی گھڑی گزر جائے۔

چھٹی[6] مجلس

اسی سال محرم کی پچیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان لوگوں کا ذکر آیا جو دولت جمع کرتے ہیں اور جس قدر دولت زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی اور زیادہ مانگتے ہیں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ حق تبارک وتعالےٰ نے مختلف قسم کی طبیعتیں بنائی ہیں مثلاً کسی آدمی کو دس درہم ہی کافی ہوتے ہیں اور ان میں اضافہ ہوتا ہے تو جب تک خرچ نہ کرے اسے چین ہی نہیں آتا اور کسی شخص کو ایسا بنایا جاتا ہے کہ جتنی زیادتی ہوتی ہے۔ اتنی ہی ہوس بڑھتی ہے۔ اور یہ بات اس کی اپنی نہیں ہوتی۔ ازلی قسمت کی ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ سونے چاندی کی راحت خرچ کرنے میں ہے۔ یعنی آدمی کو کسی چیز

سے راحت نہیں مل سکتی جب تک روپیہ خرچ نہ کرلے۔ مثلاً اگر وہ چاہتا ہے کہ عمدہ لباس پہنے یا اسے اچھے کھانے کی آرزو ہو۔ یا اسی طرح کی اور کوئی تمنا ہو تو جب تک روپیہ خرچ نہیں کرتا۔ اس کی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ سونے چاندی سے اگر راحت حاصل ہو سکتی ہے تو ان کے جانے سے ہو سکتی ہے!

اس کے بعد فرمایا کہ سونے چاندی کے جمع کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ان سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اس درمیان فرمایا کہ میرا دل خود شروع ہی سے کچھ جمع کرنے کی طرف راغب نہیں تھا اور طلب دنیا کا مجھے قطعاً خیال نہیں تھا۔ اس کے بعد جب شیخ الاسلام فریدالدین سے مرید ہوا تو پیوند بھی ایسی جگہ ہوا کہ ان کی نظر میں دونوں جہان نہ جچتے تھے۔ ترکِ مطلق تھا۔

اس کے بعد فرمایا اس سے پہلے مجھے روزی کی کچھ تنگی تھی۔ مگر خوشی سے گزران ہوتی تھی ایک روز کوئی شخص میرے پاس ناوقت آدھا تنکہ (سکہ) لایا میں نے کہا کہ آج تو دیر ہو گئی ہے اور جو کچھ ضروریات تھیں وہ پوری ہو چکی ہیں۔ اس کو کل خرچ کروں گا۔ جب رات ہوئی اور میں عبادت میں مشغول ہوا تو (اس) آدھے تنکے نے میرے دل کے دامن کو پکڑ لیا اور نیچے کھینچنا شروع کیا جب میں نے یہ حال دیکھا تو کہا خداوندا۔ صبح کب ہو گی کہ میں اس سے پیچھا چھڑاؤں (اور خرچ کروں)۔

ساتویں مجلس

اسی سال ہفتے کے دن ماہ صفر (اللہ اسے خیر و کامیابی کے ساتھ ختم کرائے) کی پانچویں تاریخ کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ اصحاب ولایت کی نقل پذیری کا ذکر آیا کہ بعض اڑنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں قصہ سنایا کہ بداؤں میں ایک ذاکر تھے ان کا منبر ایک دیوار سے لگا ہوا تھا اور اس دیوار میں منبر سے کم و بیش قد آدم کی بلندی پر بہت سے طاق تھے۔ اور یہ طاق اس طرح ٹیڑھے میڑھے تھے کہ کوئی ان پر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ ان ذاکر پر وعظ کے دوران ایک کیفیت طاری ہوئی کہ اس کیفیت میں وہ جست کرتے اور ان طاقوں میں جا بیٹھتے۔ اور اسی سلسلے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی جوگی اُچہ میں آیا اور بطور چیلنج شیخ صفی الدین گازرونی کے پاس آ کر بحث کرنے لگا اور شیخ سے بولا کہ آؤ اڑ کر دکھائیں۔ شیخ نے

جواب دیا کہ دعوے دار تم ہو تم ہی اڑ کر دکھاؤ۔ جوگی زمین سے ہوا میں معلق ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کا سر چھت سے جا لگا۔ پھر اسی طرح سیدھا نیچے اتر آیا۔ پھر شیخ سے کہنے لگا کہ تم بھی اڑ کر دکھاؤ۔ شیخ صفی الدین گازرونی نے آسمان کی طرف رخ کر کے کہا۔ خداوندا! تو نے غیروں کو اڑنے کی یہ صلاحیت عطا کی ہے مجھے بھی یہ۔۔۔ عطا فرما۔ اس کے بعد شیخ اپنی جگہ سے اٹھے اور قبلے کی طرف اڑے۔ اس کے بعد شمال کی طرف گئے پھر جنوب کی طرف ہو کر اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ جوگی حیران رہ گیا اور شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور بولا کہ ہم سے بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ زمین سے کسی قدر اونچے سیدھے اڑ جائیں اور اسی طرح پھر نیچے آ جائیں، اس کے علاوہ دائیں بائیں نہیں جا سکتے۔ لیکن آپ تو جس طرف چاہتے ہیں پرواز کرتے ہیں۔ یہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے۔ اور ہمارا جو کچھ ہے باطل ہے۔

اس طرح کی ارادی حرکت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی فلسفی خلیفہ (وقت) کی خدمت میں اپنی کتابیں لے کر آیا اور چاہا کہ خلیفہ کو راہ حق سے برگشتہ کر دے۔ اور خلیفہ نے بھی اس کے علم سے دلچسپی دکھائی۔ یہ خبر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں پہنچی تو شیخ نے اس کی طرف توجہ کی اور فرمایا کہ جب خلیفہ ان فلسفیوں کی طرف مائل ہو گا تو ایک جہان میں اندھیر ہو جائے گا۔ یہ فرما کر کھڑے ہو گئے۔ اور خلیفہ کے محل میں تشریف لائے۔ اس وقت خلیفہ نے اسی بدبخت حکیم کے لیے تخلیہ کرا رکھا تھا۔ اور اسی علم کی بحث میں مشغول تھا۔ خبر کی گئی کہ شیخ شہاب الدین تشریف لائے ہیں شیخ کو اندر بلایا گیا۔ شیخ اندر آئے تو خلیفہ اور فلسفی کو دیکھ کر پوچھا کہ تم لوگ اس وقت کیا بحث کر رہے تھے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ کچھ اور بات ہو رہی تھی۔ فلسفے کی بحث کو انھوں نے چھپایا۔ شیخ نے بہت اصرار کیا کہ بتاؤ کیا بات کر رہے تھے؟ جب شیخ نے بہت تقاضا کیا تو وہ فلسفی بولا کہ ہم اس وقت یہ بحث کر رہے تھے کہ آسمان کی حرکت طبعی ہے۔ حرکتوں کی تین قسمیں ہیں۔ طبعی اور ارادی اور قسری۔ حرکت طبعی ▪▪ ہے کہ خود اپنی خاصیت سے گرد و پیش ہو۔ جیسے کہ پتھر کو ہاتھ سے چھوڑا جائے تو وہ زمین پر گرتا ہے۔ حرکت ارادی وہ ہے کہ اپنی مرضی سے جس طرف چاہے حرکت کرے۔ حرکت قسری وہ ہے کہ اسے کوئی اور حرکت میں لائے۔ جیسے کہ کوئی فضا میں پتھر پھینکے۔ اس کو حرکت قسری کہیں گے۔ جب (پھینکنے) کی قوت کم ہو گی تو وہ اپنی

خاصیت کے مطابق زمین پر گر پڑے گا۔ جس کو حرکت طبیعی کہتے ہیں۔ اب ہم اس بحث میں ہیں کہ فلک کی حرکت طبیعی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ اس کی حرکت قسری حرکت ہے۔ وہ بولے کہ کیسے؟ شیخ نے ارشاد کیا کہ اس ہیئت اور صورت کا ایک فرشتہ ہے۔ وہ خدائے تعالےٰ عزوجل کے فرمان کے مطابق آسمان کو گردش میں رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے۔ فلسفی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد شیخ خلیفہ اور حکیم کو اس چھت کے نیچے سے کہ۔ جہاں بیٹھے ہوئے تھے باہر لائے اور آسمان کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ خداوندا جو کچھ تو اپنے خاص بندوں کو دکھاتا ہے وہ انھیں بھی دکھادے۔ پھر خلیفہ اور فلسفی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو۔ ان دونوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو وہ فرشتہ نظر آ گیا۔ جو فلک کو گردش دیتا ہے اس وقت خلیفہ اس عقیدے سے تائب ہوا اور دین اسلام پر پکا ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آٹھویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاول کی ستائیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ذکر خیر نکلا۔ فرمایا کہ ان کا افطار اکثر شربت سے ہوتا تھا۔ ایک پیالہ تھا جس میں شربت لایا جاتا۔ شربت میں تھوڑی سی منقیٰ بھی ڈالتے تھے۔ اس پیالے میں سے آدھا حصہ یا تہائی حصہ سب حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا (اس طرح کہ شربت کا کچھ حصہ ایک برتن میں ڈالا جاتا اور پانی ملا کر حاضرینِ مجلس میں تقسیم کر دیا جاتا۔ باقی تہائی جو بچتا وہ خود استعمال فرماتے اور اس میں سے بھی جس کو چاہتے عنایت فرما دیتے۔ یہ دولت پانے والا بھی کیسا خوش نصیب ہوتا تھا۔ پہلے دو چپڑی ہوئی روٹیاں لائی جاتیں اور یہ (دو روٹیاں) ایک سیر[1] سے کم ہوتیں۔ ان دونوں روٹیوں میں سے ایک روٹی ٹکڑا ٹکڑا کر کے سب حاضرین کو عطا فرما دی جاتی اور دوسری روٹی خود نوش فرماتے اور اس خاصے کی روٹی میں سے بھی جس کو چاہتے عنایت کر دیتے۔ شام کی نماز ادا کرنے کے بعد مشغول بحق ہو جاتے اور پوری طرح مشغول رہتے۔ اس کے بعد دستر خوان لایا جاتا ہر طرح کا کھانا ہوتا۔ جب وہ کھانا

1- یہ سیر آج کل کے تقریباً ایک پاؤ کے برابر ہوتا تھا۔

ہو چکتا تو پھر دوسرے دن افطار کے وقت تک کچھ نہ کھاتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان کو خلہ کی بیماری ہوئی تھی۔ اسی مرض میں انتقال کیا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ رات کو سوتے وقت میں حاضرِ خدمت تھا۔ دیکھا کہ ایک چارپائی بچھائی گئی۔ وہی کمبل جس پر دن کو تشریف رکھتے تھے رات کو کھاٹ پر بچھایا گیا۔ یہ کمبل پائنتی تک نہیں پہنچتا تھا جس جگہ حضرت کے قدم مبارک رہتے تھے وہاں ایک اور ٹکڑا لاکر ڈالا جاتا تھا۔ اگر رات کو یہ ٹکڑا اوڑھ لیتے تھے تو بستر کی وہ جگہ خالی رہ جاتی تھی۔ ایک عصا تھا جو حضرت شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کا عطا کردہ تھا۔ اسے لاکر چارپائی کے سرہانے رکھا جاتا اور شیخ اس کا تکیہ بنا کر استراحت فرماتے اور اس عصا پر بار بار ہاتھ پھیرتے اور اسے چومتے۔

پھر فرمایا کہ ایک روز اسی بیماری میں مجھے اور چند اور مریدوں کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں حظیرے (مقبرے) میں شب بیدار رہ کر میری صحت کے لیے دعا کرو۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا کہ میں اور چند دوسرے مرید اس حظیرے میں گئے۔ اس حظیرے کی چھت تھی اس چھت پر چلے گئے اور کھانا بھی ساتھ رکھا۔ رات بھر وہاں رہے اور دعا مانگی۔ جب دن نکلا تو شیخ کی خدمت میں آئے اور کھڑے ہو کر عرض کی۔ رات کو ہم لوگ حکم کے موافق بیدار رہے اور دعا مانگی۔ شیخ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری دعا سے صحت کے آثار تو پیدا ہوئے نہیں۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دینے میں تامل کیا۔ ایک مرید تھے جنہیں علی بہاری کہتے تھے۔ وہ میرے پیچھے کھڑے تھے۔ انھوں نے وہیں سے کہا کہ ہم ناقص ہیں اور شیخ کی ذاتِ مبارک کامل۔ پس ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ شاید یہ بات شیخ سن نہ سکے۔ میں نے یہ بات جوں کی توں شیخ کے گوش مبارک تک پہنچائی۔ اس کے بعد (حضرت نے) مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ تو خدا سے جو مانگے پائے۔ اس کے بعد اپنا عصا مجھے عطا فرمایا۔ اس دوران بندے (حسن علا سجزی) نے عرض کی کہ کیا آپ شیخ کے انتقال کے وقت موجود تھے؟ حضرت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ نہیں مجھے شوال کے مہینے میں دہلی بھیج دیا تھا۔ حضرت کا انتقال محرم کے مہینے کی پانچویں شب کو ہوا۔ رحلت کے وقت مجھے یاد کیا اور فرمایا کہ فلاں دہلی میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا

کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات کے وقت میں حاضر نہیں تھا۔ ہانسی میں تھا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہ حکایت بیان فرماتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ اس قدر (روئے کہ) سب حاضرین پر اس کا اثر ہوا۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ کی بیماری بڑھی اور رمضان کا مہینہ آیا تو حضرت افطار فرماتے تھے (روزہ نہ رکھتے تھے) ایک روز کوئی خربوزہ لایا تھا۔ اس کی قاشیں کر کے شیخ کے سامنے رکھی گئی تھیں اور شیخ انھیں تناول فرما رہے تھے۔ اس دوران خربوزے کی ایک قاش مجھے بھی مرحمت فرمائی۔ میں نے چاہا کہ اسے کھا لوں۔ دل میں یہ خیال تھا کہ دو مہینے تک متواتر روزے رکھ کر اس (روزہ توڑنے) کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ یہ دولت کہ خود اپنے ہاتھ سے کوئی چیز عنایت فرماتے ہیں۔ پھر کہاں ملے گی۔ چنانچہ قریب تھا کہ میں اسے کھا لیتا کہ حضرت نے (ٹوکا اور) کہا کہ نہیں۔ مت کھاؤ! مجھے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے تمہیں نہیں کھانا چاہیے۔ شیخ کی عمر کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ فرمایا کہ ترانوے سال تھی۔ اس روز یہی باتیں ہوتی رہیں اور ان کے سننے سے اس قدر ذوق حاصل ہوا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جب رات ہوئی تو عشاء کی نماز کے بعد غلام (حسن علا سجزی) کو خاص جانماز عطا فرمائی گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

9
نوویں مجلس

اس سال ماہ ربیع الثانی کی دسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ دعا کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ دعا بلا نازل ہونے سے پہلے کرنی چاہیے۔ عربی الفاظ میں فرمایا کہ جب بلا (اوپر سے) نازل ہوتی ہے تو دعا نیچے سے اوپر جاتی ہے اور ہوا میں دونوں کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اگر دعا میں طاقت زیادہ ہوتی ہے تو وہ بلا کو پیچھے ہٹا دیتی ہے ورنہ بلا نیچے آ جاتی ہے۔

اس بات کے مناسب حال یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب تاتاری کافروں کی یورش ہوئی اور مغلوں کی بلا نیشاپور پہنچی تو وہاں کے بادشاہ نے کسی کو شیخ فریدالدین عطار قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس بھیجا کہ دعا کیجیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ دعا کا وقت گزر چکا اب تو رضا کا وقت ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے بلا نازل ہو چکی۔ اب تو خود کو اسؑ کی مرضی پر چھوڑ دینا

چاہیے۔ پھر فرمایا کہ نزول بلا کے بعد بھی دعا کرنی چاہیے اگرچہ (اس طرح) بلا دور نہیں ہوتی لیکن بلا کی صعوبت کم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد صبر و رضا کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا صبر یہ ہے کہ جب بندے کو کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس پر صبر کرے اور شکایت نہ کرے۔ اور رضا یہ ہے کہ جب بندے کو کسی ناپسندیدہ چیز سے واسطہ پڑے تو اس سے اس کو ناگواری نہ ہو جیسے کہ اسے بلا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔ پھر فرمایا کہ متکلمات اس مفہوم کو درست نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کس طرح سوچا جا سکتا ہے کہ کسی کو ناگوار بات سے سابقہ ہو اور وہ اس پر ناگوار نہ گزرے ارشاد ہوا کہ اس کے بہت سے جواب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص راستہ چل رہا ہے اور اس کے پیر میں کانٹا چبھ گیا اور خون بہنے لگا۔ لیکن وہ اتنی جلدی میں جا رہا ہوتا ہے اور اس کا دھیان کسی اور طرف اس طرح لگا ہوا ہوتا ہے کہ کانٹا چبھنے کی اسے مطلق خبر نہیں ہوتی۔ کچھ دیر بعد پتہ چلتا ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جنگ میں مشغول ہے۔ اور اس کے کوئی زخم لگا۔ لیکن وہ لڑائی میں ایسا محو ہوتا ہے کہ زخم کو ذرا بھی محسوس نہیں کرتا۔ جب اپنی قیام گاہ پر واپس آتا ہے تو احساس ہوتا ہے۔ پس جب اس قسم کی محویت جس کو بیان کیا گیا تکلیف سے بے خبر رکھ سکتی ہے تو جو شخص حق میں مشغول ہو اس کی محویت اور بھی زیادہ ہو گی۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی الزام میں پکڑا گیا۔ اس کو ہزار بید لگائے گئے، لیکن اس نے ذرا بھی آہ و زاری نہ کی اور اس پر چوٹ اور تکلیف کا اثر بھی نظر نہ آتا تھا۔ سزا ملنے کے بعد اس سے پوچھا گیا کہ تجھ کو اس مار سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ جب مجھے مار رہے تھے تو میرے محبوب نے مجھے دیکھا اور اس کی نظر کے سامنے مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ جو مجازی معشوق کی نظر کے سامنے ہوتا ہے اس کو درد کی خبر نہیں ہوئی۔ حقیقی (معشوق) کے سامنے تو اور زیادہ کیفیت ہو گی۔

پھر توکل کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے دعوے کے لیے کسی کو اپنا وکیل کرے اور وہ وکیل عالم بھی ہو اور موکل کا دوست بھی پس۔

اس موکل کو یہ اطمینان رہے گا کہ میرا وکیل اپنے کام اور مقدمہ بازی میں ہوشیار بھی ہے اور میرا دوست بھی ہے۔ اس صورت میں توکل بھی ہے اور سوال بھی۔ کیونکہ کبھی کبھی وہ اپنے وکیل سے یہ بھی کہے گا کہ اس دعوے میں اس طرح جواب دینا اور اس کام کو اس طرح پورا کرنا۔ گویا توکل کے پہلے درجے میں توکل بھی ہوتا ہے اور سوال بھی۔ توکل کے دوسرے درجے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی دودھ پیتا بچہ ہو کہ اس کی ماں اس کو دودھ پلاتی ہے۔ اس کو محض توکل ہوتا ہے، سوال نہیں ہوتا۔ بچہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے فلاں وقت دودھ دینا۔ بس رونے لگتا ہے اور تقاضا نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ مجھے دودھ دو۔ اپنی ماں کی شفقت پر اس کو بھروسہ ہوتا ہے لیکن توکل کے تیسرے مرتبے کی مثال غسل میت دینے والے کے سامنے مُردے کی سی ہے۔ مُردہ نہلانے والے سے کوئی سوال نہیں کرتا اور اس سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہوتی۔ نہلانے والا جس طرح بھی اسے ضرورت ہوتی ہے اسے پھیرتا اور نہلاتا ہے۔ توکل کا تیسرا مرتبہ یہی ہے اور یہ مرتبہ اعلیٰ ہے اور بلند ہے۔

اسی مجلس میں کھانا لایا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے ازراہ خوش طبعی کہا کہ میں فلاں جگہ تھا اور میرا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ لیکن جب تتماج[1] (ایک قسم کی آش) سامنے رکھی گئی تو میں اسے چھوڑ نہیں سکا۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری خوش طبعی کی باتیں اس نے کیں۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے تبسم کیا اور اس موقعے کی مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ میں ایک دفعہ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ اشراق (صبح سورج نکلنے کے بعد) کا وقت تھا اور سردی کا موسم۔ شیخ جمال الدین نے مجھے مخاطب کرکے یہ دو مصرعے پڑھے:

با روغن گاوٗ اندریں روز خنک

نیکو باشد ہریسہ و نان تنک

آج کی سردی میں تو گھی اور ہریسہ اور پراٹھے[2] ہوتے تو خوب ہوتا۔

میں نے کہا کہ ذِکر الغَائبِ غِیبۃ "۔ غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے۔ شیخ جمال الدین

1- حلیم سے ملتا جلتا ایک عربی کھانا۔

2- شاہ جہاں کے دسترخوان کے کھانوں کی ترکیب میں نان تنک تیار کرنے کا وہی طریقہ لکھا ہے جو پراٹھا تیار کرنے کا ہے۔ مترجم

بولے کہ میں نے اسے حاضر کر لیا ہے تب کہتا ہوں پس اسی وقت جیسا کہ انھوں نے کہا تھا یہ چیزیں لائی گئیں۔ بچھے ہوئے دستر خوان اور موجود کھانے کی نسبت حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص محمد نامی تھا۔ وہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ کھانا لایا گیا تو دستر خوان اور کھانا رکھنے کا کپڑا موجود نہ تھا۔ شیخ نے فرمایا کہ روٹی زمین پر رکھ دو، حاضر الوقت کے دل میں خیال گزرا کہ اگر دستر خوان ہوتا تو اچھا تھا۔ شیخ نے دو انگلیوں سے ایک خط دائرے کی صورت میں کھینچ دیا اور اس شخص سے کہا کہ محمد بس سمجھو کہ یہی دستر خوان ہے! اس کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ واقعہ ابتدائی زمانے کا ہے۔

دسویں مجلس [10]

اسی سال ماہِ ربیع الآخر کی تیئیسویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اس ہفتے راقم الحروف کو تنخواہ رُک جانے کی وجہ سے پریشانی تھی۔ جب خدمت میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اب سے کچھ عرصے پہلے ایک شخص تھے بہت بزرگ۔ میری چند بار ان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بہت سی باتیں کیں۔ مجھے ان کی بزرگی کی وجہ سے نام ولقب پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ راستے میں مجھے ملے تو ایک حکایت سنائی پہلے ▮ میرے سامنے آتے ہی بولے کہ خدا نے چاہا تو تم ایسے ہی ہو جاؤ گے جیسا لوگوں کا اعتقاد تمہارے بارے میں ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد اس بات کی بہت تعریف فرمائی اور ارشاد ہوا کہ سب کچھ گویا انھوں نے کہہ دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہی شخص ایک دفعہ اور مجھے ملے۔ اور قصہ سنایا کہ لاہور میں ایک آدمی تھے۔ ان کو شیخ زندہ دل کہتے تھے۔ بہت بزرگ آدمی تھے، ایک دفعہ عید کے دن لوگ نماز پڑھ کر واپس آئے تو شیخ نے آسمان کی طرف رُخ کر کے کہا کہ آج عید ہے۔ ہر غلام کو اپنے آقا سے عیدی ملے گی۔ مجھے بھی عیدی دے! جب یہ بات انھوں نے کہی ▮ ریشم کا ایک ٹکڑا آسمان سے گرا جس پر لکھا تھا کہ ہم نے تیری ذات کو دوزخ کی آگ سے نجات دی۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور تبرکاً ان کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔ اسی درمیان شیخ کے دوستوں میں سے کوئی شخص آیا اور ان سے کہنے لگا کہ تم کو تو باری تعالیٰ سے عیدی مل گئی (اب) تم مجھ کو عیدی دو! شیخ نے سنا تو ریشم

کا مذکورہ بالا ٹکڑا اسے دے کر کہا کہ جاؤ یہ تمہاری عیدی ہے۔ کل میں جانوں اور دوزخ۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ایک دفعہ اور ان مرد بزرگ سے میری ملاقات ہوئی مجھ سے بولے کہ ایک قصہ سنو! قصہ یہ تھا کہ کسی شہر میں کوئی بہت مالدار برہمن رہا کرتا تھا، شاید اس شہر کے حاکم نے اس سے تاوان لیا اور سارا مال و اسباب ضبط کر کے اسے کنگال کر دیا۔ اس کے بعد وہ برہمن مفلس اور پریشان ہو گیا۔ ایک روز وہ کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں اس کا ایک دوست ملا۔ اور پوچھنے لگا کہ کہو کیا حال ہے؟ برہمن نے جواب دیا کہ بہت اچھا آنند ہے! دوست بولا کہ تیری سب چیزیں تو چھن گئیں آنند کہاں سے آیا۔ اس نے جواب دیا۔ میرا جنیئو تو میرے پاس ہے!

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ:

''میری تقریر سے کچھ سمجھے بھی؟''

میں نے عرض کی۔ جی ہاں بندے کو دل کو اس حکایت سے باطنی تسلی حاصل ہوئی۔ بیچارے کے دل کی تسکین کے لیے یہ ارشاد ہوا ہے یعنی تنخواہ رکنے اور اسباب دنیا میسر نہ آنے کا کچھ غم نہیں کرنا چاہیے۔ سارا جہان بھی چلا جائے تو پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ بس محبت حق برقرار رہنی چاہیے۔ الحمدللہ بندے نے حضرت کے ارشاد سے یہی مطلب اخذ کیا۔

11
گیارہویں مجلس

اسی سال ماہِ جمادی الاولیٰ کی چودھویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ غلام نے اس جمعے کی رات کو ایک خواب دیکھا تھا۔ وہ عرض کیا۔ خواب یہ تھا کہ گویا امیر عالم والوالجی علیہ الرحمۃ والرضوان راقم الحروف کو کوئی مٹھائی عنایت کر رہے ہیں۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے پوچھا کہ کیا کبھی ان سے تمہارا کوئی تعلق رہا ہے؟ میں نے عرض کیا جی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ کوئی چیز غیب سے ملے گی۔ دوسرے جمعے کو غیب سے ایک ایسی چیز ملی کہ بندے کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

12
بارہویں مجلس

اسی مہینے کی چوبیسویں تاریخ پیر کے دن کو اس خواب کو دیکھے ہوئے گیارہواں روز تھا۔

اس سے بہتر اور مبارک چیز ملی۔ الغرض اس روز امیر عالم والوالجی کی بزرگی کے بارے میں حضرت نے بہت کچھ فرمایا۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ ایک صاحب نعمت بزرگ جن کو خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل ہوا تھا ایک دفعہ یہ بزرگ منبر پر تشریف لائے۔ خلقت کا مجمع لگا ہوا تھا۔ جن میں امیر عالم والوالجی بھی تھے۔ ان بزرگ نے اس طرح بیان شروع کیا کہ اے مسلمانو! آگاہ ہو جاؤ۔ اور جان لو کہ مجھے خواجہ شیرازی سے نعمت ملی تھی۔ آج رات کو میں چاہتا تھا کہ یہ نعمت اپنے لڑکے کو عطا کر دوں مگر حکم یہ ہوا کہ امیر عالم والوالجی کو دو۔ اس کے بعد امیر عالم کو منبر پر بلایا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا۔

13
تیرہویں مجلس

ماہ جمادی الآخر کی انتیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ رجب کے مہینے کی فضیلت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ اس مہینے میں دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں اور اس مہینے کی چار راتیں بہت مبارک ہیں۔ پہلی رات دوسرے جمعے کی رات۔ تیسرے پندرہویں رات۔ چوتھے ستائیسویں رات جو شب معراج ہے۔

اس کے بعد نفل نماز کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ جو نفل پڑھے جاتے ہیں وہ قضا شدہ فرض نمازوں میں محسوب ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی ہر قضا نماز کو پانچ بار ادا کرتے تھے۔

14
چودہویں مجلس

اسی سال ماہ رجب کی تیرہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ توبہ کے قائم رہنے کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ سالک اگر پیر کی بیعت پر جمارہے تو اس سے پہلے اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا مواخذہ نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ سراج الدین لقب ایک صاحب تھے۔ قصبہ ابوہر کے رہنے والے۔ میں ایک دفعہ وہاں گیا اور ان کے ہاں جا کر اترا۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مرید ہو چکے تھے۔ شاید اس روز اس قصبے کے رہنے والے ان سراج الدین کی بیوی سے جھگڑ رہے تھے۔ (جھگڑے)

اور لڑائی کے دوران بہت نامناسب باتیں کہہ رہے تھے۔ ایسی باتیں جن سے عیب لگتا تھا۔ بعد میں ان خاتون نے جواب دیا اور کہا کہ جو کچھ تم لوگ کہتے ہو ذرا میرے بارے میں سوچو کہ یہ باتیں بیعت سے پہلے کی ہیں یا بیعت کے بعد کی۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو ارشاد ہوا کہ اس عورت نے کیسی عمدہ بات کہی۔

15
پندرہویں مجلس

اسی سال ماہِ رجب کی انتیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ ایک شخص حاضر ہوا اور اپنے حالات کے سدھار کے واسطے امداد چاہی ارشاد ہوا کہ روزگار کی تنگی دور کرنے کے لیے ہر رات کو سورہ جمعہ پڑھنی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ارشاد ہر جمعے کی رات کے لیے ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ہر رات کو پڑھنی چاہیے۔ مگر میں خود اپنے لیے کبھی نہیں پڑھتا کیونکہ وہ (اللہ) جس حال میں چاہتا ہے رکھتا ہے!

اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ میرا گزر ایسے لوگوں میں ہوا جو صوفیوں کے لباس میں تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے ایسا (ایسا) خواب دیکھا ہے۔ اس نے تعبیر دی کہ اچھا خواب ہے۔ تیرا روزگار بن جائے گا اور اسباب مہیا ہو جائیں گے اور معیشت کشادہ ہو جائے گی۔ میں نے چاہا کہ اس سے کہوں کہ اے خواجہ جس لباس میں تم ہو اس لباس والے ایسی تعبیریں نہیں کیا کرتے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں جواب دینے والا کون؟ چنانچہ کچھ نہیں بولا اور ان کے پاس سے چلا آیا۔

جب خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر یہ حکایت ختم کر چکے تو اس شخص نے جو دعا کرانے آیا تھا، عرض کی کہ "اے مخدوم لوگوں کو اسباب کی فراہمی اور اچھے روزگار کے بغیر چارہ نہیں، خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ حکایت میں نے تمہارے بارے میں تھوڑی کہی ہے میں تو خود اپنا حال بیان کرتا ہوں۔

16
سولہویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک رمضان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی چھٹی تاریخ جمعرات کو قدم

بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ اس روز بندے (حسن علا سجزی) نے بعض اور بزرگ مریدوں کے ساتھ تجدید بیعت کی تھی۔ اس سلسلے میں ارشاد ہوا کہ جب رسول علیہ السلام نے مکّے کا ارادہ فرمایا تو فتح سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکے والوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ اس دوران رسول علیہ السلام تک افواہیں پہنچیں کہ (حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ رسول علیہ السلام نے یہ خبر سنی تو صحابہ کو بلایا اور کہا کہ آؤ بیعت کرو، مکے والوں سے لڑیں گے۔ صحابہ نے بیعت کی اس وقت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درخت کے تنے سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس بیعت کے دوران ابن اکوع نامی صحابی حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اس سے پہلے بیعت نہیں کی؟ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ کی ہے۔ اس وقت تجدید کے لیے بیعت کر رہا ہوں۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان کو بیعت کے لیے دستِ مبارک عطا فرمایا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ تجدید (کا سلسلہ یا اجازت وہیں سے ہے) اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی مرید تجدید بیعت کرنا چاہتا ہو اور شیخ موجود نہ ہو تو شیخ کا لباس سامنے رکھ کر اس لباس سے بیعت کر لینی چاہیے۔ اس درمیان فرمایا عجب نہیں کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہُ العزیز نے بارہا ایسا کیا ہو اور میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔

پھر حسنِ اتفاق کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ میں نے اودھ کے شیخ الاسلام شیخ رفیع الدین سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میرا ایک عزیز خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ ایک دفعہ یہ مرید کسی تہمت میں گرفتار ہوا اور قتل گاہ میں لایا گیا۔ جلّاد نے جو اس کی گردن اڑانے والا تھا اسے اس طرح کھڑا کیا کہ چہرہ قبلے کی طرف ہو۔ مرید چاہتا تھا کہ اپنے قبلے کی طرف منہ کرے، کیونکہ (پہلی صورت میں) شاید اس کی پیٹھ اپنے پیر کی طرف ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے پیر کی قبر کی طرف منہ کر لیا۔ جلّاد نے کہا کہ اس وقت تو چہرہ قبلے کی طرف رکھنا چاہیے۔ تو منہ کیوں پھیرتا ہے۔ مرید بولا کہ میں نے منہ اپنے قبلے کی طرف کر لیا ہے۔ تو اپنا کام کر۔

اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ لمبی منزل میں ایک روز بڑی تکلیف اٹھائی، اگرچہ کہ میں سوار تھا لیکن بڑی پیاس لگی۔ ایک تالاب کے کنارے پہنچا۔ گھوڑے سے نیچے اترا اور چاہتا تھا کہ تھوڑا سا پانی لے کر پیوں کہ اندر سے ابکائی سی آئی

اور پت (صفرے) کا غلبہ ہوا۔ جس وقت میں بے ہوش ہوا میری زبان پر یہی آیا کہ شیخ!
تھوڑی دیر بعد مجھے پھر ہوش آ گیا۔ الغرض اس کے بعد مجھے اپنے کام کے (نیک) انجام کا
یقین ہو گیا کہ انشاءاللہ تعالیٰ آخری وقت میں بھی یہی امید ہے کہ ان کی یاد کے ساتھ جاؤں۔

17
ستارہویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک رمضان کی تیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔
قبروں کی زیارت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ میری والدہ علیہا الرحمہ بیمار ہوئیں اور اس بیماری میں بار بار
مجھ سے فرمایا کہ فلاں شہید کی زیارت کے لیے جاؤ اور فلاں بزرگ کے مزار پر حاضری دو۔
چنانچہ میں ان کے حکم کے مطابق جاتا رہا۔ جب واپس آتا تو فرماتیں کہ بیماری میں افاقہ ہے
اور تکلیف میں کمی ہے۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس
سرہٗ العزیز بیمار ہوئے تو مجھے چند مریدوں کے ساتھ وہاں کے شہیدوں کی زیارت کے لیے
بھیجا۔ جب ہم زیارت کے بعد خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ تمہاری دعا نے تو کچھ بھی اثر
نہیں کیا۔ مجھے کوئی جواب نہ سوجھا۔ ایک مرید تھے جنہیں علی بہاری کہتے تھے۔ وہ ذرا دور
کھڑے تھے (وہیں سے) بولے کہ ہم ناقص ہیں اور شیخ کی ذات مبارک کامل۔ پس ناقصوں
کی دعا کاملوں کے لیے کس طرح پُر اثر ہو سکتی ہے؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ بات شیخ
کے سمع (مبارک) تک نہیں پہنچی۔ چنانچہ میں نے اس کو جوں کا توں شیخ کے گوش گزار کر دیا۔ مجھ
سے فرمایا کہ میں نے خدا سے درخواست کی ہے تو خدا سے جو چاہے پائے۔

اس کے بعد اسی روز مجھے عصا عطا ہوا اور حکم دیا کہ تم اور بدر الدین اسحٰق علیہ الرحمۃ جاؤ
اور اسی حظیرے (مقبرے) میں مشغول رہو۔ ہم دونوں گئے اور رات کو مشغول (بحق) رہے۔
جب خدمت میں آئے تو ارشاد ہوا کہ اچھا رہا! اس حکایت کے دوران ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ
مجھ سے فرمایا کہ تم سب مریدوں کو ایک لاکھ مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور یہ بات سب
مریدوں سے کہہ دو اور (آپس میں) بانٹ لو۔ میں نے رفیقوں سے کہا اور ہر ایک کے لیے
تعداد مقرر کر دی۔ ہر شخص نے ایک خاص تعداد قبول کی ایک نے پانچ ہزار بار اور ایک نے چار
ہزار بار اور کسی نے کم اور کسی نے زیادہ، میں نے دس ہزار بار فاتحہ پڑھی اور گنتی کے چند روز میں

ایک ہفتہ یا کم زیادہ ختم پورا ہوگیا۔ اس کے بعد بندے (حسن علا سجزی) نے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا یہ بیماری کے زمانے کا ذکر ہے؟ ارشاد ہوا کہ نہیں۔ اس سے پہلے کا (واقعہ) ہے۔ معلوم نہیں حضرت کی خدائے تعالیٰ سے کیا درخواست تھی!

18
اٹھارہویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی القعدہ کی ساتویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ امام ناصری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سامنے تھی۔ اسی مناسبت سے صاحب تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ ایک دفعہ یہ امام بیمار پڑے اور اس بیماری میں انھیں سکتہ ہوگیا۔ اقرباء اور دوستوں نے جانا کہ انتقال کر گئے۔ چنانچہ انھیں قبر میں دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو انھیں ہوش آ گیا اور پتہ چلا کہ انھیں قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اسی حیرت اور لاچاری میں انھیں یاد آیا کہ جو شخص پریشانی میں چالیس بار سورۂ یٰسین پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس تنگی میں کشادگی عطا فرماتا ہے اور راہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وقت یٰسین پڑھنی شروع کر دی۔ جب اُنتالیس مرتبہ پڑھ چکے تو کشادگی کے آثار پیدا ہوئے۔ اور ہوا یہ کہ کوئی کفن چور کفن کے لالچ میں آیا اور اس نے قبر کھولی۔ امام سمجھ گئے کہ یہ کفن چور ہے۔ چالیسویں مرتبہ یٰسین پڑھی تو آہستہ آہستہ پڑھی تاکہ وہ نہ سنے اور قبر کو مرضی کے موافق کھولے۔ قصہ مختصر جب چالیس بار یٰسین پوری ہوگئی تو امام ناصر آہستہ سے قبر کے باہر آئے۔ کفن چور نے جب یہ دیکھا تو اس پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اس کا پتہ پھٹ گیا اور اسی وقت مر گیا۔ امام کو اس کے مرنے کا بہت افسوس ہوا اور اپنے آپ سے کہا کہ مجھے چُپ چاپ پڑے رہنا چاہیے تھا تاکہ وہ کفن اتار لیتا اور پھر میں خاموشی سے باہر آ جاتا۔ خیر باہر آ کر اپنی جلد بازی پر پشیمان ہوئے اور قبر سے نکل کر سوچنے لگے کہ جب لوگ مجھے یکایک دیکھیں گے تو خوف کھائیں گے اور ہر ایک تعجب وحیرت میں پڑ جائے گا۔ پس رات ہی کو وہ آہستہ آہستہ شہر میں آئے اور پکارا کہ میں فلاں شخص ہوں اور مجھ کو سکتے کی وجہ سے غلط فہمی میں دفن کر آئے تھے۔ یہ کہتے ہوئے آئے تاکہ مخلوق کو یکایک اچنبھا نہ ہو۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ تفسیر انھوں نے اس واقعے کے بعد لکھی تھی۔

پھر ان مردوں کا ذکر ہونے لگا جو ہمیشہ یادِ حق میں مستغرق رہتے ہیں اور انھیں اپنا کھانا

سونا بھی یاد نہیں رہتا۔ جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں ۔ ارشاد ہوا کہ ایک بہت بزرگ پیر تھے جو پانی کے کنارے سکونت رکھتے تھے۔انھوں نے کچھ کھانا مہیا کیا اور اپنی بیوی سے بولے کہ یہ کھانا سر پر رکھو اور پانی پار کرو۔ گھاٹ پر ایک درویش بیٹھے ہیں۔ یہ طعام ان کے سامنے رکھو تا کہ وہ کھالیں۔عورت بولی کہ پانی بہت ہے۔ پار اترنا مشکل ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ پانی کے کنارے پر جاؤ اور پانی کو مخاطب کر کے کہو۔اے پانی اس بات کی حرمت سے کہ میرے شوہر نے کبھی میرے ساتھ صحبت نہیں کی مجھے راستہ دے۔اس عورت کو بڑا تعجب ہوا اور اپنے آپ سے بولی کہ اس مرد سے میرے اتنے لڑکے ہیں میں یہ بات کیسے کہوں۔ بہر حال اس نے شوہر کے حکم کی تعمیل کی۔ پانی کے کنارے جا کر مذکورہ فقرہ کہا۔اسی وقت پانی میں شگاف پڑ گیا اور پانی دو پھاٹ ہو گیا۔اور بیچ میں سوکھا راستہ نکل آیا۔عورت خیریت سے پار چلی گئی۔ جب اس درویش کے پاس پہنچی تو اس کے سامنے کھانا رکھا۔درویش نے کھانا کھالیا اور عورت سے کہا کہ تم واپس جاؤ عورت نے کہا کہ میں آپ کے پاس اس طرح آئی تھی کہ میرے شوہر نے ایک بات کہی تھی۔ میں نے وہ بات پانی سے کہی۔پانی نے راستہ دے دیا۔ اب کس تدبیر سے واپس جاؤں۔درویش نے پوچھا کہ تمہارے شوہر نے کیا بات کہی تھی عورت نے بات دہرائی درویش نے کہا کہ جاؤ۔ پانی کے کنارے جا کر پانی سے یہ بات کہو کہ اس درویش کی حرمت سے کہ جس نے تیس سال کی مدت میں کبھی بھی کھانا نہیں کھایا مجھے راستہ دے (اس بات سے) عورت کو اور بھی حیرت ہوئی۔اپنے آپ سے بولی کہ ایک ناممکن بات تو وہ تھی جو میرے شوہر نے کہی تھی۔اور دوسری ناممکن بات یہ ہے جو یہ شخص کہتا ہے۔اس نے ابھی ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے۔ میں یہ بات کیسے کہوں؟ بہر حال ان درویش کے کہنے کے موافق پانی کے کنارے پہنچی اور کہا کہ اے پانی اس بات کی حرمت سے کہ اس درویش نے تیس سال کی مدت میں ایک دفعہ بھی کھانا نہیں کھایا۔ مجھے راستہ دے۔اسی وقت پانی میں شگاف پڑ گیا اور دو پھاٹ ہو گیا اور سوکھا راستہ بیچ میں نکل آیا۔عورت خیر عافیت سے گزر گئی۔ جب اپنے شوہر کے پاس آئی تو ان کے پیروں پڑ کر بولی کہ مجھے ان دو باتوں کا بھید بتاؤ کہ کیا تھا تم نے بھی اتنی بار مجھ سے صحبت کی اور اس درویش نے بھی میرے سامنے کھانا کھایا۔ یہ دونوں جھوٹ میں نے پانی سے بولے اور پانی نے مجھے راستہ دے دیا۔ یہ کیا حکمت تھی؟ شیخ نے کہا کہ سمجھ لو

اور یاد رکھو کہ میں نے تمہارے ساتھ کبھی اپنے نفس کی خواہش پورا کرنے کے لیے صحبت نہیں کی جو صحبت بھی تم سے کی وہ تمہارا حق ادا کرنے کے لیے کی نہ کہ نفسانی خواہشات اور اپنے نفس کے ذوق کے لیے کی۔ پس اس لحاظ سے میں نے گویا تمہارے ساتھ کبھی صحبت کی ہی نہیں۔ اور اس شخص نے ان تیس سالوں میں کوئی کھانا نہ ذوق نفس کے لیے کھایا نہ حصول لذت کے لیے کھایا۔ جب بھی کھایا عبادت کی طاقت حاصل کرنے کے لیے کھایا۔ یہ تھی معنویت ان دونوں باتوں کی۔ یعنی مردانِ خدا جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ خدا کے لیے کرتے ہیں ان کی نیت ہمیشہ اللہ کے لیے ہوتی ہے۔

یہاں سے قدوۃ الاولیاء شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ذکر (خیر) آیا۔ ارشاد ہوا کہ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ جوڑواں۔ ان میں سے ایک کی وفات تو بچپن ہی میں ہوگئی تھی۔ دوسرے بڑے ہوئے۔ لیکن وہ ذرا بھی شیخ پر نہ تھے ان کے احوال اور شیخ کے احوال میں کوئی مناسبت نہیں تھی۔ اس حکایت کے دوران خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبانِ گوہر بار سے فرمایا شیخ قطب الدین کے فرزند شیخ الاسلام فریدالدین نوراللہ مرقدھما تھے۔ القصہ حضرت نے فرمایا کہ جب شیخ کے چھوٹے بچے نے وفات پائی اور حضرت اس کو دفن کر کے واپس آئے اور گھر پہنچے تو شاید حضرت کی بی بی صاحبہ بیٹے کے مرنے پر بہت روئی دھوئیں۔ جب ان کے بین کی آواز شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کو پہنچی تو حضرت ہاتھ ملنے لگے۔ شیخ بدرالدین غزنوی علیہ الرحمۃ والرضوان حاضر تھے وہ آداب بجالائے اور پوچھا کہ یہ افسوس کا ہے کا؟ شیخ نے ارشاد کیا کہ اس وقت مجھے یاد آیا کہ میں نے حق تعالیٰ سے بچے کی زندگی کیوں نہ مانگی۔ اگر میں مانگتا تو وہ عطا فرماتا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ دیکھو دوست کی یاد میں ان کی محویت دیکھو کہ کس درجے تھی کہ بیٹے کی موت زندگی بھی یاد نہیں آئی۔

پھر دعا کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ دعا کے وقت بندے کو چاہیے کہ نہ تو جو گناہ کر چکا ہو۔ ان کا خیال دل میں لائے اور کسی طاعت (وعبادت) کا۔ کیوں کہ اگر اس کا خیال دل میں لائے گا تو یہ غرور ہوگا اور گھمنڈی کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی اور اگر گناہ کا دھیان دل کو ہوگا تو دعا کے یقین میں سستی آئے گی۔ پس دعا کے وقت نظر خاص رحمت حق (تعالیٰ) پر رکھنی چاہیے۔ اور یہ یقین ہونا چاہیے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اگر خدا چاہے۔ مزید فرمایا کہ دعا کے وقت دونوں

ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور سینے کے سامنے ہوں۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے رکھنے چاہئیں اور خاصے بلند رکھنے چاہئیں اور ایسی صورت بنانی چاہیے کہ گویا اسی وقت کوئی چیز اس کے ہاتھ میں ڈالی جائے گی۔ اس درمیان میں یہ معنی بھی بیان فرمائے کہ دل کی تسکین کے واسطے ہے (ورنہ) خدائے عزوجل (خوب) جانتا ہے، کہ کیا کرنا چاہیے۔ پھر مریدوں کے عقیدے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ عرصہ گزرا۔ شہر میں محمد نامی میرے ایک پڑوسی تھے جو ہر سال نارو کے مرض میں مبتلا ہوتے اور بڑی تکلیف اٹھاتے۔ جب میں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی زیارت کا ارادہ کیا تو اس پڑوسی نے مجھ سے کہا کہ جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو میرا حال کہنا اور میرے لیے تعویذ مانگنا اور لانا۔ القصہ جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس شخص کا حال کہا اور تعویذ کی درخواست کی۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہی لکھو۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے تعویذ لکھا اور شیخ کے دستِ مبارک میں دیا۔ شیخ نے اس کو ملاحظہ فرمایا اور پھر مجھے دے دیا اور ارشاد ہوا کہ اسے پہنچا دینا۔ جب میں شہر آیا تو وہ تعویذ اس کو دے دیا باقی عمر اس کو نارو کبھی نہیں ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضور نے اس تعویذ میں کیا لکھا تھا؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا۔ اللہ الشافی۔ اللہ الکافی۔ اللہ المعافی۔ ایک دو کلمے اس کے بعد اور فرمائے جو میرے ذہن سے اتر گئے۔

مریدوں کے اعتقاد کے ضمن ہی میں ارشاد ہوا کہ ایک روز میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ ایک بال حضرت کی مبارک داڑھی سے جدا ہوا اور شیخ کی گود میں گر گیا۔ میں نے عرض کی کہ میری ایک درخواست ہے اگر حضرت شیخ اسے منظور فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ کیا (درخواست) ہے؟ میں نے عرض کی کہ ایک بال آپ کی مبارک داڑھی سے جدا ہو گیا ہے۔ اگر حکم ہو جائے تو میں اسے بطور تعویذ اپنے پاس رکھوں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا ہی کر لو۔ میں نے وہ بال بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ لیا اور کپڑے میں لپیٹا اور اپنے ساتھ شہر لے آیا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر اس حکایت کے دوران آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ اس ایک بال میں کیا کیا اثر میں نے دیکھے جو بھی بیمار اور دردمند میرے پاس آتا اور مجھ سے تعویذ مانگتا میں وہ موئے مبارک دے دیتا، وہ اسے لے جاتا اور کچھ عرصہ اپنے

پاس رکھتا اور اس کے دکھ بیماری دور ہو جاتے۔ تو صحت کے بعد پھر میرے پاس لے آتا۔ چنانچہ میرے ایک دوست تاج الدین مینائی نام کے تھے۔ ان کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ وہ بیمار ہوا تو مینائی میرے پاس آئے اور مجھ سے تعویذ مانگا۔ میں نے تعویذ ایک طاق میں رکھ چھوڑا تھا۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہیں ملا۔ اس طاق کے علاوہ دوسرے طاقوں میں بھی تلاش کیا کہ شاید غلطی سے کہیں اور رکھ دیا ہو لیکن وہ نظر نہ آیا اور میرے دوست مایوس واپس گئے۔ ان کا بچہ اسی بیماری میں گزر گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد کوئی اور آیا اور کسی ضرورت سے وہ تعویذ طلب کیا۔ جب میں نے دیکھا تو اسی طاق میں رکھا دکھائی دیا، جہاں میں ہمیشہ رکھتا تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ چوں کہ ان دوست کا بچہ وفات پانے والا تھا۔ اسی سبب سے تعویذ غائب ہو گیا۔

19
انیسویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی قعدہ کی سولہویں تاریخ بدھ کو دست بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ نظم ونثر کا ذکر نکلا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ جو بھی اچھا شعر سنا جائے تو اس سے لازماً ذوق حاصل ہوتا ہے اور ہر وہ مفہوم جو نثر میں سنا جائے، اگر نظم میں سنیں تو ذوق بڑھ جاتا ہے۔ اچھے ترنم کی بھی یہی کیفیت ہے کہ جیسے اچھے شعر کے سننے سے ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ شعر ترنم کے ساتھ سنا جائے تو ذوق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس درمیان راقم نے عرض کی کہ بندے کو کسی چیز سے اتنی رقت نہیں ہوتی جتنی سماع سے ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اصحاب طریقت اور مشتاقوں کا یہ ذوق ہی تو ہے جو آگ لگاتا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو زندگی کیا ہوتی اور زندگی میں مزہ کیا ہوتا۔ ان معانی کے بیان میں حضور کی آنکھ بھر آئی اور سینہ مبارک سے ایک آہ کھینچ کر فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے خواب میں کچھ دکھایا گیا۔ میں نے یہ مصرع پڑھا اے دوست بدست انتظارم کشتی۔ اے دوست تو نے اپنے انتظار کے ہاتھوں مجھے مار ڈالا اس کے بعد خواب ہی میں اس مصرعے کی تکرار کی تو اس طرح پڑھا۔ اے دوست بزخم انتظارم کشتی! اے دوست تو نے مجھے اپنے انتظار کے گھاؤ سے مار ڈالا۔ جب آنکھ کھلی تو یاد آیا کہ یہ مصرع اس طرح ہے:

اے دوست بہ تیغ انتظارم کشتی

اے دوست تو نے انتظار کی تلوار سے مجھے مار ڈالا۔

بیسویں مجلس [20]

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ سچی ارادت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک فوجی تھا۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ' العزیز کے مریدوں میں۔ اس کو محمد شاہ کہتے تھے۔ وہ جو بھی ارادہ کرتا اس کے بارے میں شیخ کو خواب میں دیکھ لیتا اور جس ہیئت میں شیخ کو دیکھتا اسی کے مطابق خواب کی تعبیر لیتا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ اسی فکر میں تھا کہ ایک رات کو خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا کہ جیسے اجودھن کی طرف جا رہے ہیں۔ جب وہ بیدار ہوا تو اپنے آپ سے بولا کہ مجھے بھی اسی طرف جانا چاہیے۔ نہ اس نے شیخ سے کوئی بات سنی نہ اشارہ دیکھا بس اتنا دیکھا کہ اجودھن جاتے ہیں۔ اس نے ہندوستان کا دورہ چھوڑ دیا اور اجودھن کی طرف روانہ ہو گیا۔ الغرض اس سفر میں اس نے بہت راحت اور آسائش دیکھی۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ محمد شاہ غوری کہلاتے تھے۔ اچھے آدمی تھے۔ آخری عمر میں کعبے کے سفر کو گئے تھے۔ اس کے بعد ان کی کوئی خبر نہیں آئی۔

اکیسویں مجلس [21]

پیر گیارہ ماہِ مبارک محرم سنہ سات سو گیارہ ہجری قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک پیر تھے بڑے بزرگ، ان کی خدمت میں کوئی شخص آیا اور مریدی کی درخواست کر کے بیعت ہو گیا اور اسے خرقہ مل گیا۔ جیسا کہ اس کام کی رسم ہے۔ اس کے کچھ عرصے بعد شیخ کو خبر کی گئی کہ مرید غلط کاموں میں مشغول ہے اور پرانی گناہ گاری میں پھر مبتلا ہو گیا ہے۔ شیخ نے یہ سنا تو اس کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آؤ میرے گھر میں آ کر رہو۔ جو کچھ کرو میرے گھر میں کرو۔ کیوں کہ درویشی اچھائیوں کی جمع کرنے والی ہے اور پردہ پوشی درویشی کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ غرض یہ ہے کہ تم جو کچھ میرے گھر میں کرو گے

میں اس کی پردہ پوشی کروں گا۔ مرید نے یہ بات سنی تو پیر کے قدموں میں سر رکھ دیا اور پکی توبہ کر کے دوبارہ مرید ہوا۔ والحمد للہ علےٰ ذالک۔

اس حکایت کے پورا ہونے کے بعد بندے نے عرض کی کہ قاعدہ ہے کہ پیر مرید کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ اگر مریدوں کے اعمال کو دیکھتا رہے تو کہاں تک دیکھے گا۔ لیکن ان کے اعتقاد کے حال کو دیکھے اور مرید کا اعتقاد درست پائے تو مرید کے لیے اچھی امید ہو سکتی ہے، فرمایا کہ چاہیے کہ خدائے عزوجل کی وحدانیت اور رسول علیہ السلام کی رسالت پر پورا ایمان رکھے۔ اور مرید کو بھی چاہیے کہ پیر کے بارے میں درست اعتقاد رکھے۔ جیسے مومن کا ایمان درست ہو تو وہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر مرید کا اعتقاد درست ہو گا تو لغزش ہو بھی جائے تو اسے مردود نہیں کہا جائے گا۔ امید رہے گی کہ اعتقاد کی برکت سے پھر اصلاح ہو جائے۔

پھر تلاوت قرآن اور حفظ کی برکتوں کا ذکر آیا۔ بندے نے عرض کی کہ اگر یاد کرنے کا موقعہ نہ ملے تو ناظرہ پڑھنا کیسا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا ہے۔ اس میں آنکھ کے لیے بھی ایک حظ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کبیر قدس اللہ سرہٗ العزیز (حضرت بابا فرید) جس کسی سے قرآن یاد کرنے کے لیے کہتے فرماتے کہ پہلے سورہ یوسف یاد کرو کہ جو سورۂ یوسف یاد کر لیتا ہے اس کی برکت سے حق تعالیٰ پورے قرآن کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اسی مناسبت سے ارشاد فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن کو یاد کرنے کی نیت کرتا ہے۔ مگر یاد کرنے نہیں پاتا اور اسی نیت کے ساتھ اس جہان سے رخصت ہو جاتا ہے اس کو جب قبر میں لٹاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور بہشت سے ایک ترنج (بڑا لیمو) لا کر اس کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ وہ شخص اسے کھا لیتا ہے۔ اور تمام قرآن اسے حفظ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حشر کے دن اسے حافظ اٹھایا جاتا ہے۔

پھر ان مولویوں کا ذکر ہونے لگا جو درویشی صفات رکھتے ہیں اور نیک مردوں کے سے اخلاق ان میں ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میں نے تین مولوی اس طرح کے دیکھے ہیں ایک مولانا شہاب الدین جو میرٹھ کے تھے، دوسرے مولانا احمد حافظ اور تیسرے مولانا کیتھلی۔

مولانا احمد کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ حافظ تھے اور اللہ کے نیک بندے تھے۔ ایک دفعہ

میں شیخ کبیر (بابا صاحب) کی وفات کے بعد ان کی زیارت کے ارادے سے نکلا تو سرسی کے قریب میں ان مولانا احمد سے ملا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ جب شیخ کبیر کے روضے پر پہنچو تو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں دنیا نہیں چاہتا۔ اس کے طلب گار اور بہت سے ہیں اور عقبیٰ کی خواہش بھی نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے مسلمان مارے اور صالحین سے ملائے۔

پھر مولانا کیتھلی کی بزرگی کا حال بیان فرمایا کہ بڑے برکت والے بزرگ تھے۔ اگرچہ مرید کسی کے نہ تھے۔ لیکن صحبت بہت سے لوگوں اور مردانِ خدا کی اٹھائی تھی، جب میں نے انھیں پہلی ملاقات کے وقت دیکھا تو ان کے بیان اور ان کی ہیئت سے معلوم ہو گیا کہ یہ واصلانِ حق میں سے ایک ہیں۔ میرے دل میں ایک سوال تھا۔ وہ ان سے پوچھا۔ جواب دیا کہ یہ بات اس طرح ہوگی اور وہ اس طرح۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے یہ حکایت بیان کی اور آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اگر یہ مشکل بات اگر سو مجتہد دانشمندوں سے پوچھی جاتی تو حل نہ ہوتی ان کے اخلاق کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ وہ میرے پاس آئے۔ مبشر جو خدمت گار ہے۔ اس وقت بچہ سا تھا شائد اس نے کوئی بے ادبی کی۔ ایک لکڑی اس کے ماری گئی۔ مولانا کیتھلی نے ایسی تکلیف کا اظہار کیا کہ گویا وہ لکڑی خود ان کے ماری گئی ہو۔ رونے لگے اور بولے کہ یہ میری بدبختی تھی کہ اسے یہ تکلیف پہنچی، خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ان کی رقت اور شفقت سے میرا دل بھی بھر آیا۔

ایک اور حکایت ان کی بزرگی کے بارے میں بیان فرمائی کہ میں نے ان سے سنا کہ ایک سال دہلی میں قحط پڑا جس زمانے میں ملک قطب الدین حسن کا واقعہ ہوا ہے۔ میں کپڑا مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ بھوکا تھا۔ میں نے کھانا خریدا اور اپنے آپ سے کہا کہ اس کو اکیلے نہیں کھانا چاہیے۔ کسی کو دعوت دینی چاہیے تاکہ اس کے ساتھ ہم لقمہ ہو جاؤں۔ ایک گدڑی پوش فقیر کو دیکھا کہ چیتھڑے لگائے میرے سامنے سے جا رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اے خواجہ میں بھی درویش ہوں اور تم بھی درویش ہو۔ میں بھی مسافر ہوں اور تم بھی مسافر نظر آتے ہو۔ تھوڑا سا کھانا ہے۔ آؤ ہم لقمہ ہو جائیں۔ درویش نے منظور کر لیا۔ ایک باورچی کی دکان پر ہم چڑھے اور اس کھانے کو کھایا۔ اس دوران میں نے اس درویش سے مخاطب ہو کر کہا۔ میاں مجھ پر بیس تنکے قرض ہیں آپ توجہ فرمائیں کہ یہ قرض ادا ہو جائے۔ وہ درویش کہنے [illegible] کہ تم اطمینان

سے کھانا کھالو۔ میں تم کو بیس تنکے دے دوں گا۔ مولانا کیتھلی کہتے تھے کہ میں نے دل میں سوچا کہ اس پھٹی ہوئی گدڑی والے کے پاس بیس تنکے کہاں سے آئیں گے جو مجھے دے گا۔ خیر جب کھانا کھا کر اٹھے تو وہ مجھے ساتھ لے کر چلا اور مسجد[1] کی طرف گیا۔ مسجد کے پیچھے ایک قبر تھی اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور کچھ پڑھنے لگا۔ اور ایک چھوٹی سی چھڑی کو جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ ایک دو دفعہ آہستہ سے قبر پر مارا اور بولا اس درویش کو بیس تنکوں کی ضرورت ہے ان کو دے دو۔ یہ کہا اور میری طرف منہ کر کے مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا جاؤ۔ بیس تنکے تمہیں مل گئے۔ مولانا کیتھلی کہتے تھے کہ میں نے یہ بات سن کر اس درویش کے ہاتھ چومے اور اُس سے رخصت ہو کر شہر کی طرف تعجب کرتا ہوا آ رہا تھا کہ وہ بیس تنکے مجھے کہاں سے ملیں گے۔ میرے پاس ایک خط تھا جو کسی کے گھر پہنچانا تھا۔ اسی روز وہ خط لے کر روانہ ہوا۔ دروازہ کمال کے پاس ایک ترک اپنے مکان کے چھجے پر بیٹھا تھا مجھے دیکھ کر اس نے آواز دی اور غلاموں کو دوڑایا جو مجھے بڑے اصرار سے اوپر لے گئے۔ مجھ سے وہ ترک بڑے تپاک سے ملا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن اسے پہچان نہ سکا۔ وہ ترک بولا کہ کیا آپ وہ مولوی صاحب نہیں ہیں۔ جنھوں نے میرے ساتھ فلاں جگہ ایسی ایسی بھلائی کی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ میں آپ کو جانتا بھی نہیں۔ ترک نے جواب دیا کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ اپنے آپ کو کیوں چھپاتے ہو۔ غرض یہ کہ اسی طرح کی بہت باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے بیس تنکے منگا کر بڑی عاجزی کے ساتھ میرے ہاتھ میں دیئے۔

خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے انہی مولانا کیتھلی کے بارے میں فرمایا کہ وہ کھانا اکیلے نہیں کھایا کرتے تھے۔ (صرف) یہی اچھی عادت بہت تھی۔ دوسرے اخلاق کیسے کچھ نہ ہوں گے۔ اس کے بعد ان کا ایک اور واقعہ سنایا کہ میں ایک دفعہ سفر کے دوران سرسی کے قریب پہنچا تو سنا کہ کل اس علاقے میں قافلہ لٹا ہے اور بہت سے مسلمان، ڈاکوؤں کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ انہیں میں ایک مولوی صاحب بھی تھے جن کو کیتھلی کہتے تھے۔ وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ تلاوت کے دوران انہیں شہید کر دیا گیا۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میرے دل میں خطرہ

1- نماز گاہ سے مراد مسجد کے علاوہ وہ جگہ بھی ہو سکتی ہے جسے نماز کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں۔ اور مصلےٰ کہتے ہیں۔ اس جگہ پر مسجد کے قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔

گزرا کہ کہیں یہ وہی مولانا کیتھلی نہ ہوں۔ دوسرے روز مرنے والوں کی لاشوں کے پاس جا کر فاتحہ پڑھی اور تحقیق کیا تو پتہ چلا کہ وہی مولانا کیتھلی تھے جو شہید ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بھرپور رحمت سے نوازے۔

بائیسویں22 مجلس

اسی سال ربیع الاوّل کے مبارک مہینے کی تیسری تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اس بار ایک مہینے کے بعد جانا ہوا تھا اور کبھی غیر حاضری کی مدت اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ قدم مبارک چومے گئے تو دو تین اور اشخاص بھی چہیتے مریدوں میں سے موجود تھے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم فاضلوں کا ذکر کر رہے تھے کہ تم آ گئے۔ بندے نے دوبارہ جھک کر زمین چوم لی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ خواجہ شمس الملک علیہ الرحمہ کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی شاگرد حاضری ناغہ کرتا یا کوئی دوست مدت کے بعد آتا تو کہتے کہ میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آئے۔ اس کے بعد تبسم کر کے فرمایا کہ اگر کسی سے مزاج کرتے تب بھی یہی بات کہتے کہ ذرا یہ بتاؤ کہ میں نے کیا کیا تھا جو تم نہیں آئے۔ تا کہ میں پھر وہی کروں! اس کے بعد فرمایا کہ اگر میری غیر حاضری ہوتی یا دیر میں پہنچتا تو خیال کرتا کہ مجھ سے بھی ایسا ہی کچھ فرمائیں گے۔ مگر مجھ سے کہتے کہ!

اتنا تو کرو کہ کبھی کبھی آؤ اور ہمیں دیکھ جاؤ۔ (ہماری طرف ایک نگاہ کرو!......) خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر یہ شعر پڑھتے وقت اس طرح آنکھوں میں آنسو بھر لائے کہ حاضرین بھی رونے لگے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ جس زمانے میں آپ شمس الملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ آپ کو تعظیم دیتے تھے اور جھروکے میں جو خاص ان کے بیٹھنے کی جگہ تھی وہاں آپ کو بٹھاتے تھے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں اس چھجے پر جہاں وہ بیٹھتے تھے وہاں قاضی فخر الدین ناقلہ یا مولانا برہان الدین باقی کے سوا اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ مجھ سے خاص اُسی جگہ کے لیے فرماتے کہ بیٹھو۔ میں کہتا کہ وہ آپ کی جگہ ہے مگر وہ کوئی عذر نہ سنتے اور لازماً اسی جگہ بٹھاتے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ کیا وہ کبھی کوئی مشغلہ بھی رکھتے تھے؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں کسی وقت وہ مستوفی (اکاؤنٹنٹ) ہو گئے

تھے۔ خواجہ تاج الدین ریزہ نے ان کے بارے میں یہ شعر کہا ہے:

اے صدر اب تم دوستوں کی تمنا کے مطابق ہندوستان کے مستوفی
ممالک (آڈیٹر جنرل) ہو گئے ہو۔

بندے نے عرض کی کہ خواجہ شمس الملک کی بزرگی اور عملی کمال تو معلوم ہے لیکن خبر نہیں وہ درویشوں سے بھی کچھ تعلق اور محبت رکھتے تھے یا نہیں۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اچھا عقیدہ رکھتے تھے۔ میری جو تعظیم وہ کرتے تھے۔ یہی ان کے اچھے اعتقاد کی دلیل ہے۔ الحمدللہ رب العالمین۔

تیئیسویں[23] مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاوّل کی چوبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اس روز چند مریدوں نے ایک ساتھ قدم بوسی کی۔ دریافت فرمایا کہ کیا تم سب ایک ساتھ آئے ہو؟ عرض کی گئی کہ ہر شخص گھر سے تو الگ الگ آیا تھا۔ یہاں آکر جمع ہوئے ہیں فرمایا کہ الگ الگ آنا بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے یہی فرمایا ہے کہ الگ الگ آنا بہتر ہے کہ العین حقٌ۔ (نظر لگنا برحق ہے)

پھر یہ ذکر آیا کہ نظر لگنا بھی برحق ہے اور جادو بھی برحق ہے۔ فرمایا کہ یہ وہ حق نہیں ہے باطل کی ضد ہے۔ نظر اور جادو کا اثر ہوتا ہے۔ معتزلہ اسے نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جادو اور نظر کا اثر فوراً ظاہر نہیں ہوتا اس لیے یہ محض وہم ہے۔ لیکن ان کا کہنا درست نہیں ہے۔

جادو کے سلسلے میں معجزہ اور کرامت کا ذکر نکلا کہ اس کے چار درجے ہیں۔ معجزہ اور کرامت اور معونت اور استدراج! معجزہ انبیاء کی چیز ہے جن کا علم بھی کامل ہوتا ہے اور عمل بھی کامل ہوتا ہے۔ اور وہ صاحب وحی ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دکھاتے ہیں معجزہ ہوتا ہے۔ لیکن کرامت اولیاء سے متعلق ہوتی ہے۔ علم و عمل ان کا بھی مکمل ہوتا ہے فرق بس یہ ہے کہ وہ مغلوب ہوتے ہیں اور ان سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ کرامت کہلاتا ہے۔ مگر معونت اسے کہتے ہیں کہ بعض دیوانے جو نہ علم رکھتے ہیں نہ عمل ان سے کبھی کبھی کوئی بات خلاف[1] عادت سرزد ہوتی

1- خلاف عادت سے مراد ہے وہ بات جو سائنٹیفک حقیقتوں کے خلاف ہو۔

دکھائی دیتی ہے، اسے معونت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح استدراج اسے کہتے ہیں کہ ایک گروہ جو قطعاً ایمان نہیں رکھتا جیسے جادوگر وغیرہ ان سے کوئی چیز نظر آتی ہے۔ یہ استدراج کہلاتی ہے۔

پھر اطوار کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ یہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک حس کا طور، دوسرا عقل کا طور اور تیسرا قدس کا طور۔ اور اس کا تعلق دو قسموں سے ہوتا ہے۔ کسبی اور بدیہی[1]۔ طور قدس کا انحصار بھی انہیں دو قسموں یعنی کسبی اور بدیہی پر ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص عالم قدس میں پہنچ جاتا ہے وہ عقل سے کسب کی ہوئی (حاصل کی ہوئی) چیزوں کو بھی بدیہی طور پر جاننے لگتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب عالم قدس کی بدیہی چیزیں ایسی ہیں تو کسبی کیسی کچھ نہ ہوں گی۔ یہ انبیاء اور اولیاء کا کام ہے۔ پھر فرمایا کہ جس شخص پر عالم قدس کا دروازہ کھول دیا جائے اس کی شناخت کیا ہوگی؟ کیونکہ عالم عقل میں جب کوئی مسئلہ کسی شخص کے سامنے آتا ہے تو وہ بدیہی اور کسبی (علم) سے حاصل کر لیتا ہے اور اس کی خوشی میں ایسا مگن ہوتا ہے کہ اس کو عالم قدس کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ اس دوران ایک بزرگ سے روایت فرمائی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ غیب سے کوئی چیز دل میں آئے گی تو انشاء اللہ اسے قلم بند کرلوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے بہت کچھ تحریر کیا مگر آخر میں یہی بات کہنی پڑی کہ اتنا کچھ لکھنے کے باوجود جو مقصود تھا وہ قلم بند نہ ہو سکا۔

اس کے بعد معتزلہ کی باتوں کا ذکر چھڑ گیا کہ وہ حکم لگاتے ہیں کہ کافر اور کبیرہ گناہ کرنے والے (یکساں) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ارشاد ہوا کہ یہ بات غلط ہے مذہب تو یہ کہتا ہے کہ کافر مستقل عذاب میں رہیں گے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جن چیزوں کی پوجا کرتے ہیں وہ ان کے معبود ہیں اور ان کا کفر کا یہ عقیدہ دائم ہے۔ چونکہ کفر پر ان کا اعتقاد دائم ہے۔ پس اس کا عذاب بھی دائم ہوگا۔ البتہ بڑے بڑے گناہ کرنے والے مستقل اور برابر گناہ میں نہیں رہتے۔ جب وہ گناہ کر چکتے ہیں تو اس وقت یہ بھی سوچتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا غلط کیا۔ اور یہ جائز نہ تھا۔ پس چونکہ بڑے گناہوں میں ان کا اعتقاد پکا نہیں ہوتا، ان کا عذاب بھی ہمیشہ نہیں رہے گا۔

پھر زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ گناہ گار گناہ کرتے وقت تین حیثیت سے (خدا کا)

1- جو کسی دلیل کی محتاج نہ ہو۔ کھلی ہوئی چیز۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ سورج اپنی دلیل خود ہوتا ہے۔ سورج نکلنے کے بعد اسکے وجود کو جاننے اور سمجھنے کیلئے کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ایک جانی بوجھی چیز ہوتا ہے۔

اطاعت گزار ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ جائز نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ وہ جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ واقف ہے اور دیکھ رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کو بخشش کی آس بھی لگی رہتی ہے۔ یہ تینوں عقیدے رکھنا اطاعت گزاروں کا کام ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اشعریہ مذہب میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ جو کافر اپنے خاتمے کے وقت ایمان پر ہو۔ اس کا حال مومنوں کا سا رہے گا۔ اور وہ مومن جس کا خاتمہ پناہ بخدا کفر پر ہو۔ اس کا حال کافر کا حال ہے۔ اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ حمید الدین سوالی رحمۃ اللہ علیہ نے ناگور میں ایک ہندو کے بارے میں بار بار یہ بات کہی کہ یہ خدا کا ولی ہے۔

اسی ضمن میں ابو حنیفہ قدس اللہ سرہٗ العزیز کا قصہ سنایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا قیامت کے دن کافر دوزخ میں ہوں گے۔ بولے نہیں! لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافر عذاب اور اپنے کرتوت کے پھل کو دیکھیں گے تو ایمان لے آئیں گے۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ لیکن ان کا یہ ایمان کچھ مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان تو وہ ہوتا ہے جو غیب پر لایا جائے وہ (کافر) قیامت کے دن سب کے سب ایمان لے آئیں گے۔ اور اس سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ سب دوزخ میں جائیں گے۔ اگرچہ کہ وہ ایمان لا چکے ہوں گے اسی کے مناسب حال ارشاد ہوا کہ اس آیت "نہیں پیدا کیا جنوں کو اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ عبادت کریں" اس آیت میں ابن عباس کے قول کے مطابق اِلّا لیوحدون ہے۔ یعنی انسان اور جن سب ایک خدا کو مانیں اور جو یہاں موحد ہے (خدا کو ایک مانتا ہے) وہ غیب کے ایمان کے ساتھ ہے۔ اور کل جب کافر قیامت کے عذاب کو دیکھیں گے تو خدا کی وحدانیت کا اقرار کریں گے پس لیوحدون درست ہوگا۔

پھر ارشاد ہوا کہ جس کو بھی دیکھے اپنے سے بہتر خیال کرے۔ چاہے یہ اطاعت گزار ہو اور وہ گناہ گار! کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس کی اطاعت، اطاعتوں میں آخری اطاعت اور اس کا گناہ، گناہوں میں آخری گناہ ہو۔

اس کے بعد خواجہ حسن بصری نور اللہ مرقدہٗ کا قصہ بیان فرمایا جو فرماتے تھے کہ میں نے جس کسی کو دیکھا اپنے سے بہتر خیال کیا۔ سوائے ایک دن کے کہ اس کی سزا میں نے بھگتی ہو! یہ کہ ایک روز میں نے کسی حبشی کو دیکھا کہ پانی کے کنارے بیٹھا ہے اور پہلو میں قرابہ (صراحی)

دھری ہے۔ وقتاً فوقتاً اس میں سے کسی چیز کے گھونٹ بھرتا ہے اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ چلو اس سے تو میں اچھا ہی ہوں۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک کشتی پانی میں ڈوبنے لگی۔ سات آدمی اس کشتی میں تھے۔ ساتوں کے ساتوں ڈوبنے لگے۔ حبشی نے فوراً پانی میں چھلانگ لگا دی اور چھ آدمیوں کو پانی میں سے نکال لایا۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا اے حسن اس ایک آدمی کو تم نکال لاؤ۔ خواجہ حسن فرماتے ہیں کہ میں حیران کھڑا رہ گیا۔ پھر مجھ سے بولا کہ اس صراحی میں پانی ہے اور یہ عورت جو میرے پہلو میں بیٹھی ہے یہ میری ماں ہے۔ میں تمہارے امتحان کے لیے یہاں بیٹھا تھا۔ جاؤ ابھی تم صرف ظاہر دیکھنے والے آدمی ہو!

پھر تلاوت قرآن کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ قرآن کو ترتیل اور تردید کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ تردید کا کیا مطلب ہے۔ ارشاد ہوا کہ جس آیت سے پڑھنے والے کو ذوق اور رقت حاصل ہو اس کی تکرار کرنی چاہیے۔ اس وقت فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام کچھ پڑھنا چاہتے تھے۔ جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا تو اس بسم اللہ ہی میں ان کے مبارک دل پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور بیس دفعہ اس کی تکرار فرمائی۔

اس کے بعد فرمایا کہ قرآن خوانی کے آٹھ آداب ہیں۔ ان میں سے پانچ بیان فرمائے۔ اوّل یہ کہ قرآن پڑھتے وقت پڑھنے والا اللہ سے لو لگائے رکھے اور اگر یہ چیز میسر نہ ہو تو چاہئے کہ جو کچھ پڑھتا ہو اس کے معانی دل پر گزارے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو چاہیے کہ قرآن خوانی کے وقت اللہ کے عظمت وجلال کو اپنے دل پر طاری رکھے۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ یہ بات بھی تو وہی تعلق بجق ہے جس کو پہلے ادب کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ نہیں وہ ذاتِ حق سے متعلق ہے اور یہ صفات سے متعلق ہے۔ چوتھا ادب یہ بیان فرمایا کہ تلاوت کے وقت شرم غالب ہونی چاہیے کہ میں اس دولت کے لائق کہاں۔ میرے لیے اس سعادت کا موقعہ کیسے؟ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اتنا سمجھے کہ اس قرآن خوانی کا اجر دینے والا اللہ تعالےٰ ہے۔ وہ مجھے ضرور ثواب عطا فرمائے گا۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ جب بھی بندہ قرآن مجید پڑھتا ہے تو جو کچھ اس کے کھلے معانی معلوم ہوتے ہیں وہ دل پر گزارتا ہے۔ اور اگر تلاوت کے دوران بندے کا دھیان بھٹکتا ہے یا کسی اور فکر میں دل مشغول ہوتا ہے

تو میں اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ یہ کیسا دھیان ہے اور یہ کیسے پاگل پن کے خیالات ہیں۔ (اور پھر) اپنے دل کو ان کے معانی میں مشغول کر لیتا ہوں۔ اسی وقت کسی ایسی آیت پر پہنچ جاتا ہوں جو مذکورہ بالا خطراتِ قلب اور بے دھیانی کو روکنے والی ہوتی ہے۔ یا ایسی (کوئی) آیت سامنے آتی ہے جس میں دل کی اس مشکل کا حل ہوتا ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ بہت اچھی چیز ہے۔ اس کو بنائے رکھنا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

24
چوبیسویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک ربیع الثانی کی دوسری تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ ترک دنیا کا تذکرہ آیا۔ فرمایا کہ اصل دانشمندی یہ ہے کہ دنیا سے پرہیز کیا جائے۔ اس بات کی مناسبت سے ارشاد ہوا کہ اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ میرے مال کا تہائی میرے بعد اس آدمی کو دینا جو انسانوں میں سے زیادہ عقلمند ہو تو اس کا فیصلہ کس طرح ہوگا۔ فرمایا کہ اس کا فیصلہ یہ ہوگا کہ وہ مال ایسے شخص کو دیا جائے گا جو تارک دنیا ہو۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ جب وہ شخص تارک دنیا ہوگا تو اسے قبول کیوں کرے گا۔ فرمایا کہ بات تو اسی ترکے کے صَرف کرنے کی ہے۔ اس کو کہاں دیا جائے۔ اس مقام پر حکم اس کے خرچ کا ہے۔ (یعنی تارک دنیا کو وہ مال دیا جائے گا) اس بات کے مناسب حال ارشاد ہوا کہ دنیا یہ سونا چاندی اسباب وغیرہ ہی نہیں ہے۔ کسی بزرگ سے روایت فرمائی کہ وہ فرماتے تھے کہ بطنک دُنیاک، تمہارا پیٹ تمہاری دنیا ہے جتنا کم کھاؤ گے تارکانِ دنیا میں سے ہوگے اور جتنا پیٹ بھر کے کھاؤ گے اتنے ہی تارکانِ دنیا میں سے نہ ہوگے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ شیطان کہتا ہے کہ میں اس پیٹ بھرے سے جو نماز پڑھ رہا ہو گلے ملتا ہوں۔ پس اسی سے اندازہ کر لو کہ جب یہ پیٹ بھرا نماز پڑھ چکتا ہوگا تو میں اس پر کس قدر غالب آ جاتا ہوں گا۔ اور اس بھوکے سے جو سو رہا ہو۔ میں ذرا دور دور ہی رہتا ہوں۔ پس جب یہ بھوکا نماز پڑھتا ہوگا تو ذرا اندازہ کرو کہ اس سے میری نفرت کس درجے ہوتی ہوگی۔

یہاں سے گفتگو شیطان اور اس کے وسوسوں اور آدم زاد پر اس کے غلبے کے بارے میں ہونے لگی۔ فرمایا کہ خناس ایک دیو ہے جو فرزند آدم کے دل پر ہمیشہ (سوار) رہتا ہے۔ البتہ

جب آدمی ذکر حق میں مشغول ہوتا ہے تو وہ دفع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا علاؤ الدین ترمذی نے نوادرالاصول میں لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا میں آئے تو ایک روز حوا بیٹھی تھیں کہ ابلیس آیا اور خناس کو ساتھ لایا۔ اور حوا سے بولا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس کو اپنے پاس رکھنا یہ کہا اور چل دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام آئے تو خناس کو دیکھا اور پوچھا کہ یہ کون ہے۔ حوا نے کہا کہ اسے ابلیس لایا تھا اور کہتا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس کو اپنے پاس رکھنا۔ آدم نے کہا کہ تم نے ہاں کیوں کرلی۔ وہ تو ہمارا دشمن ہے۔

پس آدم علیہ السلام نے خناس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ اور چار پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیئے۔ جب آدم علیہ السلام چلے گئے تو ابلیس نے حوا سے آ کر پوچھا کہ خناس کہاں ہے۔ حوا نے جواب دیا کہ آدم نے اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے اور چار پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیئے۔ ابلیس نے جب یہ سنا تو آواز دی اے خناس! خناس اسی وقت اپنی اُسی پرانی شکل میں آن موجود ہوا۔ جب ابلیس واپس چلا گیا تو آدم علیہ السلام آئے اور پھر خناس کو کھڑے دیکھا۔ اور پوچھا کہ کیا حال ہے۔ سناؤ کیا ماجرا ہوا؟ حضرت آدم نے اس دفعہ خناس کو قتل کیا اور جلایا اور ذرہ ذرہ کر ڈالا اور ان ذرات کو پانی میں بہا دیا۔ جب آدم رخصت ہو گئے تو ابلیس پھر آ گیا۔ اور خناس کا حال دریافت کیا۔ اور حوا نے صورتحال بیان کی۔ ابلیس نے آواز دی اور خناس (وہ) فوراً حاضر ہو گیا۔ جب ابلیس چلا گیا تو حضرت آدم آئے اور خناس کو بھیڑ بنے موجود دیکھا اور سارا ماجرا معلوم کیا۔ اس دفعہ خناس کو جو بھیڑ کی صورت میں تھا کاٹا اور پکایا اور کھا گئے۔ اسی درمیان ابلیس آیا اور آواز دی اے خناس! خناس نے آدم کے دل میں سے جواب دیا لبیک، لبیک، حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ ابلیس بولا وہیں رہ میرا مقصود بھی یہی تھا!

پچیسویں مجلس 25

اسی سال جمادی الاوّل کے مہینے کی پندرہویں تاریخ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ قرآن مجید کی فال کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ قرآن مجید کی فال جو دیکھتے ہیں اس کے بارے میں کچھ آیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں اس بارے میں ایک حدیث بھی آئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب قرآن مجید کو فال کے لیے کھولیں تو چاہیے کہ سیدھے ہاتھ سے کھولیں اور

الٹے ہاتھ سے مدد نہ لیں۔

اس کے بعد اسی سلسلے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے شیخ بدرالدین غزنویؒ سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں جب غزنی سے لاہور آیا تو اس زمانے میں لاہور خوب آباد اور بارونق تھا۔ کچھ عرصے وہاں ٹھہرنے کے بعد میرا ارادہ پھر وہاں سے سفر کرنے کا ہوا۔ ایک دل کہتا تھا کہ دہلی چلو اور ایک دل کہتا تھا کہ دوبارہ غزنی واپس ہو جاؤ۔ اسی اندیشے میں دو دِلا ہو رہا تھا اور طبیعت کا زیادہ رجحان غزنی جانے کی طرف تھا۔ کیونکہ میرے ماں باپ اور اقربا اور دوست (سب) وہیں تھے۔ اور دہلی میں ایک داماد کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ الغرض میں نے ارادہ کیا کہ قرآن مجید میں فال دیکھوں۔ ایک بزرگ کی خدمت میں جا کر پہلے غزنی کے خیال سے فال دیکھی تو عذاب کی آیت نکلی۔ پھر دہلی کی نیت سے دیکھا تو جنت اور اس کی نہروں اور بہشت کے بیان میں آیت آئی۔ اگرچہ کہ میرا جی غزنی (جانے) کی طرف تھا۔ مگر فال کے حکم کے موافق میں دہلی آ گیا۔ جب شہر پہنچا تو سنا کہ میرا داماد قید میں ہے۔ میں بادشاہ کے محل کی طرف آیا تاکہ اس کا حال معلوم کروں (مگر) میں نے دیکھا کہ وہ محل سے باہر آ رہا ہے۔ ایک چادرہ ہاتھ میں ہے اور اس چادرے میں چاندی کے سکے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی لپٹ گیا۔ خوش ہوا اور اپنے گھر لے گیا اور وہ روپیہ میرے سامنے رکھ دیا۔ رقم (دیکھ کر) مجھے خاطر جمعی میسر آئی۔ انہی دنوں کچھ عرصے بعد سنا کہ غزنی سے خبر آئی کہ مغل اس علاقے میں پہنچے اور میرے ماں باپ اور سب رشتے داروں کو شہید کر دیا۔

اس کے بعد بندے نے عرضداشت کی کہ بدرالدین غزنوی جب یہاں آئے تو کیا اس وقت شیخ قطب الدین بختیار کی ارادت سے مشرف ہوئے؟ فرمایا کہ ہاں!

یہاں سے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ المبارک کا ذکر (خیر) آیا کہ ان کا کام کچھ اور ہی تھا۔ انھوں نے خلق کو چھوڑ جنگل بیابان اختیار کیا۔ یعنی اجودھن میں جا کر رہے اور فقیروں کی روٹی اور جو کچھ اس علاقے میں پیدا ہوتا ہے جیسے پیلو وغیرہ۔ اس پر قناعت کی۔ لیکن اس کے باوجود خلقت کی آمدورفت کی کوئی حد نہ تھی۔ خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک یا کچھ کم زیادہ کھلا رہتا یعنی برابر کھلا ہی رہتا اور روپیہ اور کھانا اور باری تعالےٰ کے کرم سے جو نعمت بھی موجود ہوتی۔ اس میں سے آنے جانے والوں کو حصہ ملتا۔ کوئی شخص ان کی خدمت میں ایسا نہ

آتا جسے کچھ نہ کچھ عطا نہ کیا جاتا ہو۔ عجیب قوت اور عجیب زندگانی تھی۔ بنی آدم میں سے کسی کو میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر کبھی کوئی شخص ایسا آتا جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اسی وقت کسی ایسے کی بھی حاضری ہوتی جو برسوں کا واقف کار ہوتا تو دونوں کے ساتھ یکساں بات چیت ہوتی اور توجہ اور مہربانی دونوں پر برابر کی جاتی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے بدرالدین اسحٰق رحمت اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں محرم (راز) خادم تھا۔ جو بات بھی ہوتی مجھ سے فرماتے اور جس کام کے لیے بھی مجھے متعین فرماتے تو سب کے سامنے اور پیچھے ایک ہی بات فرماتے۔ کبھی بھی تخلیے میں مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی اور کوئی کام ایسا نہیں بتایا کہ جسے سب کے سامنے جوں کا توں مجھ سے نہ کہا ہو۔ یعنی ظاہر و باطن میں ان کی ایک روش تھی اور یہ بات عجائب روزگار میں سے ہے!

چھبیسویں 26 مجلس

اسی سال جمادی الثانی کے مہینے کی بارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی، فاتحہ کا ذکر آیا کہ اسے مراد پوری ہونے کے لیے بہت پڑھا جاتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جس کسی کو کوئی مہم اور مشکل کام درپیش ہو وہ فاتحہ کو اس طرح پڑھے۔ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور الرحیم کے میم کو الحمد للہ کے لام کے ساتھ ملا کر پڑھے۔ یعنی اس طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ اور جب یہاں پہنچے الرحمٰن الرحیم تو الرحمٰن الرحیم کو تین مرتبہ پڑھے اور جب سورۃ پوری ہو جائے تو تین دفعہ آمین کہے۔ حق تعالیٰ ان کی مہم کو پورا فرماتا ہے۔

فاتحہ کے ہی ذکر میں ارشاد ہوا کہ جو کچھ پورے قرآن میں موجود ہے وہ دس چیزیں ہیں۔ اور ان دس چیزوں میں سے آٹھ چیزیں فاتحہ میں موجود ہیں۔ وہ دس چیزیں جو قرآن میں ہیں کون سی ہیں؟ ذات وصفات اور افعال اور آخرت کا ذکر اور تزکیہ اور تخلیہ اور اولیاء کا ذکر دشمنوں کا ذکر اور کافروں سے معرکہ آرائی (جہاد) اور احکام شرع۔

پھر فرمایا کہ ان دس چیزوں میں سے آٹھ چیزیں سورہ فاتحہ میں موجود ہیں جیسے الحمد للہ (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) ذات ہے رب العالمین (جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا) افعال الرحمٰن الرحیم (جو رحمٰن ہے اور رحیم ہے) صفات۔ مالک یوم الدین (مالک ہے آخرت

کے دن کا) ذکر آخرت ایاک نعبد (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) تزکیہ، وایاک نستعین (اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) تخلیہ، اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم (ہمیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا) اولیاء کا ذکر۔ غیر المغضوب علیہم والا الضالین (ان کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا) دشمنوں کا ذکر۔ پس ان دس چیزوں میں سے جو سارے قرآن میں ہیں آٹھ فاتحہ ہی میں مل جاتی ہیں بس کفار سے جہاد اور احکام شرع نہیں ہیں۔

پھر حجت الاسلام امام غزالیؒ کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ تحقیق سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ انھوں نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان ہے۔ روزہ نصف صبر ہے اس کا کیا مطلب ہوا؟ پہلے صبر کی حقیقت کے بارے میں فرمایا کہ صبر کیا ہے؟ فرمایا کہ صبر خواہشات کو ابھارنے والے جذبہ کے مقابلے میں حق کو ابھارنے والا جذبہ ہے۔ پھر فرمایا خواہشات کو ابھارنے والی دو چیزیں ہیں، غصہ اور شہوت اور روزہ شہوت کو مار رکھتا ہے۔ اسی لیے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ روزہ نصف صبر ہے۔ اور دوسرے انھوں نے یہ جو کہا ہے صبر نصف ایمان ہے تو یہ اس وجہ سے کہا کہ ایمان کی صفات دو ہیں۔ عقائد اور اعمال۔ صبر ایمان کا نصف یوں ہوا۔

پھر شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی (کتاب) عوارف کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ میں نے عوارف کے پانچ باب شیخ کبیر فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے سامنے پڑھے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ بھی کیا بیان ہوتا تھا جو حضرت فرماتے تھے۔ ایسا (بیان) کسی اور سے ہرگز ممکن نہیں۔ بارہا ان کے ذوقِ بیان میں آدمی ایسا کھو جاتا تھا کہ جی چاہتا کیا ہی اچھا ہو کہ اسی وقت دم نکل جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب یہ کتاب شیخ کی خدمت میں پیش کی گئی تو اسی روز شیخ کے ہاں صاحبزادے پیدا ہوئے تھے ان کا لقب شہاب الدین رکھ دیا۔

پھر اس کا ذکر آیا جو بات کسی بزرگ اور صاحب نعمت سے سنی جائے اس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اگر وہی بات کسی اور سے سنی جائے تو کچھ مزہ نہیں دیتی۔ گویا اس بات کا سرچشمہ معرفت کے نور سے روشن ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک صالح اور صاحب نعمت بزرگ کسی مسجد میں

امامت کرتے تھے۔ اور نماز کے بعد مشائخ کے ملفوظات اور احوال کے بارے میں کچھ بیان کرتے تھے۔ (جس سے) سننے والوں کو بڑا لطف آتا تھا۔ ان لوگوں میں ایک شخص نابینا بھی تھا۔ وہ بھی ان کلمات سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ ایک روز امام صاحب موجود نہیں تھے، موذن ان کی جگہ جا بیٹھا اور حسب معمول مشائخ کی حکایات اور ان کے حالات بیان کرنے لگا جو اس نے امام صاحب سے سن رکھے تھے۔ جب اس موذن کی آواز نابینا کے کان میں گئی تو پوچھنے لگا کہ یہ مشائخ کی باتیں اور ان کی حکایات کون بیان کر رہا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ آج امام (صاحب) غیر حاضر ہیں۔ موذن ان کی جگہ بیٹھا ہے اور یہ حکایتیں وہ بیان کر رہا ہے۔ نابینا بولا کہ ہم یہ کلمات ہر تر دامن (گناہ گار) سے سننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے کہ جس آدمی کے معاملات اچھے نہ ہوں اس کی بات ذوق نہیں دیتی۔ پھر شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھا:

بزبان ہر کہ جز من ہر وو حدیث عشقت

چو معاملہ ندارد سخن آشنا نباشد

میرے سوا جس کی زبان پر تیرے عشق کی بات آئے گی وہ دل کو نہ لگے گی۔ کیونکہ جو معاملہ نہیں رکھتا، اس کی بات جی کو نہیں لگتی۔

27
ستائیسویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی اٹھارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اسی روز غلام نے رات کو ایک خواب دیکھا تھا۔ وہ حضرت کو سنایا۔ خواب یہ تھا کہ جیسے صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز کے لیے وضو کر رہا ہوں۔ نماز کا وقت تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے جلدی جلدی وضو کر کے سنتیں پڑھی ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ قریب ہی کہیں جماعت ہو رہی ہے۔ چنانچہ جلدی سے روانہ ہو گیا۔ تاکہ جماعت مل جائے۔ مگر میری اتنی بھاگ دوڑ کے باوجود محسوس یہ ہو رہا ہے کہ جیسے سورج نکل رہا ہے اور میں ڈر رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ نماز کا وقت چلا جائے۔ (پھر) میں نے ہاتھ اٹھا کر سورج کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا کہ شیخ کے اوقات پاک کی برکت سے (ابھی) نہ نکل۔ میں نے یہ کہا اور خواب ہی میں بہت خوش ہوا، اسی دوران

آنکھ کھل گئی (تو دیکھا کہ) رات کا کچھ حصہ باقی تھا۔

خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے جب یہ بات سنی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ: نیشاپور کا رہنے والا ایک نقیب محمد نامی تھا۔ بڑا اچھا اور خوش اعتقاد آدمی تھا۔ اس نے مجھے سنایا کہ ایک دفعہ میں گجرات میں سفر کر رہا تھا۔ اس زمانے میں یہ علاقہ ہندوؤں کے قبضے میں تھا۔ میں ایک راستے پر پہنچا ایک دو آدمی اور بھی میرے ساتھ ہو گئے اور ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ یکا یک ایک ہندو کو دیکھا کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے نمودار ہوا، ہم لوگ ڈرنے لگے۔ اس دوران وہ ہندو اسی طرح ننگی تلوار لیے ہمارے مقابل آیا۔ جب قریب پہنچا تو میں نے کہا شیخ حاضر باش! اے پیر آیئے (یا پیر مدد!) ہندو نے فوراً تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور مجھ سے بولا کہ مجھے امان دو۔ ہم حیران رہ گئے کہ یہ امان کیوں مانگتا ہے۔ وہ پھر پکارا کہ مجھے امان دو! ہم نے جواب دیا کہ تجھے امان ہے! اس کے بعد اس کی تلوار اسی کو دے دی۔ وہ اپنی راہ لگا اور ہم نے اپنی راہ لی۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے یہ حکایت پوری کرنے کے بعد فرمایا کہ دیکھو کہ اس ہندو نے کیا دیکھا اور اسے کیا دکھایا گیا!

28
اٹھائیسویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک شعبان کی دوسری تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ کھانا کھلانے کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ درویشی یہ ہے کہ جو آنے والا بھی آئے سلام کے بعد اس کے سامنے کھانا رکھا جائے۔ اور پھر حکایت اور باتوں میں مشغول ہوں۔ اس کے بعد یہ بات زبان مبارک پر آئی کہ شروع کرو سلام سے پھر طعام اور پھر کلام!

29
انتیسویں مجلس

اسی سال اور اسی مہینے کی بائیس تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ کھانا سامنے رکھا گیا اور لوگوں نے کھانا شروع کیا خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے ارشاد کیا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ جب لوگ میرے سامنے کھانا کھاتے ہیں تو میں اس کے لقمے اپنے حلق میں پاتا ہوں۔ یعنی وہ کھانا جیسے میں خود کھا رہا ہوں۔ حاضرین میں سے کوئی شخص بولا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے ایک

دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی بیل کے زور سے چابک مارا گیا تو شیخ ابوسعید کراہے اور ایسے آہ کی گویا چوٹ انھیں کے لگی ہو۔ ایک مخالف بھی موجود تھا۔ اسے اس کیفیت پر یقین نہ آیا۔ شیخ ابوسعید نے اپنی کمر کھول کر اسے دکھائی کہ اس چابک کا اثر شیخ کی پشت مبارک پر موجود تھا۔ اس کے بعد حکایت بیان کرنے والے نے خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر سے مخاطب ہو کر عرض کی کہ یہ حکایت بھی ایسی ہی ہے کہ ایک شخص کا حال دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب روح طاقت پکڑتی ہے اور کمال کو پہنچتی ہے تو قلب کو جذب کرتی ہے (کھینچتی ہے) اور قلب بھی جب قوی ہو جاتا ہے اور کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ قالب (جسم) کو جذب کرتا ہے۔ (کھینچتا ہے) پس اس اتحاد کی رو سے عین ممکن ہے کہ قلب پر جو گزرے اس کا اثر قالب پر ظاہر ہو جائے۔ اس بات پر بندے نے عرض کی کہ یہ حال اوصاف معراج جیسا ہے۔ ارشاد ہوا ہاں!

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کسی بزرگ نے کہا ہے مجھے نہیں معلوم کہ معراج کی رات رسول علیہ السلام کو وہاں لے گئے کہ جہاں عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ اور وہ چیزیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھیں۔ یا ان کو وہاں لایا گیا جہاں رسول علیہ السلام والتحیۃ تھے دوسری صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور بڑھ جاتا ہے۔

پھر ان لوگوں کا ذکر ہونے لگا جو بیعت کا طریقہ نہیں جانتے اور بعض ایک پیر سے مرید ہونے کے بعد پھر کسی اور پیر کے مرید ہو جاتے ہیں۔ اور بعض مشائخ کے مزار سے مرید ہوتے ہیں اس دوران بندے نے عرض کی کہ بعض لوگ مشائخ کی قبر کے پائینتی سر منڈواتے ہیں اور مرید ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ بیعت درست ہوتی ہے۔ فرمایا کہ نہیں اس وقت حضرت نے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک صاحبزادے تھے۔ سب لڑکوں میں بڑے! وہ گئے اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کی قبر کے پائینتی محلوق ہوئے (سر منڈوایا) یہ خبر شیخ فریدالدین نور اللہ مرقدہ تک پہنچائی گئی ارشاد ہوا کہ شیخ قطب الدین طیب اللہ ثراہ ہمارے خواجہ اور ہمارے مخدوم ہیں لیکن یہ بیعت درست نہیں۔ ارادت اور بیعت وہ ہوتی ہے کہ کسی شیخ کا ہاتھ تھاما جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

30
تیسویں مجلس

اسی سال شوال کی اکیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ خواب کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ قدیم زمانے میں ایک ترک تھا جس کو تکلش کہا کرتے تھے۔ اللہ والا آدمی تھا۔ ایک رات کو اس نے حضرت عزت (خدا) کو خواب میں دیکھا۔ دوسرے دن صبح شیخ نجیب الدین متوکل رحمت اللہ علیہ کو یہ خواب سنایا۔ پہلے ان کو بڑی سخت قسم دی کہ میں جو کچھ کہوں اس کا حال جب تک میں زندہ ہوں کسی سے نہ کہنا۔ شیخ نجیب الدین رحمت اللہ علیہ نے یہ بات مان لی تو تکلش نے ان کو بتایا کہ میں نے آج رات کو خواب میں حضرت عزت کی زیارت کی ہے۔ پھر اس کے احوال اور انوار کی تفصیل سنائی۔ اس کے بعد شیخ نجیب الدین رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ خواب دیکھنے کے بعد تکلش چالیس سال زندہ رہا۔ اور میں نے اس مدت میں اپنے عہد کے موافق یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا۔ جب تکلش کے انتقال کا وقت قریب آیا تو میں اس کی رحلت کے وقت اس کے پاس پہنچا۔ جب مجھے دیکھا تو بولا کہ وہ خواب یاد ہے جو میں نے دیکھا تھا اور آپ کو سنایا تھا۔ میں نے کہا کہ ہاں یاد ہے۔ مگر اس وقت (تمہارا) کیا حال ہے؟ بولا کہ اس وقت اسی کیفیت میں غرق جاتا ہوں۔

یہاں سے شیخ نجیب الدین کے احوال اور شیخ کبیر فرید الدین رحمۃ اللہ علیہما کے مناقب کے ذکر نکلا۔ فرمایا کہ دہلی میں ایک ترک تھا۔ اس نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی اور اس مسجد کی امامت شیخ نجیب الدین کو دی تھی اور ان کے لیے گھر بھی مہیا کیا تھا۔ اس ترک نے (اپنی) ایک لڑکی کی شادی کی۔ ایک لاکھ جیتل بلکہ زیادہ اس کے لیے خرچ کیے۔ شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ گفتگو کے دوران اس سے کہا کہ کامل مومن وہ ہوتا ہے کہ اس کی اللہ تعالےٰ سے محبت اولاد کی محبت پر غالب رہے۔ اب تم نے ایک لاکھ جیتل (سکہ) بلکہ زیادہ اپنی اولاد کے لیے خرچ کیے ہیں۔ اگر اس کے دوگنے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تب ایسے (کامل مومن) ہو گے۔ ترک اس بات سے خفا ہو گیا۔ شیخ نجیب الدین سے امامت بھی لے لی اور مکان بھی۔ شیخ نجیب الدین یہاں سے اجودھن گئے اور شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کو صورت حال کہہ سنائی۔ شیخ نے ارشاد کیا کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ ما ننسخ من آیت او

ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا۔ یعنی ہر آیت (نشانی) جو ہم منسوخ کرتے ہیں اس کی جگہ دوسری آیت بھیجتے ہیں اس سے بہتر یا ویسی ہی لہٰذا اس کی کچھ پرواہ مت کرو۔ شاید اس ترک کا نام استمر تھا۔ شیخ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اگر ایک استمر گیا ہے تو خدائے عزوجل کوئی اینکر پیدا کر دے گا۔ اسی زمانے میں ایک بڑا ملک (نواب) اینکر نامی اس علاقے میں آیا۔ جس نے شیخ الاسلام اور اس خانوادۂ کریم کی بڑی خدمتیں کیں اور اس خاندان کی خدمت گاری سے منسوب ہوا۔

پھر شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ نکلا کہ نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے خانقاہ تعمیر کرائی۔ جب شیخ بدرالدین غزنوی اس خانقاہ میں تشریف فرما ہوئے تو ذرا بھی اطمینان خاطر میں نہ ملا اور جلدی ہی ان کے ہاں بے قاعدگی آ گئی جس زمانے میں شیخ بدرالدین اس خانقاہ میں بیٹھے اسی کے لگ بھگ نظام الدین خریطے دار کا محاسبہ ہوا اور ان کا کام خراب ہو گیا۔ شیخ بدرالدین نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ہاں معروضہ کرایا اور یہ بات کہلائی کہ ایک شخص نے میرے لیے خانقاہ بنائی تھی اب اس کے کام میں بگاڑ ہو گیا ہے۔ میں بھی اس کی وجہ سے پریشان خاطر ہوں۔ شیخ نے جواب بھجوایا کہ جو بھی اپنے پیروں کی سیرت اور سنت پر نہیں چلتا اسی کا یہی حشر ہوتا ہے۔ یعنی ہمارے پیروں میں خانقاہ کی رسم نہیں تھی وہ الگ خانقاہ بنا کر بیٹھے اور اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔

پھر شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز کی بزرگی کا ذکر آیا کہ انھوں نے عمر کے آخر میں قرآن یاد کیا۔ جب پورا حفظ ہو گیا تو اس وقت رحلت فرمائی رحمۃ اللہ علیہ۔

پھر اولیاء کے انتقال کا ذکر نکلا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کسی بزرگ کے انتقال کا قصہ بیان کیا کہ وہ انتقال فرما رہے تھے اور آہستہ (آہستہ) خدائے عزوجل کا نام زبانِ مبارک سے لے رہے تھے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ رباعی زبان مبارک سے بیان فرمائی۔ رباعی:

آییم بسرِ کوے تو پویاں پویاں
رخسارہ بآب دیدہ شویاں شویاں
بیچارہ رہِ وصل تو جویاں جویاں

جاں می دہم و نام تو گویاں گویاں

بے چارگی میں تیرے وصل کی راہ ڈھونڈتا تیرے کوچے کی طرف دوڑا چلا آتا ہوں۔ رخساروں کو اپنے آنسوؤں سے دھوتا جان دے رہا ہوں اور لب پر تیرے نام کی تکرار ہے۔

اکتیسویں مجلس 31

اسی سال ماہِ ذی قعدہ کی اٹھائیسویں تاریخ جمعے کو اس مکان میں جو جامع مسجد کیلو کھری کے سامنے ہے نماز سے قبل قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ عالم طریقت اور ان لوگوں کا ذکر نکلا جو یادِ حق میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اور اس گروہ کا (ذکر بھی) جو بحث و تکرار میں مشغول رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو ان (مردانِ خدا) کے برابر کر کے دکھائے۔ اس دوران حکایت بیان فرمائی کہ ایک طالب علم شرف الدین نامی تھے۔ ان میں بڑی اہلیت تھی۔ ایک روز شیخ کبیر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ شیخ نے ان سے پوچھا کہ تمہاری پڑھائی کا کیا حال ہے؟ بولے کہ اب تو سب کچھ بھلا دیا ہے۔ شیخ کو یہ بات پسند نہ آئی جب وہ باہر چلا گیا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر بولے کہ یہ صاحب بہت اونچے اڑ رہے ہیں (یعنی غرور اور گھمنڈ کی بات کہی)۔

الغرض خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ حکایت بیان فرمائی اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ پیران طریقت میں سے ایک پیر تھے۔ ان کا لڑکا تھا۔ محمد نام اس نے بہت علم حاصل کیا اور بڑی لیاقت پیدا کی۔ اس کے بعد چاہا کہ عالم طریقت میں بھی قدم رکھے۔ باپ سے بولا کہ میں چاہتا ہوں کہ درویش بن جاؤں۔ باپ نے جواب دیا اچھا ایک چلّہ کرو۔ بیٹا چلّے میں بیٹھ گیا۔ جب چلّہ پورا ہو گیا تو باپ کی خدمت میں آیا (باپ نے) چند مسئلے جو اس نے پڑھ رکھے تھے دوبارہ پوچھے لڑکے نے سب کا جواب دیا۔ اس کے بعد باپ بولا کہ محمد تجھے اس چلّے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ جا ایک چلّہ اور کر۔ لڑکے نے ایک چلّہ اور کیا، جب چلّہ پورا ہوا تو پھر باپ کی خدمت میں آیا۔ باپ نے اس سے کچھ مسئلے دریافت کیے اس دفعہ جواب دینے میں وہ جگہ جگہ اٹکا باپ نے کہا ایک چلّہ اور کرو۔ لڑکے نے تیسرا چلّہ کیا۔ جب (چلّہ) پورا ہو گیا تو باپ کی خدمت میں آیا۔ باپ نے انہی مسائل میں سے کوئی بات اس سے پھر پوچھی۔ لڑکا ایسا

مشغول بحث ہو چکا تھا کہ کچھ جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد خواب اور اُن کی تعبیروں کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کل اپنے صحابیوں کو خواب میں دیکھا کہ ہر ایک پیراہن پہنے ہوئے ہے لیکن ایک کا پیراہن سینے سے آگے نہیں ہے۔ ایک کا ناف تک ہے اور ایک کا گھٹنے تک مگر عمرؓ کو دیکھا کہ ان کا پیراہن زمین تک گھسٹتا ہوا ہے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس خواب کی کوئی تعبیر فرمائی؟ ارشاد ہوا ہاں۔ میں نے تعبیر میں ہر ایک کے لباس کو اس کا دین قرار دیا ہے۔

پھر ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ ان کی تعبیریں بھی کس قدر درست ہوتی تھیں۔ ارشاد ہوا ایک دفعہ کوئی شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے رات کو سفر جل (بہی، ایک میوہ) خواب میں دیکھا ہے۔ بولے تم سفر کرو گے۔ پوچھا گیا کہ آپ یہ کیسے کہتے ہیں؟ جواب دیا کہ سفر جل کے شروع میں سفر ہے۔ کوئی اور آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے رات کو سوسن (ایک پھول) خواب میں دیکھا ہے۔ بولے کہ تم پر کوئی بلا آئے گی۔ پوچھا گیا کہ یہ آپ کس طرح کہتے ہیں؟ بولے کہ سوسن میں پہلے سو (برائی) ہے۔ اور ان کے یہ سارے حکم درست نکلے۔ اس دوران بندے نے عرض کی۔ ابن سیرین کیسے آدمی تھے؟ ارشاد ہوا کہ عالم اور بزرگ تھے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں۔

اس کے بعد فرمایا کہ امام محمد غزالی طیب اللہ ثراہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان دو خوابوں کی تعبیر جو ابن سیرین نے کی ہے عجائب روزگار سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی شخص رمضان کے مہینے میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہے جس سے مردوں کے منہ اور عورتوں کی شرم گاہ پر مہریں لگا رہا ہوں۔ ابن سیرین بولے کہ شائد تو مؤذن ہو؟ ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تلوں میں سے تیل نکال رہے ہیں اور میں تیل کو دوبارہ تلوں میں ڈال رہا ہوں۔ ابن سیرین بولے کہ جو عورت تمہارے گھر میں ہے۔ ذرا اچھی طرح چھان بین کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری ماں ہو! وہ شخص گھر آیا اور اپنی بیوی سے اچھی طرح پوچھا۔ جب خوب تحقیقات ہوئی تو (پتہ چلا) کہ اس کی ماں تھی!

پھر دنبل اور ناروکی بیماری کا ذکر نکلا۔فرمایا کہ جوشخص نمازعصر کی سنتوں میں سورہ بروج پڑھتا ہے۔اللہ تعالیٰ دنبل سے اس کو محفوظ رکھتا ہے اور چونکہ ناروبھی اسی قبیل کی چیز ہے اس لیے امید ہے کہ اس سے بھی حفاظت رہے گی۔اس کے بعد فرمایا کہ جوبھی نمازعصر کے بعد سورۃ نازعات پڑھتا ہے خدائے عزوجل اسے قبر میں (پڑا) رہنے نہیں دیتا۔وہ قبر میں ایک نماز کے وقت کی مقدار سے زائد نہیں رہتا۔اس کے بعد آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ جو شخص قبر میں نہیں رہتا تو یہ کیسے ہوتا ہے؟فرمایا کہ ہوتا یہ ہے کہ روح کمال کو پہنچتی ہے اور جب روح کامل ہو جاتی ہے تو قالب کو جذب کر لیتی ہے۔

بتیسویں 32 مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔جمعے کی نماز سے پہلے اس گھر میں جو جامع مسجد کیلو کھری کے سامنے ہے (تشریف فرما تھے) ترک دنیا کی حکایت آئی۔ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے اپنے صحابیوں سے فرمایا کہ ایک درویش کو اختیار دیا گیا کہ تم چاہے دنیا کو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو لے لو چاہے اس کو جو آخرت میں تمہارے لیے مہیا کیا گیا ہے۔اس درویش نے کہا کہ جو کچھ آخرت میں میرے لیے مہیا کیا گیا ہے۔میں اس کو پسند کرتا ہوں۔جب یہ حکایت پوری ہوگئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ رونے لگے،صحابہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟وہ بولے کہ یہ جو مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک درویش کو دنیا اور عقبیٰ میں مختار کیا گیا۔یہ درویش خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو یہ خبر دے رہے ہیں وہی مختار کیے گئے ہیں۔جب خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر اس بات پر پہنچے تو فرمایا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز بھی اسی طرح اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک دفعہ کسی درویش کا یہ حال تھا یا کسی درویش نے یہ کہا اور میں سمجھ جاتا تھا کہ خود اپنا قصہ بیان فرما رہے ہیں اور یہ حضرت شیخ ہی ہیں۔

پھر ترک دنیا کے سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ اگلے وقتوں میں ایک بزرگ تھے۔ایک دفعہ وہ پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ خداوندا خضر سے کبیرہ (گناہ) کا ارتکاب ہوا ہے۔ان کو اس سے توبہ عطا فرما!اتنے میں حضرت خضر (علیہ السلام)

بھی آ گئے اور بولے کہ اے بزرگ میں نے کون سے کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے کہ اس سے توبہ کروں۔ ان بزرگ نے کہا کہ تم نے صحرا میں ایک درخت لگایا تھا اس کے سائے میں خود بیٹھتے ہو۔ اور آرام اٹھاتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ میں نے یہ کام خدا واسطے کیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے اسی وقت توبہ کی۔ اس کے بعد ان بزرگ نے ترک دنیا کی بابت خضر علیہ السلام سے کہا کہ ایسے رہو جیسے میں رہتا ہوں۔ خضر نے پوچھا آپ کس طرح رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ میرا طرز عمل یہ ہے کہ اگر ساری دنیا مجھے دی جائے اور کہا جائے کہ اسے قبول کرو تم سے اس کا کچھ حساب نہیں لیا جائے گا۔ اس طرح مجھے (دنیا) دیں اور یہ بھی کہیں اگر تم نے قبول نہ کیا تو تمہیں دوزخ میں لے جایا جائے گا تو میں دوزخ کو قبول کرلوں گا۔ مگر دنیا (داری) کو قبول نہ کروں گا۔ خضر نے پوچھا کہ ایسا کیوں؟ بولے کہ اس وجہ سے کہ دنیا اللہ کی مبغوض ہے (دنیا اللہ کی ناپسندیدہ ہے) پس جس چیز کو خدا نے دشمن رکھا ہے۔ میں اس کی جگہ دوزخ قبول کرلوں گا مگر اسے قبول نہیں کروں گا۔

تینتیسویں 33 مجلس

ماہِ محرم کی تیئیسویں تاریخ بدھ کے دن سنہ سات سو بارہ (ہجری) قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ اس روز کاتب (حسن علاء سجزی) کتاب مخ المعانی حضرت کی خدمت میں لے گیا تھا۔ بہت تعریف و توصیف فرمائی۔ اسی روز (میری) بیعت کی تجدید بھی ہوگئی اور اپنے مبارک سر سے کلاہ (اتار کر) اس بے چارے غلام (حسن علا سجزی) کے سر پر رکھی اور دو دفعہ ایک شعر زبان گوہر بیان پر آیا۔ جس کا ترجمہ دیا جارہا ہے۔

(آپ کے عشق میں اپنے کام کو ہر روز نئے سرے سے شروع کرتا ہوں۔ اس تعلق کے کیا کہنے!)

میں جو کتاب لے گیا تھا اس کی مناسبت سے فرمایا کہ کتابوں میں سے جو مشائخ نے لکھی ہیں روح الارواح بہت راحت بخش ہے اور بہت اچھی کتاب ہے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ قاضی حمید الدین ناگوری کو یہ کتاب حفظ تھی۔ برسر منبر اس میں سے بہت (کچھ) بیان فرماتے اور ان کتابوں میں سے جو قدیم لوگوں نے لکھی ہیں قوت القلوب عربی میں اور روح

الارواح فارسی میں اچھی کتابیں ہیں۔ بندے نے عرض کی کہ مکتوبات عین القضاۃ بھی ایک اچھی کتاب ہے۔ البتہ اس پر پوری طرح عبور نہیں ہوتا ارشاد ہوا کہ ہاں وہ ایک حال کے عالم میں لکھی گئی ہے۔ وقت خاص جو انھیں کا حصہ تھا اس وقت لکھی ہے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ وہ پچیس سال (ہی) کے تھے کہ انھیں سوختہ کیا گیا۔ (جلایا گیا) عجب کام تھا اس عمر میں کہ جوانی کے جوش کی انتہا ہوتی ہے۔ ان کا اس قدر حق میں مشغول ہونا اور تعلق رکھنا۔ یہ بہت ہی حیرت ناک کام تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ انھوں نے اپنے باپ کو جو قاضی تھے۔ رشوت لینے والا اور حرام خور لکھا ہے۔ یہ اور اسی طرح کی اور باتیں بہت لکھی ہیں۔ بندے نے عرض کی کہ ان کا اس طرح لکھنے سے مقصد کیا تھا؟ فرمایا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو (قاضی صاحب کو) کشف حاصل تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کہیں قوالی تھی۔ درویش اور احباب جمع تھے۔ عین القضاۃ کے والد بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بولے کہ میں نے شیخ احمد غزالی کو دیکھا کہ اس مجمعے میں تشریف فرما ہوئے ہیں اور اس روز اس مقام سے وہ مقام جہاں شیخ تھے بڑا فاصلہ تھا۔ مثال کے طور پر یہ اجتماع ایک شہر میں تھا اور وہ کسی دوسرے شہر میں تھے۔ غرضیکہ جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی ایسا ہی تھا جیسا کہ انھوں نے بیان کیا تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ عین القضاۃ کا مقصد اس حکایت سے یہ بتانا تھا کہ اس پروردگار کی نعمت نہ تو نماز کے واسطے سے ہے نہ وظیفے اور خیرات کے ذریعے۔ جس کو حق تعالیٰ چاہتا ہے وہ کشف و کرامت والا ہو جاتا ہے۔ اس درمیان سوال کیا گیا کہ عین القضاۃ کے پیر کیا شیخ احمد غزالی تھے؟ فرمایا نہیں۔ کیونکہ انھوں نے مکتوبات میں شیخ احمد غزالی کا ذکر کیا ہے اور اپنے پیر کا ذکر بھی کیا ہے اور اس طرح لکھا ہے کہ میں ایسا اور میرے شیخ ایسے مطلب یہ کہ اگر ان کے پیر شیخ احمد غزالی ہوتے تو جہاں ان کا ذکر کیا تھا وہاں انہیں اپنا پیر کہہ کر لکھتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عین القضاۃ چھوٹے سے تھے اور بچوں میں کھیل رہے تھے کہ شیخ احمد غزالی نے انھیں دیکھا اور کچھ عرصے بعد ان کے ماں باپ کے پاس جا کر انھیں مانگا۔ والدین نے انھیں چھپا دیا اور کہا کہ وہ تو مر گیا۔ شیخ احمد نے کہا کہ جھوٹ کہتے ہو جو نعمتیں اس کو ملنے والی ہیں جب تک وہ اسے مل نہ جائیں کیسے مر سکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ احمد پر اتہام لگایا گیا

تھا۔ اسی وجہ سے ان کے (عین القضاۃ) کے ماں باپ نے انہیں چھپا رکھا تھا۔ مولانا برہان الدین غریب سلمہٗ اللہ حاضر تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ شیخ احمد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ابتلا (امتحان) تھا۔ فرمایا کہ نہیں۔ وہ خود چاہتے تھے کہ انہیں ملامت کی جائے اور ان پر اتہام لگایا جائے۔ مگر وہ پاک تھے۔ ان کی حد درجہ پاکی اور پارسائی کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ایک قصائی بچے کے ساتھ اتہام لگایا گیا۔ اس حد تک کہ قصائی زادے کے باپ کو خبر ہوگئی۔ شاید اس نے ہر ایک کے سامنے شیخ کو برا کہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک رات کو یہ قصائی زادہ شیخ کے پاس تھا کہ اس کا باپ پہنچ گیا کہ ذرا پتہ تو چلائے۔ شیخ کسی حجرے میں یا پردے کی جگہ ہے۔ اس قصائی بچے کا باپ آیا اور کسی سوراخ یا شگاف میں سے جھانکنے لگا شیخ کو دیکھا کہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس قصائی بچے کو وعظ و نصیحت کرنے لگے اور پھر ایک اور دوگانہ ادا کیا اور سلام پھیرنے کے بعد اس لڑکے سے دوبارہ نصیحت و موعظت کی باتیں کرنے لگے۔ ساری رات صبح تک دو دو رکعت نماز ادا کرتے اور ہر دوگانے کے بعد جو کچھ اس لڑکے کی اصلاح حال کی بات ہوتی اس کو بتاتے۔ جب صبح ہوئی تو اس (لڑکے) کا باپ آیا اور شیخ کے قدموں میں گر گیا۔ وہ اور اس کا لڑکا دونوں شیخ کے مرید ہو گئے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ یہ بات ہر کسی کے بس کی نہیں ہے بڑی طاقتور پاک اور کامل شخصیت ہونی چاہیے کہ ایسا کر سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں ایک دفعہ شیخ کبیر (حضرت بابا فریدؒ) کی خدمت میں بمقام اجودھن (حال پاکپتن) حاضر تھا کہ ایک جوگی آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا طریقہ کیا ہے اور کام کی بنیاد تمہارے ہاں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے علم میں اس طرح بتایا گیا ہے کہ آدمی کے نفس میں دو عالم ہوتے ہیں۔ ایک عالم علوی دوسری عالم سفلی۔ پیشانی سے ناف تک عالم علوی ہے اور ناف سے پیروں تک عالم سفلی ہے۔ کام اس طرح بنتا ہے کہ عالم علوی میں تو پوری طرح صدق و صفا و اچھے اخلاق اور حسن معاملہ ہوں اور عالم سفلی میں نگاہ داشت اور پاکی اور پارسائی۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ مجھے اس کی یہ بات اچھی لگی۔

پھر ترک دنیا کا ذکر نکلا۔ اس باب میں بے حد غلو فرمایا۔ زبان مبارک پر یوں آیا کہ اگر

کوئی اپنے دن روزے رکھ کر گزارے اور راتیں نماز پڑھتے بتائے اور حرمین کا زائر (بھی) ہو اصل بات جب ہوگی کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے تو وہ اس دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔

چونتیسویں مجلس 34

اسی سال ربیع الاوّل کی بائیسویں تاریخ جمعے کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔ خواجہ عثمان حرب آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ انھوں نے مدت تک خلق سے قطع تعلق رکھا۔ اس کے بعد خلقت کے درمیان آئے۔ ان کو عالم غیب سے فرمان پہنچا کہ خلق کو دعوت دو (دین کی طرف بلاؤ تبلیغ کرو) مگر شرط یہ ہے کہ ہزار بلا کو برداشت کرنا۔ اس کے بعد وہ کسی طرف روانہ ہوگئے۔ ایک شخص آیا اور اس نے ان کی گدی پر ہاتھ مارا اور دوسرا آیا اور اس نے بھی یہی حرکت کی۔ یہ سب کو گنتے اور یاد رکھتے رہے۔ جب ہزار پورے ہوگئے تو ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ منبر پر آؤ اور خلق کو دعوت (و تبلیغ) کرو۔ یہ بولے کہ الٰہی میں نے کوئی علم نہیں پڑھا اور مجھے کوئی کمال حاصل نہیں ہے۔ خلق کو دعوت کیسے دوں؟ حکم آیا کہ منبر پر پاؤں رکھنا تمہارا کام ہے۔ اور بخشش ہمارا۔

پھر بات خلق سے میل جول چھوڑنے کی نکلی۔ فرمایا کہ شیخ احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کپڑا بننے والے تھے۔ ایک مدت خلق سے کٹے رہے۔ اس کے بعد خلقت کے درمیان آئے تو منہ بند کیے رہے۔ کسی سے بات نہ کرتے۔ جب اس کو بھی زمانہ گزر گیا تو ایک محرم (راز) ان کے پاس آیا اور کہا کہ جب خلق کے درمیان رہتے ہو تو بات کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ کیا بات کروں۔ یا تو تکون (کائنات کے پیدا ہونے) کے بارے میں کہوں گا یا مکون (کائنات پیدا کرنے والے) کے بارے میں کہوں گا۔ تکون بیان میں نہیں سما سکتا۔ اور مکون کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی مشکل ہے۔

یہ رباعی بھی ان ہی سے سنی گئی ہے۔ دوست کے دوست کے پاس اکیلے آنے کی بابت

رباعی:

میرے تمہارے درمیان صدا اگر ہو تو یا تم ہو یا میں ہوں۔ سارے
جہان سے الگ ہم تم تنہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ خورشید بھی تمہارے
ساتھ نکلے۔ مجھ سے ملنے آؤ تو سایہ تک تمہارے ساتھ نہ ہو۔

پھر اس گروہ کا ذکر نکلا جو روزہ رکھتا ہے اور طے کرتا ہے (یعنی طے کے روزے رکھتا ہے) اور اس سے اس کا مقصد گھمنڈ اور دکھاوا ہوتا ہے۔ اس کے بعد موتی بکھیرنے والی زبان پر یہ شعر آیا۔

اگر برت رکھنے سے تو موٹا ہو جائے تو تیرا پیٹ بھر کر کھانا برت رکھنے
سے بہتر ہے۔

پینتیسویں 35 مجلس

اسی مہینے کی چھبیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ درویشوں کی باہمی تکرار اور اس حال میں بھی ان کی خوش کلامی کا ذکر نکلا۔ اوّل یہ فرمایا کہ مشائخ نے کہا ہے کہ تین وقتوں میں رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایک سماع کی حالت میں دوسرے اس کھانے کے وقت جو طاعت کی قوت حاصل کرنے کے لیے کھایا جائے اور تیسرے درویشوں کی باہمی رنجش اور کدورت مٹاتے وقت۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ میں اپنے خواجہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں تھا کہ چھ یا سات درویش آئے سب جوان اور کم عمر اور صاحب جمال شاید وہ خانوادہ خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مرید تھے۔ انھوں نے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا آپس میں کچھ جھگڑا ہے مخدوم کسی مرید کو حکم دیں کہ ہمارے جھگڑے کو سن لے۔ شیخ نے مجھے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ان کا قضیہ سنو اور بدرالدین اسحٰقؒ سے بھی فرمایا۔ چنانچہ ان درویشوں میں سے ایک نے دوسرے سے شکایت بیان کرنی شروع کی اس نرمی اور لطافت کے ساتھ کہ اس روز آپ نے ایسی بات فرمائی اور میں نے یہ عرض کیا۔ اس کے بعد آپ نے یہ ارشاد فرمایا جو میں جانتا نہ تھا۔ میں سمجھا نہیں یا غلط جواب دیا۔ اس کے جواب میں اس کے ساتھی نے بھی اسی نرمی سے کہا۔ آپ نے تو یہی فرمایا تھا مگر غلطی مجھ سے ہوئی (واقعی) آپ حق پر تھے۔ غرضیکہ یہ اور اسی قسم کی گفتگو کرتے رہے اور

میں اور بدرالدین اسحٰقؒ ان کی تقریر کے لطف سے رونے لگے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ حق تعالےٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ اور ہم کو تعلیم دینے آئے ہیں کہ شکوے اس طرح کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ شکایت کے وقت بات اس طرح کرنی چاہیے کہ گردن کی رگ نہ اُبھرے یعنی غصے اور تعصب کا اثر پیدا نہ ہو۔

پھر تحمل اور بردباری کے بارے میں بہت غلو فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جو بھی خفا کو سہہ لیتا ہے وہ سب سے اچھا ہے (غصہ کو) پی جانا چاہیے اور بدلے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے جو ہمارا دوست نہ بنے اللہ اس کا دوست رہے اور جو ہمیں تکلیف پہنچائے اس کو خوب راحت ملے۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

جو بھی دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹا رکھے
اس کی زندگی کے چمن کا ہر پھول بے کانٹے کھلا رہے

پھر فرمایا کہ اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی (جواب میں) کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ ان کلمات کے درمیان فرمایا کہ عوام میں یہ دستور ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی اور بروں کے ساتھ برائی۔ لیکن درویشوں میں یہ طریقہ ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھے اور بروں کے ساتھ بھی اچھے۔

چھتیسویں 36 مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی ساتویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا دینی بھائیوں کی محبت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ اخوت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اخوت نسبت (رشتے داری) کی ہے دوسری دین کی اخوت (ہے) ان دو اخوتوں میں سے دین کی اخوت زیادہ پکی ہوتی ہے۔ کیوں کہ اگر دو نسبتی بھائی ہوں ایک مومن اور ایک کافر تو مومن بھائی کی میراث کافر بھائی کو نہیں ملے گی۔ پس اس اخوت کو کچا پاتا ہوں لیکن دین کی اخوت پکی ہوتی ہے۔ کیوں کہ جو رشتہ دو دینی بھائیوں میں ہوتا ہے وہ دنیا اور آخرت میں برقرار رہتا ہے۔

اس درمیان اس آیت کا ذکر آیا:

(ترجمہ) اس (قیامت کے) دن بعض دوست آپس میں دشمن نکلیں گے۔ سوائے متقیوں کے۔

ارشاد ہوا کہ وہ یار جن کی یاری فسق کے سبب رہی ہوگی کل ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ اس وقت یہ شعر زبان مبارک پر آیا۔

یہ شراب اور باغ کے ساتھی تیرے دوست نہیں دشمن ہیں۔

سینتیسویں 37 مجلس

اسی سال اور اسی مہینے کی چھبیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ نفل نماز کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو (نمازیں) ادا کیں وہ تین طرح کی تھیں۔ ایک وہ جن کا تعلق وقت سے تھا۔ اور ایک وہ جن کا تعلق سبب سے تھا اور ایک وہ جن کا تعلق نہ وقت سے تھا نہ سبب سے۔ پہلے ہم ان نمازوں کو دیکھیں جن کا تعلق وقت سے ہے۔ امام غزالی طیب اللہ سرہٗ نے احیا العلوم میں لکھا ہے کہ جس نماز کا تعلق وقت سے ہے وہ بار بار پڑھی جاتی ہے جیسے کہ وہ نماز جو ہر روز کی ہے اور ایک نماز ہے کہ وہ ہر ہفتہ میں پڑھی جاتی ہے اور ایک نماز ہے جو ہر ماہ کی ہے اور ایک نماز ہے جو ہر سال کی ہے۔ (اب) ہم اس نماز پر آتے ہیں جو روزانہ کی ہے یہ آٹھ نمازیں ہیں۔ پانچ نمازیں تو وہ جو پنجوقتہ ادا کی جاتی ہیں۔ چھٹی نماز چاشت۔ ساتویں بیس رکعت بعد نماز مغرب۔ آٹھویں تہجد کی نماز۔ یہ نماز (کی) وہ (قسم) ہے جو ہر دن اور رات کی ہے۔ لیکن وہ نماز جو ہر ہفتے کی ہے۔ وہ ہر روز کی ایک نماز آئی ہے۔ ہفتے کی اور اتوار کی اور اسی طرح آخر ہفتے تک۔ یہ وہ نماز ہے جو ہر ہفتے کی ہے اور وہ نماز جو ہر مہینے کی ہے وہ بیس رکعتیں ہیں جو ہر مہینے کی چاند رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی ہے۔ یہ ماہوار نماز ہوئی۔ لیکن جو نماز سالانہ ہے وہ چار نمازیں ہیں۔ دو عید کی نمازیں تیسری تراویح کی نماز چوتھی شب برات کی نماز۔ یہ ساری نمازیں وہ ہوئیں جو وقت سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن وہ نماز جو سبب سے تعلق رکھتی ہیں دو نمازیں ہیں۔ ایک نماز استسقےٰ یعنی یہ سبب سے تعلق رکھتی ہے۔ جب سوکھا پڑتا ہے تب یہ نماز ادا کی جاتی ہے۔ دوسرے سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں یہ بھی سبب سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب بھی سورج اور چاند کو گہن لگتا ہے یہ نماز

پڑھی جاتی ہے۔ یہ وہ نمازیں تھیں جو سبب سے تعلق رکھتی تھیں۔ مگر وہ نماز جو نہ وقت سے تعلق رکھتی ہیں نہ سبب سے وہ صلوٰۃ تسبیح ہے اور سلامتی کی نماز ہے۔

پھر یہ ذکر آیا کہ کیا نفل نمازوں کا جماعت سے پڑھنا کہیں آیا ہے۔ فرمایا کہ ہاں آیا ہے۔ بعض مشائخ اور گزشتہ بزرگوں نے (نفل نماز باجماعت) پڑھی ہے۔ پھر فرمایا کہ شب برأت کا موقع تھا۔ شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے مجھے حکم دیا کہ اس رات جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے باجماعت پڑھو اور تم امامت کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پھر ان نمازوں کا ذکر آیا جو محافظت نفس کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ دو آدمی جب بھی گھر سے باہر جائے اسے چاہیے کہ دوگانہ پڑھ کر باہر نکلے تاکہ حق تعالیٰ راستے کی ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ اس دوگانے میں بہت بھلائی ہے اور جب بھی گھر میں آئے تو اس وقت بھی دوگانہ ادا کرے تاکہ ہر اس بلا سے جو گھر میں پیدا ہو حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور اس دوگانے میں بہت خیر و سلامتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی یہ دوگانے نہ پڑھ سکے تو باہر جاتے اور اندر آتے آیت الکرسی پڑھ لے اس سے بھی یہ غرض حاصل ہو جائے گی اور اگر آیت الکرسی نہ پڑھے تو چار دفعہ یہ کلمہ پڑھے۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ بھی کافی ہے اور اگر کوئی شخص مکروہ اوقات میں مسجد کے اندر پہنچے اور تحیت مسجد نہ پڑھ سکے تو یہی کلمہ چار دفعہ کہہ لے مقصد حاصل ہو جائے گا۔

38
اڑتیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی تیرہویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ خواجہ نوح جو قرابت کے شرف سے مشرف ہیں سامنے بیٹھے تھے اور مشارق پڑھ رہے تھے۔ خواجہ (نظام الدین اولیاءؒ) اس کی شرح فرما رہے تھے (اور) اس حدیث کے بیان تک پہنچے تھے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور تھوک یا بلغم اس کے منہ میں آئے اور (وہ) اس کو تھوکنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اسے قبلے کی طرف نہ تھوکے اور دائیں جانب بھی جو ملک (فرشتے) کا رُخ ہے نہ تھوکے۔ بائیں جانب تھوکے اور پیر کے پاس اس طرح (تھوکے) کہ عمل کثیر[1] نہ ہو۔ صرف اتنا کرنے

1- ایسا عمل جسے دیکھ کر لوگ سمجھیں کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا۔ ایسی صورت میں نماز نہیں ہوتی۔

سے نماز خراب نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ یہ بیان فرمایا کہ مومن ہرگز نجس نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک روز رسول علیہ السلام کسی راستے پر تشریف لے جا رہے تھے کہ ابو ہریرہؓ سامنے آ گئے۔ مصطفےٰ علیہ السلام ان سے خوش طبعی فرماتے تھے۔ حضور ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تا کہ ابو ہریرہؓ مصافحہ کرلیں۔ ابو ہریرہؓ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ رسول علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ ہاتھ کیوں سمیٹتے ہو۔ بولے یا رسول اللہ میں اس وقت اپنی بیوی سے مل کر آ رہا ہوں اور میں نے غسل نہیں کیا ہے۔ آپ جیسی پاک (شخصیت) کا ہاتھ کیسے تھاموں؟ مصطفےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن ہرگز نجس نہیں ہوتا۔ جنبی غسل کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ نجس نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کوئی جنبی کے جھوٹے کیے ہوئے پانی کو پی لے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی بیان فرمایا کہ اگر کوئی عورت شیطان کی صورت میں کسی مرد کے سامنے آئے یعنی شیطان عورت کی صورت میں کسی مرد کے سامنے آئے اور اس مرد کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے تو اس شخص کو چاہیے کہ اسی وقت اپنی بیوی سے جا ملے تا کہ یہ وسوسہ اس سے دفع ہو جائے۔ شادی شدہ آدمی کی ایک خیریت یہ بھی ہے۔

خواجہ نوح یہ فوائد سننے کے بعد (جانے کے لیے) اُٹھ گئے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے حاضرین سے نوح کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو عزیز رکھو کہ یہ بہت نیک آدمی ہیں۔ اس کے بعد جب وہ چلے گئے تو ان کی پرہیزگاری کا بہت ذکر فرمایا اور کہا کہ ان کو قرآن یاد ہے اور ہر جمعہ کی رات کو ختم کرتے ہیں اور علم حاصل کرنے کا بے حد شوق ہے۔ اور علم خواب حاصل کر لیا ہے۔ بہت ہی نیک طبیعت ہے۔ کسی سے کوئی غرض نہیں۔ نہ دوستی سے مطلب نہ دشمنی سے اور بہت ہی صالح ہیں۔ چنانچہ ایک روز میں نے ان سے پوچھا کہ (میاں) تم جو اس قدر طاعت وعبادت کرتے ہو تو اس سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ بولے کہ میرا مقصد آپ کی زندگی ہے! خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ بات اس کو کس نے سکھادی؟ یوں سمجھو کہ یہ بات اس کی سعادت مندی کی دلیل ہے!

اس کے بعد ذکر آیا کہ اگر کسی سے کوئی بات پوچھی جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس کے گھر کی بات پوچھیں۔ یعنی جس گوں کا وہ ہو۔ اس درمیان فرمایا کہ ایک مولوی تھے۔ ضیاء الدین

لقب۔ مینار[1] کے نیچے درس دیا کرتے تھے۔ میں نے ان سے سنا ہے (وہ کہتے تھے کہ) میں ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور مجھے فقہ اور نحو اور دوسرے علوم کی مطلق خبر نہیں تھی۔ صرف مناظرے کا علم سیکھا تھا اور بس۔ چنانچہ مجھے خیال ہوا کہ اگر شیخ نے فقہ اور نحو اور دوسرے علوم کی بابت پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا۔ یہی اندیشہ دل میں لیے ہوئے ان کی خدمت میں پہنچا جیسے ہی میں سلام کر کے بیٹھا شیخ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تنقیح مناط[2] کیا ہے؟ میں خوش ہو گیا اور اس کا بیان شروع کیا اور نفی اور اثبات جو اس میں آئے ہیں انہیں جی بھر کے بیان کیا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ شیخ کے کشف کا کمال تھا کہ اس سے وہی بات پوچھی۔ اس کے ڈھب کی اور اس کے علم کی بات تھی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ان صفحات میں تین سال کے فوائد درج ہیں اور بھی جو کچھ سنا جائے گا اور معلوم ہوگا امید ہے کہ وہ بھی انشاء اللہ لکھ لیا جائے گا۔

1۔ غالباً قطب مینار مراد ہے۔

2۔ موافق اور مخالف دلیلیں۔

جلد سوم

17 سترہ مجلسیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ان کے کلام کی برکتوں کو قائم رکھے۔ اسرارِ الٰہی کے یہ اشارات[1] اور بے انتہا انوار کی یہ بشارات[2]، خواجہ راستین ختم المجتہدین ملک المشائخ فی الارضین نظام الحق والشرع والدین کے لفظ دُرر[3] بار اور زبان گوہر نثار سے سنی گئی ہیں۔ والحمد للہ علےٰ ذالک۔

مجموعۂ کہ بندہ حسن نو بنا نہاد
ہم وقت پاک شیخش جمعیتی دہاد

جس مجموعے کی نئی بنیاد حسن خادم نے رکھی ہے۔ اس کو (حسن کے) پیر کا وقتِ پاک جمعیت بخشے (پورا کرائے کامیاب فرمائے!)

پہلی[1] مجلس

پیر، ماہ ذی قعدہ کی ستائیسویں (تاریخ) سنہ سات سو بارہ (ہجری) قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ طبقات کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے بعد میری امت پانچ طبقوں میں ہوگی اور ہر طبقے کی مدت چالیس سال ہے۔ پہلا طبقہ علم اور مشاہدے کا طبقہ۔ دوسرا طبقہ بِرّ (نیکی) اور تقوے کا۔ تیسرا طبقہ تو اصل اور تراحم کا۔ چوتھا طبقہ تقاطع اور تدابیر کا۔ پانچواں طبقہ ہرج اور مرج کا۔ فرمایا کہ پہلا طبقہ علم و مشاہدے کا ہو وہ صحابہ کرامؓ تھے۔ اس کے بعد دوسرا طبقہ بِرّ اور تقوے کا ہو وہ تابعین[4] تھے۔ اس کے بعد تیسرا طبقہ تو

1- اشارات علم وحکمت کے موضوع پر بوعلی سینا کی ایک کتاب کا نام بھی ہے۔
2- خوش خبریاں۔ 3- موتی بکھیرنے والے۔
4- رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پانے والے صحابہ کرام کے فیض یافتگان تابعین کہلاتے ہیں۔

اصل اور تراحم کا ہوا۔ تو اصل یہ ہوتا ہے کہ جب دنیا[1] ان کے پاس آتی ہے تو اگر یہ دنیا ان کے اور دوسروں کے درمیان مشترک ہو تو یہ اسے (اپنے) شراکت داروں کے پاس نرمی اور رعایت سے جانے دیتے ہیں۔ اس طرح کہ کوئی اسے اپنی طرف کھینچے تو یہ ڈھیل چھوڑ دیتے ہیں اس کو تو اصل کہا جاتا ہے۔ لیکن تراحم یہ ہے کہ اگر دنیا پوری کی پوری بلاشرکت غیرے ان کو مل جائے تو یہ اسے خرچ کر ڈالتے ہیں اور راہِ حق میں صرف کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد چوتھا طبقہ تقاطع اور تدابر کا۔ تقاطع یہ ہوتا ہے کہ اگر انھیں دنیا ملتی ہے تو اس کی حصے داری میں قطع تعلق اور دشمنی پر اتر آتے ہیں اور تدابر یہ ہوتا ہے کہ اگر دنیا خاص انہی کو مل جاتی ہے تو وہ اسے پورے کا پورا رکھ لیتے ہیں اور مخلوق کو پیٹھ دکھاتے ہیں اور کسی کو کچھ نہیں دیتے۔ اس کے بعد پانچواں طبقہ ہرج مرج کا طبقہ ہے۔ ہرج مرج یہ ہوتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا گوشت پوست نوچیں اور ایک دوسرے کو قتل کریں اور ان پانچوں طبقوں کی مدت دو سو سال ہوئی۔ پھر فرمایا کہ ان دو سو سال کے بعد آدمی کے بچے سے کتے کا بچہ پیدا ہونا بہتر ہوگا۔ جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے کہ یہ حکم رسول علیہ السلام کی رحلت کے بعد دو سو سال میں پورا ہو گیا۔ آج کل کے بارے میں آدمی کیا کہے!

پھر مشغولی حق کا ذکر آیا کہ کام اگر ہے تو یہ ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس دولت کو روکنے والا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اگر کبھی اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں تو مجھے وحشت ہونے لگتی ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ میں کہاں جا پڑا۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمت اللہ علیہ جب کمال حال کو پہنچے تو انھوں نے اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کو کونے میں رکھ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ دھو ڈالا۔ اس کے بعد فرمایا کہ دھونے کی روایت درست نہیں ہے۔ بس اتنا ہے کہ کہیں سنگوا کر رکھ دیا۔ چنانچہ ایک روز ان کتابوں میں سے کوئی کتاب سامنے رکھ کر مطالعہ کرنے لگے۔ ہاتف نے آواز دی اور کہا کہ اے ابوسعید ہمارے عہد نامے کو واپس کر دو کیونکہ تم غیر چیز میں مشغول ہو گئے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو رونے لگے اور یہ دو مصرعے زبانِ مبارک پر جاری ہو گئے۔

1- یہاں دنیا سے مراد دھن دولت ہے۔

تو سایہ دشمنی کجا در گنجی

جائے کہ خیال دوست زحمت باشد

تم دشمن کا سایہ ہو تم کہاں سماؤ گے؟ اس جگہ جہاں خیال دوست تک زحمت ہوتا ہے؟

یعنی جس جگہ مشائخ اور فقہ کی کتابیں اور احکام شریعت حجاب ہوں وہاں اور چیزیں کیا ہوں گی!

دوسری مجلس[2]

اسی سال ماہ حج کی بارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کا شرف ہاتھ آیا۔ بہت لوگ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض کو سایے میں جگہ نہیں ملی تھی۔ دھوپ میں بیٹھ گئے۔ (حضرت نے) دوسرے لوگوں سے کہا کہ اور قریب قریب ہو کر بیٹھو تا کہ ان لوگوں کے لیے بھی جگہ نکل آئے کیوں کہ دھوپ میں تو وہ بیٹھے ہیں اور جلتا میں ہوں! اسی کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک بزرگ تھے جن کو شیخ شاہی موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا تھا۔ ایک دفعہ دوست انھیں پک نک کے لیے باہر لے گئے اور کھیر پکائی جب کھانا سامنے لگایا گیا تو خواجہ شاہی موئے تاب بولے کہ اس کھانے میں خیانت ہوئی ہے۔ شاید دو آدمیوں نے اس میں سے کچھ دودھ دوستوں کے سامنے لانے سے پہلے پی لیا تھا اور یہ درویشوں میں بہت بڑی خطا سمجھی جاتی ہے۔ الغرض جب خواجہ شاہی نے کہا کہ ایسا کیوں ہوا کہ دوستوں کے سامنے کھانا لانے سے پہلے کسی نے اس میں سے کچھ کھا لیا تو وہ بولے کہ دیگ میں سے دودھ ابل کر باہر گر رہا تھا۔ ہم نے تو باہر گرنے والے دودھ کو لیا ہے اس کا کیا کرتے گرنے دیتے؟ ناچارا سے پی لیا۔ خواجہ شاہی نے کہا نہیں اس طرح دودھ پینا غلط تھا۔ بہتا تھا تو بہنے دیتے۔ چنانچہ ان کا یہ عذر نہیں سنا گیا وہ پیچھے چلے گئے۔ وہاں دھوپ تھی۔ دھوپ میں کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کا پسینہ بہہ بہہ کر گرنے لگا۔ اس وقت خواجہ شاہی نے کہا کہ حجام کو بلاؤ۔ پوچھا گیا آپ کیا کریں گے؟ جواب دیا کہ جس قدر پسینہ میرے دوستوں کا بہا ہے اس سے کہوں گا کہ اتنا خون میرا نکال دے خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو

ارشاد فرمایا کہ شاباش محبت ہو تو ایسی ہو اور انصاف کا خیال رکھا جائے تو اس طرح رکھا جائے۔

ان کی بزرگی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین ابوالموئد رحمۃ اللہ علیہ کو بیماری لاحق ہوئی تو ان ہی شاہی موئے تاب کو بلوایا اور بولے کہ ذرا دعا کرو تا کہ میری بیماری صحت سے بدل جائے۔ خواجہ شاہی نے عذر کیا کہ آپ تو خود بزرگ ہیں مجھ سے یہ فرمائش کیا کرتے ہیں۔ میں تو ایک بازاری آدمی ہوں۔ مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ کہیے۔ شیخ نظام الدین نے ان کی ایک نہ سنی اور کہا کہ تم دعا کرو اور توجہ کرو تا کہ مجھے صحت ہو جائے (اس پر) وہ بولے کہ اچھا تو پھر میرے دو دوستوں کو بھی بلا لیجیے۔ ان میں سے ایک کا لقب شرف تھا جو بڑا صالح مرد تھا۔ دوسرا ایک درزی تھا۔ الغرض دونوں بلائے گئے۔ خواجہ شاہی نے ان سے کہا کہ شیخ نظام الدین نے مجھے اس کام کا حکم دیا ہے۔ اب تم میرا ساتھ دو۔ شیخ کے سر سے سینے تک میرے ذمے اور نیچے کے اعضاء سینے سے ایک پاؤں تک ایک کے ذمے اور دوسرے پاؤں تک دوسرے کے ذمے۔ چنانچہ ان تینوں نے توجہ دینی شروع کی۔ شیخ نظام الدین کی بیماری صحت سے بدل گئی۔

ان بزرگ کی کرامت کا یہ قصہ بھی سنایا کہ وہ اکثر کہا کرتے کہ جس کسی کو میری وفات کے بعد کوئی مہم پیش آئے تو اس سے کہو کہ تین روز میری زیارت کے لیے آئے اور اگر تین دن گزر جائیں اور وہ کام نہ ہو تو چار روز آئے اور اگر چار روز گزرنے کے بعد بھی اس کی ضرورت پوری نہ ہو تو پانچویں روز آئے اور میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجادے[1]۔

پھر انبیاء اور اولیاء کی عصمت[2] کا کچھ ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ انبیاء معصوم ہیں اور فقراء کے نزدیک اولیا بھی (معصوم ہیں) لیکن انبیاء واجب العصمت ہیں (انبیا لازمی معصوم ہوتے ہیں) اور اولیاء جائز العصمت! (اولیاء معصوم بھی ہو سکتے ہیں)۔

تیسری[3] مجلس

اسی سال ماہ حج کی بائیسویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ کسی

1- اس حکایت سے پکی قبروں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔
2- گناہ سے محفوظ رہنا۔

آنے والے نے حاضر ہو کر فاتحہ کی درخواست کی۔ اس نیت سے کہ قرآن یاد ہو جائے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے پوچھا کہ کتنا حفظ کر چکے ہو؟ بولا تہائی حفظ کر لیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ باقی کو تھوڑا تھوڑا کر کے یاد کر لو اور پہلے حفظ کیے ہوئے کو بھی دہراتے رہو۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ میں نے ایک رات کو شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے خواب ہی میں قرآن یاد رہنے کے لیے فاتحہ کی درخواست کی انھوں نے خواب ہی میں (فاتحہ) پڑھی۔ دن نکلنے کے بعد میں ایک عزیز سے ملنے گیا اور یہ خواب سنا کر ان سے بھی فاتحہ کی درخواست کی اور کہا کہ جس طرح انھوں نے خواب میں فاتحہ پڑھی ہے۔ آپ بیداری میں پڑھیں تاکہ آپ کی فاتحہ خوانی کی برکت سے مجھے قرآن یاد رہے۔ ان بزرگ نے فاتحہ پڑھی اور یہ فائدہ بیان کیا کہ جو شخص ہر رات کو سوتے وقت یہ دو آیتیں پڑھتا ہے اس کو ضرور قرآن یاد رہتا ہے۔ اور حفظ ہو جاتا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (سورہ بقرہ: ۱۶۳، ۱۶۴)

پھر باری (تعالیٰ) عزّ اسمہٗ کی قدرت کا ذکر نکلا۔ اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے اصحاب کہف کو دیکھنے کی آرزو فرمائی تو (اللہ تعالیٰ کا) فرمان آیا کہ ہم نے یہ حکم دے دیا ہے کہ آپ انھیں دنیا میں نہیں دیکھیں گے۔ آپ لوگوں کی ملاقات قیامت میں ہوگی۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو ہم انہیں آپ کے دین میں لے آئیں! اس کے بعد رسول علیہ السلام ایک گلیم (کمبلی) لائے اور چار آدمیوں سے فرمایا کہ ہر ایک اس کمبلی کا ایک کونا پکڑے۔ ان چار میں ایک ابوبکر صدیق تھے، دوسرے عمر خطاب، تیسرے علی ابن طالب اور چوتھے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر رسول علیہ السلام نے اس ہوا کے آنے کی دعا فرمائی جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے بڑے کام لے چکے تھے۔ وہ ہوا حاضر ہو گئی تو اس کو حکم دیا کہ اس کمبلی کو چاروں اصحاب کے ساتھ لے جاؤ اور اس غار کے منہ پر جا اتارو۔ ہوا

اس گلیم اوران چاروں اصحاب کو اڑا کے لے گئی اوراس حق تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا اور انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد صحابہ نے رسول علیہ السلام کا دین ان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے قبول کیا۔ الحمد للہ رب العلمین خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ کون سی چیز ہے جس پر خدا تعالیٰ کو قدرت نہیں؟

چوتھی[4] مجلس

سنہ سات سو تیرہ ہجری ماہ صفر (اللہ تعالیٰ اسے خیر اور کامیابی سے اختتام تک پہنچائے) کی پہلی تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ نوافل اور اوراد کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ میں نے ایک رات شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کو خواب میں دیکھا۔ مجھ سے فرماتے تھے کہ یہ دعا ہر روز سو مرتبہ پڑھنی چاہیے۔ لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ، لہٗ الملک ولہٗ الحمد وھوا علےٰ کل شیٍٔ قدیر۔ (کوئی خدا نہیں اللہ کے سوا۔ وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں اسی کے لیے ملک ہے اسی کے لیے تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) جب میں بیدار ہوا تو اس دعا کو اپنے لیے لازم کرلیا (اور) اپنے آپ سے بولا کہ اس فرمان میں ضرور کوئی مصلحت ہوگی۔ اس کے بعد میں نے مشائخ کی کتابوں میں لکھا دیکھا کہ جو شخص روزانہ سو مرتبہ اس دعا کو پڑھتا ہے وہ بے اسباب خوش رہتا ہے اور اچھی زندگی بسر کرتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ بھی یہی چاہتے ہوں گے۔ اس دعا کی فضیلت میں یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد دس مرتبہ اس دعا کو پڑھتا ہے وہ گویا ہزار غلام آزاد کرنے کا کام کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ اور مجھ سے خواب میں فرمایا تھا کہ عصر کی نماز کے بعد پانچ مرتبہ سورہ انبا (عم یتسالون) پڑھو، جب میں بیدار ہوا تو اس فرمان کی تعمیل کی پھر دل میں یہی خیال گزرا کہ اس فرمان میں بھی کوئی بشارت (خوش خبری) ہوگی۔ (چنانچہ) تفسیر میں دیکھا کہ لکھا ہے جو شخص عصر کے بعد روزانہ پانچ دفعہ سورہ 'نبا' پڑھتا ہے وہ اسیرِ حق ہو جاتا ہے اور اس کا نام اسیر اللہ رکھا جاتا ہے۔ یعنی جو شخص کسی کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے کہتے ہیں وہ فلاں کا اسیر ہوگیا، یہاں بھی اس سے یہی بات مراد ہے کہ محبت حق کا اسیر ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں فائدے بیان فرمانے کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ بھی ہمیشہ اس کی

پابندی کریں۔

5. پانچویں مجلس

اسی سال ماہِ صفر کی بائیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرضداشت کی کہ بعض لوگ کیا بر سر منبر اور کیا دوسرے مقامات (سب جگہ) آپ کی بدگوئی کے طور پر کچھ (نہ کچھ) کہتے رہتے ہیں اور ہم سے نہیں سنا جاتا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔ پھر کیا موقع ہے کہ لوگ عداوت اور کسی کی دشمنی میں مشغول ہوتے ہیں۔ جو بھی مجھے بُرا کہتا ہے میں نے اسے معاف کر دیا۔ تم کو بھی چاہیے کہ معاف کر دو اور اس شخص سے دشمنی نہ رکھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ چھجو اندرپت کا رہنے والا تھا اور برابر مجھے بُرا کہتا اور (میرا) بُرا چاہتا۔ بُرا چاہنا بُرا کہنے سے بھی بُرا ہے۔ الغرض جب ▪ مر گیا تو میں تیسرے روز اس کی قبر پر گیا اور میں نے دعا مانگی اور کہا کہ الٰہی اس نے جو کچھ بھی مجھے بُرا کہا اور میرا بُرا چاہا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ تو میری وجہ سے اسے عذاب نہ دیجیو! اسی سلسلے میں فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ ایک شخص اپنی طرف سے صفائی کر لے۔ جب یہ شخص اپنے اندر سے عداوت کو نکال دے گا تو ضرور دوسری جانب سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ لوگ اس بُرا (بھلا) کہنے سے آخر کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ صوفی کا مال سبیل ہے اور اس کا خون مباح! جب معاملہ یہ ہو تو بُرا کہنے کی وجہ سے کسی سے دشمنی کیوں کی جائے۔

اس درمیان ایک شخص آیا اور ایک جماعت کا حال بیان کیا کہ اس وقت فلاں جگہ آپ کے مریدوں نے جلسہ کیا ہے اور وہاں مزامیر (منہ کی پھونک سے بجائے جانے والے باجے) بھی تھے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں نے منع کیا ہے کہ مزامیر اور حرام چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ اس بارے میں بہت غلو فرمایا۔ اس حد تک کہ ارشاد ہوا کہ اگر کوئی امام نماز پڑھا رہا ہو اور ایک جماعت اس کے پیچھے مقتدی ہو اور اس جماعت میں عورتیں بھی ہوں۔ پس اگر امام سے غلطی ہو جائے تو

مقتدی مردوں میں سے کوئی تسبیح سے ٹوکتا ہے اور کہتا ہے سبحان اللہ۔ مگر کوئی عورت غلطی سے واقف ہوتی ہے تو وہ امام کو کس طرح آگاہ کرتی ہے۔ (وہ) سبحان اللہ نہیں کہتی کہ اس کی آواز سنی جائے۔ پس وہ کیا کرتی ہے؟ ہاتھ پر ہاتھ مارتی ہے لیکن ہتھیلی پر ہتھیلی نہیں مارتی (تالی نہیں بجاتی) کہ اس سے کھیل کی مشابہت ہوتی ہے بلکہ ہاتھ کی پشت ہتھیلی پر مارتی ہے۔ الغرض جب (نماز میں) اس درجے کھیل اور اس سے مشابہ چیزوں سے پرہیز آیا ہے تو سماع میں تو اور بھی ضروری ہے کہ یہ چیزیں نہ ہوں یعنی تالی بجانے میں جب اس قدر احتیاط آئی ہے تو مزامیر کی تو اور بھی ممانعت ہونی چاہیے اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی کسی مقام سے گرے تو شرع میں تو گرے۔ اگر کہیں شرع سے باہر گرا تو پھر کیا رہے گا۔[1]

اس کے بعد فرمایا کہ سماع بڑے (بڑے) مشائخ نے سنا ہے۔ اور جو اس کام کے اہل ہیں اور جو صاحب ذوق ہے اور اس میں درد پایا جاتا ہے۔ وہ اگر گوپے سے ایک شعر بھی سنتا ہے تو آبدیدہ ہو جاتا ہے۔ چاہے مزامیر ہوں یا نہ ہوں البتہ جس کو عالم ذوق کی خبر نہیں اگر اس کے سامنے (زمانے بھر کے) گوپے ہوں اور ہر قسم کے مزمار (باجے) بھی آجائیں تو کیا فائدہ، کیونکہ وہ اہل درد میں سے نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ کام درد سے تعلق رکھتا ہے۔ مزامیر وغیرہ سے نہیں اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو ہر روز حضور کہاں میسر آتا ہے۔ اگر کسی دن کوئی اچھا وقت میسر آجاتا ہے تو اس دن کے سارے متفرق اوقات اس (اچھے) وقت کی پناہ میں ہوتے ہیں اور اگر کسی مجمعے میں کوئی شخص ذوق والا اور نعمت والا ہوتا ہے تو سب لوگ اس شخص کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ گزشتہ زمانے میں ایک قاضی تھا اجودھن میں جو ہمیشہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی مخالفت کرتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ دشمنی کے جوش میں ملتان گیا اور وہاں کے عہدیداروں اور علماء سے کہا کہ یہ کہاں جائز ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھے اور

1۔ کسی اور جگہ اس مفہوم کا ارشاد ہوا ہے کہ آدمی روحانی ترقی میں حقیقت تک پہنچ جائے اور وہاں اس سے کوئی خطا سرزد ہو اور نیچے گرایا جائے تو حقیقت سے نیچے کے مقام طریقت میں گرے گا۔ اور اگر طریقت میں کوئی غلطی ہو تو شریعت میں گرے گا۔ لیکن شریعت میں چوک ہو جائے تو نیچے کا درجہ دوزخ ہی ہے! گویا سب سے اہم حفاظت شریعت کی حفاظت ہے۔

محفل سماع برپا کرے اور کبھی کبھی رقص بھی کرے؟ ان لوگوں نے کہا کہ تو جو کچھ کہتا ہے پہلے بتا کہ یہ کس کا واقعہ ہے اور ایسا کون کرتا ہے؟ بولا شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز۔ انھوں نے جواب دیا کہ ان سے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے!

پھر خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے آج تک جب بھی سماع سنا اور تمام صفات جو گویّے سے سماع میں سنیں خرقۂ شیخ کی قسم اس کو شیخ کے اوصاف اور اخلاق پر محمول کیا۔ ایک دفعہ شیخ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی حیات کے زمانے میں ایک مجلس میں تھا۔ گویّے نے یہ شعر پڑھا:

مخرام بدیں صفت مبادا
کز چشم بدت رسد گزندے[1]

تم اس انداز سے مت چلو کہ کسی کی بُری نظر لگے۔

اور مجھے اپنے پیر کے پسندیدہ اخلاق اور اوصاف اور بزرگی کا کمال اور ان کے بے انتہا فضل ولطافت یاد آ گئے اور ایسا رونا آیا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ قوال چاہتا تھا کہ دوسرے شعر پڑھے مگر میں اسی کی تکرار کرتا رہا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو رونے لگے اور فرمایا کہ اس کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انھوں نے رحلت فرمائی۔

پھر (شعر کے) معانی کو کسی پر محمول کرنے اور خاص معانی پہنانے کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ کل قیامت کے دن کسی کے لیے فرمان پہنچے گا کہ تو نے دنیا میں سماع سنا ہے؟ وہ کہے گا کہ سنا ہے۔ فرمان ہوگا کہ جو شعر بھی تو نے سنا اسے ہمارے اوصاف پر محمول کیا؟ کہے گا جی ہاں! ارشاد ہوگا کہ وہ اوصاف حادث[2] ہیں اور ہماری ذات قدیم! اوصافِ حادثِ قدیم کے لیے کس طرح جائز ہو سکتے ہیں۔ وہ کہے گا خداوندا میں تو محبت کے جوش میں ایسا کرتا تھا۔ فرمان ہوگا کہ چونکہ تو نے محبت میں ایسا کیا ہے ہم تجھ پر رحمت فرماتے ہیں۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے کہ اس شخص کے لیے جو ان کی محبت میں

1- دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقش پا موجِ خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

2- نئی چیز جو پہلے نہ ہو ذات باری تعالیٰ ہمیشہ سے ہے قدیم ہے، کائنات اس نے پیدا کی اس لیے حادث ہے، پہلے سے نہ تھی۔

غرق ہے۔ یہ عتاب ہے، دوسروں کے بارے میں کیا کہا جائے۔

پھر معجزات رسول علیہ السلام کا ذکر آیا کہ حیوانات اور جمادات ان کی فرماں برداری کرتے تھے اس بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب رسول علیہ السلام مبعوث ہوئے تو معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور ارشاد ہوا کہ اس علاقے میں ایک چشمہ ہے جس کو عین الزعاف کہتے ہیں اور عین الذعاف بھی کہتے ہیں۔ اس چشمے کی خاصیت یہ ہے کہ جو بھی اس کا ذرا سا پانی پی لیتا ہے فوراً مر جاتا ہے۔ سیّد عالم علیہ السلام والتحیۃ نے معاذ سے فرمایا کہ جب وہاں پہنچو تو اس چشمے سے کہنا کہ میں مبعوث ہو گیا ہوں! جب معاذ اس چشمے پر پہنچے اور مصطفیٰ علیہ السلام کا فرمان پہنچایا اور اظہارِ نبوت کا قصہ سنایا تو وہ چشمہ رسول علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لایا اور پھر اس چشمے کی وہ (زہریلی) خاصیت باقی نہ رہی۔

پھر اسم اعظم کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ کو اسم اعظم یاد ہے؟ بتائیے کون سا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! معدے کو حرام لقمے سے پاک رکھو اور دل کو دنیا کی محبت سے خالی کر لو۔ اس کے بعد جس نام سے بھی خدا کو پکارو گے، وہی اسم اعظم ہے!

اس درمیان کھانا سامنے لایا گیا۔ جب نمک رکھا گیا تو خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ شروع نمک سے کرنا چاہیے۔ لیکن یہ جو انگلی منہ کے لعاب سے تر کر کے نمک اٹھاتے ہیں (یہ کہیں) نہیں آیا۔ اور اگر انگلی کو تر کیے بغیر (نمک پر) رکھتے ہیں تو نمک (انگلی پر) لگتا نہیں۔ اس لیے شہادت کی انگلی کو انگوٹھے سے ملا کر دو انگلیوں سے نمک لیتے ہیں۔ بندے (حسن علا سجزی) نے اس فائدے کے شکر[1] میں کہا کہ الحمدللہ حق نمک تازہ ہو گیا۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور بولے تم نے اچھا کہا۔ مولانا محی الدین کاشانی دامت برکاتہٗ تشریف رکھتے تھے۔ انھوں نے بندے کے فقرے پر ایک اور فقرہ چست کیا اور خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر سے عرض کیا کہ (حسن نے) نمکین بات کہی۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ ان باتوں میں بہت ماہر ہیں۔

1- نمک کے مقابلے میں شکر اور شکر کے ساتھ شُکر کا استعمال اس وجہ سے ہوا ہے کہ شکر اور شُکر ایک جیسی صورت رکھتے ہیں یعنی ان میں تجنیس خطی ہے۔

اس لطیفے کے سلسلے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ خواجہ شمس الملک علیہ الرحمۃ والغفران کی خدمت میں کوئی شخص آیا اور کسی چیز کا سوال کیا۔ شمس الملک نے اس کو ٹالنے کے لیے کوئی جواب دیا۔ وہ سائل اسی طرح کھڑا رہا۔ شمس الملک نے کہا جاتے کیوں نہیں؟ وہ بولا کہ جواب دینا چاہیے۔ شمس الملک کہنے لگے۔ میں نے ''جواب'' دے دیا۔ سائل بولا جواب دینا چاہیے۔ شمس الملک نے کہا اس سے زیادہ صاف اور واضح جواب اور کیا ہو سکتا ہے جو میں نے دیا ہے۔

چھٹی[6] مجلس

اسی سال ماہِ صفر کی انتیسویں تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کے شرف تک رسائی ہوئی۔ بندے نے عرض کی کہ اب کے اس طرف رشتے داروں سے ملنے کے لیے آنا ہوا تھا۔ بعض پیر بھائی یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی کسی اور کام سے اس طرف آئے اور یہ نیت نہ ہو کہ مخدوم کی زیارت کروں گا تو اس کو مخدوم کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگرچہ رسم یہی ہے لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ حضرت مخدوم کے دیدار کے بغیر ان حدود سے واپس چلا جاؤں۔ مجھے ایک بے رسمی کر لینی چاہیے۔ دل میں یہ سوچا اور مخدوم کی غلامی میں حاضر ہو گیا۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا۔ اس وقت یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے:

در کوئے خرابات و سرائے اوباش
منعی نبود بیا و بنشیں و بباش

(خرابات کے کوچے اور محفل رنداں میں کوئی روک ٹوک نہیں، آؤ بیٹھو۔ رہو!)

اس کے بعد فرمایا کہ مشائخ کی ایک رسم ہے کہ کوئی اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد ان کے پاس نہیں جاتا، لیکن میرے ہاں ایسا نہیں ہے جس وقت بھی کوئی آنا چاہے کہہ دو آئے!

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو روزانہ بس اسی کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ہر جگہ اسی کے قصے سناتے ہیں، یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں، جگہ پھرا اور ایک بزرگ کو دیکھا ایک

دوست نے اس سے کہا کہ جی حضرت جہاں تم تھے وہاں سے تو نہیں پھرے؟ پھر کیا فائدہ؟ یعنی پہلے کی طرح اب بھی اسی غرور (تکبر) میں مبتلا ہو۔

پھر خدمت اور رضا کا خیال رکھنے کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ جو خدمت کرتا ہے، مخدوم ہو جاتا ہے۔ کوئی خدمت کیے بغیر مخدوم کیسے بن سکتا ہے؟ اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے۔ مَن خَدَمَ خُدِمَ۔ جس نے خدمت کی اس کی خدمت کی گئی۔

پھر حسنِ معاملہ کا ذکر نکلا ارشاد ہوا کہ کسی نے دس سنتوں (مسنون چیزوں) کو جن میں سے پانچ سر سے متعلق ہیں اور پانچ جسم سے نظم کیا ہے۔ آخر میں یہ شعر کہا ہے اور خوب کہا ہے:

دہ سخن در دو بیت آوردی

کارکن کار کیں ہمہ سخنست

(تو دس سخن دو شعروں میں لے آیا! عمل کر عمل کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔)

ساتویں مجلس

چہار[1] شنبہ اسی سال ماہِ جمادی الاوّل کی انیسویں تاریخ کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ شاید انہی دنوں کسی ملک (نواب شاہی وقتوں میں بڑے مرتبے کا امیر) نے دو باغوں اور بہت سی زمین اور اس سے متعلق اسباب و آلات کا قبالہ (ملکیت کا کاغذ) حضرت کی خدمت میں بھجوایا تھا اور اپنے اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور اس بارے میں ارشاد ہوا کہ کیا میں باغ اور کھیتی اور زمین کا مالک بن کر رہ جاؤں؟ مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں اس طرح کی چیزیں قبول کرلوں تو لوگ کیا کہیں گے؟ (یہی کہ) شیخ باغ میں جاتے ہیں اور شیخ کھیتی اور زمین کی سیر کو جاتے ہیں۔ بھلا میرے کام کو ان چیزوں سے کیا مناسبت؟ (پھر) آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے کہ ہمارے خواجگان اور ہمارے مشائخ میں سے کسی نے اس طرح نہیں کیا ہے (جائدادیں قبول نہیں فرمائیں)۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب سلطان ناصرالدین انار اللہ برہانہ ملتان کی طرف گئے تو اجودھن (پاک پتن شریف) سے گزرے، سلطان غیاث الدین (بلبن) اس

1- لاہور ایڈیشن میں چہار شنبے کا لفظ چھوٹ گیا ہے نول کشور ایڈیشن میں موجود ہے۔

وقت الغ خاں کہلاتا تھا (وہ) شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ کچھ نقدی اور چار فرمان چار گاؤں (کی نذر کے) سامنے رکھے، شیخ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ الغ خاں نے کہا کہ یہ نقدی اور یہ چار گاؤں کے کاغذ حضور کے نام ہیں۔ شیخ الاسلام نے تبسم فرمایا اور بولے کہ یہ نقدانہ تو مجھے دیدو، میں درویشوں کے ساتھ مل کر خرچ کرلوں گا۔ مگر ان کاغذات کو اٹھالو اور لے جاؤ کہ ان کے طلب گار بہت ہیں، ان کو دے دو۔

اس حکایت کے دوران ایک حدیث بیان فرمائی کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے نہیں داخل ہوتیں کسی گھر میں مگر ذلت داخل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث ایک خاص موقع پر بیان ہوئی ہے۔ اور اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام کسی گھر میں تشریف لائے اور اس گھر میں دو لکڑیاں پڑی ہوئی دیکھیں، جن سے کھیتی کرتے ہیں اور جوڑی ہنکاتے ہیں، جب ان کو دیکھا تو ارشاد ہوا کہ یہ گھر میں داخل نہیں ہوتیں، بلکہ ذلت داخل ہوتی ہے یعنی یہ لکڑیاں گھر میں کیا آتی ہیں، خواری اس گھر میں آجاتی ہے! یہاں سے شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ انھوں نے ایک خط عربی میں شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجا تھا۔ میں نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے اس میں ذکر کیا گیا ہے جو عورتوں کی سُرین کا دلدادہ ہوا، وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتا، اور ضیعہ[1] کا ذکر بھی کیا ہے ضیعہ کہتے ہیں زمین اور کھیتی اور دیہات اور اسی طرح کی چیزوں کو۔ الغرض عربی کا لفظ تو مجھے یاد نہیں رہا، معنی یہ تھے کہ جس نے ضیعہ سے دل لگالیا وہ دنیا کا غلام ہوگیا یا اہل دنیا کا غلام ہوگیا۔ بندے نے شیخ جلال الدین نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کس کے مرید تھے؟ فرمایا کہ وہ شیخ ابوسعید تبریزیؒ کے مرید تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر اوراد کا ذکر نکلا، حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ حدیث کس طرح ہے کہ صاحب الورد ملعون و تارک الورد ملعون۔ ورد کرنے والا ملعون ہے اور ورد چھوڑنے والا ملعون

1- عربستان زراعت اور کھیتی کا ملک نہیں ہے اور جو تھوڑی بہت کھیتی ہوئی تھی وہ بڑے بڑے زمینداروں اور سرداروں کے قبضے میں تھی۔ ہل چلانے والا کسان بیچارہ ذلیل وخوار ہی رہتا تھا۔ یہی بات حضورؐ نے بیان فرمائی ہے کہ دوسرے پیشوں کی بہ نسبت ہل چلانے والا نہ حیثیت دار بنتا ہے نہ سوسائٹی میں مقام پاتا ہے ورنہ شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کھیتی باڑی ناجائز و ناپسندیدہ نہیں ہے (مترجم)

ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ حدیث ایک خاص شخص سے متعلق ہے جو اہل کتاب میں سے تھا۔ ہوا یہ کہ رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی گئی فلاں یہودی یا مجوسی ورد بہت کرتا ہے اس (جاپ) کو ان کے ہاں تخیشا کہتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ (یہ) ورد کرنے والا ملعون ہے۔ یہ خبر اس اہل کتاب کو بھی پہنچ گئی۔ اس نے اوراد چھوڑ دیے۔ پیغمبر علیہ السلام نے سنا تو فرمایا اوراد چھوڑنے والا ملعون ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ حدیث عام ہے تاویل اس کی یہ کی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص جان بوجھ کر ورد کو ترک کرتا ہے اور بغیر کسی عذر کے وظیفہ چھوڑتا ہے تو ایسا کرنے والے کے بارے میں کہا جائے گا کہ ورد کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔ اور اگر کوئی شخص ہو مثال کے طور پر قوم کا سردار کہ اس کے پاس لوگوں کا آ▮ جانا لگا رہتا ہو اور مسلمانوں کے کام اس کے احکام کے تحت ہوں (اور) وہ بیٹھا وظیفہ پڑھتا رہے تو ایسے شخص کے بارے میں کہیں گے کہ ورد کرنے والا ملعون ہے۔ اس بارے میں بندے نے عرضداشت کی کہ اگر کسی کو بہت مصروفیت ہو جائے یا ایسا عذر پیش آئے کہ مقررہ ورد نہ کر سکے (وہ) رات کو اپنا وظیفہ پڑھ لے تو کیسا ہے؟ ارشاد ہوا کہ اچھا ہے گر دن کا ورد ناغہ ہو جائے تو اسے رات کو پڑھ لینا چاہیے اور اگر رات کا ورد رہ جائے تو اس کو دن کے وقت پڑھ لینا چاہیے، رات دن کے خلیفہ (قائم مقام) ہے اور دن رات کا[1]!

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو بھی ورد کو بے عذر چھوڑ دے گا ▮ تین حال سے خالی نہیں رہے گا۔ یا تو اس کا رجحان حرام شہوت کی طرف ہوگا، یا بے موقع غصے کی طرف یا کسی بلا میں مبتلا ہوگا۔ اس معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ ایک روز گھوڑے پر سے گر گئے اور ان کا بازو اتر گیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا حال ہے؟ بولے میں روزانہ سورۂ یٰسین پڑھا کرتا ہوں۔ آج نہیں پڑھی تھی اسی وجہ سے بھگتنا پڑا۔

1- قرآن مجید کی آیت ہے:

وهو الذی جعل اليل والنهار خلفة لمن أرادان يذكر او اراد شكورا

(اللہ وہ ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا قائم مقام کیا ہے، اُس کے لیے جو اللہ کو یاد کرے یا اُس کا شکر ادا کرے) الفرقان: ۶۲

آٹھویں مجلس [8]

اسی سال ماہِ جمادی الآخر کی چوتھی تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ نظم اور غزل وغیرہ کو محمول کرنے (کسی خاص بات سے متعلق سمجھنے) کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ ہر ایک اس کو کسی خاص چیز پر محمول کرتا ہے[1]۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز یہ شعر زبان مبارک پر لائے:

نظامی! یہ کیا اسرار ہیں جو تم اپنے نہاں خانۂ فکر سے ظاہر کر رہے ہو اس کو بھلا یہاں کون سمجھے گا، زبان بند رکھو، زبان بند رکھو۔

اس دن کے زیادہ حصے میں یہ شعر پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ افطار کے وقت بھی یہی شعر زبان مبارک پر تھا، کہتے ہیں سحر کے وقت بھی یہی شعر پڑھتے تھے اور جب بھی پڑھتے تھے حالت متغیر ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ معلوم نہیں خاطر مبارک میں کیا بات تھی اور کیا چیز (یہ شعر) پڑھوا رہی تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کے اندر ایک دروازے پر کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ ایک کواڑ پر تھا۔ دوسرا ہاتھ دوسرے کواڑ پر اور بار بار یہ دو مصرے زبانِ مبارک پر لاتے تھے۔

"اے صنم تو ہمارے ہوتے کسی اور کا ہو گیا۔ لیکن خدا جانتا ہے ہم نے کسی اور سے دل نہیں لگایا۔"

اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے اپنی زبانِ گوہر بار سے فرمایا کہ معلوم نہیں اُن کے خیال میں کیا بات تھی اور وہ اس (شعر) کو کس پر محمول کر رہے تھے اور مقصد کیا تھا۔

پھر توکل کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ حق (تعالیٰ) پر اعتماد رکھنا چاہیے اور کسی اور کی طرف نظر (امید) نہیں لگانی چاہیے۔ اس کے بعد زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ ساری مخلوق کو اونٹ کی مینگنی جیسا (ہیچ) نہ سمجھے۔

1- ہر شخص اپنی ذاتی کیفیات اور موقع و محل کی مناسبت سے شعر کو ایک خاص معنی دیتا ہے۔ مثلاً کچھ لوگ مشاہدہ حق کا ذکر بادہ و ساغر کے الفاظ میں کرتے ہیں اور کچھ حقیقت کے بیان کو بھی مجاز کا رنگ دے کر دیکھتے ہیں (مترجم)

اس کے بعد اسی ضمن میں یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ابراہیم خواص" کعبے کے سفر کو نکلے تو ایک لڑکا بھی ساتھ لگ گیا۔ ابراہیم نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا: کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ بولا کعبے کی زیارت کے لیے! ابراہیم نے کہا (سفر خرچ) توشہ اور سواری کہاں ہے؟ بولا خدا عزوجل بندے کو بے اسباب (زندہ) و قائم رکھتا ہے۔ تو زادِ سفر اور سواری کے بغیر مجھے کعبے تک پہنچا بھی سکتا ہے۔ قصہ مختصر جب ابراہیم خواص کعبے پہنچے تو اس لڑکے کو دیکھا کہ ان سے پہلے پہنچا ہوا ہے اور کعبے کا طواف کر رہا ہے۔ جب اس کی نظر ابراہیم پر پڑی تو کہنے لگا، اے کمزور یقین رکھنے والے تو نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس سے توبہ کی؟

اسی سلسلے میں ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی کفن چور خواجہ بایزید" بسطامی کی خدمت میں آیا اور اس کام سے توبہ کی۔ خواجہ بایزید" نے اس سے پوچھا کہ تو نے کتنے مُردوں کے کفن کھسوٹے؟ اس شخص نے کہا کہ ایک ہزار آدمیوں کے! بایزید" نے پوچھا کہ ان میں سے کتنوں کو ایسا پایا کہ جن کے چہرے قبلے کی طرف تھے؟ بولا کہ (صرف) دو شخصوں کے چہرے قبلے کی طرف پائے، باقی سب کے چہرے قبلے سے پھرے ہوئے دیکھے۔ حاضرین نے خواجہ بایزید" سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ (صرف) دو کا رُخ قبلے کی طرف تھا اور اتنے لوگوں کا (منہ) پھرا ہوا؟ فرمایا کہ ان دو اشخاص کا اعتماد حق (تعالیٰ) پر تھا، دوسروں کا نہیں تھا!

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے ارشاد کیا کہ مشائخ نے رزق کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ رزق مضمون اور رزق مقسوم اور رزق مملوک اور رزق موعود رزق مضمون تو وہ ہے جو آدمی کو کھانے اور پینے کی چیزوں کی صورت میں جو اس کے لیے کافی ہوں ملتا ہے، اس کو رزق مضمون کہتے ہیں۔ یعنی (ان کا) خدا ضامن ہے۔ (ترجمہ آیت) ''اور زمین میں کوئی رینگنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو''۔ رزق مقسوم ▪ ہے جو ازل میں مقدر کر دیا گیا اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ رزق مملوک وہ ہے جس کا ذخیرہ ہوتا ہے روپے (پیسے) کپڑے اور دوسرے سامان کی صورت میں۔ رزق موعود وہ ہے جس کا وعدہ حق تعالیٰ نے عبادت گزاروں اور (اپنے) صالح بندوں سے کر رکھا ہے۔ (ترجمہ آیت) ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے (دینے کے) ذریعے بناتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں کا اس کو خیال بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ توکل رزق مضمون میں ہوتا ہے، دوسری قسم کے رزق

میں نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جو کچھ مقسوم ہے اس میں توکل کیا کرے گا اور جو مملوک (ملکیت) ہے اس میں بھی توکل کا دخل نہیں اور جو موعود (جس کا وعدہ کیا گیا) ہے اس میں بھی توکل نہیں ہے۔ کیوں کہ جس کا وعدہ کرلیا گیا وہ تو پہنچے ہی گا۔ توکل رزق مضمون میں ہے۔ یعنی یہ یقین رکھے کہ جو کچھ میرے لیے کافی ہو پہنچ کر رہے گا۔ (اس پر) توکل کرے۔

نویں[9] مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاوّل کی انتیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ نماز جماعت کی فضیلت کا ذکر نکلا۔ بندے کی طرف مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ پابندی سے باجماعت نماز پڑھتے ہو؟ بندے نے عرض کی کہ میرے گھر کے قریب مسجد موجود ہے۔ لیکن جس جگہ ہم لوگ رہتے ہیں اگر وہاں سے غیر حاضر ہو جائیں تو کوئی نہیں ہوتا جو وہاں رکھے ہوئے کاغذ کتاب[1] کی نگرانی رکھے۔ گھر ہی میں جماعت سے ادا کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ جماعت سے ادا کرنا تو ٹھیک ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ مسجد میں پڑھیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس سے پہلے سابق انبیاء کے زمانے میں مسجد کے سوا اور کہیں نماز جائز نہیں تھی۔ ہمارے رسول علیہ السلام کے عہد میں یہ میسر آیا کہ ہر جگہ ادا کر سکتے ہیں۔ نیز اگلے لوگوں کے لیے زکوٰۃ مال کا چوتھائی حصہ ہوتی تھی۔ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے عہد میں دو سو درہم پر پانچ درہم ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دو سو درہم میں سے جو پانچ درہم دیتے ہیں تو بس یہ ہوتا ہے کہ دینے والے کو بخیل نہیں کہتے۔ لفظ بخیل سے اسے نجات مل جاتی ہے۔ لیکن سخی بھی نہیں کہتے۔ سخی اسے کہتے ہیں جو مقررہ زکوٰۃ سے کچھ زیادہ دے۔ بندے نے اس درمیان عرض کی کہ یہ حدیث کیسی ہے کہ (ترجمہ) ''سخی اللہ کا دوست ہوتا ہے چاہے فاسق ہی کیوں نہ ہو؟'' فرمایا کہ کہتے تو ہیں۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ چالیس حدیثوں (کے مجموعے)

1- حضرت امیر حسنؒ فوج میں ملازم تھے۔ غالباً اپنے دفتری کام گھر پر کرتے ہوں گے اور راز کے فوجی کاغذات اور رجسٹر وغیرہ ان کی تحویل میں رہتے ہوں گے جن کو اتنی اہمیت دی گئی، ورنہ اسباب خانہ کا ذکر کرتے کہ ان کا کوئی محافظ نہیں ہے۔

میں یہ حدیث بھی درج کی گئی ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جو کچھ صحیحین[1] میں ہے وہ صحیح ہے اس کے بعد سخی اور جواد کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ سخی وہ ہوتا ہے جو زکوٰۃ سے کچھ زیادہ دیتا ہے، لیکن جواد وہ ہے جو بہت دے۔ مثلاً دو سو درہم میں سے پانچ درہم پاس رکھے اور باقی دے ڈالے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ تین طرح کی ہے، زکوٰۃ شریعت ہے، اور زکوٰۃ طریقت ہے، اور زکوٰۃ حقیقت ہے۔ زکوٰۃ شریعت تو یہ ہے کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم دے دیں اور زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو درہم میں پانچ درہم رکھیں باقی دے دیں اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب دے ڈالیں اور کچھ پاس نہ رکھیں!

زکوٰۃ کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے علماء سے کہا کرتے تھے یا علماء السوء ادوز کوٰۃ العلم! اے بُرے عالمو! اپنے علم کی زکوٰۃ دیا کرو۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ بولے کہ جو دو سو مسئلے (تم نے) یاد کیے ہیں ان میں سے پانچ مسئلوں پر عمل (بھی) کرو۔ اور جو دو سو حدیثیں آتی ہیں ان میں سے پانچ کو معمول (بھی) بناؤ!

اس کے بعد حدیث کی مناسبت سے مولانا رضی الدین صنعانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب مشارق[2] اور ان کی فضیلت اور اس بات کا ذکر نکلا جو انھوں نے اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ یہ کتاب میرے اور خدا کے درمیان حجت ہے۔ جب ان کو کسی حدیث کے بارے میں مشکل پیش آتی تو رسول علیہ السلام کو خواب میں دیکھ لیتے اور تصحیح کر لیتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ بدایوں کے تھے، اس کے بعد کول (موجودہ علی گڑھ) میں آ گئے اور مشرف[3] کے نائب ہو گئے۔ جس مشرف سے وہ متعلق تھے وہ بھی قابل آدمی تھا مگر ایک روز اس مشرف نے کوئی ایسی بات

1- حدیثوں کو جمع کرنے اور ان کی تحقیق و ترتیب اور تبویب کا کام بہت سے بزرگوں نے کیا ہے۔ ان میں سے چھ بزرگوں کی کتابیں بہت معتبر سمجھی جاتی ہیں اور انھیں صحاح ستہ یعنی صحیح کتابیں کہا جاتا ہے۔ ان چھ میں سے بھی بخاری اور مسلم کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے اور انھیں صحیحین یعنی وہ صحیح ترین کتابیں کہتے ہیں اور جو حدیث ان دونوں کتابوں میں یکساں آئے وہ متفق علیہ کہلاتی ہیں۔ (مترجم)

2- مشارق الانوار احادیث کا مجموعہ ہے۔

3- مشرف ایک عہدے دار ہوتا ہے۔ صدر محرر یا چیف رپورٹر۔

کہی کہ مولانا رضی الدین مسکرا دیئے۔ مشرف نے دوات ان کی طرف کھینچ ماری مگر وہ بچ گئے اوران کے نہیں لگی۔ جب انھوں نے یہ معاملہ دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ مجھے پہلے ہی سے چاہیے تھا کہ جاہلوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ رکھوں۔ اس کے بعد پھر مزید علم حاصل کرنے میں لگ گئے۔ کول کے حاکم کے لڑکے کو تعلیم دیتے اور سوتنکہ (ایک سکہ) پاتے۔ اسی پر قناعت کرتے وہاں سے حج کو گئے اور بغداد آئے اور پھر راجدھانی دہلی پہنچے۔ اس زمانے میں راجدھانی دہلی میں بڑے بڑے علماء تھے ان سب سے وہ علمی برابری رکھتے تھے لیکن علم حدیث میں سب سے ممتاز تھے اور کوئی ان کے مد مقابل نہ تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ ان کا کام صرف ایک حدیث ہی سے بن گیا اور ہوا یہ کہ جب انھوں نے کول (علی گڑھ) سے حج کا ارادہ کیا تو جوتیاں خرید کر پیر میں پہنیں۔ جب ایک منزل طے ہوئی تو تھک گئے اور خیال کیا کہ پیدل نہیں جا سکیں گے۔ اسی تردد میں تھے کہ والیٔ کول کا لڑکا (گھوڑے پر) سوار دوڑتا ہوا آیا تا کہ انھیں واپس لے جائے۔ جب وہاں پہنچا تو مولانا کی نظر اس پر پڑی کہ عمدہ گھوڑے پر سوار چلا آتا ہے۔ دل میں خیال کیا کہ یہ گھوڑا مجھے دے دو تو میں آرام سے جا سکتا ہوں۔ اسی فکر میں تھے کی والی کا لڑکا آ گیا اور مولانا کو واپس لے جانے کے لیے بڑی منت سماجت کی۔ مولانا واپس نہیں گئے۔ جب والی کے لڑکے نے دیکھا کہ مولانا واپس جانے والے نہیں ہیں تو بولا کہ اچھا یہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر آیا ہوں قبول فرمایئے۔ مولانا نے گھوڑا لے لیا اور روانہ ہو گئے۔ الغرض جب حج کو گئے اور وہاں سے بغداد آئے تو بغداد میں ایک محدث عالم بڑے بزرگ تھے ان کو ابن زہری کہتے تھے۔ ان کے لیے ایک منبر تیار کیا گیا تھا جس پر بیٹھ کر وہ حدیث بیان کرتے اور علماء ان کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ان کے اطراف حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ اس طرح کے کئی حلقے بن جاتے جو (علماء) زیادہ اہل ہوتے وہ ان کے سامنے بیٹھتے اور جو ان سے کم تر ہوتے وہ دوسرے حلقے میں بیٹھتے اور باقی لوگ پیچھے کے حلقوں میں اسی طرح آگے پیچھے قطاروں میں نشست ہوتی۔ وہ حدیث شریف لکھواتے اور یہ (علماء لوگ) اسے لکھتے ایک روز مولانا رضی الدین بھی اس مجمع میں پہنچ گئے اور اس حلقہ میں جو سب سے دور تھا بیٹھ گئے، ابن زہری نے ایک حدیث بیان کی مؤذن کے ساتھ (اذان میں) موافقت کرنے کے سلسلے میں یعنی جب مؤذن (اذان)

پکارے تو سننے والے کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح کہے (اذان کے کلمے کو دہرائے) انھوں نے حدیث کا آغاز اس لفظ سے کیا کہ اذا اسکب مؤذن۔ سکوب پانی بہانے کو کہتے ہیں۔ یعنی جب مؤذن کا کلمہ تم سنو تو تم بھی وہی کہو جو اس نے کہا ہے۔ جب ز بن زہری نے یہ حدیث بیان کی تو مولانا رضی الدین نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے آہستہ سے لوگوں کو بتایا کہ اِذَا سَکَتَ مؤذن (جب موذن خاموش ہو جائے) یعنی جب مؤذن کوئی کلمہ کہہ چکے اور خاموش ہو جائے تو اس نے جو کچھ کہا ہے۔ اس کی موافقت کرو (اس کو دہراؤ) شاید یہ بات کسی نے سن کر دوسرے سے کہی اس نے کسی اور کو بتائی اس نے کسی اور سے کہا، یہاں تک کہ یہ بات ابن زہری کے کان تک بھی پہنچ گئی۔ انھوں نے آواز دی کہ یہ بات کہنے والا کون تھا؟ مولانا رضی الدین بولے کہ میں نے کہی ہے، اس کے بعد ابن زہری نے کہا کہ دونوں باتیں بامعنی ہیں۔ اب میں کتاب میں دیکھوں گا۔ جب اس مجلس سے اٹھے تو کتابوں میں دوبارہ دیکھا گیا۔ دونوں باتیں ساتھ ساتھ لکھی ہوئی تھیں۔ اور اِذَا سَکَتَ کو زیادہ صحیح (لکھا تھا) یہ خبر خلیفہ کو بھیجی۔ مولانا رضی الدین کو سامنے لے گئے۔ خلیفہ نے ان کا اعزاز کیا اور ان کے سامنے کچھ پڑھا۔[1]

القصہ وہاں سے دہلی آئے۔ شاید جس وقت وہ بدایوں میں تھے وہاں ان کے ایک استاد تھے، بڑے بزرگ اور صاحب ولایت۔ ان کے پاس ایک کتاب حدیث شریف کی تھی، جس کا نام ملخص تھا اور مولانا رضی الدین نے ان سے وہ نسخہ مانگا تھا اور انھوں نے دینے میں تامل کیا تھا۔ جب مولانا علوم و معانی سے مالا مال ہو کر دہلی آئے تو شاید کسی سے کہا کہ ایک وہ وقت تھا کہ میرے استاد نے ملخص دینے سے دریغ کیا تھا اور اب اس کتاب کے مؤلف جیسے سو آدمی میرے سامنے کچھ پڑھ سکتے ہیں۔ کسی نے یہ بات ان کے استاد تک بھی پہنچا دی۔ وہ بولے کہ معلوم ہوتا ہے اس کا حج قبول نہیں ہوا، اگر اس کا حج قبول ہو جاتا تو ایسی بات نہ کہتا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے یہ بات بیان فرمائی، اور ان بزرگ کے صدق اعتقاد پر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اس کے بعد کھانا سامنے لایا گیا۔ فرمایا سرید بنا لو (روٹی شوربے میں چور لو) اس وقت

1۔ کسی بڑے محدث کو حدیث شریف سنا کر اس کی صحبت اور اپنی شاگردی کی گویا سند حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ حسن نظامیؒ حضرت مولانا نذیر حسین محدثؒ دہلوی کے باقاعدہ شاگرد نہیں تھے۔ لیکن فخر کرتے تھے کہ میں نے ان کو ایک حدیث سنا کر تبرکاً سند حاصل کی ہے۔ (مترجم)

یہ حکایت بیان فرمائی، ایک دفعہ درویشوں کی ایک جماعت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہم کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ کھانا لایا گیا تو شیخ ہر ایک کے ساتھ ہم پیالہ ہوئے۔ اس درمیان دیکھا کہ ایک شخص روٹی (شوربے میں) چُور کر کھا رہا ہے۔ بولے سبحان اللہ! ان درویشوں میں یہی درویش کھانا کھانا جانتا ہے اس کے بعد خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سرید کو دوسرے کھانوں پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جو مجھے تمام پیغمبروںؑ اور عائشہؓ کو تمام عورتوں پر۔ واللہ اعلم۔

دسویں مجلس 10

اسی سال رجب کی چودھویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ جماعت کی نماز کا ذکر نکلا۔ اس بارے میں بہت غلو فرمایا کہ اگر دو آدمی ہوں تو ان کو بھی جماعت کرنی چاہیے۔ اگر چہ دو آدمیوں سے جماعت نہیں بنتی لیکن ثواب جماعت کا مل جاتا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو چاہیے کہ برابر کھڑے ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام چاہتے تھے کہ نماز ادا فرمائیں اور عبداللہ ابن عباسؓ کے علاوہ اور کوئی شخص موجود نہ تھا۔ انہی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ جب رسول علیہ السلام نے (اول تکبیر کہہ کر) نیت باندھی تو عبداللہ اپنی جگہ سے کسی قدر پیچھے ہٹ گئے۔ مصطفٰے علیہ السلام نے نماز توڑی اور ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا اور نماز شروع فرمائی، عبداللہؓ پھر اپنی جگہ سے تھوڑے سے پیچھے چلے گئے۔ چناں چہ ایک دو بار انھوں نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد حضرت رسالتؐ نے فرمایا کہ پیچھے کیوں چلے جاتے ہو؟ عبداللہ ابن عباسؓ بولے کہ (بھلا) میری کیا مجال کہ رب العالمین کے رسولؐ کے برابر کھڑا ہوں۔ رسول علیہ السلام کو ان کا حسن ادب پسند آیا۔ ان کے بارے میں دعا کی اور فرمایا: **اللّٰھم فقّہ' فی الدّین** (اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما) اس کے بعد خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ صحابہ میں امیر المومنین علیؓ کے بعد (سب سے بڑے) فقیہہ وہی تھے۔ رضی اللہ عنہما۔

اس کے بعد ان عبداللہ کی مناسبت سے فرمایا کہ تین عبداللہ (نامی حضرات) عباداللہ

ثلثہ کہلاتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمرؓ۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ ابتدائی زمانے میں گلّہ بانی کرتے تھے۔ ایک دفعہ رسول علیہ السلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے جہاں یہ بھیڑیں چرا رہے تھے۔ جب رسول علیہ السلام ان کے پاس پہنچے تو ان سے تھوڑا سا دودھ طلب فرمایا۔ یہ بولے کہ میں تو امین ہوں دودھ کیسے دوں؟ ابوبکر صدیقؓ بولے۔ یہ حضرت رسالت ﷺ ہیں اور میں ان کا صحابی ہوں اگر کسی بھیڑ کا تھوڑا سا دودھ دوہ کر دے دو تو کیا ہو جائے گا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں تو امانت دار ہوں، مجھے دودھ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ میں کیا کروں! اس کے بعد رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک ایسی بھیڑ لاؤ جس پر نر نہ بیٹھا ہو۔ عبداللہ نے یہی کیا کہ ایک ایسی بھیڑ لے آئے جس پر نر بھیڑا (کبھی) نہیں بیٹھا تھا۔ رسول علیہ السلام نے دست مبارک اس کی پشت پر رکھا اور اس بھیڑ میں دودھ پیدا ہو گیا۔ اور دودھ دوہ لیا گیا۔ اس کے بعد حضرت رسالت ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آؤ ہماری صحبت میں رہو۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے فرمایا کہ یہ عبداللہ بن مسعود چھوٹے قد کے تھے چنانچہ پیغمبر علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا کہ (یہ) کنیفۃ العلم یعنی خریطہ علم (علم کی تھیلی) ہے اس سے پتہ چلا کہ وہ چھوٹے قد کے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چھوٹی تھیلی جو درویش سیا کرتے ہیں اور اُسے کنف کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ یہ لفظ کنف نہیں ہے، کنیف ہے۔ اسی لیے حضرت رسالت ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو کنیفۃ العلم فرمایا تھا۔

اسی بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص رئیس نامی تھے، وہ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بیعت تھے۔ ان رئیس (صاحب) نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک قبہ (گنبد) ہے اور اس کے اطراف لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور ایک چھوٹے قد کے آدمی کو دیکھا کہ بار بار قبے کے اندر جاتا ہے۔ اور باہر آتا ہے اور خلقت اسے پیغامات دیتی ہے اور وہ جواب لے کر باہر آتا ہے۔ یہ رئیس صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس قبے میں کون ہے؟ اور یہ چھوٹے قد کا آدمی جو اس کے اندر آتا جاتا ہے کون ہے؟ بتایا گیا کہ قبے کے اندر رسول علیہ السلام ہیں اور یہ صاحب عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو کبھی باہر آتے ہیں اور (کبھی) خلقت کے پیغام اندر لے جا کر جواب لاتے ہیں۔ رئیس کہتے ہیں کہ میں

عبداللہ بن مسعودؓ کے قریب گیا اور گزارش کی کہ رسول علیہ السلام سے عرض فرمایئے کہ مجھے آپ کے دیدار کی تمنا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اندر گئے اور باہر آ کر مجھ سے کہا کہ رسول خدا فرماتے ہیں تجھ میں ابھی تک اہلیت پیدا نہیں ہوئی ہے کہ مجھے دیکھ سکے۔ البتہ جاؤ اور میرا اسلام بختیار کاکیؒ کو پہنچاؤ اور کہو کہ ہر رات کو جو درود کا تحفہ مجھے بھیجا کرتے تھے وہ پہنچتا تھا۔ (لیکن) تین رات سے نہیں پہنچا ہے۔ کیا رکاوٹ ہوئی خیر تو ہے؟ یہ رئیس کہتے ہیں کہ میں بیدار ہوا اور شیخ الاسلام قطب الدین نور اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت رسالت ﷺ نے آپ کو سلام کہلوایا ہے! شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے جب سلام سنا تو تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ میں نے عرض کی کہ یہ فرمایا ہے کہ وہ تحفہ جو آپ ہر رات کو مجھے بھیجا کرتے تھے وہ پہنچتا تھا، مگر تین راتیں ہو گئیں کہ نہیں آیا۔ کیا رکاوٹ ہوئی خیریت تو ہے؟ شیخ قطب الدین نے اُسی وقت ان خاتون کو جنہیں زوجیت میں لیا تھا سامنے بلوایا اور ان کا مہر انہیں پیش کر کے رخصت فرما دیا اور واقعہ یہ ہوا تھا کہ شیخ نے تین راتیں حق زوجیت کی ادائیگی میں گزاری تھیں اور وہ (درود کا) تحفہ حضرت رسالت ﷺ کی خدمت میں پیش نہ کیا تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین طاب ثراہ ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھتے، پھر سوتے۔

شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کی بزرگی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین اور شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ملتان میں تھے۔ کافروں[1] کا ایک لشکر منارہ ملتان کے نیچے تک پہنچ گیا۔ قباچہ ملتان کا حاکم تھا۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے ایک رات کو ایک تیر قباچہ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ تیر آنکھ بند کر کے کافروں کے لشکر کی طرف چلا دو۔ قباچہ نے ایسا ہی کیا۔ جب دن نکلا تو ایک بھی کافر موجود نہ تھا، سب چلے گئے تھے!

گیارہویں مجلس
11

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی چوبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کے شرف تک رسائی

1- کافروں سے منگولوں کا لشکر مراد ہے (مترجم)

ہوئی۔ تفسیر کشاف کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ الحمد کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حسن بصریؒ کی قرأت الحمدِ للہ ہے۔ دال کے زیر سے۔ اور دال کے زیر کی وجہ یہ سمجھتے ہیں کہ للہ کا لام متصل ہے اور اس لام کی حرکت مبنی ہے۔ لیکن ابراہیم کی قرأت الحمدُ للہ ہے دال پر پیش اور لام پر بھی پیش۔ یہ ابراہیم نخعی کی قرأت ہے یا کسی اور کی۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ بہر حال کشاف لکھنے والے کا کہنا یہ ہے کہ حسن بصریؒ کی قرأت سے ابراہیمؒ کی قرأت بہتر ہے کیونکہ حسن بصری للہ کے لام کی وجہ سے دال کی زیر رکھتے ہیں یعنی للہ کے لام کی زیر مبنی ہے۔ الحمد کی دال پر بھی زیر ہونا چاہیے۔ لیکن ابراہیم الحمد للہ کے دال پر پیش ہونے اور للہ کے لام کے اس سے متصل ہونے کی وجہ سے لام پر بھی پیش لگاتے ہیں۔ کیونکہ الحمد کی دال کی حرکت ایک عامل کی وجہ سے ہے اور وہ اعراب جسے کوئی عامل بدل دے وہ مبنی کے اعراب سے قوی ہوتا ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ تشریح بیان فرمانے کے بعد فرمایا: کہ میں نے اس سے ایک نتیجہ نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ الحمد کی دال ایسے شخص کی مانند ہے جس کا کوئی پیر ہو اور وہ اس سے کہے کہ اس طرح رہو اور اُس طرح رہو اور اللہ کا لام اسی شخص کی مانند ہے کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اور وہ جیسا ہے ویسا ہی رہے۔

اس تفسیر کے سلسلے میں صاحب تفسیر کا اور ان کے عقیدے کا ذکر نکلا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ افسوس کہ اتنے علوم رکھنے کے باوجود باطل عقیدہ رکھتا تھا۔ اس موقع پر فرمایا کہ کفر ہے اور بدعت ہے اور معصیت ہے۔ لیکن بدعت معصیت (گناہ) سے بڑی ہوتی ہے اور کفر بدعت سے بڑا ہوتا ہے اور بدعت کفر کے نزدیک ہوتی ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ میں نے مولانا صدرالدین قونیوی سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں مولانا نجم الدین سنامی کے پاس تھا۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس شغل میں رہے ہو؟ میں نے کہا مطالعہ تفسیر میں۔ پوچھا کونسی تفسیر۔ میں نے کہا کشاف اور ایجاز اور عمدہ مولانا نجم الدین نے کہا کہ کشاف اور ایجاز کو تو جلا دو۔ بس عمدہ کو پڑھو۔ مولانا صدرالدین کہتے تھے کہ مجھے یہ بات ناگوار ہوئی اور میں نے ان سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ بولے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ مولانا صدرالدین کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بھی ناگوار گزری رات کو یہ تینوں کتابیں چراغ کے سامنے پڑھ رہا تھا۔ ایجاز اور کشاف کو میں نے نیچے رکھ دیا تھا اور عمدہ ان دونوں کتابوں کے اوپر تھی۔ اسی درمیان میں سو

گیا۔ یکا یک شعلہ بھڑکا، میں بیدار ہو گیا۔ کشاف اور ایجاز دونوں جو نیچے رکھی تھیں جل گئی تھیں اور عمدہ سلامت رہ گئی تھی۔

دوسری حکایت یہ بیان فرمائی کہ شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ چاہا کہ نحوِ مفصل پڑھیں۔ اپنے والد کے سامنے عرضداشت کی۔ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج کی رات صبر کرلو اور ذرا رات گزر جانے دو۔ جب رات ہوئی تو خواب میں دیکھا کہ کسی کو زنجیر میں جکڑے کھینچ کرلے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہے؟ کہا یہ زمخشری مفصل لکھنے والا ہے۔ اس کو دوزخ میں لے جا رہے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

بارہویں مجلس 12

اسی سال ماہِ مبارک شعبان (اللہ تعالیٰ اس کی برکتوں کو عام کرے) کی ساتویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ سفر کرتا ہوا اس سرزمین میں پہنچا جہاں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہ قبر بہت اونچی اور بڑی لمبی ہے۔ اور اس علاقے میں ایسی قوم آباد ہے جو ہماری زبان نہیں سمجھتی اور ہم ان کی زبان سمجھتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہم کئی روز کے بھوکے وہاں پہنچے ان لوگوں نے کاچی[1] کی طرح جوار کی کوئی چیز پکائی، اور اس پر دودھ ڈالا۔ ہم بھوکے (تو) تھے (ہی) بڑی رغبت سے کھایا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ایسے علاقے میں اس طرح کی قوم سے ایسی انسانیت (کا برتاؤ) بڑی بات ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے والا تھوڑا سا گاجر کا حلوہ بھی لایا تھا، اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے مولانا عزیز زاھد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں اور مولانا برہان الدین کابلی جو راجدھانی دہلی کے قاضی کے نائب تھے، ابتدائی زمانے میں ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا برہان الدین کو دو سونے کے سکے ہاتھ آئے بولے۔ ان دو سکوں میں سے ایک سکے کا قرآن مجید لے لوں گا، اس نیت سے کہ میں صاحب نصاب یعنی مالدار ہو جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا (اور) ایک سکے کا قرآن مجید لے لیا۔ شاید اسی روز ان کا سپہ سالار

1- کاچی: لپٹے یا حریرے کی طرح کا کھانا۔

جمال الدین نیشاپوری کے پاس جانا ہوا جو راجد ھانی دہلی کے کوتوال تھے۔ کھانا سامنے رکھا گیا تو اس میں گاجر کا حلوہ بھی تھا۔ کوتوال نے یہ حلوہ مولانا برہان الدین کے سامنے رکھا اور پوچھا کہ اس کو کس طرح کھاتے ہیں؟ مولانا برہان الدین نے کہا کہ طالب علم سوکھی روٹی اس طرح کھاتے ہیں جیسے گاجر کا حلوہ (ہو) پس اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ گاجر کے حلوے کو کس طرح کھائیں گے۔ کوتوال کو یہ بات بہت اچھی لگی اور ... بہت متاثر ہوا۔ کسی کو اشارہ کیا اور بیس یا تیس تنکے (سکے) لائے گئے اور مولانا برہان الدین کو دے دیے۔ غرض یہ کہ مولانا کے پاس اس کے بعد مال اور نعمت خوب ہو گئے اور راجدھانی دہلی کے قاضی (جج) کی نیابت مل گئی اور بڑا فائدہ ہوا۔ یعنی ان کی نیت صادق تھی اس لیے پھل بھی پائے!

تیرہویں[13] مجلس

اسی سال ماہ رمضان کی آخری تاریخ[1] (چاند رات) جمعے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ عدل اور ظلم کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ حق (تعالیٰ) کا معاملہ مخلوق کے ساتھ دو طرح کا ہے اور مخلوق کا معاملہ آپس میں تین طرح کا ہے اور حق تعالیٰ کا برتاؤ مخلوق کے ساتھ یا عدل کا ہوتا ہے یا فضل کا۔ لیکن مخلوق آپس میں یا عدل برتتی ہے یا فضل یا ظلم۔ اگر مخلوق ایک دوسرے کے ساتھ عدل یا فضل کرتی ہے تو حق (تعالیٰ) ان پر فضل فرماتا ہے اور اگر مخلوق ایک دوسرے پر ظلم کرتی ہے تو حق تعالیٰ ان سے عدل فرماتا ہے اور جس سے خدائے تعالیٰ عدل فرماتا ہے اس کو عذاب میں ماخوذ کرتا ہے چاہے وہ پیغمبر وقت ہی (کیوں) نہ ہو۔ اس بات پر بندے نے عرض کی کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کل قیامت کے دن حق تعالیٰ مجھے اور بھائی عیسیٰ کو دوزخ میں لے جائے تو یہ (عین) عدل ہوگا۔ فرمایا کہ ہاں! سارا عالم اس کی ملکیت ہے۔ اگر کوئی اپنی ملکیت میں تصرف کرتا ہے تو اس کو ظلم نہیں کہہ سکتے۔ ظلم تو وہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی ملکیت میں تصرف کیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اشعریہ مذہب میں بھی یہی ہے کہ اگر حق تعالیٰ مومن کو دوزخ

1- بارہویں مجلس کی تاریخ ۷ رشعبان تھی۔ شعبان کا چاند ۳۰ کا مانا جائے تو رمضان کی پہلی جمعرات کی ہوئی اور رمضان کی ۳۰ ر جمعے کو۔ مترجم

میں لے جائے اور ہمیشہ وہاں رکھے اور کسی کافر کو جنت میں لے جائے اور وہاں ہمیشہ رکھے۔ تو وہ اس اصول کے مطابق (درست) ہوگا کہ اپنی ملکیت میں تصرف کیا۔ مگر ہمارے مذہب میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ (کہو کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں (جانتے ہیں دانا ہیں) اور وہ لوگ (جو نادان ناسمجھ ہیں) علم نہیں رکھتے، کہو کیا برابر ہو سکتے ہیں۔ اندھے اور آنکھوں والے۔ وہ غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟) کیوں کہ نادان دانا کے برابر نہیں ہو سکتے اور نابینا آنکھوں والے جیسے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کی چند مثالیں دی گئی ہیں۔ لہٰذا اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ مومن کو بہشت میں لیجا کر رکھے اور کافر کو دوزخ میں کیونکہ وہ حکیم ہے اور تمام کام حکمت کے مطابق کرتا ہے جیسے کسی کے پاس مال ہو وہ جس طرح چاہتا ہے اسے خرچ کرتا ہے لیکن ▪▪ اپنے مال کو اگر کنویں میں لے جا کر ڈال دے تو یہ حکمت نہ ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر مومن بے توبہ دنیا سے چلا جائے تو تین طرح کا احتمال ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اسے ایمان کی برکت سے بخش دے یا اپنے فضل سے بخش دے یا کسی کی شفاعت سے بخش دے اور اگر دوزخ میں لے جائے تو اس کے گناہ کی مقدار کے موافق اس کو عذاب دے اور پھر جنت میں لے جائے۔ لیکن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے گا کیوں کہ وہ ایمان کے ساتھ گیا ہوگا۔

14
چودھویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک شوال کی بارھویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی اور اس دن بندہ بشیر نامی غلام کو خدمت میں لے گیا اور عرض کی کہ یہ غلام نماز پڑھتا ہے اور بہت مدت سے بندے کے سر ہے کہ اسے مخدوم کے قدموں میں ڈالا جائے اور بیعت کی دولت تک پہنچایا جائے، کیوں کہ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کا کرم عام ہے (حضرت نے) یہ درخواست قبول فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد کیا کہ (کیا) اسے اجازت دیتے ہو کہ بیعت کرے؟ بندے نے عرض کی جی ہاں۔ اس کے بعد دست بیعت اسے عطا فرمایا اور کلاہ عنایت کی اور حکم دیا کہ جاؤ دو رکعت نماز (شکرانہ) ادا کر کے آؤ۔ جب وہ غلام سامنے سے چلا گیا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے

حکایت بیان فرمائی کہ کچھ عرصے پہلے بہار سے ایک درویش بڑے مکلف خرقے میں (ملبوس) آیا اور شیخ علی سجزی علیہ الرحمۃ والغفر ان کی خانقاہ میں جا کر اترا۔ شاید یہ درویش ہر جگہ دروازہ کھٹکھٹاتا پھرتا تھا۔ اور شیخ علی نے اس سے کہا تھا کہ جب اس لباس میں ہو تو بھیک مانگتے مت پھرو۔ میں تمہیں کچھ دوں گا اس کو کافی سمجھنا اور اس سے تجارت کرنا، اس شرط کے ساتھ کہ جب تمہیں اطمینان میسر آئے تو درویشوں کو بھی اس میں سے حصہ دینا۔ یہ کہا اور پانچ سو جیتل اس کو عطا کیے۔ اس درویش نے ان پانچ سو جیتلوں سے کاروبار کیا کچھ دن بعد تیس تنکے کے قریب ہو گئے پھر ان تیس تنکوں کو تجارت میں لگایا تو سو تنکے ہو گئے۔ ان تنکوں سے غلام خریدے۔ شیخ علی نے کہا کہ ان غلاموں کو غزنی لے جاؤ تا کہ اچھا منافع ہو۔ درویش نے ایسا ہی کیا اور اس درویش کے پاس ایک اعتماد کا غلام تھا اس غلام سے کہا کہ تو میرا مرید ہو جا! غلام اس کا مرید ہو گیا، درویش نے اس کے سر کے بال تراشے اور ایک کلاہ اس کے سر پر رکھی اور کہا یہ کلاہ سیدی احمد کی ہے۔ شاید اس درویش کا تعلق اس خاندان سے تھا۔ الغرض جب غزنی پہنچ کر غلاموں کو فروخت کیا تو بڑا منافع ہوا۔ بعض لوگ اس غلام کے خریدار بھی ہوئے۔ درویش بولا کہ میں اس کو کس طرح بیچ سکتا ہوں۔ یہ تو میرا مرید ہو گیا ہے۔ مگر اس کو خریدنے کے لیے بڑا اصرار ہوا یہاں تک کہ اس کی چوگنی قیمت لگا دی گئی۔ درویش کی نیت بھی بدلنے لگی اور بیچنے کی اجازت دے دی جیسے ہی سوداگر لوگ جمع ہوئے کہ غلام کی بولی لگائیں۔ غلام آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اس درویش سے بولا کہ خواجہ! جس روز میں آپ کا مرید ہوا تو آپ نے ایک کلاہ میرے سر پر رکھی تھی اور کہا تھا کہ کلاہ سیدی احمد کی ہے اب آپ مجھ کو بیچتے ہیں۔ کل قیامت کے دن سیدی احمد کے سامنے میرا آپ سے جھگڑا ہوگا۔ جب غلام نے یہ بات کہی تو آقا کا دل بھی پسیج گیا۔ حاضرین سے بولے کہ آپ لوگ گواہ رہیے میں نے اس غلام کو آزاد کیا۔ جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر اس بات پر پہنچے تو بندے نے عرض کی کہ میں نے بھی اس غلام کو آزاد کیا! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر بہت خوش ہوئے۔ ارشاد ہوا تم نے بہت اچھا کیا۔ یہی واجب بھی تھا جو تم نے کیا۔ اس کے بعد بڑی شفقت اور مرحمت کے ساتھ اپنے مبارک سر پر سے کلاہ اتار کر بندے کے سر پر رکھ دی۔ والحمدللہ رب العالمین۔

15
پندرہویں مجلس

اسی سال ماہِ شوال کی ستائیسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ خرچ کرنے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جب کسی کو دولت میسر آئے تو اسے خرچ کرنا چاہیے کہ اس سے کمی نہیں آتی اور جب دولت کسی سے منہ پھیر لے تو اس وقت بھی خرچ کرنا چاہیے کیوں کہ جب اس کو جانا ہی ٹھہرا تو پھر بہتر یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھ سے دے ڈالے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو اس عبارت میں بیان کیا ہے کہ "جب آئے تو دو کہ کم نہ ہوگی اور جب جائے تو نہ روکو کہ ٹھہرے گی نہیں"!

16
سولہویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ جمعے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ ذکر یہ نکلا کہ مردانِ حق جو کھانا بھی کھاتے ہیں ان کی نیت میں للّٰہیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ شہاب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے عوارف میں لکھا ہے کہ ایک درویش تھا جو کھانا کھاتے وقت جو نوالہ اٹھاتا کہتا میں یہ نوالہ اللہ کے نام پر لیتا ہوں!

17
ستارہویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی اکیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ دریافت فرمایا کہ چھاؤنی سے آ رہے ہو یا شہر سے؟ بندے نے عرض کی کہ چھاؤنی سے حاضر ہوا ہوں اور گھر وہیں لے لیا ہے۔ ارشاد ہوا شہر کی طرف بھی جاتے ہو؟ بندے نے عرض کی بہت کم۔ دس بارہ دن بعد جانا ہوتا ہے۔ زیادہ تر چھاؤنی ہی میں رہتا ہوں اور نماز جمعہ بھی کیلو کھری کی مسجد میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا کہ اچھا کرتے ہو کیوں کہ چھاؤنی کی ہوا شہر سے بہتر ہوتی ہے اور شہر میں عفونت (گندگی آلودگی زہریلی خاصیت) بھی ہوتی ہے۔

اس بات کی مناسبت سے زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جس طرح کوئی زمانہ دوسرے زمانے سے ممتاز ہوتا ہے جیسے عید کا دن دوسرے سب دنوں کے مقابلے میں عام خوشی کے لیے

مخصوص ہے۔اسی طرح بعض جگہ بھی ہوتی ہے۔ جہاں ایسی راحت ملتی ہے جو دوسرے مقام پر نہیں ملتی۔لیکن درویش وہ ہوتا ہے جو زمان ومکان (کی قید) سے باہر نکل جاتا ہے۔نہ تو کسی خوشی سے شادمان ہوتا ہے، نہ کسی غم سے غمگین اور ایسا وہی شخص ہوتا ہے جو دنیا اور دنیاداری سے آزاد ہو جائے اور درویش ہو تو ایسا ہو کہ بات کرے تو دل اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو اور اس کی زبان دل سے امداد چاہے اور دل حق (تعالیٰ) سے!

اس کے بعد موتی بکھیرنے والی زبان (مبارک) سے ارشاد ہوا کہ شروع میں یہ کلمات میں نے مولانا عماد الدین سناجی سے سنے تھے۔ایک دفعہ میں حوض سلطان (شمسی تالاب) کی طرف گیا ہوا تھا کہ وہ بھی آگئے اور ہم ساتھ بیٹھ گئے اسی بارے میں باتیں کرتے رہے۔بہت اچھا وقت گزرا، لیکن کم وبیش تین چار سال بعد ہم دونوں پھر ایک جگہ جمع ہوئے تو یہ کیفیات ان میں ذرا بھی باقی نہ رہی تھیں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ وہ دنیا والوں میں مشغول ہو گئے تھے۔اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہٗ العزیز جب دہلی آئے اور کچھ عرصہ ٹھہر کر روانہ ہوئے تو بولے کہ میں اس شہر میں آیا تھا تو خالص سونا تھا۔اب چاندی ہوں زیادہ رکا تو (خبر نہیں) کیا بن جاؤں گا؟

پھر سماع کا ذکر آیا۔ بندے نے عرضداشت کی کہ یہ شکستہ (حال) اپنے معاملے میں بڑا حیران (پریشان) ہے۔ اس وجہ سے کہ جو طاعت وعبادت ہونی چاہیے ▮ پلے نہیں۔ درویشوں کی سی مشغولی اور اوراد بھی نہیں ہیں۔البتہ جب سماع سنتا ہے تو بڑی رقت اور راحت حاصل ہوتی ہے اور مخدوم کی خدمت میں حاضری کے وقت بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ نفسانی خواہشات اور دنیا اور اہل دنیا کسی کا دھیان نہیں آتا۔ دریافت فرمایا کہ کیا اس وقت دل دنیا کے تعلقات سے خالی ہوتا ہے۔عرض کی جی ہاں! ارشاد ہوا سماع دو طرح کا ہوتا ہے۔ پہلے ہاجم ہوتا ہے اس کے بعد غیر ہاجم۔ ▮ جم اس کو کہتے کہ اوّل سماع ہجوم لاتا ہے (مغلوب کر لیتا ہے) مثلاً جب کوئی آواز یا شعر سنا جاتا ہے تو وہ آدمی کو (حرکت اور) جنبش میں لاتا ہے اس حال کو ہاجم کہتے ہیں اور اس کی شرح نہیں کی جا سکتی۔لیکن غیر ہاجم وہ ہوتا ہے کہ سماع کا شعر متاثر کرتا ہے اور (سننے والا) اس کو کسی پر محمول کرتا ہے۔ حضرت حق پر یا اپنے پیر یا کسی اور چیز پر جس کا خیال اس کے دل میں آئے۔الحمد للہ رب العالمین۔

جلد چہارم

67
سڑسٹھ مجلسیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہء بندہ نواز، سلطان دار الملک راز، ملک المشائخ علی الاطلاق قطب الاقطاب عالم بالاتفاق نظام الحق والہدیٰ والدین (اللہ تعالیٰ ان کی درازی عمر سے مسلمانوں کو مستفید فرمائے) کے کلمات کاملہ اور ارشادات شاملہ سے اوراق نور کی یہ سطور اور الواح سرور کے یہ حروف ایک دفعہ پھر جمع کیے جاتے ہیں ان کی ابتداء محرم سات سو چودہ ہجری سے ہوتی ہے۔

میں نے خواجہ کے لفظ متین کو حبل المتین کی طرح تھام لیا ہے، کیونکہ غم کے کنویں سے اسی رسّی کے سہارے بغیر کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔ میں نے شیخ کے ارشادات کو اس امید کے ساتھ جمع کیا ہے کہ حق (تعالیٰ) اپنے کرم سے حسن کے قول وفعل سے درگزر فرمائے گا۔

پہلی[1] مجلس

ماہ مبارک کی چوبیسویں تاریخ سنہ سات سو چودہ (۷۱۴) ہجری بدھ کو پیر چومنے کی سعادت ہاتھ آئی۔ اس روز بندہ حکم کے موافق اسی فوائد الفواد سے جمع کی ہوئی پہلی جلد خدمت میں لے گیا۔ مطالعہ فرمانے کے بعد پسندیدگی کا شرف عطا فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اچھا لکھا ہے اور درویشانہ لکھا ہے اور نام (فوائد الفواد، دلوں کے فائدے) بھی اچھا رکھا ہے۔

اس کے بعد مناسب حال یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے وقت ایمان لائے اور فتح خیبر کے بعد پیغمبر علیہ السلام تین برس سے زیادہ حیات (ظاہر) میں نہ رہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہؓ نے ان تین سالوں میں اتنی حدیثوں کی روایت کی ہے کہ اگر تمام صحابہ کی روایت کردہ حدیثوں کو جمع کیا جائے تب بھی ان حدیثوں کا (تعداد میں) مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ آپ کو اتنی حدیثیں

اتنی کم مدت میں یاد رہیں اور وہ صحابہ جو آپ سے برسوں زیادہ (خدمت میں) رہے ان کو یاد نہ رہیں؟ بولے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر صحابی کو کسی خاص کام میں لگا رکھا تھا۔ لیکن میں ہر وقت خدمت میں رہتا تھا اس لیے یاد رکھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز (حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا ہوں یاد کر لیتا ہوں۔ (لیکن) بعض حدیثیں یاد نہیں رہتیں۔ رسول علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ جو کچھ مجھ سے سنو یاد رہے تو جب میں کچھ بیان کروں تم اپنے پیراہن کا دامن پھیلا لیا کرو چادر ہو تو اسے سامنے پھیلا لیا کرو (اور) جب میں بیان پورا کر لوں تو آہستہ سے دامن سمیٹ کر ہاتھ سینے پر رکھ لیا کرو۔

اس کے بعد فرمایا کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری عمر میں تین یا چار حدیثوں کی روایت کی ہے اور عبداللہ بن عباسؓ نے دس سے کم لیکن عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسا (زبردست) فقیہ ہونے کے باوجود اپنی ساری عمر میں (صرف) ایک حدیث کی روایت فرمائی اور جس روز اس حدیث کی روایت فرمائی ان کا چہرہ ہیبت کے مارے بالکل پیلا پڑ گیا اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دونوں مونڈھوں کے درمیان کی فربہی جو خوف کی حالت میں کانپنے لگتی ہے وہ کانپنے لگی اور اس کے بعد انھوں نے کہا کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے" اور حدیث بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے "یہ الفاظ تھے یا اس مفہوم کے الفاظ تھے۔"

یہاں سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کا ذکر نکلا فرمایا کہ صحابہ میں سے چار خلیفہ تھے اور تین عبداللہ۔

اس کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام والتحیۃ نے (حضرت) علی کا ذکر صحابہ سے ان الفاظ میں فرمایا کہ تم سب میں سب سے بہتر جج علیؓ ہیں۔ اقضیٰ [illegible] ہوتا ہے جو سب سے اچھا فیصلہ کرتا ہو۔ یعنی اقضیٰ وہی ہو سکتا ہے جو سب سے بڑا عالم ہو۔

اس کے بعد صحابہ کی یگانگت کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک صحابی کسی مجمع میں تشریف رکھتے تھے اور کوئی شخص ان کی پشت پر بیٹھا ہوا تھا اور یہ پشت کی طرف بیٹھنے والا

شخص بار بار کہتا تھا کہ میں نے رسول علیہ السلام کو فرماتے سنا ہے کہ ایک روز میں فلاں جگہ تھا اور میرے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے۔ اور پھر میں فلاں جگہ گیا اور میرے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے اسی طرح کئی بار ذکر فرمایا کہ پیغمبر ﷺ نے ارشاد کیا کہ فلاں جگہ میں تھا اور ابو بکرؓ و عمرؓ ان صحابی نے سر پھیر کر دیکھنا چاہا کہ یہ حکایت بیان کرنے والا کون ہے تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ، تھے۔ اس حکایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کی موافقت اور انصاف کو بیان کیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ صحابہ کی موافقت اور انصاف ایسا تھا۔

پھر اس حکایت کی مناسبت سے فرمایا کہ ایک دفعہ عمرؓ نے فرمایا کہ اے کاش میں ابو بکرؓ کے سینے کا ایک بال ہوتا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسری مجلس[2]

اسی سال ماہ محرم کی اٹھائیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔ ایک درویش کا ذکر نکلا کہ وہ مرد عزیز ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی دنیا کی لگاوٹ سے دور رہے گا معزز ہوگا۔ اور اگر کوئی دنیا کی لگاوٹ کے باوجود معزز ہو تو اس کی عزت عارضی ہوگی۔ اس کے بعد یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے۔

جب تک تو پاک[1] نہ ہو جائے تجھے آگ (سوز عشق) نہ دیں گے
جب تک تو خاک نہ ہو جائے پانی نہیں دیں گے

اس کے بعد اس بات کا ذکر نکلا کہ آج مہینے کی اٹھائیسویں تاریخ ہے یا انتیسویں۔ اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ لاہور میں رمضان کی ستائیسویں یا اٹھائیسویں ہی کو چاند دیکھا گیا۔ ہوا یہ کہ اس سال تین مہینے تک جب بھی انتیسویں تاریخ آئی ابر اور غبار کی وجہ سے چاند دکھائی نہ دیتا اور شہر والے ہر مہینہ تیس دن کا شمار کرتے رہے۔ جب تین مہینے گزر گئے تو یہ قصہ ہوا کہ چاند دیکھا گیا اور پتا چلا کہ (اب تک) غلطی پر تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ لاہور کی بربادی ایک تو اس نحوست سے ہوئی۔ دوسری نحوست یہ کہ

1- یہاں مراد سوکھ جانے سے ہے۔ تری محاورے میں ناپاکی کو کہا جاتا ہے۔ اُردو کا مشہور شعر ہے:

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اسی زمانے میں لاہور سے کچھ سوداگر گجرات کی طرف گئے۔ اس زمانے میں گجرات ہندوؤں کے پاس تھا غرضیکہ جب ہندو آئے اور ان لوگوں کے لائے ہوئے سامان کی خریداری کرنے لگے تو لاہور والوں نے سب سامان کی قیمت زیادہ بتائی۔ مثلاً جس چیز کے دام دس درہم تھے۔ اس کے بیس بتائے اور جس کے دام بیس درہم تھے اس کے چالیس بتائے۔ اسی طرح ہر چیز کے دام دوگنے کر دیئے۔ اس کے بعد بیچتے وقت اصل قیمت پر بیچا بلکہ جو دام کہہ رہے تھے اس سے آدھے داموں فروخت کیا۔ اس علاقے کے ہندوؤں میں اس طرح کا دستور نہیں تھا۔ وہ تو جو سامان فروخت کرتے اس کی قیمت ٹھیک ٹھیک بتاتے اور ایک ہی بات کہتے۔ الغرض جب انھوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ آپ لوگ کس شہر کے ہیں؟ بولے ہم لاہور کے ہیں۔ اس ہندو نے پوچھا کہ کیا آپ کے شہر میں سودا اسی طرح کیا جاتا ہے؟ جواب دیا ہاں! اس کے بعد وہ ہندو کہنے لگا کہ کیا وہ شہر آباد ہے؟ بولے ہاں! ہندو نے کہا تعجب ہے کہ جس شہر میں معاملہ اس طرح ہو، وہ آباد کیسے ہے؟ الغرض جب اہل تجارت واپس چلے تو ابھی راستے ہی میں تھے کہ مغل آئے اور لاہور کو برباد کر دیا۔

تیسری مجلس [3]

اسی سال ماہِ صفر (اللہ اس کو خیر اور کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہنچائے) کی بارھویں تاریخ منگل کو ہاتھ چومنے کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ اس گروہ کا تذکرہ آیا جو کرامت کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے آپ کو کرامت کے ذریعے مشہور کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ کچھ بات نہیں! اس کے بعد زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر کرامت کا چھپانا اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح اپنے انبیاء پر معجزے کا دکھانا فرض کیا ہے۔ پس اگر کوئی اپنی کرامت کا اظہار کرتا ہے تو کیا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ ایک فرض کو ترک کرتا ہے، پھر فرمایا کہ سلوک کے سو مقام مقرر کیے گئے ہیں۔ ان میں سترہواں مقام کشف و کرامت کا ہے۔ اگر سالک اسی مقام پر (اٹک کر) رہ جائے تو (باقی کے) تراسی مقامات تک کیسے پہنچے گا۔

پھر خدمت کرنے کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ جو قوم کا ساقی ہو وہ پینے والوں میں آخری ہو۔ یعنی جو شخص قوم کو پانی پلاتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ سب سے آخر میں پانی

پیئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ طعام میں بھی یہی واجب ہے کہ دوسروں سے پہلے (کھانا کھلانے والے کو) کھانا تناول نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میزبان پر واجب ہے کہ مہمان کے ہاتھ خود دھلائے اور جب دوسروں کے ہاتھ دھلانے لگے تو پہلے خود اپنے ہاتھ دھونے چاہئیں کیوں کہ جو دوسروں کے ہاتھ دھلانا چاہے پہلے خود اس کے ہاتھ پاک ہونے چاہئیں (گویا) ہاتھ دھلانے کا حکم پانی پلانے کے حکم کے برعکس ہے۔ یہاں تو پہلے خود اپنے ہاتھ دھوئے پھر دوسروں کے ہاتھ دھلائے اور پانی پلانے میں پہلے دوسروں کو پلائے آخر میں خود پیے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس بارے میں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ ہاتھ دھلانے والا کھڑے ہو کر (ہاتھ دھلائے) یا بیٹھ کر۔ فرمایا کہ کھڑے ہو کر ہاتھ دھلائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ہاتھ دھلانے کے لیے پانی لایا تو بیٹھ گیا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو شیخ جنید کھڑے ہو گئے۔ کہا گیا کہ (حضرت) آپ یہ کیا کرتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اسے چاہیے تھا کہ کھڑا ہو کر ہاتھ دھلاتا۔ جب یہ بیٹھ گیا تو مجھے کھڑا ہونا پڑا۔[1]

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی دوست کے مہمان ہوئے اس دوست نے کھانے کی اقسام میں سے جو کچھ چاہا پہلے ایک کاغذ پر لکھ لیا اور اپنی کنیز کو (یہ کاغذ) دیا اور کہا کہ اس (فہرست) میں جو جو کھانا میں نے لکھا ہے اس کو تیار کرو۔ یہ کہا اور خود کسی کام سے باہر چلا گیا۔ امام شافعی نے وہ کاغذ کنیز سے مانگا (اور) چند کھانے جو انہیں بھاتے تھے بڑھا کر اس کاغذ میں لکھ دیے۔ جب کنیز نے یہ کاغذ پڑھا تو جن کھانوں کو امام شافعیؒ نے بڑھایا تھا وہ بھی پکائے اور ان میں مزید اضافہ بھی کیا۔ جب صاحب خانہ واپس آئے اور کھانا سامنے چنا گیا تو بہت سے کھانے دیکھے اور جو کچھ انھوں نے لکھا تھا اس سے زیادہ نظر آئے۔ [illegible] اٹھے اور کنیز کے پاس آ کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ کنیز نے انہیں کاغذ دکھایا، جب ان صاحب نے

1- لاہور ایڈیشن میں ذیل کی عبارت نہیں ہے جو نول کشور لکھنؤ ایڈیشن میں موجود ہے۔

بعد ازاں فرمود کہ وقتی امام شافعی مہمان امام مالک آمد رحمۃ اللہ علیہما۔ مالک شافعی را دست شویانید

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے ہاں مہمان آئے رحمۃ اللہ علیہما امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کے ہاتھ دھلائے (مترجم)

امام شافعیؒ کی بڑھائی ہوئی فہرست دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور اس کنیز کو باقی سب غلاموں کے ساتھ آزاد کر دیا۔

پھر ضیافت کا اور کھانا کھلانے اور مہمانوں کی خاطر داری کا ذکر نکلا تو فرمایا کہ بغداد میں ایک درویش تھے جن کے دستر خوان پر روزانہ بارہ سو پیالے خرچ ہوتے تھے اور ان کے اٹھارہ باورچی خانے تھے۔ غرضیکہ ایک روز انھوں نے اپنے خدمت گاروں سے پوچھا کہ ایسا تو نہیں ہوتا کہ کھانا کھلاتے وقت تم کسی کو بھول جاتے ہو۔ وہ بولے نہیں ہم سب کو یاد کر کے کھانا دیتے ہیں۔ شیخ نے پھر کہا کہ اچھی طرح دھیان کر لو! انھوں نے جواب دیا کہ ہم کسی کو بھی نہیں بھولتے۔ سب کو کھانے کے وقت بلا لیتے ہیں۔ اور آنے والوں کو جو کچھ دینا ہوتا ہے دے دیتے ہیں۔ شیخ نے پھر کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوتا کہ اس کام میں چوک ہو جاتی ہو۔ خدمت گار بولے حضور آپ کیسی بات فرماتے ہیں! شیخ نے کہا کہ آج تین روز ہو گئے کہ مجھے کھانا نہیں بھجوایا گیا۔ جس طرح تم نے مجھے فراموش کر دیا دوسروں کو فراموش کیوں نہ کرتے ہوں گے۔ اور قصہ یہ ہوا تھا کہ ان تین روز میں متواتر افطار کے وقت شیخ کے سامنے کھانے کو کچھ بھی نہ لایا گیا تھا۔ چونکہ باورچی خانے بہت سے تھے۔ اور پکانے والوں میں سے بعض یہ خیال کرتے رہے کہ دوسرے باورچی خانے سے چلا گیا ہوگا اور دوسرے باورچی خانے والے پہلے کی بابت یہ سوچتے رہے۔ ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ دوسری جگہ سے (کھانا) چلا گیا ہوگا۔ ان تین روز میں کوئی کھانا شیخ کو نہیں پہنچا۔ جب تین روز ہو گئے تو اس وقت شیخ نے یہ بات کھولی۔

پھر سلطان کے تالاب کے پانی اور اس کی شیرینی اور برکت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ کہتے ہیں سلطان شمس الدین کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ خدائے عزوجل نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بولے مجھے اس تالاب کی وجہ سے بخش دیا۔ واللہ اعلم۔

چوتھی 4 مجلس

اسی سال ماہ سفر کی ستائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ اس سے

ایک روز پہلے بندے نے محترم نصیر الدین محمود سلمہ اللہ تعالیٰ[1] سے جو خوش اعتقاد مریدوں میں سے ہیں مشورہ کیا تھا کہ کل آخری بدھ ہے اور لوگ اس روز کو منحوس سمجھتے ہیں، آیئے (اپنے) خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کی خدمت میں چلیں کیوں کہ وہاں ساری نحوستیں سعادت سے بدل جاتی ہیں۔ غرضیکہ مشورے کے مطابق جب یہ بدھ آیا تو بندہ اور وہ دونوں کے دونوں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کی خدمت میں پہنچے اور لوگوں کے اس وہم کے بارے میں عرض کیا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور بولے کہ ہاں لوگ اس دن کو منحوس سمجھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ دن تو بڑا بھاگوان ہے۔ آج کا دن بہت ہی مبارک ہے۔ چنانچہ اگر اس دن فرزند پیدا ہوتا ہے تو وہ بزرگ بنتا ہے۔[2]

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ بعض لوگوں کا مزاج جلدی بدل جاتا ہے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ طبع لطیف رکھنے والے جلدی برہم بھی ہو جاتے ہیں۔ اس مناسبت سے یہ رباعی زبان گوہر بیان پر آئی اور فرمایا کہ یہ مولانا فخر الدین رازی کی ہے:

ترجمہ: میں وہ ہوں کہ آدھے ذرّے سے ناخوش ہو جاتا ہوں اور پھر آدھے کے آدھے ذرّے سے خوش (بھی) ہو جاتا ہوں۔ میرا مزاج پانی سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ مجھے سمجھ لو ورنہ آگ ہو جاؤں گا۔

پھر بادشاہوں کے مزاج کے تغیر کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ احادیث[3] قدسی میں سے ایک یہ (حدیث) ہے کہ قلوب الملوک بیدی (بادشاہوں کے دل میری مٹھی میں ہیں) رسول اللہ علیہ وسلم روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ یعنی جب تک خلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ٹھیک رہتی ہے میں ان (بادشاہوں) کے دلوں کو خلق پر مہربان رکھتا ہوں اور جب خلق اللہ کے ساتھ ٹھیک نہیں رہتی ہے تو میں ان کے دلوں کو خلق پر نامہربان کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اس چیز پر نگاہ رکھنی چاہیے اور اسی سے سب چیزوں کا اندازہ کرنا چاہیے۔

1- حضرت چراغ دہلیؒ۔

2- دلچسپ بات یہ ہے کہ صفر کا آخری چہار شنبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا یوم پیدائش ہے۔ مترجم۔

3- وہ حدیثیں جن میں قرآنی وحی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حضرت رسالت مآب صلعم کی زبانی آیا ہے اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے۔

اسی بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ جس زمانے میں اوچھ اور ملتان قباچہ[1] کے قبضے میں تھا اور سلطان شمس الدین دہلی میں تھا۔ ان کے درمیان دشمنی پیدا ہوگئی۔ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ملتان کے قاضی ان دونوں نے سلطان شمس الدین کو خط لکھے اور یہ دونوں خط قباچہ کے ہاتھ پڑ گئے۔ قباچہ کو غصہ آیا۔ قاضی کو قتل کر دیا اور شیخ کو محل میں طلب کیا (چنانچہ) شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ محل میں تشریف لے گئے اور جس طرح ہمیشہ بے خوف جاتے تھے اندر گئے اور قباچہ کی داہنی جانب حکم کے موافق مقررہ جگہ پر بیٹھ گئے۔ قباچہ نے ان کا خط ہاتھ میں دیا۔ شیخ نے اسے پڑھا اور فرمایا کہ ہاں یہ خط میں نے لکھا ہے اور میری ہی تحریر ہے۔ قباچہ نے پوچھا کیوں لکھا؟ شیخ نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اشارہ ربانی سے لکھا ہے جو تیرا جی چاہے کر اور تو کر ہی کیا سکتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں ہے ہی کیا؟ قباچہ نے یہ گفتگو سنی تو شش و پنج میں پڑ گیا اور کھانا لانے کا اشارہ کیا۔ شیخ کا معمول تھا کہ وہ کسی کے گھر میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ قباچہ کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ (شیخ) کھانا نہیں کھائیں گے اس لیے اسی بہانے ان کو ایذا پہنچاؤں گا۔ الغرض جب کھانا سامنے گیا اور ہر شخص نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شیخ نے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کھانا کھانے لگے۔ قباچہ نے جب یہ دیکھا تو اس کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ شیخ سلامتی کے ساتھ اپنے گھر واپس آ گئے۔

اس ادنیٰ غلام (حسن علا سجزی) کے دل میں کچھ عرصے سے ایک بات تھی اس روز اس کو عرض کیا۔ اور بات یہ تھی کہ اگر کوئی مرید ایسا ہو جو صرف پانچ وقت نماز ادا کرتا ہو اور تھوڑا سا وظیفہ پڑھتا ہو، لیکن پیر کی محبت اس کے دل میں بہت ہو اور پیر کے بارے میں اس کا اعتقاد بے حد پکا ہو اور کوئی دوسرا مرید ہو جو بڑی عبادت کرتا ہو اور تسبیح اور اوراد (اس کے) بے اندازہ ہوں اور حج بھی کیا ہو۔ لیکن پیر کی محبت میں کمی ہو اور اعتقاد میں فتور ہو۔ ان دونوں میں سے کس کا مرتبہ بڑا ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ وہ جو شیخ کا محب اور معتقد ہے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ جو شیخ کا محب اور معتقد ہے اس کا ایک وقت (نام نہاد) عبادت گزار کے سارے اوقات کے برابر ہے۔ اعتقاد کی وجہ سے وہ فضیلت رکھتا ہے۔

1- سلطان ناصر الدین قباچہ۔

اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کا اکثر وقت خلقت کے ساتھ مشغولی میں گزرتا ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے کیونکہ انبیاء اگرچہ خلق میں مشغول رہتے ہیں لیکن جس وقت حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں وہ ایک وقت اولیاء کے سارے اوقات پر شرف رکھتا ہے۔

اسی کے مناسب حال دوسری حکایت بھی بیان فرمائی کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا جس نے ستر سال خدائے عزوجل کی طاعت کی۔ ستر سال کے بعد اللہ سے اس کو ایک کام پڑا۔ اور اس کام کے لیے خدا سے دعا کی۔ مگر اس کا کام نہیں ہوا۔ اس کے بعد وہ ایک گوشے میں گیا اور اپنے آپ سے جھگڑنے لگا کہ اے نفس! ستر سال تو نے خدائے عزوجل کی طاعت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے خلوص میں کچھ فرق تھا۔ اگر پورے خلوص کے ساتھ طاعت کرتا تو یقیناً میرا یہ کام ہو جاتا۔ جب اس نے اپنے نفس کو یہ ملامت کی تو اس عہد کے پیغمبر کے پاس فرمان پہنچا کہ اس زاہد سے کہہ دو کہ تیرا ایک لمحے کے لیے اپنے نفس پر عتاب کرنا ہمارے نزدیک تیری ستر سالہ عبادت سے بہتر تھا۔

5
پانچویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک ربیع الاوّل کی سترہویں تاریخ منگل کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرس کے معنی پوچھے۔ فرمایا عرس عروسی (شادی) کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرس کے معنی رات کو قافلے کے پڑاؤ کرنے کے (بھی) ہیں۔

پھر مشائخ کی بزرگی اور ان کے صدق اور باطن کی نگہداشت اور طلب حق کا ذکر نکلا۔ اس موقع پر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ (حضرت) شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز سے سوال کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب آپ نماز ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد کہتے ہیں یارب! تو یہ آواز سنتے ہیں لبیک عبدی (میرے بندے میں موجود ہوں) فرمایا: نہیں! اس کے بعد فرمایا کہ الارجاف مقدمۃ الکون[1]

1- اُردو کی کہاوت ہے زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

(افواہیں کسی واقعے کا پیش خیمہ ہوتی ہیں) اس کے بعد شیخ نجیب الدین متوکل نے سوال کیا کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خضر (علیہ السلام) آپ کے پاس آتے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں۔ اس کے بعد شیخ نجیب الدین نے کہا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مردان غیب آپ کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اس بات کی (حضرت نے) تردید نہیں فرمائی بس یہ کہا کہ ہو سکتا ہے تم بھی ابدالوں میں سے ہو۔

یہاں سے (حضرت) شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہٗ کی بزرگی اور ان کی والدہ ماجدہ علیہما الرحمۃ والرضوان کی بزرگی کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ ماں باپ کی صلاحیت کا اولاد پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کبیر کی والدہ بہت بزرگ تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ کوئی چور ان کے گھر میں آیا۔ سب سو رہے تھے (بس) شیخ کی والدہ بیدار اور مشغول بحق تھیں جب چور اندر آیا تو اندھا ہو گیا اور باہر جانے کے قابل نہ رہا۔ پکار کر بولا کہ اس گھر میں اگر کوئی مرد ہے تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے۔ اور اگر عورت ہے تو وہ میری ماں اور بہن ہے۔ جو بھی ہو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ہیبت نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ اس کو چاہیے کہ میرے لیے دعا کرے تا کہ مجھے پھر بینائی مل جائے۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ ساری عمر چوری نہیں کروں گا۔ شیخ کی والدہ نے دعا فرمائی اور اس کی بینائی واپس آ گئی اور وہ چلا گیا۔ جب دن نکلا تو شیخ کی والدہ نے یہ واقعہ کسی کو نہیں بتایا۔ کچھ دیر بعد ایک شخص کو چھاچھ کا گھڑا سر پر رکھے اور گھر والوں کو ساتھ لیے دیکھا۔ اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ بولا کہ میں رات کو اس گھر میں چوری کرنے آیا تھا۔ ایک بزرگ خاتون یہاں بیدار تھیں میں ان کی ہیبت سے اندھا ہو گیا۔ پھر انھوں نے میرے لیے دعا فرمائی اور مجھے دوبارہ آنکھیں مل گئیں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ اگر میری آنکھیں واپس آ گئیں تو میں چوری سے توبہ کر لوں گا۔ اب میں خود بھی آیا ہوں اور گھر والوں کو بھی لایا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں اور چوری سے توبہ کر لوں۔ الغرض ان خاتون کی برکت سے سب مسلمان ہو گئے اور چوری سے توبہ کر لی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اس کے بعد شیخ کی والدہ ماجدہ کی بزرگی کے بارے ہی میں حکایت بیان فرمائی کہ جس زمانے میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اجودھن میں رہائش اختیار کی تو شیخ

نجیب الدینؒ (باباصاحبؒ کے چھوٹے بھائی) کو بھیجا کہ وہ والدہ کو وہاں سے جہاں وہ مقیم تھیں لے آئیں۔ شیخ نجیب الدینؒ گئے اور والدہ کو اس مقام سے جہاں وہ مقیم تھیں لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک درخت کے نیچے اترے اور پانی کی ضرورت ہوئی تو شیخ نجیب الدین پانی کی تلاش میں نکلے۔ جب واپس آئے تو والدہ کو نہ دیکھا۔ بڑے حیران ہوئے۔ دائیں بائیں دیکھا اور بہت ڈھونڈا لیکن والدہ کا (پتہ) نشان کہیں نہ پایا۔ ہار تھک کر شیخ کبیر قدس سرہٗ العزیز (باباصاحب) کی خدمت میں آئے۔ سارا قصہ کہہ سنایا۔ شیخ نے فرمایا کہ کھانا تیار کرایا جائے اور صدقے کا جو حکم آیا ہے وہ دیا جائے۔ اس کے ایک عرصے بعد شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اس علاقے میں پھر گزر ہوا۔ جب اس درخت کے نیچے پہنچے تو ان کے دل میں خیال آیا کہ اس جگہ کے دائیں بائیں گھومنا پھرنا چاہیے شاید والدہ کا کچھ نشان مل جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اس درخت کے اطراف گھومنے لگے تو چند انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملیں اور انھوں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہی میری ماں کی ہڈیاں ہیں، کسی شیر نے یا دوسرے جانور نے ان کو ہلاک کر دیا ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ساری ہڈیاں جمع کیں اور ایک تھیلے میں ڈال کر شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آئے اور سارا قصہ سنایا۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ تھیلا میرے پاس لاؤ۔ جب تھیلا شیخ کے سامنے لایا گیا اور اسے جھٹکا گیا تو ایک ہڈی بھی نہ نکلی۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بولے کہ یہ چیز عجائب روزگار میں سے ہے۔

پھر مردانِ غیب کا ذکر نکلا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ابتداء میں کبھی کبھی میرے دل میں مردان غیب سے ملاقات اور ہم نشینی کا خیال آیا تھا۔ پھر خود ہی خیال آیا کہ یہ کیسی تمنا ہے۔ کسی بہتر کام کے پیچھے پڑنا چاہیے اس ضمن میں شیخ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ ورحمۃ واسعۃ کی حکایت بیان فرمائی، ابتدائی زمانے میں جبکہ وہ اوش میں تھے شہر کے کنارے ایک ویران مسجد تھی اور اسے مسجد کا ایک مینارہ تھا جس کو سات مینارہ کہتے تھے۔ مینار ایک ہی تھا لیکن کہلاتا سات مینارہ تھا۔ حضرت کو شاید ایک دعا پہنچی تھی کہ جو اس دعا کو اس مینار کے اوپر پڑھے۔ اس کی حضرت خضرؑ سے ملاقات ہو جائے یہ دعا بھی اگرچہ کہ ایک ہی دعا تھی لیکن اس کو بھی ہفت دعا کہتے تھے۔ دو رکعتیں بھی بیان کی جاتی تھیں کہ جو یہ رکعتیں اس مسجد میں پڑھے

وہ حضرت خضرؑ کو دیکھ لے۔ الغرض شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کو اشتیاق ہوا کہ حضرت خضرؑ کو دیکھیں (چنانچہ) رمضان کی راتوں میں سے ایک رات کو اس مسجد میں گئے اور دو رکعتیں ادا کیں۔ اور اس مینارے پر چڑھ کر وہ دعا بھی پڑھی اور نیچے اتر کر کچھ دیر انتظار کیا۔ مگر کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ کچھ ناامید سے ہو کر مسجد سے باہر آئے۔ جیسے ہی مسجد سے باہر قدم رکھا ایک شخص کو کھڑے دیکھا۔ اس شخص نے شیخ قطب الدین کو آواز دی اور کہا کہ اس ناوقت تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ میں یہاں حضرت خضرؑ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ دو رکعت نماز بھی ادا کی اور جو دعا آئی ہے وہ بھی پڑھی مگر یہ دولت حاصل نہ ہوئی۔ اب واپس گھر جاتا ہوں۔ وہ شخص بولا کہ خضرؑ کا کیا کرو گے وہ تو خود تمہاری طرح مارا مارا پھرتا ہے۔ اس کو دیکھنے سے کیا ہوگا۔ اس درمیان اس نے پوچھا کہ کیا دنیا کی خواہش ہے؟ شیخ نے کہا نہیں۔ بولا کیا کچھ رقم قرضے کی ادا کرنی ہے؟ شیخ نے جواب دیا نہیں۔ اس کے بعد یہ شخص بولا کہ پھر کس لیے خضرؑ کے طلب گار ہو؟ پھر کہنے لگا کہ اس شہر میں ایک ایسا آدمی ہے کہ خضرؑ بارہ دفعہ اس کے دروازے پر گیا ہے۔ مگر داخلے کی اجازت نہیں ملی۔ یہ دونوں اس گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک نورانی بزرگ پاکیزہ لباس پہنے نمودار ہوئے۔ یہ شخص بڑے احترام کے ساتھ ان کے سامنے گیا اور ان کے قدموں میں گر پڑا۔ شیخ قطب الدین طیب اللہ ثراہٗ فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ جب میرے پاس پہنچے تو اس پہلے شخص کی طرف رُخ کر کے بولے کہ اس درویش کو نہ قرض چکانا ہے نہ دنیا کا طلب گار ہے (بس) تم سے ملاقات کی آرزو ہے! اسی دوران اذان کی آواز آئی اور ہر طرف سے صوفی اور درویش ظاہر ہونے لگے۔ جماعت تیار ہو گئی۔ تکبیر کہی گئی۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر نماز ادا کرائی اور تراویح میں بارہ سی پارے پڑھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اور زیادہ پڑھتے تو اچھا ہوتا۔ الغرض جب نماز ہو چکی تو ہر شخص کسی طرف چل دیا۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے گھر آ گیا۔ جب دوسری رات ہوئی تو اور سویرے سے وضو کیا اور اس مسجد میں گیا۔ صبح تک وہاں رہا مگر کوئی مخلوق ظاہر نہ ہوئی۔

چھٹی مجلس[6]

اسی سال ماہ جمادی الاول کی دسویں تاریخ جمعے کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی

ہوئی۔ گفتگو تحمل اور دشمنی سے احتراز کرنے کی نکلی۔ فرمایا کہ ایک نفس ہے اور قلب۔ اگر کوئی نفس سے پیش آئے تو دوسرے فریق کو چاہیے کہ قلب سے جواب دے۔ یعنی نفس میں تو دشمنی اور ہنگامہ اور فتنہ ہوتا ہے۔ اور قلب میں سکون اور رضا اور مہربانی۔ پس جب کوئی نفس سے پیش آئے اور مقابل قلب سے جواب دے تو نفس مغلوب ہو جائے گا۔ البتہ اگر کوئی نفس کے مقابلے میں نفس ہی سے پیش آئے تو جھگڑے اور فتنے کی کیا حد رہے گی۔ پھر تحمل اور حلم کی فضیلت میں یہ شعر زبان مبارک پر لائے۔

زہر بادی چو کاہی گر بلرزی

اگر کوہی بکاہی ہم نرزی[1]

(اگر تم تنکے کی طرح ہوا کے ہر جھونکے سے لرز دگے تو پہاڑ ہو کر بھی تنکے کے مول نہ رہو گے)

ساتویں مجلس[7]

اسی سال ماہ جمادی الآخر کی چودھویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ نذر قبول کرنے کے بارے میں ذکر نکلا۔ بندے نے عرض داشت کی کہ میں کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتا اور ساری عمر کبھی توقع کا دروازہ کھول کر نہیں بیٹھا۔ اگر کوئی بے مانگے کچھ عنایت کرے اور کوئی چیز دے تو کیا کرنا چاہیے۔ ارشاد ہوا کہ لے لینا چاہیے۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ حضرت رسالتؐ علیہ السلام نے کوئی چیز عمر خطاب رضی اللہ علیہٗ کو عطا فرمائی۔ امیر المومنین عمرؓ بولے یا رسول اللہ میرے پاس تو یہ چیز موجود ہے۔ اہلِ صفہ وغیرہ میں سے کسی دوسرے فقیر کو عنایت فرمائیں۔ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ جو کوئی بھی تمہیں بغیر مانگے کچھ دے اسے لے لو اور کھاؤ اور صدقہ کرو۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آٹھویں مجلس[8]

اسی سال ماہِ مبارک رجب کی انتیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی

1- نسخہ نول کشور میں دوسرا مصرع اس طرح ہے: اگر کوہی شوی گاہی نلرزی۔ یعنی پہاڑ بن جاؤ تو ذرا بھی نہ ہلو۔

ہفتے بندۂ کمینہ (حسن علا سجزی) کے واجبات جو مدت سے رُکے ہوئے تھے بندے کو مل گئے تھے۔ اور خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر کو بندے کے برسرِ کار ہونے اور واجبات مل جانے کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ الغرض جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہر کام میں ثابت قدمی دکھانے اور پابندی کرنے کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیخ الاسلام کے نواسے (یا پوتے) کبیر کا کچھ عرصے تک ملک نظام الدین کے ہاں آنا جانا رہا اور انھوں نے ایسی پابندی دکھائی کہ نظام الدین ان سے تنگ آ گئے۔ یہاں تک کہ ان سے کہہ دیا کہ تم دوبارہ اس گھر میں نہ آنا (مگر) وہ اسی طرح جاتے رہے اور کسی طرح بھی نہ رُکے۔ انہی دنوں نظام الدین نے چھ سونے کے تنکے (ایک سکہ) میرے پاس بھیجے۔ میں نے انھیں قبول نہیں کیا اور ان کے پاس واپس بھیج دیئے۔ جب (وہ سکے) ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے یہ چھ سونے کے تنکے ان کبیر صاحب کو دے دیئے۔ اس کے بعد زبانِ مبارک سے فرمایا کہ پابندی ہر کام میں پھل دیتی ہے۔

اس کے بعد مجھ کو رقم ملنے کے سلسلے میں جو اگرچہ کہ دیر سے ملی تھی حکایت بیان فرمائی۔ اس مفہوم کی کہ کم از کم یاد تو کیا گیا۔ حکایت یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھے جنھوں نے برسوں خدا کی طاعت کی تھی۔ چنانچہ اس زمانے کے پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ ان زاہد سے کہو کہ تم ہماری طاعت میں اتنی تکلیفیں کیوں اٹھاتے ہو۔ ہم نے تو تمھیں عذاب دینے ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان پیغمبر نے جب یہ پیغام ان زاہد کو پہنچایا تو وہ کھڑے ہوئے اور ناچنے لگے۔ ان پیغمبر نے کہا کہ اس بات میں تمہارے لیے کون سی خوشی کی چیز تھی کہ ناچنے لگے؟ زاہد بولے کہ غنیمت ہے۔ ہمیں یاد تو کیا گیا اور ہم بھی کسی حساب میں تو آئے۔

او سخن از کشتن من می کند
من ہمین خوش کہ سخن می کند

(وہ ہمارے قتل کی بات کرتے ہیں اور ہم اسی سے خوش ہیں کہ بات تو کی!)

اس کے بعد تحمل کا ذکر نکلا اور اس سلسلے میں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہُ العزیز کی حکایت بیان فرمائی اور ان کے تحمل (برداشت) اور موذیوں کے قلع (قمع) میں ان کے تحمل کے اثر کا حال (سنایا) اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ جو جھیلتا ہے وہ مارتا ہے اور برداشت

کرنے والا مار ڈالنے والا ہوتا ہے۔

اس کے بعد بندے نے عرضداشت کی کہ یہ دعا کس طرح ہے جو لوگ مانگا کرتے ہیں کہ اعینو فی عباد اللہ رحمکم اللہ۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو خدا تم پر رحم کرے۔ بندے کا مقصد اس سے یہ تھا غیر خدا سے مدد مانگنا کیسا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ دعا مانگی جاتی ہے اور اس میں عباد اللہ المسلمین والمخلصین (اللہ کے مسلمان اور مخلص بندے) مضمر ہے، پنہاں ہے، مراد ہے) اور جائز ہے کہ (یہ دعا) پڑھیں اور بزرگوں نے بھی پڑھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ دعا پڑھتے تھے۔

یہاں سے شیخ نجیب الدین متوکل کی بزرگی کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ مجھے اس شہر میں ان کے پایہ کا اور کوئی آدمی نہیں ملا۔ ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ کونسا دن ہے اور کونسا مہینہ اور یا غلہ کس بھاؤ بیچتے ہیں اور گوشت کس طرح دیتے ہیں، اس طرح کی کسی بات کا ان کے پاس گزر ہی نہ تھا۔ وہ زبردست شاغل تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً اس کے بعد اس دعا کی مناسبت سے فرمایا کہ حاجت پوری ہونے کے لیے مسبعاتِ عشر کا پڑھنا بھی آیا ہے۔ بندے نے عرض کی کہ (کیا) ہر روز مقررہ وقت پر پڑھنا چاہیے۔ فرمایا کہ اگر کوئی مہم درپیش ہو۔ دینی یا دنیوی۔ اس کی نیت سے علیحدہ بھی پڑھتے ہیں وہ مہم خوبی سے سر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے۔

نویں مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی چوتھی تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ تراویح کا اور ختم قرآن کرنے والے گروہ کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ کوئی درویش شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خانقاہ میں آیا شاید ماہ رمضان کی چاند رات تھی۔ اس درویش نے درخواست کی کہ نماز تراویح میں امامت میں کروں گا۔ شیخ نے ہاں کر دی۔ الغرض ہر رات کو ایک قرآن ختم کرتا تھا۔ شیخ ہر رات کو فرماتے کہ ایک ٹکیہ روٹی اور ایک پیالہ پانی اس کے حجرے میں بھیج دیا جائے۔ شیخ کے حکم کے مطابق ہر رات کو ایک ٹکیہ روٹی اور ایک پیالہ پانی کا اس کے حجرے میں رکھتے رہے۔ الغرض جب تراویح کی تیس راتیں گزر گئیں اور عید ہوئی تو عید کے روز شیخ نے اسے وداع کیا۔ جب وہ واپس چلے گئے تو ان کے حجرے کی چھان بین

ہوئی اور وہ روٹی کی تمیں (کی تمیں) ٹکیاں موجود پائی گئیں۔ ہر رات کو بس پانی کا وہ ایک کوزہ ہی پیتے رہے!

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ رمضان کے مہینے میں ایک قرآن تو تیس راتوں میں تراویح کے اندر ختم کرتے اور ایک ختم ہر روز اور ایک ختم ہر رات۔ مجموعی طور پر رمضان کے مہینے میں اکسٹھ ختم فرماتے، ایک ختم تراویح میں اور تیس ختم دن کے وقت اور تیس ختم رات کو!

10
دسویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ منگل کو ایام تشریق[1] ہونے کی وجہ سے مخدوم جہانیان کے آسمان جیسے آستان پر حاضری ہوئی تا کہ ملاقات کی نعمت حاصل ہو۔ جب قدم بوسی کی دولت میسر آ گئی تو بندے سے مخاطب ہو کر فرمایا جمعہ کو عید کا دن تھا۔ تم نے کوئی چیز موسم کی تہنیت کی کہی ہو گی۔ بندے نے عرض کہ کہ آج سے چار پانچ دن پہلے نوروز[2] تھا۔ بندے نے شعر کہہ کر اس میں عید اور نوروز کا ایک ساتھ تذکرہ کیا تھا۔ وہ اشعار پیش کیے۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شمس دبیر نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں اشعار پیش کیے۔ جس میں شیخ کی مدح بھی بہت طویل تھی۔ انھوں نے پڑھنے کی اجازت چاہی۔ شیخ طیب اللہ ثراہٗ نے اجازت دی کہ پڑھو۔ شمس دبیر نے کھڑے ہو کر شعر پڑھے۔ جب پڑھ چکے تو شیخ نوراللہ مرقدہ نے حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب بیٹھ گئے تو حکم ہوا کہ پھر پڑھو۔ شمس نے پھر پڑھا۔ اس کے بعد شیخ قدس اللہ سرہٗ العزیز نے ہر شعر کے محاسن بیان فرمائے اور بعض جگہ اصلاح دی اور داد (بھی) دی۔ چنانچہ شمس کا دل خوش ہو گیا اس درمیان خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ مشائخ

1- بقرعید کے بعد کے تین روز۔

2- ایران اور وسط ایشیا کے بعض دوسرے ملکوں میں موسم بہار کا پہلا دن عید نوروز کی حیثیت سے منایا جاتا ہے۔ لوگ پک نک کے لیے گھروں سے باہر نکلتے ہیں، مغل دور میں ہندوستانیوں نے بھی نوروز کے سلسلے میں بہت سی رسمیں ایجاد کر لی تھیں۔

شعر کم ہی سنا کرتے ہیں خاص کر وہ شعر جو اُن کی تعریف میں ہوں۔ شیخ کے احوال کا کمال دیکھو کہ شعر سنے بھی اور داد بھی دی! الغرض شعر سننے کے بعد پوچھا کہ چاہتے کیا ہو؟ شمس نے کہا کہ غربت ہے۔ بوڑھی ماں ہیں ان کی دیکھ بھال میں لگا رہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا جاؤ شکرانہ لے آؤ۔ اس درمیان خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ جس کام میں شیخ الاسلام کسی سے یہ فرمادیتے کہ جاؤ شکرانہ لے آؤ۔ وہ کام ضرور ہو جایا کرتا تھا۔ الغرض شمس گیا اور چند جیتل (سکے) لے آئے۔ اس زمانے میں یگانی جیتل چلتا تھا۔ لگ بھگ پچاس عدد جیتل لائے تھے۔ شیخ الاسلام قدس اللہ سرہُ العزیز نے فرمایا کہ ان کو تقسیم کرو۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ تقسیم ہوئی اور مجھے چار درہم ملے۔ پھر شیخ نے دعا فرمائی تو شمس کو کشادگی میسر آئی اور وسائل پیدا ہو گئے (چنانچہ) وہ سلطان غیاث الدین کے شہزادے کے ہاں دبیر (میر منشی یا چیف سیکرٹری) ہو گیا۔ لیکن جب اس کا کام بن گیا تو اگرچہ حضرت شیخ قدس اللہ سرہُ العزیز انتقال فرما چکے تھے۔ شیخ کے فرزندوں اور گھر والوں کی خدمت کی توفیق اس کو نہ ہوئی۔ یا تو اسے خود خیال نہیں آیا یا کسی نے سمجھایا نہیں۔

اس کے بعد اس کے اخلاق اور خوش طبعی کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ غلام کو ان سے قرابت کی نسبت حاصل ہے۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے پوچھا کیا کبھی تمہارا با ہم ساتھ بھی رہا ہے۔ بندے نے عرض کی کہ جی ہاں، جس سال سلطان غیاث الدین لکھنوتی گیا تھا۔ اس لشکر میں وہ اور میں کیا کشتی اور کیا خشکی راستے بھر ساتھ رہے۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے پوچھا کہ کیا تمہارے درمیان تصوف کے معاملات میں بھی باہم تعاون رہا؟ بندے نے عرض کی جی ہاں! اس کے بعد فرمایا کہ شمس نے قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی کتاب ''لوائح'' شیخ کبیر قدس اللہ سرہُ العزیز (حضرت بابا فریدؒ) سے پڑھی تھی۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی میں اور شمس دبیر اور شیخ جمال الدین ہانسوی علیہم الرحمۃ ایک دفعہ ساتھ ساتھ شیخ کے پاس سے واپس آ رہے تھے۔ اور کچھ منزلوں میں ساتھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایسے راستے پر پہنچے جہاں سے دو سڑکیں پھٹتی تھیں۔ وہ سنام کی جانب جانا چاہتے تھے اور میں سرسی کی طرف جب ہم نے وداع کر دیا تو شیخ جمال الدین شمس دبیر سے مخاطب ہوئے اور یہ مصرع پڑھا:

اے یار قدیم راست میرو

اے پرانے دوست سیدھے جاؤ۔ اس وقت اس مصرعے نے بڑا مزہ دیا۔ ان کو بھی اور شیخ جمال الدین کو بھی اور مجھے بھی۔

گیارہویں مجلس [11]

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی انتیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اس روز بندے کو کسی قدر تشویش تھی (اور یہ) گمان تھا کہ کسی نے مجھ بیچارے کی برائی شیخ سے کی ہے۔ جب خدمت میں بیٹھنے کی دولت میسر آئی تو پہلی بات جو زبان مبارک سے ادا ہوئی (یہ تھی کہ) اگر کوئی کسی کے سامنے کسی کی بدی بیان کرتا ہے تو اس سننے والے کو اتنی عقل و تمیز ہے اور اتنا (ضرور) جانتا ہے کہ یہ بات سچی ہے یا جھوٹی ہے۔ یا اس میں کوئی غرض ہے بندے نے جب یہ بات سنی تو بہت خوش ہوا اور عرض کی کہ خدمت گاروں کا اطمینان اسی بات پر تو ہے کہ مخدوم کا باطن حاکم ہے۔ (فیصلہ کرنے والا ہے اس پر سب روشن ہے)۔

پھر اولیاء کے کشف و کرامات کا ذکر چھڑ گیا۔ اس ضمن میں شیخ سعد الدین حمویہ[1] رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ بہت بڑے پیر تھے۔ شاید ان کے شہر کا فرمانروا ان سے اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ ایک روز (یہ ہوا کہ) وہ بادشاہ شیخ کی خانقاہ کے دروازے سے گزرا اور ایک حاجب (اے ڈی سی) کو اندر بھیجا اور یہ لفظ کہا کہ اس صوفی بچہ کو باہر بلاؤ (ذرا) میں (بھی تو) دیکھوں۔ حاجب اندر آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ شیخ نے اس کی بات کی طرف ذرا توجہ نہ کی (اور) نماز میں مشغول ہو گئے۔ حاجب نے باہر آ کر ساری کیفیت کہہ سنائی۔ بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ شیخ کی خدمت میں آیا۔ شیخ نے اسے آتے دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور خوشی ظاہر کی۔ دونوں ساتھ بیٹھ گئے۔ وہاں قریب ہی ایک باغیچہ تھا۔ شیخ سعد الدین نے کچھ سیب لانے کا اشارہ کیا۔ جب (سیب) آ گئے تو شیخ نے سیب کے ٹکڑے کیے اور بادشاہ اور ■ خود کھانے لگے۔ شاید ان طباق میں ایک بڑا سیب بھی تھا۔ بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر ان شیخ میں کرامت اور (باطن) کی صفائی ہے تو یہ سیب اٹھائیں گے اور مجھے عطا فرمائیں گے جیسے

1- یہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۱۰ ذی الحجہ ۶۵۵ھ کو وفات پائی۔ لطائف اشرفی جلد اول صفحہ ۳۷۶۔

ہی یہ خیال بادشاہ کے دل میں آیا شیخ نے ہاتھ بڑھایا اور اس سیب کو اٹھا لیا۔ اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا ایک شہر میں پہنچا تو شہر کے دروازے پر مجمع دیکھا ایک مداری تماشا دکھا رہا تھا۔ اس مداری کے پاس ایک گدھا تھا اور اس گدھے کی آنکھیں کپڑے سے باندھ رکھی تھیں۔ ہاتھ میں انگوٹھی لے رکھی تھی۔ انگوٹھی اس نے تماشا دیکھنے والوں میں سے کسی کو دے دی۔ پھر مجمع کی طرف رُخ کر کے بولا کہ انگوٹھی جس کسی کے پاس ہے یہ گدھا بتائے گا۔ پھر یہ گدھا اسی طرح آنکھیں بندھے بندھے ان لوگوں کے حلقے میں گشت کرنے لگا۔ اور ہر ایک کو سونگھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے سامنے پہنچا جس کے پاس انگوٹھی تھی وہاں کھڑا ہو گیا اور ٹھہر ارہا۔ مداری آیا اور اس شخص سے انگوٹھی لے لی۔ الغرض شیخ سعدالدین حمویہ نے اس تقریر کے بعد بادشاہ سے کہا اگر آدمی کشف و کرامت سے کچھ بیان کرتا ہے تو اپنے آپ کو اس گدھے کے برابر ٹھہراتا ہے۔ اور اگر کچھ نہیں کہتا اور کرامت نہیں دکھاتا تو تمہارے دل میں خیال گزرتا ہے کہ اس شخص کے (باطن) میں صفائی نہیں ہے یہ کہا اور سیب اس کی طرف پھینک دیا۔

اس کے بعد شیخ سعدالدین کے انتقال اور شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہما کی بزرگی کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ شیخ سعدالدین حمویہ کو ایک رات خواب میں دکھایا گیا کہ جاؤ شیخ سیف الدین باخرزی کو دیکھو۔ جب شیخ سعدالدین بیدار ہوئے تو اپنے مقام سے روانہ ہو گئے۔ جس مقام پر وہ تھے وہاں سے شیخ سیف الدین باخرزی کی قیام گاہ کا فاصلہ تین مہینے (کے سفر) کی دوری کا تھا۔ شیخ سیف الدین کو بھی خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ سعدالدین حمویہ کو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں۔ الغرض جب شیخ سعدالدین نے تین مہینے کی مسافت طے کر لی اور شیخ سیف الدین تک پہنچنے کے لیے تین منزلیں رہ گئیں تو کسی کو شیخ سیف الدین کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ میں نے آپ کی زیارت کے لیے تین مہینے کی راہ طے کر لی ہے۔ آپ تین منزل میرا استقبال کرنے آئیے۔ جب یہ پیغام شیخ سیف الدین[1] باخرزی کو ملا تو بولے (وہ شخص) بیکار ہے۔ مجھے نہ دیکھے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ شیخ

1- یہ بھی شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے۔ انھیں بخارا کی طرف بھیجا تھا۔ وہیں ۶۵۸ھ میں وفات پائی۔ لطائف اشرفی جلد اول صفحہ ۳۷۶۔

سعد الدین جس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے وہیں رحمت حق سے جا ملے اور شیخ سیف الدین باخرزی تک نہیں پہنچ سکے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے۔ میں نے ان سے سنا کہ ایک روز شیخ بہاؤ الدین اپنے گھر سے باہر نکلے اور بولے ان للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) پوچھا گیا کہ کیا بات ہے؟ بولے کہ ابھی شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال فرمایا ہے۔ اس کے کچھ عرصے بعد تصدیق ہوگئی کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ پہلے شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال کیا، ان کے تین سال بعد شیخ فرید الدین نے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

12
بارہویں مجلس

محرم کے مہینے کی گیارہویں تاریخ ۷۱۵ھ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ ذکر یہ آیا کہ دنیا کی تعریف کیا ہے۔ یعنی کون سی چیز دنیا ہے اور کون سی چیز دنیا نہیں ہے۔ ارشاد ہوا کہ ایک ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی دنیا ہے۔ اور ایک ظاہر میں دنیا نہیں ہے۔ لیکن باطن میں دنیا ہے۔ اور ایک ظاہر میں دنیا ہے اور باطن میں دنیا نہیں ہے۔ اس کے بعد بیان فرمایا جو صورت اور معنی میں دنیا ہے وہ کیا ہے؟ ہر وہ چیز جو ضرورت سے زیادہ ہو دنیا ہے اور جو صورت اور معنی میں دنیا نہیں ہے۔ وہ خلوص کے ساتھ طاعت ہے۔ اور جو صورت میں دنیا نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے دنیا ہے وہ ایسی طاعت ہے جو ریاکاری سے ہو، (کوئی) فائدہ اٹھانے کے لیے اور جو صورت میں دنیا ہے مگر معنی میں دنیا نہیں ہے وہ اپنی بیوی کا حق زوجیت ادا کرنا ہے یعنی اپنی بیوی سے اس نیت سے محبت کرنا کہ اس کا حق ادا ہو۔ یہ فعل اگرچہ صورت کے اعتبار سے دنیا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دنیا نہیں ہے۔

13
تیرہویں مجلس

اسی سال ماہ صفر (اللہ اسے کامیابی اور خیر کے ساتھ اختتام تک پہنچائے) کی پانچویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ وظیفوں اور دعاؤں کا ذکر نکلا۔ بندے سے پوچھا کہ اوراد میں کیا کیا پڑھ رہے ہو؟ بندے نے عرض کی کہ جو کچھ مخدوم کی زبان مبارک سے سن رکھا ہے، وہ پڑھتا ہوں۔ پانچوں وقت کی نماز کے بعد جو سورت آئی ہے وہ بھی پڑھتا ہوں، نماز

عصر کے بعد پانچ مرتبہ سورہ نبا (عم یتسالون) اور وہ مقررہ سورتیں جو سنتوں کے لیے ارشاد ہوئی ہیں اور دونوں وقت مسبعات عشر اور سو دفعہ کلمہ **لا الہ الا اللہ وحدہ' لا شریک لہ' الملک** (کوئی خدا نہیں ہے سوائے ایک خدا کے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے ملک ہے) **ولہ الحمد وھو علیٰ کل شی قدیر** (اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ دس تسبیحات اور بھی ہیں جن میں سے ہر ایک کو سو سو بار پڑھیں تاکہ ہزار دفعہ ہو جائے اور اگر سو مرتبہ نہ پڑھ سکیں تو (دس دس) مرتبہ پڑھیں تاکہ مجموعی طور پر سو بار ہو جائے۔ الغرض ان دس تسبیحوں میں سے آٹھ بندے کو یاد رہ گئیں اور وہ تسبیحات یہ ہیں اول: **لا الہ الا اللہ وحدہ' لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمت وھو حیی لا یموت ذوالجلال والاکرام بیدہٖ الخیر وھوا علیٰ کل شی قدیر** (کوئی خدا نہیں سوائے ایک خدا کے۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے ملک ہے اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں وہی جلاتا ہے وہی موت دیتا ہے۔ وہ ایسا زندہ ہے جس کو موت نہیں۔ صاحب جلال اور صاحب اکرام ہے، اس کے ہاتھ ساری (خیر و برکت) ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دوسری: **سبحان اللہِ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃِ اِلّا باللہ العلی العظیم** (پاکی ہے اللہ کے لیے اور سب تعریفیں ہیں اللہ کے لیے۔ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے اللہ سب سے بڑا ہے۔ (اللہ کے سوا) نہ کسی کو قدرت نہ قوت ہے۔ وہ اعلیٰ ہے وہ بڑا ہے) تیسری: **سبحان اللہِ وبحمدہٖ سبحان اللہ العلی العظیم وبحمدہٖ استغفر اللہ من کل ذنب واتوب علیہ** (پاکی ہے اللہ کے لیے سب تعریفیں ہیں اللہ کے لیے جو اعلیٰ ہے جو بڑا ہے جس کے لیے تعریفیں ہیں۔ میں اللہ کی بخشش چاہتا ہوں سب گناہوں سے اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں) چوتھی: **استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھوالحی القیوم واسا لالتوبۃ استغفر اللہ مَن کل ذنب اذنبتہ' عمدًا اَو خطاءً سِرًا و علانیۃ واتوب الیہ** (میں بخشش مانگتا ہوں اللہ سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں جو حی ہے جو قیوم ہے اس کے آگے توبہ کرتا ہوں اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ سب گناہوں کی چاہے جان بوجھ کر ہوئے ہوں۔ چاہے انجانے میں۔ ظاہر ہوئے ہوں یا چھپ کر۔ اللہ کے آگے توبہ کرتا ہوں) پانچویں: **سبحان اللہ الملک القدوس سبوح قدوس ربنا**

ورب الملائكة والروح (پاک ہے وہ بادشاہ وہ قدوس وہ سبوح جو ہمارا بھی رب ہے اور فرشتوں اور روح کا بھی رب ہے) چھٹی: اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذالجد منک الجد (یا اللہ جس کو تو دے اس کے لیے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو تو نہ دے اس کو کوئی دینے والا نہیں۔ اور جو فیصلہ تو فرما دے اس کو رد کرنے والا کوئی نہیں اور کسی کی کوشش تیرے مقابلے میں کامیاب نہیں۔ ساتویں: اللھم اغفرلی ولوالدی والجمیع المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات (یا اللہ مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور سب مومن مردوں کو اور سب مومن عورتوں کو اور سب مسلم مردوں کو اور سب مسلم عورتوں کو۔ الاحیاء منھم والاموات (چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ) آٹھویں: اللھم صلی علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمدٍ وبارک وسلّم وصلی علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین (یا اللہ درود بھیج محمد پر اور آلِ محمد پر یا اللہ ان کو برکت دے اور درود بھیج سب انبیاء اور رسولوں پر) دوسری دو تسبیحات جو یاد نہیں رہیں تمھیں یہ ہیں۔ نویں: اعوذ باللّٰہ السمیعُ العلیم من شیطان الرجیم واعوذبک من ھمزات الشیاطین واعوذبک رب اَن یحضرون (پناہ چاہتا ہوں اللہ کی جو سننے والا جاننے والا ہے۔ شیطان رجیم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شیطانوں کے وسوسوں سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔ دسویں: بسم اللّٰہِ خیر الاسماء بسم اللہ رب الارض والسماء بسم اللہ الذی لا یضرمع اسمہ شیٌ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم (اس اللہ کے نام سے شروع جو ناموں میں بہترین نام ہے اس اللہ کے نام سے شروع جو آسمانوں اور زمین کا پالن ہار ہے اس اللہ کے نام سے شروع جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی چاہے وہ زمین میں ہو۔ چاہے آسمان میں اور جو سننے والا جاننے والا ہے) نماز کے بعد فرمایا کہ جس روز شیخ الاسلام فرید الدین والحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے ان دس تسبیحات کے پڑھنے کا حکم فرمایا حضرت بہت خوش تھے، ارشاد فرمایا کہ میں نے تمھیں خزانے بخش دیے ہیں۔ ان اعلیٰ تسبیحات کو پابندی سے پڑھتے رہنا۔[14]

چودہویں مجلس

اسی سال ماہ صفر کی ستائیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ عشق و عقل کا ذکر

نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ان کے درمیان تضاد ہے۔ علماء اہل عقل ہیں اور درویش لوگ اہل عشق علماء کی عقل عشق پر غالب ہے اور اس قوم کا عشق عقل پر غالب ہے۔ مگر انبیاء میں دونوں کیفیات ہوتی ہیں۔ اس کے بعد غلبۂ عشق کی صفت میں یہ شعر زبانِ مبارک سے پڑھا:

عقل کے ہاں عشق کو کوئی سنوائی نہیں جلدی سے (اس کے کان میں) روئی

ٹھونس دو اس اونٹ نے جولاہے کے دل کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہا تھا۔

اسی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ علی کھوکھری نامی ایک شخص ملتان میں تھے وہ ایسے کسی آدمی سے اعتقاد نہیں رکھتے جس کے پاس عشق و درد نہ ہوتا۔ چاہے وہ کتنا ہی زاہد اور عبادت گزار کیوں نہ ہو۔ اور کہتے کہ فلاں آدمی کچھ نہیں ہے۔ اس کے پاس اشک تو ہے نہیں۔ اس کی زبان سے صحیح لفظ تک نہ نکلتا تھا۔ عشق کو "اشک" کہتا تھا۔ اسی بات کی مناسبت سے (یہ بھی) فرمایا کہ یحیٰی معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ محبت کا ایک ذرہ تمام انسانوں اور پریوں کی طاعت سے افضل ہے۔ اسی کے مناسب حال یہ بات فرمائی کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز بارہا کسی کو دعا دیتے کہ خدائے عزوجل تجھے درد عطا فرمائے وہ شخص حیران ہوتا کہ یہ کیا دعا ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ وہ کیا دعا تھی[1]۔

پھر شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت نکلی۔ ارشاد ہوا کہ جس زمانے میں وہ بدایوں پہنچے۔ ایک روز گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے کہ ایک دہی فروش دہی کی مٹکی سر پر رکھے اس گھر کے سامنے سے گزرا، اور یہ دہی بیچنے والا موا سی کا رہنے والا تھا جو بدایوں کے قریب ہے اس (علاقے) کو کٹھیر کہتے تھے اور وہاں راہزن بہت ہوتے تھے۔ اور یہ دہی فروش بھی ان (راستہ لوٹنے والوں) میں سے ایک تھا۔ الغرض جب اس کی نظر شیخ جلال الدین کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو اس پہلی ملاقات ہی نے اس کے اندر کی کایا پلٹ دی۔ جب اس نے غور سے شیخ کا چہرہ دیکھا تو بولا کہ دین محمد علیہ السلام میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں! (پھر) فوراً ایمان لے آیا۔ شیخ نے اس کا نام علی رکھا۔ جب وہ مسلمان ہو گیا تو گھر گیا اور اسی وقت ایک لاکھ جیتل شیخ کی خدمت میں لے کر آیا۔ شیخ نے انہیں قبول فرمایا اور بولے کہ اس ساری نقدی کی نگرانی تو ہی کر۔ جہاں میں کہوں وہاں خرچ کر دیجیو۔ پھر علی الحساب اس نقدی میں سے ہر ایک کو عطا کرنا

1- یہاں "شخص" سے مراد خود اپنی ذات پاک ہے۔

کرنا شروع کیا۔ کسی کے لیے سو درہم کا حکم فرماتے۔ کسی کے لیے پچاس درہم کا۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ اور کسی کو کم بھی دلواتے تو پانچ جیتل دلواتے۔ شیخ کا کم سے کم عطیہ پانچ جیتل ہوتا۔ پانچ جیتل سے کم کسی کے لیے حکم نہ فرماتے۔ آخرکار کچھ مدت میں یہ ساری رقم خرچ ہوگئی۔ صرف ایک درہم بچا یہ علی کہتے تھے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس ایک درہم سے زیادہ نہیں بچا ہے اور شیخ کی کم سے کم بخشش پانچ درہم ہے۔ اگر کسی کو کچھ دینا چاہیں گے تو میں کیا کروں گا؟ اسی فکر میں تھا کہ کوئی مانگنے والا آیا اور سوال کیا۔ شیخ نے مجھ سے کہا اس کو ایک درہم دے دو؟

شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں حکایت بیان فرمائی کہ جب انھوں نے بدایوں سے لکھنوتی (بنگال) کا ارادہ فرمایا تو یہ علی بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا شیخ نے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ! علی بولے کہ میں کس کے پاس واپس جاؤں میں کس کو جانوں، میرا آپ کے سوا اور ہے کون؟ کچھ دور چلنے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور علی نے دوبارہ عرض کی کہ میرے پیر اور مخدوم تو آپ ہیں۔ آپ کے بغیر میں یہاں کیا کروں گا! شیخ بولے کہ واپس جاؤ یہ شہر تمہاری حمایت میں ہے۔

پھر ایسے عبادت گزاروں کا ذکر آیا جو بڑی طاعت کرتے ہیں اور ان کے پاس باطن کا شغل اتنا نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوا کہ لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کا ظاہر آراستہ ہے اور باطن خراب ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا باطن آراستہ ہے اور ظاہر خراب ہے اور بعض کا ظاہر باطن (دونوں) خراب ہے اور بعض کا ظاہر باطن (دونوں) آراستہ ہیں۔ وہ گروہ کہ جس کا ظاہر آراستہ ہے اور باطن خراب وہ ایسے عبادت گزاروں کی قوم سے ہیں جو طاعت بہت کرتے ہیں۔ لیکن ان کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور وہ گروہ جن کا باطن آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر خراب ایسے دیوانے (مجذوب) ہیں کہ جو اندر سے مشغول بحق ہوتے ہیں اور ظاہر میں کوئی سروسامان نہیں رکھتے اور جس گروہ کا ظاہر و باطن خراب ہوتا ہے وہ عوام ہیں اور وہ گروہ کہ جس کا ظاہر بھی آراستہ ہوتا ہے اور باطن بھی ... مشائخ ہیں

15
پندرہویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاول کی بائیسویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔

ارشاد ہوا کہ راہ حق میں جس لباس میں بھی ہوں داخل ہو جانا چاہیے۔ امید ہے کہ انجام درست ہو جائے گا۔ اس معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کسی درویش کی نظر بادشاہ کی لڑکی پر پڑی۔ بادشاہ کی لڑکی بھی اس کی طرف مائل ہوئی اور دونوں کے درمیان معاشقہ پیدا ہو گیا۔ بادشاہ کی لڑکی نے کسی سے درویش کے پاس کہلوا بھیجا کہ تم درویش آدمی ہو مجھ سے تمہارا ملنا سخت دشوار نظر آتا ہے۔ البتہ ایک طریقہ ہے۔ اگر یہ کرلو تو امید ہے کہ میں تم تک پہنچ جاؤں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو ایک عبادت گزار آدمی بنالو اور کسی مسجد کو ٹھکانہ بنا کر طاعت وعبادت میں لگ جاؤ۔ جب تمہاری شہرت زہد اور پارسائی سے ہو جائے گی تو میں اپنے باپ سے اجازت لے کر برکت حاصل کرنے کی رسم کے طور پر تمہاری زیارت کے لیے آ جاؤں گی۔ اس درویش نے اس اشارے کی بموجب ایسا ہی کیا۔ ایک مسجد کا پابند ہو گیا اور طاعت حق (تعالیٰ) سے جوڑ لیا۔ اس کا چرچا لوگوں کی زبانوں پر عام ہو گیا اور بادشاہ کی بیٹی باپ سے اجازت لے کر اس کی زیارت کو آئی۔ جب وہ پہنچی تو اگرچہ کہ درویش بھی وہی تھا اور اس کا (حسن و) جمال بھی وہی تھا لیکن اس لڑکی نے اس میں کسی قسم کی تحریک اور اپنی طرف جھکاؤ نہیں دیکھا تو بولی کہ میں نے ہی تو تجھے یہ ترکیب سکھائی تھی اب تجھے کیا ہو گیا ہے کہ میری طرف ذرا التفات نہیں کرتا۔ ہر چند اس بارے میں زور ڈال کر کہا۔ مگر درویش یہی کہتا رہا کہ تو ہے کون؟ میں تجھے کیا جانوں میری تجھ سے کیا شناسائی؟ اسی طرح اس سے بے رخی برتتا رہا اور مشغول بحق ہو گیا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ ذوق میسر آ جائے وہ غیر سے الفت کس طرح ظاہر کر سکتا ہے۔

اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ عبداللہ مبارک کو جوانی کے زمانے میں ایک عورت سے محبت تھی۔ ایک رات اس کی دیوار کے نیچے آئے ہوئے تھے اور اس عورت نے بھی کھڑکی سے سر باہر نکال رکھا تھا اور دونوں بات چیت اور راز و نیاز میں مشغول تھے۔ شروع رات سے آخر رات تک اسی طرح باہم گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان کی آواز آئی۔ عبداللہ سمجھے کہ یہ نماز عشا کی اذان ہے جب غور سے دیکھا تو صبح ہو چکی تھی۔ اسی درمیان ایک ہاتف نے آواز دی کہ اے عبداللہ ایک عورت کے عشق میں شروع رات سے آخر رات تک جاگتے رہے کسی رات حق (تعالیٰ) کے لیے بھی اسی طرح (بیدار) رہے ہو؟ عبداللہ نے

یہ بات سنی تو آپ نے اس کام سے توبہ کی اور پوری طرح مشغول بحق ہو گئے۔ ان کی توبہ کا سبب یہ بنا۔ اسی درمیان کھانا سامنے لگایا گیا۔ ایک شخص آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اس مناسبت سے خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ ابوالقاسم نصر آبادی جو ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے پیر تھے۔ اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھانے میں مشغول تھے۔ امام الحرمین جو امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے تشریف لائے اور سلام کیا۔ شیخ ابوالقاسم اور ان کے مریدوں نے ان کی طرف کوئی التفات نہیں فرمایا۔ جب کھانا کھا چکے تو امام الحرمین نے کہا کہ کیا بات ہے کہ میں نے اندر آ کر سلام کیا اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شیخ ابوالقاسم بولے کہ قاعدہ یہی ہے کہ اگر کوئی ایسے مجمعے میں پہنچے جو کھانا کھانے میں مشغول ہو تو آنے والے کو چاہیے کہ سلام نہ کرے بس آ کر بیٹھ جائے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائیں اور ہاتھ دھو لیں اس وقت وہ کھڑا ہو اور سلام کرے۔ امام الحرمین نے کہا کہ یہ بات تم کس حوالے سے کہتے ہو۔ عقل سے یا نقل (یعنی قرآن و حدیث اور کسی کتابی حوالے) سے؟ ابوالقاسم نے جواب دیا کہ از روئے عقل کہتا ہوں۔ کیوں کہ جو بھی کھانا کھایا جاتا ہے وہ طاعت کی طاقت حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس جو شخص اس نیت سے کھانے میں مشغول ہو وہ گویا عین طاعت کے عمل میں ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا شخص جو طاعت میں مشغول ہو۔ مثلاً نماز پڑھ رہا ہو۔ علیک (سلیک) کس طرح کر سکتا ہے۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے پوچھا کہ ایک ہندو ہے جو کلمہ پڑھتا ہے اور خدا کی وحدانیت کا قائل ہے اور رسول کی رسالت کا بھی۔ لیکن جب مسلمان لوگ آتے ہیں تو چپ رہتا ہے، اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتا اس کی عاقبت کیسی ہو گی؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا اس کا یہ معاملہ حق (تعالیٰ) کے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمائے۔ چاہے تو معاف فرما دے چاہے عذاب دے۔ اس بات کی مناسبت سے فرمایا کہ بعض ہندو صاحبان جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے مگر مسلمان نہیں ہوتے۔

یہاں سے حضرت ابوطالب کی حکایت نکلی۔ ارشاد فرمایا کہ جب وہ بیمار ہوئے تو مصطفےٰ علیہ السلام ان کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آپ ایک دفعہ حق (تعالیٰ) کی وحدانیت کا اقرار کر لیں چاہے زبان سے چاہے صدق دل سے تا کہ میں خدا کے سامنے دلیل کے طور پر

عرض کروں کہ الٰہی وہ ایمان لے آئے تھے۔ ہر چند رسول علیہ السلام نے یہ بات کہی لیکن کچھ اثر نہ ہوا اسی طرح کفر کی حالت میں انتقال کیا۔ چنانچہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے انتقال کی خبر رسول علیہ السلام کو ان الفاظ میں سنائی عمک الضال مات۔ یعنی آپ کے گمراہ چچا نے وفات پائی۔ اس کے بعد رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ انھیں غسل دیں اور کفن میں لپیٹیں اور بے لحد کی قبر کھودیں اور ان کو اوپر سے قبر میں ڈال دیں یعنی رواجی تدفین نہ ہو۔

اس گروہ کی حکایت بیان فرمائی جو خراج اور جزیہ اور کھیتی کا لگان وصول کرنے میں خلقت پر زیادتی کرتا ہے۔

اس درمیان فرمایا کہ اب سے پہلے لاہور کی حدود میں ایک گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں کوئی درویش رہتا تھا۔ وہ کھیتی کرتا اور اس روزگار کے ذریعے گزر بسر کرتا۔ کوئی شخص بھی اس سے کچھ نہ مانگتا۔ پھر ایک دفعہ کوئی نیا شحنہ (تحصیلدار یا تھانیدار) مقرر ہوا۔ اس نے اس درویش سے حصہ مانگنا شروع کیا اور کہا کہ تجھے کھیتی کرتے اتنے سال ہو گئے مگر ذرا بھی حصہ نہیں دیتا اور غلہ اٹھا کر لے جاتا ہے۔ یا تو گزشتہ سالوں کا جزیہ دے یا کوئی کرامت دکھا درویش بولا کرامت کیا ہوتی ہے؟ میں تو ایک مسکین آدمی ہوں۔ شحنہ نے ضد پکڑلی کہ تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ یا تو اتنے سال کا لگان دے یا کوئی کرامت دکھا اس وقت تجھے چھوڑوں گا۔ درویش زچ ہو گیا۔ آپ ہی آپ کچھ سوچا پھر شحنہ کی طرف رُخ کر کے بولا کہ تم جو کرامت چاہتے ہو بتاؤ۔ شاید اس گاؤں کے پاس ندی بہتی تھی۔ شحنہ بولا کہ اگر تمہارے پاس کرامت ہے تو پانی پر چلو۔ درویش نے پانی پر قدم رکھا اور جس طرح زمین پر سے گزرتے ہیں گزر گیا۔ جب پار اتر گیا تو ملاح سے واپس آنے کے لیے کشتی مانگی۔ اس سے کہا گیا کہ جس طرح گئے تھے اسی طرح واپس کیوں نہیں آجاتے۔ بولا نہیں۔ اس طرح نفس موٹا ہو جائے گا اور یہ گھمنڈ کرے گا کہ میں بھی کچھ ہو گیا ہوں!

پھر کھانا کھلانے اور جو کچھ میسر ہو اس سے مہمانوں کی خاطر تواضع کا ذکر آیا اور ارشاد فرمایا کہ حدیث ہے: من زار حیا ولم یزق منه شیئاً فکانماز ارمیتاً۔ جس نے کسی زندہ کی زیارت کی اور اس کے ہاں کی کوئی چیز نہیں چکھی تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے کسی مردہ کی زیارت کی۔ یہاں سے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت نکلی کہ ان کے ہاں یہ معاملہ

نہیں تھا۔مخلوق ان کے ہاں آتی جاتی رہتی کھانے کی کوئی چیز وہاں نہ ہوتی۔ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ یہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ من زار حیا ولم یزق منه شیئاً فکا نماز ار میتًا ۔شیخ بولے کہ ہاں! اس سوال کرنے والے نے کہا کہ پھر آپ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ شیخ نے جواب دیا کہ لوگ اس حدیث کے معنی نہیں جانتے۔خلق کی دو قسمیں ہیں۔عوام ہیں اور خواص ہیں۔مجھے عوام سے کچھ کام نہیں۔البتہ خواص جب آتے ہیں تو میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سلوک کی باتیں اور اس طرح کی دوسری چیزیں ان کو بتا تا ہوں اور ان کو فائدہ ہوتا ہے۔

اس بات کی مناسبت سے خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ رسول علیہ السلام کے اصحاب جب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ضرور کچھ (نہ کچھ) کھاتے پھر واپس جاتے،روٹی یا کھجور یا دوسری کوئی چیز جب تک کھا نہ لیتے واپس نہ جاتے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدہ تھا کہ اگر ان کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو کہتے کہ پانی ہی پیش کردیں!

یہاں سے شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نکلا۔حکایت بیان فرمائی کہ ایک صاحب تھے جنہیں عبداللہ رومی کہتے تھے۔وہ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور بولے کہ میں ایک دفعہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہُ العزیز کی خدمت میں تھا۔اور میں نے سماع کیا تھا۔شیخ بہاء الدین نے کہا کہ جب شیخ شہاب الدین نے سماع سنا ہے تو زکریا کو بھی سننا چاہیے۔پھر ان عبداللہ صاحب کو رات تک روک لیا جب رات ہوئی تو کسی سے کہا کہ عبداللہ کو حجرے میں لے جاؤ اور ان کے ایک سنگی کو بھی اسی طرح کہ تیسرا کوئی نہ ہو۔بس انہی دو کو حجرے میں لے جانا۔عبداللہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی کیا گیا۔مجھ کو اور میرے ایک ساتھی کو حجرے میں لیجایا گیا۔جب رات ہو گئی اور عشاء کی نماز پڑھی جا چکی اور شیخ اوراد سے فارغ ہو کر حجرے میں تشریف لے آئے تو بس اکیلے ہم دونوں تھے اور شیخ اور کوئی نہیں تھا۔شیخ بیٹھ گئے اور پھر اوراد میں مشغول ہو گئے۔آدھے سپارے کے قریب تلاوت کی۔اس کے بعد حجرے کے دروازے میں کنڈی لگادی اور مجھ سے کہا کہ کچھ کہو! میں نے سماع شروع کیا۔کچھ دیر بعد شیخ میں جنبش اور حرکت پیدا ہوئی شیخ کھڑے ہو گئے اور چراغ بجھا دیا۔حجرے میں اندھیرا ہو

گیا۔ ہم اسی طرح گاتے رہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شیخ رقص کر رہے ہیں۔ اور جب میرے پاس آتے ہیں تو ان کا دامن نظر آتا ہے اور بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ شیخ جنبش اور حرکت میں ہیں۔ لیکن حجرہ چونکہ تاریک تھا اس لیے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ تال پر (یہ جنبش اور حرکت) ہے یا بے تال۔ الغرض جب سماع ہو چکا تو شیخ نے دروازہ کھول دیا اور اپنی جگہ تشریف لے گئے۔ میں اور میرا سنگت کرنے والا ساتھی وہیں بیٹھے رہے۔ نہ ہمیں کھانا دیا گیا نہ شربت! یہاں تک کہ رات گزر گئی اور دن نکل آیا۔ جب دن نکلا تو کوئی خادم آیا اور ایک مہین کپڑا اور بیس تنکے (سکے) لے کر آیا جو مجھے دیئے اور کہا کہ شیخ نے بھجوائے ہیں یہ لو اور واپس سدھارو!

یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہی عبداللہ، شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آئے اور یہ قصہ سنایا۔ کچھ عرصے بعد ان عبداللہ نے پھر ملتان جانے کا ارادہ کیا۔ شیخ الاسلام فریدالدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں آ کر عرض گزار ہوئے کہ میرا ارادہ ملتان جانے کا ہے اور راستے میں بڑا خطرہ ہے۔ دعا فرمایئے کہ میں سلامتی سے ملتان پہنچوں۔ شیخ نے فرمایا کہ یہاں سے فلاں جگہ جو اتنے کوس ہے اور جہاں تالاب واقع ہے میری حد ہے۔ وہاں تک سلامتی سے پہنچو گے اور وہاں سے ملتان تک شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا علاقہ (عملداری) ہے۔ یہ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات شیخ سے سنی اور روانہ ہوا اور مذکورہ تالاب کے قریب پہنچ گیا۔ بتایا گیا کہ وہاں ایک دھاڑ (لوٹ مار کرنے والے حملہ آور) آرہی ہے یعنی رہزنوں نے حملے کے لیے تیاری کر رکھی ہے۔ مجھے شیخ کی بات یاد آ گئی بے کھٹکے چلتا چلا گیا، حق تعالیٰ نے ان راہزنوں کو اس راستے سے دور جا ڈالا اور وہ راستہ بھول گئے۔ میں سلامتی سے اس تالاب تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین کو یاد کیا اور کہا کہ جہاں تک شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی حد تھی سلامتی سے آ گیا ہوں یہاں سے ملتان تک آپ کی حد ہے اب آپ جانیں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اس تالاب سے روانہ ہو گیا۔ مجھے کچھ گزند نہیں پہنچا اور سلامتی کے ساتھ ملتان آ گیا۔ جب شیخ بہاء الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو میں ایک گلیم (کملی) اوڑھے ہوئے تھا۔ جب شیخ نے مجھے گلیم اوڑھے دیکھا تو ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا اوڑھ رکھا ہے۔ یہ شیطان کا لباس ہے۔ اس طرح کی باتیں کرتے رہے مجھے بڑا غصہ

آیا اور میں نے کہا اگر میں نے گلیم اوڑھ لی تو کیا (غضب) ہو گیا۔ لوگوں کے پاس جو اس قدر سونا چاندی دولت اور ذخیرہ ہے میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ اگر میرے پاس گلیم ہے تو اس پر اتنا کہنا (سننا) کیوں؟ شیخ نے جب دیکھا کہ میں یکا یک آپے سے باہر ہو گیا ہوں تو مجھ سے مخاطب ہو کر بولے اتنی زبان کیوں چلاتے ہو! وہ تالاب کے کنارے والی بات تو یاد کرو۔ زکریا نے تمہارے بارے میں آخر کیا کمی کی؟ (یعنی حفاظت سے پہنچا دیا)

17 ستارہویں مجلس

اسی سال ماہ جمادی الآخر کی سولہویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ غصے اور شہوت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جس طرح شہوت بے موقع حرام ہے غصہ بھی بے موقع حرام ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی دوسرے پر غصہ کرتا ہے اور وہ برداشت کر لیتا ہے تو خوبی اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کر لیتا ہے۔ اس شخص کو نہیں جو غصہ کرتا ہے۔

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ اگر کوئی شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ سب کے سامنے نہ کرے کہ یہ نصیحت (رسوائی) ہو جاتی ہے۔ ملامت اور نصیحت جو بھی کرنی ہو وہ اکیلے میں کرے۔ سب کے سامنے نہیں۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ابو یوسف قاضی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے اور مریدوں کو سبق املا کرا رہے تھے۔ سر پر صوفیانہ کلاہ تھی اور وہ کلاہ سفید نہیں تھی، سیاہ تھی اور لاطیہ نہیں تھی ناشزہ تھی۔ لاطیہ وہ ہوتی ہے جو سر سے چپکی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ناشزہ وہ ہوتی ہے جو سر سے کسی قدر بلند اٹھی ہوتی ہے۔ الغرض اس دوران ایک شخص آیا اور ابو یوسف قاضی سے سوال کیا کہ کیا پیغمبر علیہ السلام نے اس قسم کی کلاہ سر پر رکھی ہے؟ ابو یوسف بولے کہ ہاں! پھر اس سائل نے پوچھا کہ سفید ٹوپی پہنی ہے یا کالی؟ ابو یوسف نے جواب دیا کہ سفید! اس سوال کرنے والے نے پھر پوچھا کہ پیغمبر علیہ السلام نے سر پر لاطیہ کلاہ پہنی ہے یا ناشزہ؟ ابو یوسف نے کہا کہ لاطیہ۔ سائل نے کہا کہ تم نے سیاہ اور ناشزہ کلاہ سر پر رکھی ہے اس صورت میں تم نے دو طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کیا ہے اور امالی جو ان کی حدیثیں ہیں ان کو کس طرح املا کرا رہے ہو؟ ابو یوسف قاضی کو بڑی اذیت ہوئی۔ اس سوال کرنے

والے سے کہنے لگے کہ جو بات تم نے مجھ سے کہی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو تم نے برائے حق کہی ہے یا مجھے ایذا پہنچانے کے لیے کہی ہے۔ اگر برائے حق کہی ہے تو چونکہ تم نے سب کے سامنے اسے کہا ہے۔ اس لیے تمہیں اس سے کوئی ثواب نہیں ملے گا اور اگر مجھے ایذا دینے کے لیے کہی ہے تو تم پر افسوس ہے۔ تم پر افسوس ہے۔ تم پر افسوس ہے۔

18
اٹھارہویں مجلس

اسی سال ماہ رجب کو ساتویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ توبہ کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں۔ حال، ماضی اور مستقبل۔ حال تو یہ ہے کہ پشیمان ہو۔ یعنی جو گناہ کیا ہے اس پر ندامت ظاہر کرے۔ ماضی یہ کہ دشمنوں کو خوش کرے اور اگر کسی نے کسی کے دس درہم غصب کیے ہیں اور صرف اتنا کہتا ہے کہ توبہ توبہ تو توبہ نہیں ہوگی۔ توبہ تو یہ ہوگی کہ دس درہم اس کو واپس دے دے اور اس کو خوش کر دے۔ اس وقت اس کی توبہ، توبہ ہوگی۔ اور اگر کسی کو بُرا کہا ہے تو اس کے پاس جائے اور معذرت کرے اور اس سے معافی چاہے اور اس کو راضی کرے اور اگر جس شخص کو بُرا کہا ہے اور وہ مر چکا ہے تو کیا کرے؟ (یہ کہ) جس قدر اس کو اس کی زندگی میں برا کہا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کو اتنا ہی اچھا کہے اور اس کی بھلائی کے ساتھ یاد کرے اور اگر کسی کو قتل کر دیا ہو اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے تو پھر کیا کرے؟ غلام آزاد کرے یعنی مردے کو زندہ تو نہیں کر سکتے۔ (اس لیے) غلام آزاد کرے جو شخص غلام کو آزاد کرتا ہے ایسا ہے جیسے مردہ کو زندہ کیا۔ اور اگر کسی نے غیر کی منکوحہ یا مملوکہ کے ساتھ زنا کیا تھا وہ کیا کرے؟ اس کے بارے میں کسی جگہ یہ حکم نہیں ہے کہ (شوہر اور مالک) کے پاس جا کر معذرت کرے؟ پھر کیا کرے؟ خدا کی طرف رجوع ہو۔ اسی معنی کی مناسبت سے فرمایا کہ شراب پینے والا شراب سے توبہ کرے تو پھر کیا کرے؟ لطیف شربت اور ٹھنڈا پانی خدا کی مخلوق کو پلائے۔ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ توبہ کے بارے میں معذرت کرنا ہر گناہ کی مناسبت ہی سے آیا ہے۔ دوسری توبہ کی کیفیت جو ماضی کی قسم سے تھی وہی تھی۔ جس کو لکھا جا چکا۔ توبہ کی تیسری قسم جو مستقبل کی صفت رکھتی ہے یہ ہے کہ نیت کرے کہ جو گناہ کیا تھا آئندہ نہیں کرے گا۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے

وابستہ ہوا اور توبہ کی تو چند بار زبان مبارک سے یہی فرمایا کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے۔ اور حق دار لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے سلسلے میں غلو فرمایا۔ مجھے یاد آیا کہ مجھے کسی کے بیس جیتل ادھار دینے ہیں اور ایک کتاب کسی سے عارضی طور پر مانگ کر لی تھی۔ اور وہ کتاب میرے پاس سے گم ہو گئی تھی۔ جس وقت شیخ کبیر نور اللہ مرقدہٗ نے دشمنوں کو خوش کرنے کے سلسلے میں تاکید سے ذکر فرمایا۔ میں سمجھ گیا کہ مخدوم چھپی ہوئی باتوں سے واقفیت رکھنے والے ہیں۔ دل میں ٹھان لی کہ اب کے دہلی جاؤں گا تو ان لوگوں کو خوش کروں گا۔ جب اجودھن سے دہلی آیا تو جس شخص کے بیس جیتل دینے تھے وہ بزاز (کپڑے والا) تھا۔ اس سے میں نے کپڑا لیا تھا۔ مگر کسی وقت بھی بیس جیتل اکٹھے جمع نہیں ہوتے تھے کہ اس کو پہنچاؤں۔ تنگ دستی کا عالم تھا کبھی پانچ جیتل ہاتھ آتے کبھی دس۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ دس جیتل ہاتھ آئے۔ میں نے اس بزاز کے گھر پر آ کر آواز دی۔ وہ گھر سے باہر آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارے بیس جیتل میرے ذمے ہیں۔ اس کا موقع ہی نہیں ہوتا کہ یک مشت ادا کروں۔ یہ دس جیتل لایا ہوں۔ یہ لے لو۔ باقی بھی انشاء اللہ تعالیٰ پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے جب یہ بات سنی تو بولا کہ اچھا! شیخ کے پاس سے آ رہے ہو! پھر وہ دس جیتل مجھ سے لے لیے اور کہنے لگا کہ باقی کے دس جیتل میں نے تمہیں بخشے! اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس سے کتاب لایا تھا، جب اس سے ملا تو پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا اے خواجہ میں ایک کتاب تم سے عاریتاً لے گیا تھا۔ وہ میرے پاس سے گم ہو گئی ہے۔ اب میں اس کی ایسی ہی کاپی حاصل کروں گا جیسی تمہاری کتاب تھی۔ دوسری کتاب نقل کرا کر تمہیں پہنچا دوں گا۔ جب اس شخص نے یہ بات سنی تو بولا کہ جی ہاں! جہاں سے آپ آ رہے ہیں یہ اسی کا پھل ہے! اس کے بعد کہنے لگا کہ میں نے وہ کتاب آپ کو بخشی۔

توبہ کی مناسبت ہی سے یہ فوائد بیان فرمائے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کا چہرہ نافرمانی کی طرف ہوتا ہے اور پشت حق کی طرف۔ جب توبہ کرتا ہے اور خدا سے رجوع ہوتا ہے تو چاہیے کہ اس کی پشت نافرمانی کی طرف ہو اور منہ حق کی جانب۔ پھر فرمایا جو تائب ہو گیا ہے اس کو طاعت میں پورا ذوق حاصل ہونا چاہیے۔ اور جو نافرمانی کی طرف لوٹ جاتا ہے تو اس سے اللہ کی پناہ کہ وہ طاعت میں ذوق ہی نہیں پاتا۔

پھر خرچ کرنے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک درہم اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ دس درہم فقیروں کو دے دے۔ اسی طرح اگر دس درہم اپنے رفیقوں کے لیے خرچ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ سو درہم فقیروں کو دے اور اگر سو درہم اپنے رفیقوں کے ساتھ خرچ کرے تو یہ ایسا ہو گا جیسے ایک غلام آزاد کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انیسویں[19] مجلس

اسی سال ماہ شعبان کی ستائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ خلق کے معاملے کا ذکر آیا۔ نیک کیسے ہوتے ہیں اور بد کیسے؟ ارشاد ہوا کہ اس عہد میں جس میں کہ ہم ہیں اگر کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ بد نہیں ہے تو اسی قدر اس کو نیک کہا جا سکتا ہے۔ (یعنی بد نہ ہونا بھی غنیمت ہے) پھر فرمایا کہ اگر کوئی لوگوں کی عیب جوئی نہیں کرتا اور کسی کو برا نہیں کہتا تو چاہے وہ (خود) برا ہو تو اس کو نیک ہی سمجھا جائے گا۔ بد نہیں کہیں گے۔ اس کے بعد یہ دو مصرعے زبان مبارک پر لائے:

گر با عیبی و عیب نہ جوئی نیکی
ور بد باشی و بد نگوئی نیکی!

(اگر تم میں کوئی عیب ہو اور دوسروں) کے عیب نہ چنتے پھرو تو تم نیک ہو۔ اور اگر تم برے ہو مگر کسی کو برا نہیں کہتے تو نیک ہو!)

پھر فرمایا کہ اگر کوئی بد ہو اور خلق خدا کو بد کہتا ہو تو اس بدی کی کیا حد ہو گی! اس درمیان میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ کیا تم چھاؤنی میں رہتے ہو؟ بندے نے عرض کی جی ہاں! اس کے بعد فرمایا کہ شہر میں راحت نہیں رہی ہے اور تھی بھی نہیں۔ اس معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ قدیم زمانے میں میرا دل بھی شہر میں رہنے کو نہ چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں تالاب قتلغ خاں پر تھا۔ اس زمانے میں میں قرآن حفظ کر رہا تھا۔ وہاں ایک درویش کو مشغول بحق دیکھا۔ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کہ کیا آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ بولے ہاں۔ میں نے کہا کہ کیا آپ اپنی خوشی سے یہاں مقیم ہیں؟ کہنے لگے نہیں۔ اس کے بعد

ان درویش نے قصہ سنایا کہ میں نے ایک دفعہ کسی بڑے اچھے درویش کو دروازۂ کمال سے (آتے) دیکھا۔ اس حظیرے (قبرستان) کے دروازے سے باہر جو خندق کے کنارے واقع ہے اور جہاں کی زمین اونچی ہے۔ اس حظیرے (قبرستان) میں شہداء (مدفون) ہیں۔ الغرض یہ درویش مجھ سے کہنے لگے کہ اگر چاہتے ہو کہ اپنا ایمان سلامت لے جاؤ تو اس شہر سے رخصت ہو جاؤ۔ میں نے اسی وقت ٹھان لی کہ اس شہر سے چلا جاؤں گا لیکن بعض رُکاوٹوں کی وجہ سے یہیں ٹھہرا رہا۔ اب پچیس سال کا عرصہ ہو گیا ہے کہ میرا ارادہ بدستور قائم ہے۔ لیکن جانا نہیں ہوتا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب میں نے یہ بات ان درویش سے سنی تو خود بھی طے کر لیا کہ اس شہر میں نہیں رہوں گا۔ کچھ جگہیں میرے خیال میں تھیں جہاں جانا چاہتا تھا۔ ایک دفعہ سوچا کہ قصبہ پٹیالی چلا جاؤں۔ اس زمانے میں ترک وہاں تھا ان ترک سے مراد امیر خسرو عصمہ اللہ تھے۔ پھر فرمایا کہ ایک دل یہ چاہتا تھا کہ بسالہ چلا جاؤں جو صاف ستھری جگہ ہے۔ بسالہ چلا بھی گیا۔ تین روز وہاں رہا۔ ان تین دن میں نہ تو کوئی مکان کرایے پر ملا نہ گروی، نہ قیمتاً۔ تینوں دن کسی نہ کسی کا مہمان رہا۔ جب وہاں واپس آیا تو یہی خیال میرے دل میں سمایا ہوا تھا۔ ایک دفعہ حوض رانی کی طرف اس باغ میں جسے جسرت کا باغ کہتے ہیں گیا ہوا تھا۔ خدائے عزوجل سے میں نے دعائیں مانگیں۔ بڑا اچھا وقت تھا۔ میں نے کہا کہ خداوندا میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں لیکن اپنے اختیار سے کسی جگہ نہیں جاؤں گا جہاں تیری مرضی ہو وہاں رہوں گا۔ اس درمیان غیاث[1] پور کی آواز آئی۔ میں نے یہ آواز سنی تو (اپنے) ایک دوست کے پاس گیا ان دوست کا لقب نیشاپوری تھا۔ جب میں ان کے گھر گیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ وہ غیاث پور گئے ہوئے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ وہی غیاث پور ہے! الغرض غیاث پور آیا۔ اس زمانے میں یہ مقام کچھ زیادہ آباد نہیں تھا۔ تھوڑی سی آبادی کا گم نام سا گاؤں تھا۔ میں نے یہاں آ کر رہائش اختیار کر لی۔ لیکن جب کیقباد (بادشاہ) کیلوکھری میں مقیم ہوا تو اس زمانے میں یہاں لوگوں کا بڑا ہجوم ہو گیا ملوک اور امراء کی آمد و رفت یہاں بہت ہو گئی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہاں سے بھی چل دینا چاہیے۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک

1- موجودہ بستی حضرت نظام الدین کا نام قدیم زمانے میں غیاث پور تھا لیکن حضرت کے نام نامی کی شہرت نے غیاث پور کو بھلا دیا۔ اب اسے سب بستی حضرت نظام الدین کہتے ہیں۔

بزرگ جو میرے استاد تھے شہر میں وفات پا گئے۔ میں نے اپنے دل میں یہ ٹھہرالی کہ کل جبکہ ان کی وفات پر تیسرا دن ہوگا میں ان کی زیارت (تیجے[1]) میں جاؤں گا اور شہر میں بھی نہیں رہوں گا یہ عزم اپنے دل میں کر لیا۔ اسی روز عصر کی نماز میں ایک خوبصورت مگر (نحیف و) نزار جوان آیا جو اللہ جانے مردانِ غیب میں سے تھا یا کون تھا۔ الغرض اس نے آتے ہی پہلی بات جو مجھ سے کہی وہ یہ تھی:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمی خواہی شد
امروز کہ زلفت دلے خلقے بر بود
در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

(جس روز تم چاند بنے تھے تمہیں یہ خبر نہیں تھی کہ ایک زمانے کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی؟ اب جبکہ تمہاری زلف نے دنیا کے دل اسیر کر لیے ہیں کونے میں بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں)

خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ اس نے کچھ اور باتیں کہیں جن کو میں نے کسی جگہ لکھا ہے۔ القصہ اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ اوّل تو مشہور نہیں ہونا چاہیے اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا ہونا چاہیے کہ کل قیامت کے دن رسول علیہ السلام کے سامنے شرمندہ نہ ہو! پھر یہ کہا کہ یہ بھی کوئی قوت ہے اور کوئی حوصلہ ہے کہ لوگوں سے کنارہ کر کے مشغول بحق ہو جائیں۔ یعنی قوت اور حوصلہ تو یہ ہوتا ہے کہ خلق کی موجودگی میں بھی مشغول بحق رہیں۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ جب وہ یہ باتیں کہہ چکا تو میں نے کچھ کھانا سامنے رکھا۔ اس نے نہیں کھایا۔ میں نے اسی وقت یہ نیت کر لی کہ یہیں مقیم رہوں گا۔ جب میں نے یہ نیت کر لی تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔ اس کے بعد اسے کبھی نہیں دیکھا۔

بیسویں[20] مجلس

اسی سال ماہِ مبارک رمضان کی دسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی،

1- حضرت امین الدین محدث تبریزی کے تیجے کا ذکر ہے۔ در نظامی صفحہ ۱۸۸، ۱۰ اردو ترجمہ اور سیر العارفین ۱۲۵۔

سورہ اخلاص کی فضیلت کا ذکر نکلا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سورہ اخلاص تہائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ جو ختم قرآن کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے ہیں تو اس میں یہی حکمت ہے کہ اگر ختم کے دوران میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو سورہ اخلاص کے تین مرتبہ پڑھنے سے ختم مکمل ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ختم قرآن کے بعد سورہ الحمد اور سورہ بقرہ کی چند آیتیں پڑھتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسالت علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ مصطفےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ الحال المرتحل حال اسے کہتے ہیں جو کسی پڑاؤ پر آ کر اترے اور مرتحل اسے کہتے ہیں جو روانہ ہو جائے اور یہ اشارہ اس طرف ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھتا ہے اور ختم کرتا ہے تو گویا ایک منزل آ کر اترتا ہے اور جب دوبارہ شروع کرتا ہے تو گویا دوبارہ روانہ ہو جاتا ہے۔ پس انسانوں میں سے بہترین وہ شخص ہوتا ہے جو قرآن ختم کرتے ہی فوراً شروع بھی کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کو رسول علیہ السلام نے الحال والمرتحل کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ بعض لوگ غیر موجود جنازے کی نماز پڑھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔ مصطفےٰ علیہ السلام نے نجاشی کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی تھی۔ ان کا انتقال کہیں اور ہوا تھا اور امام شافعیؒ اس بات کو جائز رکھتے ہیں اور اگر میت کے جسم کا کوئی عضو لائیں جیسے ہاتھ یا پاؤں یا انگلی جو بھی ہو اس پر بھی نماز پڑھتے ہیں۔

اس بات کی مناسبت سے شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہُ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ نجم الدین صغریؒ کو جو دہلی کے شیخ الاسلام تھے ان سے دشمنی ہو گئی اور ایسے بھڑکے کہ انھیں ہندوستان کی طرف (مراد یوپی کی طرف) روانہ کر دیا۔ الغرض جب شیخ جلال الدین نور اللہ مرقدہٗ بدایوں پہنچے تو ایک روز سوتھ ندی کے کنارے بیٹھے تھے (کہ یکایک) اُٹھے اور وضو تازہ کیا اور حاضرین سے بولے کہ آیئے شیخ الاسلام دہلی کے جنازے پر نماز پڑھیں کیوں کہ ان کا اسی وقت انتقال ہوا ہے اور واقعہ اسی طرح ہوا تھا جیسا کہ شیخ جلال الدین

1- یہ ۶۵۳ھ کے بعد شیخ جمال بسطامی کی جگہ دہلی کے شیخ الاسلام ہوئے تھے۔ ان کا مزار دہلی میں حضرت برہان الدین بلخی کے جوار میں ہے۔ روضۃ الاقطاب صفحہ ۷۔

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً نے زبان مبارک سے بیان فرمایا تھا۔ اس کے بعد جب نماز ادا کر چکے تو حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا اگر شیخ الاسلام دہلی نے ہمیں دہلی شہر سے باہر نکالا تو ہمارے شیخ نے انھیں دنیا ہی سے نکال دیا۔

جماعتِ متحیران کا ذکر نکلا کہ حق تعالیٰ میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ انھیں کسی مخلوق کی خبر نہیں ہوتی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے حکایت بیان کی کہ میں ایک دفعہ کہیں گیا تو اسی طرح کے لوگوں میں سات آٹھ آدمیوں کو دیکھا کہ ٹکٹکی لگائے آسمان کو تک رہے ہیں اور رات دن متحیر ہیں۔ مگر جس وقت نماز کا وقت آتا ہے تو نماز پڑھ لیتے ہیں اور پھر متحیر ہو جاتے ہیں۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں انبیاء معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ۔ یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ تم نے بیان کیا۔ اگرچہ کہ شب و روز متحیر رہتے ہیں لیکن ان کی نماز فوت نہیں ہوتی۔

اس تحیر کی مناسبت سے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہُ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ ان کو انتقال کے وقت اسی طرح چار دن رات تحیر رہا اور ہوا یہ تھا کہ شیخ علی سجزی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قوالی تھی اور شیخ قطب الدین نور اللہ مرقدہٗ تشریف فرما تھے گانے والا قصیدہ گا رہا تھا۔ جب اس شعر پر پہنچا:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانی دیگر است

(خنجرِ تسلیم کے کشتگان کے لیے ہر زمانے میں غیب سے ایک نئی زندگی ہے)

شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہُ العزیز کو اس شعر پر کیفیت ہو گئی۔ جب وہاں سے گھر آئے تو مدہوش اور متحیر تھے۔ فرماتے تھے کہ یہی شعر پڑھتے جاؤ (چنانچہ) یہی شعر ان کے سامنے پڑھا جاتا رہا اور وہ اسی طرح متحیر رہے۔ سوائے اس کے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو نماز ادا فرماتے تھے اور پھر یہی شعر پڑھواتے اور حال آ جاتا اور حیرت پیدا ہو جاتی چار رات دن تک یہی حالت رہی۔ پانچویں رات کو رحلت فرمائی۔ شیخ بدر الدین غزنویؒ فرماتے ہیں کہ میں اس رات کو حاضر تھا جب شیخ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو مجھے کسی قدر غنودگی تھی۔ خواب میں دیکھا کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہُ العزیز جیسے اپنی جگہ سے اٹھ رہے ہیں اور اوپر کی طرف جا رہے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ دیکھو بدر الدین! اللہ کے دوستوں کے لیے

موت نہیں ہے! جب میں بیدار ہوا تو شیخ دار بقا کو رحلت فرما چکے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اکیسویں مجلس

اسی سال ماہ شوال کی پندرہویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ مشائخ سے مخلوق کی رغبت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ جس زمانے میں کیلی کی جنگ ہوئی ہے میں چند روز شہر میں رہا تھا۔ جمعے کے روز میں مسجد جاتا تو خلق میری مزاحمت[1] کرتی، چنانچہ ایک روز میں مسجد سے نکل کر گلی میں جا رہا تھا ایک شخص پیچھے سے آیا اور بولا کہ آپ تنگ آ جاتے ہیں؟ میں نے کہا، ہاں! اس کے بعد وہ شخص کہنے لگا کہ میرے خسر شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید تھے جس زمانے میں شیخ دہلی میں تھے جب جمعے کی نماز کو نکلتے تو وقت ▬ پہلے روانہ ہوتے تا کہ خلق کی مزاحمت کم سے کم ہو۔ مگر لوگ اسی طرح سامنے آ آ کر ہاتھ چومتے تھے۔ چنانچہ لوگوں کا ایک حلقہ بن جاتا۔ شیخ اس حلقے میں سے نکلتے تو دوسرے لوگ سامنے آ جاتے اور ▬ اسی طرح حلقہ بن جاتا۔ چنانچہ حضرت تنگ آنے لگے۔ اس کے بعد میرے خسر نے عرض کی کہ یہ خدا کی نعمت ہے آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟

اسی بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ جس وقت سلطان ناصرالدین اوچھ اور ملتان کی جانب روانہ ہوا تو اجودھن سے گزرا سارے لشکر نے شیخ کی زیارت کے لیے اُس جگہ کا رُخ کیا جہاں ▬ تھے۔ شیخ اس بھیڑ سے جو جمع ہو گئی تھی پریشان ہو گئے اور کسی اور جگہ چلے گئے۔ اس وقت شیخ (کے پہنے یا کرتے کی) آستین چھت پر سے گلی کی طرف لٹکا دی گئی۔ لوگ آتے تھے اس کو بوسہ دیتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ساری جھیر جھیر ہو گئی۔ اس وقت (حضرت) مسجد میں تشریف لے آئے اور مریدوں سے کہا کہ تم لوگ میرے اطراف حلقے بنا لو تا کہ مجمع اندر نہ آئے باہر ہی سے سلام کرے اور چلا جائے۔ مریدوں نے ایسا ہی کیا مگر ایک بوڑھا فراش آیا اور اطراف کھڑے ہوئے مریدوں کے حلقے کو توڑ کر شیخ کے پیروں میں گر پڑا اور شیخ کے قدم پکڑ کر چومنے کے لیے کھینچے۔ شیخ کو تکلیف ہوئی وہ فراش بولا شیخ

1۔ عوام و خواص حضرت سے اظہار عقیدت کرتے تھے اور ہاتھ پیر چومتے تھے۔ اس کا تذکرہ حضرت نے مزاحمت کے لفظ سے کیا ہے۔ کیونکہ حضرت اس سے بچتے تھے۔

پریشان ہوتے ہو؟ خدا کی نعمت کا اور بھی شکر ادا کرو جب فراش نے یہ بات کہی تو شیخ نے ایک نعرہ مارا۔ پھر اس فراش کو نوازا اور بہت معذرت کی۔

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ (آدمی کو) نرم دل ہونا چاہیے اور مخلوق کے ساتھ شفقت سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اس موقع پر فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان ''ابا بکر اسیف'' یعنی ابوبکر اسیف ہیں اور اسیف اس کو کہتے ہیں جو سریع البکا ہو یعنی جس کو رونا بہت جلدی آتا ہو۔

خوش خلقی اور تواضع کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ عمرو عاص نے زمانہ جاہلیت میں رسول علیہ السلام کی ہجو کی تھی۔ جب حضرت رسالت علیہ السلام نے سنا تو عرض کی کہ اے اللہ عاص کے بیٹے نے میری ہجو کی ہے اور میں شاعر نہیں ہوں۔ ولستُ بِشَاعِرٍ (میں شاعر نہیں ہوں) تو میری طرف سے اس کی ہجو فرما! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جُربر کے لفظ سے عمرو عاص کی ہجو فرمائی اور جربرا سے کہتے ہیں جو کرپنر ہو یعنی عمرو عاص مکاری اور کرپنری سے مشہور ہوئے اگرچہ کہ وہ ایمان لے آئے تھے لیکن مکاری اور کرپنری (کے الفاظ) سے جو ان کی ہجو ہوئی وہ قیامت تک رہے گی۔ پس چونکہ یہ صفت مکر اور کرپنری ہجو ہوئی تو صفت نرمی اور خوش مزاجی اور تواضع مدح (ستائش) ہوگی۔

22
بائیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی ستائیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کا شرف میسر آیا۔ ایک عزیز کسی کی طرف سے معذرت کرنے آئے تھے۔ شاید حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے کسی کی سفارش میں کچھ فرمایا تھا اور اس شخص نے ٹال مٹول سے کام لیا تھا۔ جب ان صاحب نے جو بھیجے ہوئے آئے تھے۔ اس شخص کی طرف سے معذرت کی اور معافی مانگی تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے معاف فرمایا! اور زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ رنجیدہ ہونے کی بات ہے لیکن میں رنجیدہ نہیں ہوا اور معاف کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب کوئی شخص پیر سے وابستہ ہوتا ہے اور مرید بنتا ہے تو اس کو تحکیم کہتے ہیں۔ یعنی اپنے پیر کو اپنے اوپر حاکم بنا لیتا ہے۔ پس پیر جس بات کو بھی کہے اور مرید نہ سنے تو یہ تحکیم نہ ہوگی۔ پھر دوبارہ فرمایا کہ اگرچہ کہ تکلیف کی بات تھی لیکن میں

نے معاف کر دیا۔ اس درمیان بندے نے عرض کیا کہ پیر اگر اپنے انتہائی کرم سے مرید کی خطا معاف بھی کر دے مگر اللہ تعالیٰ اس خطا کو کس طرح پسند فرما سکتا ہے۔ اور کس طرح معاف کر سکتا ہے؟ اس پر فرمایا کہ پیر کا معاف کرنا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے (حق تعالیٰ بھی) معاف فرما دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ پیر جس بات کا بھی حکم دے۔ مرید کو چاہیے کہ وہی کرے اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی آیا ہے کہ پیر اگر کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو غیر شرعی ہو تب مرید کے لیے گنجائش ہے کہ وہ کام کرے یا نہ کرے۔ اس نکتے کو یوں بیان فرمایا کہ پیر ہونا ہی ایسا چاہیے جو احکام شریعت اور طریقت اور حقیقت کا عالم ہو۔ اور جب پیر ایسا ہوتا ہے تو وہ خود ہی کوئی غیر شرعی حکم نہیں دیتا اور اگر مختلف فیہ حکم دیتا ہے یعنی بعض کے نزدیک وہ جائز ہو اور بعض کے نزدیک ناجائز تو (ایسی صورت میں) مرید کو چاہیے کہ وہ کام کرے جس کے لیے پیر نے کہا ہے کیونکہ پیر نے کسی کے قول کی بنا ہی پر وہ حکم دیا ہوگا اگرچہ کہ بعض کو اس میں اختلاف ہو لیکن مرید کو تو پیر کے اشارے کے مطابق ہی کام کرنا چاہیے۔

پھر انہی نکات میں یہ فرمایا کہ ایک شخص کسی سے کچھ بات کہتا ہے یا سفارش کرتا ہے اور وہ آدمی اس کو قبول نہیں کرتا تو اس بات کو بھی اسی روشنی میں دیکھنا ہے چاہیے کہ موقع نہیں تھا۔ یا اس کو خبر نہیں تھی۔ فرمایا کہ اپنی غلطی کا خیال بھی رکھنا چاہیے کہ شاید ایسا ہوا ہو۔

اس موقع پر فرمایا کہ اجودھن میں ایک عامل (سرکاری کارپرداز افسر) تھا شاید اس جگہ کے والی (حاکم) نے اس عامل کو کوئی تکلیف پہنچائی۔ یہ عامل شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا اور سفارش چاہی۔ شیخ نے کسی کو حاکم کے پاس بھیجا اور عامل کی بات کہلوائی مگر حاکم اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس کے بعد شیخ نے اس عامل سے کہا کہ میں نے سفارش کی اور اس نے نہیں سنی۔ شاید موقع نہیں تھا اور ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو تم سے بھی کسی نے کسی کی سفارش کی ہو اور تم نے اسے نہ سنا ہو! اس کے بعد وہ حاکم آیا اور معذرت چاہی، شیخ نے معاف فرما دیا۔

اسی معاف کر دینے اور ہوئے جرم کو نہ ہوا سمجھ لینے کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ایک بیٹے (پوتے یا نواسے) محمد نامی

تھے۔ان کو ممن کہہ کر پکارتے تھے۔شیخ کو اطلاع دی گئی کہ وہ شراب پیتے ہیں۔قصہ مختصر وہ شیخ کی خدمت میں آئے تو شیخ نے ان سے پوچھا کہ محمد مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ تم شراب پیتے ہو۔بولے نہیں میں نہیں پیتا یہ جھوٹی خبر پہنچائی گئی ہے۔شیخ نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو کہ ان لوگوں نے جھوٹی اطلاع دی ہو گی۔غرضیکہ ان سے (اچھی طرح) خوش ہو کر بات کی اور ان کے عذر کو قبول فرمالیا۔

اس کے بعد مشائخ کے حکم دینے اور مرید کے تعمیل کرنے کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک بڑھیا تھی جو اکثر شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں آتی اور خانقاہ کے صحن میں جھاڑو دیتی۔چند بار اس نے ایسا کیا۔شیخ نے اس سے پوچھا کہ بتا اس خدمت سے تیرا مقصد کیا ہے تا کہ تیری غرض پوری کروں۔بڑھیا بولی کہ میری ایک عرض ہے جب وقت آئے گا تو عرض کروں گی۔القصہ وہ بڑھیا اسی طرح اپنی خدمت انجام دیتی رہی۔یہاں تک کہ ایک روز کوئی خوبصورت جوان شیخ کی خدمت میں آیا، وہ بڑھیا بھی شیخ کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور بولی کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اپنا مقصد ظاہر کروں۔شیخ نے کہا کہو کیا کہتی ہو۔بڑھیا نے کہا کہ اس جوان کو حکم دیجیے کہ مجھے اپنے نکاح میں لے آئے۔شیخ شش و پنج میں پڑ گئے اور سوچا کہ یہ عورت بڑھیا ہے اور بدصورت اور یہ مرد جوان ہے اور خوبصورت۔یہ بات کیسے بنے گی؟ اسی درمیان شیخ خلوت نشین ہو گئے، تین رات دن نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔تین رات دن کے بعد اس جوان کو اور اس بڑھیا کو اپنے سامنے طلب فرمایا اور جوان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس بڑھیا کو اپنے نکاح میں لے آؤ۔جوان نے خوشی اور رغبت کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔اس کے بعد اس بڑھیا نے درخواست کی کہ شیخ حکم دیں کہ دلہنوں کی رسم کے موافق میرا جلوہ ہو۔شیخ نے فرمایا کہ ایسا ہی کیا جائے اور دعوت کی رسم بھی ادا ہو اور جو کھانا پکتا ہے وہ بہت زیادہ پکائیں۔اس وقت اس بڑھیا نے التماس کیا کہ شیخ اس جوان کے لیے فرمان کریں کہ مجھے زمین پر سے اٹھائے اور اپنے ہاتھ سے تخت کے اوپر بٹھائے۔شیخ نے جوان کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔جوان نے بڑھیا کو زمین پر سے اٹھالیا۔اس درمیان بڑھیا شیخ سے بولی کہ جب اس جوان نے مجھے آپ کے سامنے خاک پر سے اٹھایا ہے تو اسے شیخ حکم دیں کہ مجھے پھر زمین پر نہ پھینکے یعنی اس کام کو پورا کرے۔اور پیٹھ نہ دکھائے!! القصہ شیخ نے اسی طرح حکم

دے دیا اور اس جوان نے قبول کر لیا۔ یہ سارا قصہ مریدوں کے پیر کا فرمان قبول کرنے کے نکتے کے سلسلے میں بیان فرمایا گیا۔

پھر شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ میں کم و بیش بارہ سال کا ہوں گا۔ لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص تھا جسے ابوبکر خراط کہتے تھے اور ابوبکر قوال بھی۔ وہ میرے استاد کی خدمت میں آیا، شاید وہ ملتان کی طرف سے آیا تھا۔ اس نے قصہ سنایا کہ میں نے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سماع (قوالی) کیا ہے ایک دفعہ یہ قول ان کے سامنے گا رہا تھا:

بکلِّ صُبحٍ وَّکُلِّ اشراقِ

تبکیکَ عینی بدمعِ مُشتاق

قَد بسعَتُ حیۃَ الھویٰ کبِری

فلا طبیبَ ھا ولا راق

(ہر صبح اور ہر سویرے میری آنکھیں اشتیاق میں خون کے آنسو روتی ہیں۔ تیری آرزو کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے۔ اب اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے نہ کوئی منتر پڑھنے والا۔ دوسرے مصرعے یاد نہیں رہے تھے۔ وہ شیخ نے یاد دلائے۔

الا لحبیب الذی شغفت بہ

فعندہ رقیتی و تریاقی

(سوائے اس محبوب کے جس کا میں فریفتہ ہوں۔ کیونکہ اس کے پاس میرے لیے منتر ہے اور تریاق ہے) ان اشعار کا منظوم ترجمہ یہ ہے:

از مار غمش گزیدہ دارم جگری

کورا نکند ہیچ فسونی اثری

جز دوست کہ من شیفتہ عشق ویم

افسونِ علاج من چہ داند دگری

(میرا جگر اس کے غم کے سانپ کا ڈسا ہوا ہے۔ کوئی (منتر اور) افسوں اس پر اثر نہیں کرتا۔ سوائے اس دوست کے جس کا میں شیفتہ ہوں میرے علاج کا افسوں اور کوئی جان بھی کیا

سکتا ہے)۔

اس کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بیان کرنے شروع کیے کہ ان کے ہاں ذکر ایسا ہوتا ہے اور عبادت ایسی ہوتی ہے اور اوراد اتنے پڑھے جاتے ہیں ان کے ہاں کی لونڈیاں جو چکی پیستی ہیں وہ بھی ذکر کرتی ہیں۔ یہ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں اس نے کیں۔ مگر میرے دل پر اس کا ذرا اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے سنایا کہ وہاں سے اجودھن آیا اور ایسے ایسے ایک بادشاہ کو دیکھا الغرض جب شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مناقب میں نے سنے تو میرے دل میں ان کی سچی محبت اور ارادت بیٹھ گئی۔ یہاں تک ہوا کہ ہر نماز کے بعد میں دس دفعہ کہتا شیخ فرید الدین اور دس دفعہ کہتا مولانا فرید الدین۔ پھر یہ محبت ایسی بڑھی کہ میرے سارے دوستوں کو خبر ہوگئی اور یہ ہونے لگا کہ اگر مجھ سے کچھ پوچھتے اور چاہتے کہ مجھے قسم دیں تو کہتے شیخ فرید کی قسم کھاؤ قصہ مختصر اس کے بعد دہلی کا عزم کیا تو عوض نامی ایک بوڑھے بزرگ ساتھ ہوئے۔ راستے میں کہیں شیر کا یا ڈاکوؤں کا خوف ہوتا تو وہ کہتے اے پیر آیئے !! اے پیر ہم آپ کی پناہ میں ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم یہ پیر کسے کہتے ہو؟ بولے شیخ فرید الدین (نور اللہ مرقدہٗ) کو۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ ایک نیا شوق پیدا ہوا اور ایک نئی کسک جم گئی۔ اس سفر میں ایک اور صاحب ساتھ ہوئے جن کو مولانا حسین خنداں کہتے تھے۔ بڑے اچھے آدمی تھے۔ پھر جب دہلی آ گیا تو اتفاق سے شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں اترنا ہوا۔ اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ دولت قسمت میں لکھی تھی۔ اس لیے اس طرح کے اسباب پیدا ہو گئے۔

پھر شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کا اور سماع سے ان کے ذوق حاصل کرنے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ وہ چاہتے تھے کہ سماع (قوالی) سنیں۔ گانے والا (قوال) موجود نہیں تھا۔ بدر الدین اسحٰق علیہ الرحمۃ والرضوان سے فرمایا کہ جو خط قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھیجا ہے لے آؤ۔ بدر الدین نے آ کر وہ تھیلی سامنے رکھی جس میں خطوط اور رقعے جمع تھے (اندر) ہاتھ ڈالا تو سب سے پہلے وہی خط ہاتھ لگا جسے شیخ کے سامنے پیش کر دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھو۔ بدر الدین کھڑے ہو کر وہ خط پڑھنے لگے۔ اس خط میں اس طرح لکھا گیا تھا کہ "فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطاء جو درویشوں کا غلام ہے اور سر آنکھوں سے

ان کے قدموں کی خاک ہے'' شیخ نے اتنا ہی سنا تھا کہ ایک حال اور ذوق طاری ہو گیا۔ اس کے بعد یہ رباعی بھی پڑھی گئی جو اس خط میں تھی رباعی:

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
واں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال
آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

(وہ عقل کہاں جو تیرے کمال تک پہنچ سکے۔ اور وہ روح کہاں جس کی رسائی تیرے جلال تک ہو۔ میں نے مانا کہ تو نے اپنے جمال پر سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ مگر وہ آنکھ کہاں جس کی پہنچ تیرے جمال تک ہو)

خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے اس خط کی مناسبت سے ارشاد کیا کہ ایک دفعہ شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخ کی خدمت میں ایک خط لکھا تھا اور ایک نظم بھی تحریر کی تھی۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے تین چار شعر (اس میں سے) پڑھے۔ بندے کو یہ دو شعر یاد رہے۔

فرید دین و ملت یار مہتر
کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم گر جمع بودی
بمدحش کردمی شکر فشانی

دین وملت میں یگانہ روزگار (فرید) میرے بزرگ دوست کرامت میں زندگانی بسر کریں۔ افسوس اگر مجھے اطمینان میسر ہوتا تو ان کی تعریف میں شکر فشانی کرتا (اچھے شعر کہتا)
پھر اس بات کا ذکر آیا کہ شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے باہم کس طرح ملاقات کی تھی[1]۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ جلال الدین تبریزی نے شیخ قطب الدین کے گھر مہمان ہونا چاہا۔ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہُ العزیز نے گھر سے باہر تشریف لا کر ان کا استقبال کیا۔ شیخ کا گھر حدود کہتر (یا کیلو کھری) پر تھا وہاں سے باہر نکلے اور عام بڑے راستے

1- لاہور ایڈیشن میں غالباً یہ عبارت چھوٹ گئی ہے۔ ''باہم دگر چگونہ ملاقات کردند فرمود وقتے شیخ جلال الدین تبریزی'' ترجمے میں اس کو شامل کیا گیا ہے۔ (مترجم)

سے نہیں گئے پتلی گلیوں میں سے تشریف لے گئے۔ شیخ جلال الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز بھی آئے تو شارع عام سے نہیں آئے۔ اسی طرح چھوٹی گلیوں میں سے آئے اور دونوں میں باہم ملاقات ہوئی۔ اور ایک اور طرح بھی ان کے ملاقات کرنے کی حکایت بیان کی کہ ایک دفعہ ملک عزالدین بختیار کی مسجد میں جو اس کے حمام کے سامنے ہے، یہ دونوں بزرگ یکجا ہوئے تھے رحمۃ اللہ علیہما رحمۃً واسعۃً۔

تیئیسویں 23 مجلس

اسی سال ماہ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ ایام تشریق (بقرعید کے بعد کے تین دن) کی وجہ سے مخدوم جہانیاں کی خدمت میں سلام کو حاضر ہوا تھا کہ مصافحے کا شرف حاصل ہو جائے۔ جب مخدوم کی خدمت میں پہنچا تو نماز کا حال پوچھا اس عید پر بڑی سخت بارش ہوئی تھی اور کچھ اولے بھی پڑے تھے۔ لوگوں کی اکثریت نماز کو نہ جا سکی تھی۔ بندہ بھی نہ جا سکا تھا۔ القصہ جب خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے یہ بات دریافت فرمائی تو عرض کیا گیا کہ میں نماز کو نہیں جا سکا تھا۔ ارشاد ہوا کہ ہاں اکثر لوگ نہیں پہنچے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک رکعت پڑھی تھی۔ دوسری رکعت میں بارش ہونے لگی۔ اس کے بعد جب نماز ہو چکی تو خطیب (صاحب) رہ گئے تھے اور یہ دعا گو (مراد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء) اور مخلوق سب واپس چلی گئی تھی۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ اگر اس عید کے موقع پر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز میسر نہ آئے تو کیا یہ جائز ہے کہ دوسرے روز پڑھ لیں؟ ارشاد ہوا ہاں۔ اس عید پر اگر نماز میسر نہ ہو تو دوسرے روز پڑھ لیں اور تیسرے روز بھی جائز ہے۔ لیکن عید الفطر میں اگر نماز نہ ہو سکے تو دوسرے روز نہ پڑھیں۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ مجھے اس عید کے موقع پر خیال آیا تھا کہ اگر بارش اتنی زیادہ ہو کہ نماز نہ پڑھ سکیں تو دوسرے روز پڑھ لیں گے۔ لیکن چونکہ سب لوگ اور خطیب آ گئے تھے اس لیے نماز پڑھ لی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ نماز استخارہ جو ہر روز پڑھتے ہیں اس روز کی خیریت کے لیے اور ہر جمعہ کو بھی پڑھتے ہیں اس ہفتے کی خیریت کے لیے اور عید کے روز بھی پڑھتے ہیں۔ پورے سال کی خیریت کے لیے بندے نے عرض کی اس عید کے موقع پر یا اس عید پر؟ فرمایا کہ جو بھی عید ہو پڑھ لیتے ہیں۔

چوبیسویں مجلس 24

سنہ سات سو سولہ ہجری ماہ محرم کی گیارہویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ چومنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بندہ اس روز اپنے عزیزوں میں سے ایک بچہ خدمت میں لے گیا تھا اور عرض کی تھی کہ اس کو قرآن پڑھنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ پہلے مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں تاکہ مخدوم کی نظر اور دعا کی برکت سے خدا تعالیٰ اسے قرآن نصیب کرے۔ (حضرت نے) دعائے خیر فرمائی اس کے بعد تختی اپنے مبارک ہاتھ میں لی اور لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ربّ یَسّر ولا تعسر (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے رب آسان فرما اور مشکل نہ فرما) ا۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج پھر یہ حروف خود اپنی زبان مبارک سے تلقین فرمائے۔

اس وقت اس بات کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک قوم ہوگی جس کو زنجیر سے باندھ کر بہشت میں لے جائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں تین قول ہیں ایک قول یہی ہے کہ وہ قوم یہی بچے ہیں کہ جنھیں زبردستی استاد کے پاس لے جاتے ہیں اگرچہ کہ انھیں بہت ہی مشکل لگتا ہے۔ لیکن پکڑ کر مسجد میں لے ہی جاتے ہیں۔ پھر بتدریج حروف سے معنی تک پہنچتے ہیں۔ اور معنی سے معنی کی گہرائی تک اور پھر اس سے بھی آگے۔ اور ایک اور قول یہ ہے کہ وہ لونڈی غلاموں کا گروہ ہے جسے زنجیر سے باندھ کر دار حرب (وہ ملک یا علاقہ جس سے مسلمان برسر جنگ ہوں یا جہاں اسلام مخالف حکومت ہو) سے دار اسلام (اسلامی حکومت) امن کے علاقے میں لاتے ہیں۔ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ تیسرا قول یہ ہے کہ کل قیامت کے دن امنا صدقنا (ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو بہشت میں جانے کا حکم ہوگا۔ وہ کہیں گے ہم نے تیری پرستش جنت دوزخ کے لیے نہیں کی۔ ہم نے تو تیری محبت کی وجہ سے یہ پرستش کی ہے۔ حکم آئے گا ٹھیک ہے۔ مگر دیدار کا وعدہ اور وصال کا وعدہ بہشت ہی میں ہے، وہاں جاؤ تاکہ یہ وعدہ پورا ہو۔ وہ لوگ پھر بھی نہیں جائیں گے۔ اس کے بعد مقرب فرشتوں کو حکم ہوگا کہ نوری زنجیریں ان کے گلوں میں ڈالیں اور کھینچ کر جنت میں لے جائیں۔ واللہ رب العالمین۔

25 پچیسویں مجلس

اسی سال ماہ صفر (اللہ اسے کامیابی اور خیر کے ساتھ اختتام تک پہنچائے) کی تیسری تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ قناعت اور طلب دنیا میں غلو نہ کرنے کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ مولانا حافظ الدین کی جو کتابیں (ہم تک) پہنچی ہیں جیسے کافی اور شافی۔ ان میں ذکر کیا گیا ہے کہ کتے کو شکار کرنا سکھاتے ہیں۔ جب وہ تین مرتبہ شکار کو پکڑ لیتا ہے اور مالک کے پاس پہنچا دیتا ہے تو اس کو مُعلَّم (سدھا ہوا) کہتے ہیں اور چیتے کو بھی شکار سکھاتے ہیں۔ لیکن چیتے کو شکار کے راستے پر چھپا دیتے ہیں۔ تاکہ شکار قریب آ جائے تو چیتے کو اس پر چھوڑ دیں۔ چیتا کتے کے برخلاف جھپٹتا ہے اور شکار کو پکڑ لیتا ہے۔ کتا دوڑ لگاتا ہی رہتا ہے اور دور دراز تک شکار کا پیچھا کرتا ہے۔ قصہ مختصر ان بزرگ نے لکھا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ کچھ خصلتیں چیتے سے سیکھے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رزق کے پیچھے کتے کی طرح نہیں دوڑتا۔ اس کے سامنے کوئی چیز آ جاتی ہے تو قبضہ کر لیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ چیتا جب شکار کا ارادہ کرتا ہے تو شکار ہاتھ آ جائے تو بیٹھ جاتا ہے اور اگر نہیں تو اس کا پیچھا نہیں کرتا اور زیادہ نہیں دوڑتا۔ انسان کو بھی چاہیے کہ اگر طلب میں لگے تو حد کے اندر لگے زیادہ نہ لگے اور بہت زیادہ بھاگ دوڑ نہ کرے اور ایک اور بات یہ کہ چیتا سستی دکھاتا ہے تو اس کے سامنے کتے کو لا کر لکڑی سے پیٹتے ہیں۔ تاکہ چیتا ڈر جائے۔ آدمی کو بھی چاہیے کہ اسی طرح دوسروں سے سبق حاصل کرے۔ دیکھے کہ دوسروں پر کیا گزر رہی ہے۔ اس سے اس کو آگاہی حاصل کر کے نامناسب باتوں سے متنبہ ہو جانا چاہیے۔

26 چھبیسویں مجلس

اسی سال ماہِ ربیع الاوّل کی بیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ اس روز ایک شخص کو جماعت خانے میں چھری کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔ واللہ اعلم وہ کون تھا اور کیوں آیا تھا جب خدمت گاروں نے اُسے پکڑ لیا اور خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر کو اس کی خبر ہوئی تو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ کہیں لے جائیں اور اسے تکلیف پہنچائیں۔ اس کو سامنے بلوایا اور فرمایا کہ

خدا کے سامنے عہد کرو کہ کسی مسلمان کو دھوکا نہیں دو گے۔ اس نے عہد کر لیا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اسے چھوڑ دیا۔ اور خرچ بھی عطا فرمایا۔ جب بندہ اس روز خدمت میں آیا تو اس بات کا ذکر ہوا۔ ان احوال کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز صبح کی نماز پڑھ چکے تھے اور شغل میں تھے۔ سر زمین پر رکھ کر شغل میں مستغرق تھے اور یہ صورت اکثر رہتی۔ الغرض اسی شکل سے زمین پر سر رکھے مشغول تھے۔ شاید جاڑوں کی ہوا چل رہی تھی اور ایک پوستین لا کر حضرت کے جسم مبارک پر ڈال دی گئی۔ اس وقت وہاں کوئی خدمت گار نہیں تھا۔ بس اکیلا میں تھا۔ اس درمیان ایک شخص آیا اور ایسے زور سے سلام کیا کہ شیخ کی یکسوئی میں خلل پڑا۔ شیخ اسی طرح سر زمین پر رکھے رہے اور پوستین اوڑھے اوڑھے فرمایا کہ یہاں کوئی ہے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے آواز دی اور عرض کیا کہ میں ہوں۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ یہ شخص جو آیا ہے کیا ترک ہے، درمیانہ قد اور زرد رنگ کا؟ میں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو اس کی یہی ہیئت پائی جواب عرض کیا کہ جی ہاں ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کی کمر میں ایک زنجیر ہے؟ میں نے اس کو دیکھا کہ زنجیر تھی عرض کی جی ہاں ہے۔ پھر فرمایا کہ اس نے کان میں بھی کچھ پہن رکھا ہے؟ میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ جی ہاں بالا پہن رکھا ہے۔ اور جب جب میں اس کی طرف دیکھتا تھا اور جواب دیتا تھا اس کی حالت متغیر ہوتی تھی۔ اس دفعہ جو کہا کہ جی ہاں بالا کان میں ہے تو شیخ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ چلا جائے اس سے پہلے کہ رسوائی نہ ہو۔ اب کی دفعہ جو میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ خود ہی جا چکا تھا۔

اسی مجلس میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ غزنی میں ایک صاحب تھے جنھیں مولانا حسام الدین کہتے تھے۔ وہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے نبیسے (پوتے یا نواسے) تھے اور خواجہ اجل شیرازی قدس اللہ سرہٗ المبارک کے مرید تھے۔ ایک روز یہ مولانا حسام الدین اور ایک دوسرے مرید خواجہ اجل کے سامنے کھڑے تھے کہ خواجہ نے ان کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف نگاہ کی اس کے بعد پھر ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس وقت تم دونوں میں سے ایک کے جسم پر خلعتِ شہادت سیا جا رہا ہے۔ جب دونوں خواجہ کی خدمت میں سے باہر آئے تو ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھو ہم دونوں میں سے کس کے لیے یہ سعادت (لکھی) ہے۔ یہ مولانا حسام الدین

واعظ تھے۔ اسی زمانے میں ایک روز وعظ کہہ کر منبر سے نیچے اُترے اور لوگوں نے ان کو گھیر رکھا تھا اور ہاتھ چوم رہے تھے کہ ایک شخص ان میں سے بڑھا اور چھری نکال کر مولانا کو شہید کر دیا اور جس وقت انہیں گھر لے جا رہے تھے ذرا سی جان باقی تھی انہوں نے کسی کو اپنے ان پیر بھائی کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ وہ خلعت مجھے مل گیا ہے۔

27 ستائیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاول کی ستائیسویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ چومنے کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ قرآن اور اس کے حفظ کی برکت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ بدایوں میں ایک صاحب تھے جن کو قرآن سات قرأتوں کے ساتھ یاد تھا اور بڑی صلاحیت والے اور صاحب کرامت تھے۔ ایک ہندو غلام تھے ان کو شادی مقری (قاری شادی) کہتے تھے۔ ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ جو بھی ان سے ایک صفحہ قرآن کا پڑھ لیتا خدا تعالیٰ اسے پورا قرآن پڑھنا میسر فرماتا۔ میں نے بھی ان سے ایک سی پارہ پڑھا اور اس کی برکت سے قرآن یاد ہو گیا۔ الغرض ان قاری شادی کے ایک پیر تھے جو لاہور میں رہتے تھے ان کو خواجگی مقری کہتے تھے۔ بڑے بزرگ (آدمی) تھے۔ القصہ ایک دفعہ کوئی شخص لاہور سے بدایوں آیا۔ قاری شادی نے ان سے پوچھا کہ میرے خواجہ خیریت سے ہیں؟ اور ان کے خواجہ کی وفات ہو چکی تھی۔ اس آنے والے نے ان کی وفات کی خبر نہیں سنائی بولا، ہاں آپ کے خواجہ سلامت ہیں! اس کے بعد لاہور کے احوال سنانے لگا کہ ارش بہت ہوئی اور بڑے مکان تباہ ہوئے اور ایک دفعہ آگ لگی اور بہت سے مکان جل گئے اور بڑی بربادی ہوئی۔ جب اس آنے والے نے یہ حکایت پوری کر لی تو شادی مقری بولے کہ شاید میرے خواجہ نہیں رہے! اس نے کہا کہ ہاں اس سے پہلے وہ رحمتِ حق سے جا ملے تھے۔ واللہ اعلم۔

28 اٹھائیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی بیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ کمزور عقیدے والوں اور ان لوگوں کا ذکر نکلا جو کعبے کی زیارت کو جاتے ہیں اور جب واپس آتے

ہیں تو دنیا کے دھندے میں لگ جاتے ہیں۔ بندے نے عرضداشت کی کہ مجھے تو تعجب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو مخدوم سے تعلق جوڑتے ہیں اور پھر ادھر اُدھر بھٹکتے ہیں۔ جس وقت میں نے یہ بات عرض کی۔ ملیح جو میرے پیر بھائی تھے موجود تھے۔ میں نے عرض کی کہ اس شکستہ نے اُن ملیح سے جو میرے پیر بھائی ہیں ایک دفعہ ایک بات سنی تھی اور اس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا تھا اور وہ بات یہ تھی کہ انھوں نے کہا کہ حج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو! خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے جب یہ بات سنی تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ مصرع زبان مبارک پر آیا۔

آں رہ بسوے کعبہ بردوایں بسوی دوست

(وہ راستہ کعبے لیجاتا ہے اور یہ محبوب کی طرف!)

اس کے بعد فرمایا شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے انتقال کے بعد مجھ پر حج کے اشتیاق نے بہت ہی غلبہ کیا۔ اپنے آپ سے کہا کہ پہلے اجودھن شیخ کی زیارت کو جاؤں۔ القصہ جب شیخ الاسلام کی زیارت میسر آئی مجھے میرا وہ مقصود حاصل ہوگیا (بلکہ) کچھ اور بھی ملا۔ دوبارہ پھر یہ آرزو ہوئی اور پھر شیخ کی زیارت کو گیا اور یہ آرزو پوری ہوگئی۔

29
انتیسویں مجلس

اسی سال ماہ جمادالاولیٰ کی گیارہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ حضرت رسالت علیہ السلام کی حکایت بیان فرمائی کہ ایک رات رسول علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنواں ہے اور اس کے اوپر ڈول رکھا ہے اور وہ کنواں قلیب ہے۔ یعنی بس (زمین) کھود لی اور پانی نکل آیا۔ (کچا کنواں تھا) اس پر عمارت نہیں تھی۔ جیسا کہ کنویں کے چاروں طرف اینٹ پتھر سے عمارت بناتے ہیں وہ نہیں تھی اور ایسے کنویں کو قلیب کہتے ہیں اور جس کنویں کی باقاعدہ (چنائی کے ساتھ) تعمیر ہوتی ہے۔ اور جس میں خاص انتظام ہوتا ہے اور احتیاط رکھی جاتی ہے اس کو طوی کہتے ہیں۔ القصہ رسول علیہ السلام نے اس طرح کا قلیب کنواں دیکھا اور اس کے اوپر ڈول دیکھا وہ ڈول لے کر تھوڑا سا پانی نکالا اور پھر ہاتھ روک لیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو دیکھا کہ وہ آئے اور انھوں نے دو تین ڈول کھینچے اور پھر ان میں کمزوری دیکھی اس کے بعد عمر خطاب رضی اللہ عنہٗ کو دیکھا، وہ آئے اور دس بارہ ڈول کھینچے اور وہ ڈول

بڑا ہو کر غرب بن گیا۔ بڑے ڈول (چرس) کو غرب کہتے ہیں۔ اس سے بہت پانی کھینچا اور کافی زمین کو پانی دیا۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ کنویں کا مقصد پانی ہوتا ہے۔ چاہے اس پر عمارت بنائیں یا نہ بنائیں اور اس کو تکلف سے بنائیں یا نہ بنائیں۔ غرض اس سے یہی ہوتی ہے کہ پانی ملے۔ یعنی ہر کام میں پیش نظر مقصد کا حصول رہنا چاہیے۔

اس درمیان حاضرین میں سے کسی نے ایک مرید کا سلام پہنچایا جن کو محمد گوالیوری کہتے ہیں۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں ایک دفعہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ کنوارہ رہنا بہتر ہے یا شادی شدہ ہونا۔ میں نے کہا کہ عزیمت (ہمت کا کام) تو تجرید (کنوارا رہنا) ہے اور رخصت شادی شدہ ہونا، اگر کوئی شخص حق میں اس طرح مشغول ہو کہ اس کو ان باتوں کا کبھی خیال ہی نہ آتا ہو اور اس کو کچھ خبر نہ ہو کہ اس کا کیا مطلب ہے تو پھر اس کی آنکھیں اور زبان اور جسم کے اعضاء محفوظ رہتے ہیں۔ اس کو مجرد رہنا چاہیے اور کسی سے یہ ممکن نہ ہوا کہ اس طرح مشغول رہے اور اس کے دل میں ان باتوں کے وسوسے آتے رہتے ہوں اس کو شادی کر لینی چاہیے۔ اصل چیز اس میں نیت ہے۔ جب اس کی نیت حق میں لگی ہوگی تو اس کے اعضاء پر بھی یہی اثر ہوگا۔ اور اگر اس کے دل کا معاملہ ڈانواڈول ہو گا تو اس کے اعضاء پر اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ ان محمد گوالیوری کے اس ذکر سے ان کی عمر کی بات آئی کہ کتنے سال ہے۔ اور اس بات سے سلطان شمس الدین کے انتقال کی تاریخ کا ذکر فرمایا۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے یہ شعر زبانِ مبارک سے پڑھے۔

بسال شش صدوسی و چہار از ہجرت
نماند شاہ جہاں شمس دین عالمگیر

ہجرت کے چھ سو چونتیس سال بعد شاہ جہان عالم گیر شمس دین (دنیا) میں نہ رہے۔

پھر مریدوں کے آداب کا ذکر آیا کہ جب وہ اپنے پیر کی خدمت سے رخصت ہوتے ہیں تو دوبارہ سامنے نہیں جاتے۔ جب تک کہ اس مہم اور اس سفر سے واپس نہ آجائیں۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص کو شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ' العزیز نے رخصت فرمایا۔ ان کو علی مکی کہتے تھے جب رخصت کر دیا تو وہ قصبہ اجودھن کے قریب ٹھہر گئے۔

دوسرے روز شاید ان کے ساتھیوں نے وہاں قیام کیا۔ وہ دوبارہ شیخ کی خدمت میں آ گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم تو کل رخصت ہو کر چلے گئے تھے۔ آج واپس کیوں آ گئے؟ بولے آج ہمراہی ٹھہر گئے ہیں اس لیے میں دوبارہ آ گیا۔ شیخ نے فرمایا مرحبا! (اچھا کیا تمھارا آنا مبارک ہو) جب رات ہوئی تو وہ باہر جا کر قافلے میں رہے۔ دوسرے روز بھی ان لوگوں کا پڑاؤ رہا۔ یہ علی (صاحب) پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ شیخ نے پوچھا کہ آج کیسے واپس آئے؟ علی نے صورتِ حال کہہ سنائی۔ تیسرے روز بھی ان لوگوں کو قیام کرنا پڑا۔ اور وہ (علی) پھر شیخ کے پاس آ گئے۔ تیسرے روز شیخ نے ایک شخص سے کہا کہ دو روٹیاں لاؤ۔ جب دو روٹیاں لائے تو یہ دونوں روٹیاں علی کو دیں اور ان کو روانہ کر دیا۔ اس دفعہ جانے کے بعد وہ شیخ کے پاس نہیں آئے۔

پھر ان علی مکی کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ وہ بڑے نیک اور برکت والے آدمی تھے۔ بہت کہا کرتے تھے کہ خدایا مجھے ایسی جگہ موت دیجیو کہ میں نہ تو اپنے شہر میں ہوں، نہ وہاں جہاں جانے کی میری نیت ہو۔ بس راستے میں جہاں کوئی مجھے جانتا پہچانتا نہ ہو بس ایسی ہی جگہ مجھے موت دیجیو! اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ وہ بدایوں کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بیمار ہو گئے۔ جب وہ قصبہ بجلانا سے باہر آئے تو ان کی بیماری بہت تکلیف دہ ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ بدایوں پہنچتے انھی حدود میں رحمتِ حق سے جا ملے اور اسی زمین میں دفن ہوئے۔

ان علی مکی کا حال بیان کرتے ہوئے یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے ان کو فرماتے سنا کہ ایک دفعہ میں کرمان میں مسافر تھا اور کرمان میں ایک قاضی تھے۔ انھوں نے ایک روز دعوت کی۔ شہر کے بڑے لوگوں اور افسران اور مشاہیر کو بلوایا۔ ایک بوڑھے زرد رُو درویش بھی اس دعوت میں موجود تھے۔ اگرچہ ان کا بلاوا نہیں تھا لیکن انھوں نے سنا تھا کہ قاضی کے گھر میں عورت ہے۔ (اس لیے) آ کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ جب سماع (قوالی) شروع کرایا گیا تو اس درویش میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ حال کھیلنے کے لیے کھڑا ہوا۔ قاضی کو یہ پہل بُری لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ صاحب صدر یا کوئی بزرگ پہلے اٹھے۔ اس درویش کو کیا حق تھا کہ پہلے کھڑا ہو۔ اس نے ان درویش سے پکار کر کہا۔ اے درویش بیٹھ جا۔ درویش کو اندر ہی اندر بڑا غصہ آیا۔

فوراً بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد سماع زیادہ گرم ہوا تو قاضی کھڑا ہوا۔ جیسے ہی قاضی اٹھا درویش نے قاضی سے پکار کر کہا کہ قاضی بیٹھ جا! یہ بات کچھ اس طرح کہی کہ قاضی اور حاضرین کے دلوں پر ہیبت چھا گئی۔ قاضی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ القصہ جب وہ سماع ہو چکا تو لوگ واپس چلے گئے۔ وہ درویش بھی چلا گیا۔ قاضی اپنی جگہ ہی پر بیٹھا رہا ہر چند اٹھنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اٹھ نہیں سکتا تھا۔ سات برس تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ سات سال کے بعد وہ درویش پھر آیا۔ وہ جانتا تھا کہ میں نے کچھ کام کیا ہے۔ اس لیے قاضی کو آ کر دیکھا کہ ضعیف اور خستہ حال اسی ہیئت سے بیٹھا ہے۔ درویش آیا اور قاضی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا قاضی اٹھ جا! قاضی ذرا نہ ہلا۔ دوسری دفعہ پھر کہا قاضی اٹھ! قاضی اسی طرح بیٹھا رہا۔ تیسری دفعہ درویش بولا۔ اچھا تو پھر اسی طرح بیٹھا رہ اور اسی طرح مر جا! یہ کہا اور باہر چلا گیا۔ اس کے بعد قاضی نے اس کو پہچانا اور اپنے آدمیوں کو دوڑایا کہ اسے واپس لے آئیں مگر وہ کہیں نہ ملا۔ قاضی اسی حال میں مر گیا۔

تیسویں مجلس 30

اسی سال ماہِ جمادی الاولیٰ کی اٹھائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ بندے سے پوچھا کہ جمعے کی نماز کہاں پڑھتے ہو؟ بندے نے عرض کی کہ جامع مسجد کیلو کھری ہی میں پڑھتا ہوں۔ مگر میں مخدوم کو زحمت اس لیے نہیں دیتا کہ اس روز عوام کا ہنگامہ بہت ہوتا ہے ارشاد ہوا کہ میں نے کہہ رکھا ہے کہ میرے خاص مرید جو میرے پاس گھر آتے رہتے ہیں ان کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ہجوموں میں میرے مزاحم ہوں۔

اس بات کی مناسبت سے کہ ایسی جگہوں پر زحمت نہیں دینی چاہیے۔ حکایت بیان فرمائی کہ مولانا برہان الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ بڑے کامل حال مولوی تھے۔ اگر کوئی شاگرد ان کی خدمت میں کچھ پڑھنے آتا تو اس سے کہتے پہلے مجھ سے تین شرطیں طے کرو۔ پھر میں تمہیں کچھ سکھاؤں گا۔ ان تین شرطوں میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کھانا ایک وقت کھانا۔ جو کھانا بھی تمہیں اچھا لگے اور جو تمہارا من بھاتا ہو اس کو ایک دفعہ کھاؤ اور (دن میں) ایک وقت کھاؤ۔ تاکہ علم کا برتن خالی رہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ناغہ نہ کرنا۔ اگر تم نے ایک روز بھی ناغہ کیا تو دوسرے روز میں تمہیں سبق نہیں دوں گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب راستے میں مجھ سے ملنا تو بس سلام کرنا

اور گزر جانا۔ ہاتھ پیر پڑنا اور تعظیم کا اظہار راستے میں نہ کرنا۔

جب یہ حکایت پوری ہو چکی تو اس کے بعد فرمایا کہ میرے پاس لوگ آتے ہیں اور اپنا چہرہ زمین پر رکھتے ہیں۔ چوں کہ شیخ الاسلام فرید الدین اور شیخ قطب الدین قدس اللہ روحہما العزیز کے سامنے منع نہیں تھا۔ میں بھی منع نہیں کرتا۔ اس درمیان بندے نے عرض داشت کی کہ اگر کوئی مخدوم کے سامنے آتا ہے اور چہرہ زمین پر رکھتا ہے۔ اس سے اس کو کچھ حاصل ہی ہوتا ہے اور اس کی نفس شکنی ہوتی ہے اور مخدوم تو خدائے عزوجل کی طرف سے بزرگ بنائے گئے ہیں۔ آپ کی بزرگی مریدوں کی خدمت کرنے سے تھوڑی ہے!

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ انہی گزشتہ دنوں میں ایک شخص آئے بزرگ زادے تھے سیاحت کیے ہوئے اور شام و روم دیکھے ہوئے۔ جب وہ آ کر بیٹھے تو اسی دوران وحید الدین قریشی آئے اور جیسا کہ خدمت گاروں کی رسم ہے۔ آداب بجالائے اور سر زمین پر رکھا۔ یہ صاحب جو بیٹھے تھے پکار کر بولے کہ ایسا نہ کرو۔ سجدے کی اجازت کہیں نہیں آئی ہے۔ اس بارے میں جھگڑا کرنے لگے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں جواب دوں۔ (لیکن) جب بات بہت بڑھ گئی اور وہ اس بارے میں بہت غلو کرنے لگے تو میں نے ان سے بس اتنا کہا کہ سنو اودھم مت مچاؤ۔ جو بات بھی کبھی فرض رہی ہو۔ جب اس کی فرضیت چلی جاتی ہے تو استحباب باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزے ماضی کی امتوں پر فرض تھے۔ رسول علیہ السلام کے زمانے میں چوں کہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تو وہ ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزہ کی فرضیت اٹھ گئی لیکن استحباب باقی رہا۔ اب سجدے پر آتا ہوں۔ ماضی کی امتوں میں یہ مستحب تھا۔ چنانچہ رعیت بادشاہ کو اور شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کیا کرتی تھی۔ جب عہد رسول علیہ السلام آیا تو یہ سجدہ نہ رہا۔ البتہ اگر استحباب چلا گیا تو اباحت تو رہی۔ اگر مستحب نہیں تو مباح ہوگا۔ مباح سے انکار اور ممانعت کہاں سے آئی ہے؟ کوئی ایک ہی مجھے بتا دو۔ خالی خولی انکار سے کیا ہوتا ہے؟ جب میں نے یہ کہا تو وہ چپکے ہوئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہ حکایت پوری فرما چکے تو ارشاد کیا کہ میں پشیمان ہوا کہ میں نے اتنی بات بھی ان سے کیوں کہی۔ جس سے وہ دل شکستہ ہو گئے ہوں۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ دو چیزوں سے میں پشیمان ہوا ایک تو اس چیز سے کہ ان سے ایسی بات

کیوں کہی جس سے ان کی گرفت ہوئی دوسرے یہ کہ وہ مسافر تھے اس لیے، مجھے انھیں کچھ دینا چاہیے تھا۔ اگر کپڑا یا نقدی یا اور کوئی چیز ان کو دیتا تو اچھا ہوتا، انہی دو چیزوں سے مجھے پشیمانی ہوئی۔ اس کے بعد کسی کو کچھ پیش کرنے کے بارے میں فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا تھا جو بھی تمہارے پاس آئے تمہیں چاہیے کہ اس کو کچھ دو۔

اس مباحثے کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی بوڑھا شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں شیخ قطب الدین بختیار طیب اللہ ثراہ کی خدمت میں رہا ہوں اور آپ کو وہاں دیکھا ہے۔ شیخ نے اسے نہیں پہچانا۔ جب اس نے مزید تعارف کرایا تو پہچانا۔ الغرض یہ بوڑھا ایک جوان کو بھی ساتھ لایا تھا اور وہ اس کا لڑکا تھا۔ اس درمیان بات میں سے بات نکلی تو اس لڑکے نے بے ادبی سے حجت کی اور گستاخی کے انداز میں شیخ سے بحث کرنی شروع کی۔ اس طرح کہ اونچا بولا۔ شیخ نے بھی آواز بلند فرمائی۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں اور مولانا شہاب الدین جو شیخ کے صاحبزادے تھے ہم دونوں دروازے کے باہر بیٹھے تھے۔ جب زیادہ شور ہوا تو اندر آئے، وہ لڑکا بے ادبی سے گفتگو کر رہا تھا۔ مولانا شہاب نے اندر آ کر اس لڑکے کے طمانچہ مارا۔ لڑکے نے غصے ہو کر چاہا کہ مولانا سے کمینہ پن کرے۔ میں نے اس لڑکے کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اس درمیان شیخ کبیر قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ صفا کرو (باہم صفائی کر لو) مولانا شہاب الدین ایک عمدہ کپڑے کا ٹکڑا لائے اور کچھ نقدی ان باپ بیٹوں کو دی۔ دونوں خوش ہو کر واپس چلے گئے اور بڑے پیر (بابا صاحب) کا قاعدہ تھا ہر رات کو افطار کے بعد مجھے اور مولانا رکن الدین کو سامنے بلاتے اور مولانا شہاب الدین کبھی نہ ہوتے۔ الغرض ہمیں طلب فرماتے اور اس روز کی کیفیت اور حال پوچھتے کہ آج کیا ہوا اور کیا حال رہا۔ چنانچہ اس روز افطار کے بعد مجھے اور مولانا رکن الدین کو طلب فرمایا اور اس روز کا ماجرا پوچھا۔ بوڑھے کی آمد اور اس کے بیٹے کے بحث کرنے اور مولانا شہاب الدین کی تادیب کا ذکر آیا۔ شیخ کبیر ہنستے رہے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے عرضداشت کی جس وقت اس لڑکے نے مولانا شہاب الدین سے گتھنا چاہا میں نے صرف اتنا کیا کہ اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ شیخ ہنسے اور فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا!

اکتیسویں مجلس
31

اسی سال ماہِ مبارک رجب کی چوبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ پچھلے دنوں بندے کے پیر کی انگلی پک گئی تھی اور دکھنے لگی تھی (اس لیے) آستانہ بوسی کی سعادت حاصل نہ ہو سکی تھی۔ آج آیا تو اس تکلیف کا ذکر آیا۔ پوچھا کہ نارو تھا یا اور کوئی بیماری تھی؟ بندے نے عرض کی نارو نہیں تھا۔ یکایک پیر کی انگلی پر ورم آ گیا اور سخت درد ہونے لگا۔ ارشاد ہوا کہ کیا کبھی نارو ہوا ہے؟ بندے نے عرض کی کہ اس سے پہلے ہوا تھا مگر اب پانچ سال سے نہیں ہوا اور ایک دفعہ بندے کو نارو کی بیماری تھی اور اس بیماری کا حال خدمت میں عرض کیا تھا اور زبان مبارک سے یہ ارشاد ہوا تھا کہ دُنبل کو دُور کرنے کے لیے آیا ہے کہ نماز عصر کی سنتوں میں سورہ بروج پڑھنی چاہیے دنبل نہیں ہوگا اور چوں کہ نارو بھی اسی قبیل کی چیز ہے۔ اس لیے امید ہے کہ وہ بھی نہ ہوگا۔ اسی روز سے سورہ بروج عصر کی نماز کی سنتوں میں پڑھتا ہے جب سے یہ بیماری نہیں ہوئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا کہ زبان مبارک سے یہ بھی سنا گیا تھا کہ عصر کی سنتوں میں چار سورتیں پڑھنی چاہئیں۔ ایک اذا زلزلت الارض اور تین سورتیں جو اس سے متصل ہیں۔ بندہ ان کو پڑھتا ہے اور چوں کہ زبان مبارک پر آ چکا ہے اس لیے بندہ پہلی رکعت میں سورہ بروج پڑھتا ہے اس کے بعد اذا زلزلت الارض ارشاد ہوا کہ اچھا ہے۔ اس وقت یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کہ نماز عصر کی سنتوں میں دس بار سورہ والعصر کا پڑھنا بھی آیا ہے۔ پہلی رکعت میں چار بار، دوسری رکعت میں تین بار، تیسری رکعت میں دو بار اور چوتھی رکعت میں ایک بار اس کے بعد فرمایا کہ نماز برابر جماعت سے پڑھتے ہو؟ بندے نے عرض کی جی ہاں! ایک مخلص امام مل گئے جو مخدوم کے مرید ہیں اور جوانِ صالح ہیں پوچھا کہ (وہ) محلوق (سر منڈے) ہیں؟ بندے نے عرض کی نہیں۔ فرمایا کہ محلوق بہتر ہوتا ہے کیونکہ غسل جنابت میں جس کے بال ہوں اس کے لیے احتیاط مشکل ہوتی ہے اگر ایک بال بھی بھیگنے سے رہ جائے تو جنابت باقی رہتی ہے البتہ محلوق اچھا ہے کہ وہ غسل بے شبہ کر لیتا ہے۔

اس کے بعد محلوق ہونے کی افادیت کے سلسلے میں فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جو خود کرنی چاہئیں اور دوسروں کو ان کا سبق نہیں دینا چاہیے۔ ان میں سے ایک یہی سر

منڈانا ہے کہ آدمی خود سر منڈا لے دوسروں کو اس کی تاکید نہ کرے۔ یعنی اس کا فائدہ اس (سر منڈانے والے ہی) کے لیے ہوتا ہے دوسرے کھانے سے پہلے شوربا پینا۔ تیسرے پیر کے تلوؤں کو چکنائی لگانا۔ اس کے بعد فرمایا یہ ایک بات ہے جو لوگ کہتے ہیں۔ لیکن ایسا ہونا نہیں چاہیے آدمی کو تو ایسا ہونا چاہیے کہ جس طرح وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں۔

اسی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک بدو تھا جو مسلسل اس عبارت میں دعا کرتا۔ اے اللہ مجھ پر رحم فرما اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما اور ہم دونوں کے ساتھ اور کسی پر رحم نہ فرما۔ یہ خبر حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو اس بدو سے فرمایا قد تحجرت واسعاً۔ تو نے یہ اچھی حد بندی کی۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس کی تشریح فرمائی کہ اگر کوئی شخص صحرا میں اپنے لیے گھر بناتا ہے تو تحجر کرتا ہے۔ یعنی کچھ پتھر حد بندی کے طور پر رکھ دیتا ہے۔ کہ یہاں تک میرے گھر کی حد ہوگی۔ رسول علیہ السلام نے اس کو اس مثال سے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت عام ہے۔ اس طرح دعا کیوں کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے بخش دے اور محمد ﷺ کو اور ہمارے ساتھ اور کسی کو نہ بخش! گویا تحجر (حد بندی) کرتا ہے اور تنگ بناتا ہے۔ یہ الفاظ زبانِ مبارک پر آئے کہ قد تحجرت واسعاً تو نے ایک وسیع چیز کو محدود کر دیا۔

32
بتیسویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک رمضان کی دسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی۔ اس وقت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر دھوپ میں سے سائے میں تشریف لائے تھے۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ رسول علیہ السلام نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ سورج کے سامنے مت بیٹھو کہ اس سے چہرے کی طراوت جاتی رہتی ہے۔

پھر شمس دبیر کی حکایت آئی۔ بندے سے پوچھا کہ تم نے شمس دبیر کو دیکھا تھا! بندے نے عرض کی جی ہاں! بندے کی ان کے ساتھ قرابت داری بھی تھی۔ فرمایا کہ انھوں نے قاضی حمید الدین کی کتاب لوائح شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے پڑھی تھی۔ اچھے آدمی تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کبیر (بابا صاحب) افطار کر لیتے تو اس کے بعد مشغول ہو

جاتے۔ مشغولی بڑی زبردست ہوتی۔ یہاں تک کہ عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا افطار کے وقت سے عشا کی نماز کے وقت تک کافی فاصلہ ہے۔ اس درمیان شمس دبیر تھوڑا سا کھانا تیار کرتے اور دو تین پیر بھائیوں کو بلا کر افطار کراتے۔ اتنے میں شیخ کا وقت ہو جاتا۔ میں بھی اس وقت ساتھ ہوتا۔ پھر فرمایا کہ یہ ابتدائی زمانے کا قصہ ہے جبکہ وہ مفلس تھے۔ جب ان کا کام لگ گیا تو یہ (اچھی) کیفیت نہ رہی۔ اس کے بعد زبانِ مبارک سے فرمایا کہ دنیا کا اقبال ان باتوں کی وجہ سے تھا۔

پھر نماز تراویح کا ذکر آیا۔ بندے سے پوچھا کہ نماز مسجد میں پڑھتے ہو یا گھر میں؟ بندے نے عرض کی گھر میں پڑھتا ہوں۔ لیکن امام صالح ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس سے پہلے جامع مسجد میں تراویح کے اندر ختم ہوتا تھا۔ بندے نے عرض کی مولانا شرف الدین امام ہر رات کو ایک سی پارہ پڑھتے تھے۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی ایک رات کو ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اگرچہ کہ اس رات کو بارش تھی اور گلیاں کیچڑ سے بھری ہوئی تھیں۔ لیکن میں گیا اور نماز پڑھی بہت اچھا اور پُرکیف پڑھتے تھے۔ حروف کے مخارج ادا کرنے کا جو حق ہے اس کا پورا خیال رکھتے تھے۔ اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ سنام کے رہنے والے ایک مولوی صاحب تھے۔ جنھیں مولانا دولت یار کہتے تھے، وہ بھی بہت اچھا اور خوب پڑھتے تھے ان سے زیادہ اچھا اور کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

پھر فرمایا کہ میں نے چھ سی پارے شیخ کبیر قدس اللہ سرہُ العزیز (حضرت بابا فریدؒ) سے پڑھے ہیں اور تین کتابیں اور بھی پڑھی ہیں۔ ایک (کتاب) کو سنا ہے اور دو پڑھی ہیں۔ جس روز میں نے یہ گزارش کی کہ میں آپ سے قرآن پڑھنا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ پڑھو۔ اس کے بعد جمعے کے روز عصر کے وقت تک جبکہ فرصت رہتی تھی میں کچھ پڑھا کرتا۔ الغرض چھ سیپارے شیخ سے پڑھ لیے۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو مجھ سے فرمایا کہ الحمد للہ پڑھو۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا اور ولا الضالین پر پہنچا تو ارشاد ہوا کہ ضاد کو اس طرح پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں۔ ہر چند میں نے چاہا کہ اسی طرح پڑھوں جیسے شیخ پڑھ رہے ہیں۔ لیکن نہ ہو سکا۔ پھر فرمایا کہ کیسی فصاحت اور بلاغت تھی۔ حضرت شیخ ضاد کو اس طرح پڑھتے تھے کہ کوئی اور نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس وقت فرمایا کہ ضاد خاص رسول علیہ السلام پر اُترا ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں تھا۔ پھر

فرمایا کہ رسول علیہ السلام کو رسول الضاد کہتے ہیں۔ پھر ان الفاظ میں ذکر فرمایا کہ رسول الضاد یعنی وہ جن پر ضاد اترا۔ واللہ اعلم۔

تینتیسویں 33 مجلس

اسی سال ماہِ مبارک رمضان کی پندرہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ تراویح کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ تراویح سنت ہے اور تراویح میں ایک (قرآن) ختم کرنا بھی سنت ہے۔ چاہے ایک رات میں پڑھیں چاہے تیس راتوں میں۔ ایک ختم تراویح میں سن لینا چاہیے۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تراویح سنت ہے اور جماعت سنت ہے اور تراویح میں ایک ختم سنت ہے۔ بندے نے عرض کی کہ یہ رسول علیہ السلام کی سنت ہے یا صحابہ رضوان اللہ علیہم کی سنت ہے؟ فرمایا کہ صحابہ کی سنت ہے رسول علیہ السلام نے ایک روایت سے تین رات (تراویح) ادا فرمائی اور دوسری روایت سے ایک رات۔ لیکن اس کی پابندی عمر خطاب رضی اللہ عنہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں کی۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ صحابہ کی سنت کو بھی کیا سنت کہتے ہیں؟ فرمایا کہ ہمارے مذہب (حنفی) میں تو کہتے ہیں۔ لیکن امام شافعی کے مذہب میں سنت وہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

پھر امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا کہ وہ رمضان کے مبارک مہینے میں اکسٹھ ختم کیا کرتے تھے۔ ایک تراویح میں اور تیس ہر روز اور تیس ہر رات اس کے بعد فرمایا کہ انھوں نے چالیس سال صبح کی نماز عشا کی نماز کے وضو سے پڑھی اس وقت زبانِ مبارک پر یہ بات آئی کہ اتنے علماء اور دانشمند ہو گزرے ہیں کون جانتا ہے کہ کہاں گئے اور کیا تھے۔ یہ جو شہرت باقی ہے یہ حسنِ معاملہ کی وجہ سے ہے۔ اور یہ حیات معنوی ہے اور اسے آسانی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ شبلی اور جنید کتنے پہلے ہوئے ہیں لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ جیسے وہ کل اور پرسوں ہی تھے یہ سب حسن معاملہ کے سبب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چونتیسویں 34 مجلس

اسی سال ماہِ شوال کی نویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ بندے سے

دریافت فرمایا کہ میری باتیں جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو؟ بندے نے عرض کی جی ہاں لکھ لیتا ہوں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ یہ یادرہ جانا بھی تعجب انگیز ہے۔ بندے نے عرض کی سب یاد رہتا ہے اور جہاں یاد نہیں رہتا اور ٹھیک طرح لکھنے سے رہ جاتا ہے جگہ خالی چھوڑ دیتا ہوں تا کہ شاید دوبارہ سننے کا موقع مل جائے۔ تو لکھ لوں۔ جیسے گزشتہ مجلس میں (آپ نے) فرمایا تھا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے (حضرت) عائشہ سے کہا تھا کہ سورج کے سامنے مت بیٹھو کہ اس سے چہرے کی طراوت (تازگی) جاتی رہتی ہے۔ بندے کو خیال آیا تھا کہ پوچھوں یہ حدیث کس طرح ہے۔ زبانِ گوہر بار سے ارشاد ہوا کہ میں نے یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ البتہ مولانا علاء الدین اصولی سے سنی ہے جو بدایوں میں میرے استاد تھے اور بڑے بزرگ اور کاملِ حال ہوئے ہیں۔

یہاں سے مولانا علاء الدین کے اوصاف حمیدہ کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ وہ بڑے بزرگ (آدمی) تھے۔ بس کسی کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا۔ (بیعت نہ کی تھی) اگر کسی کے مرید ہو جاتے تو کاملِ حال شیخ ہوتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت یہ مولانا علاء الدین بچے تھے اور بدایوں کی گلیوں میں سے کسی گلی میں جا رہے تھے تو شیخ جلال الدین تبریزیؒ گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے جب ان کی نظر مولانا پر پڑی تو انہیں بلایا اور جو لباس خود پہنے ہوئے تھے وہ ان کو پہنا دیا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ سارے اوصاف اور اخلاق اسی کی برکت سے ہے۔

اس وقت یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ان مولانا علاء الدین کے پاس ایک بڑھیا لونڈی تھی جو نئی لونڈی بنائی گئی تھی اور بدایوں کے قریب مواس ہے (مواس پناہ کی جگہ کو کہتے ہیں۔ غالباً یہ کوئی گڑھی وغیرہ ہوگی) جس کو کاتھیر کہتے ہیں۔ شاید یہ لونڈی اس مواس کی رہنے والی تھی۔ ایک روز یہ لونڈی رو رہی تھی مولانا علاء الدین نے پوچھا کہ روتی کیوں ہے؟ بولی کہ میرا ایک لڑکا ہے اس سے بچھڑ گئی ہوں۔ مولانا نے کہا کہ اگر میں تجھے تالاب تک پہنچا دوں جو شہر سے ایک کوس ہے اور کاتھیر کے راستے پر ہے وہاں سے آگے اپنے گھر کا راستہ تو جانتی ہے؟ بولی جانتی ہوں مولانا سحری کے وقت اس کو گھر سے لے گئے اور اس تالاب کے پاس لے جا کر چھوڑ دیا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ علمائے ظاہر اس طرح کی باتوں کے قائل نہیں۔ مگر یہ سمجھنے کی بات ہے کہ انھوں نے کیا کیا۔

پھران کی دانشمندی اور بحث کے دوران انصاف پیش نظر رکھنے کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ اگر کوئی مشکل لفظ آتا یا اس کے کسی نکتے کا جواب دیتے تو یہ بھی کہتے کہ میری تسلی کے مطابق یہ معنی حل نہیں ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں کہیں اور بھی بحث (تحقیق) کر لینا۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ کیسے انصاف کی بات ہے!

انہی معنی کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ یہ مولانا علاء الدین ایک نسخے کا مقابلہ کر رہے تھے اور کبھی میں پڑھتا وہ دیکھتے۔ شروع میں یہ ہوتا رہا۔ پھر میں ایک مصرع پر پہنچا جو ناموزوں بھی تھا اور اس کے کچھ معنی بھی نہ نکلتے تھے۔ اس کے بارے میں بہت سوچ وچار کیا مگر مشکل حل نہ ہوئی۔ اس درمیان ایک صاحب جن کو مولانا ملک یار کہتے تھے وہ آ گئے۔ مولانا علاء الدین نے کہا کہ اس مصرعے کی صحت ان سے پوچھیں گے۔ اس کے بعد یہ مصرع مولانا ملک یار کو سنایا اور انھوں نے مصرع جس طرح پڑھا وہ موزوں بھی تھا اور بامعنی بھی، دل کو اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا علاء الدین نے مجھ سے کہا کہ ملک یار نے یہ بات اپنے ذوق کی بنا پر کہی ہے، خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر فرماتے تھے مجھے ذوق کے معنی اس روز سمجھ میں آئے میں صرف ذوقِ حسی سے واقف تھا۔ اس روز پتہ چلا کہ معنوی ذوق کیا ہوتا ہے۔ اس وقت فرمایا کہ یہ مولانا ملک یار کچھ بھی پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو کرامت سے علم دیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان مولانا ملک یار کو بدایوں کی جامع مسجد کی امامت دی گئی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ اس کام کے اہل ہیں بھی یا نہیں۔ اس بارے میں جتنے منہ تھے اتنی باتیں۔ یہ خبر مولانا علاء الدین کو پہنچی۔ کہنے لگے کہ اگر جامع مسجد بغداد کی امامت بھی مولانا ملک یار کو دی جائے تو ان کی اہلیت کے شایانِ شان اس کو نہیں کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

35
پینتیسویں مجلس

اسی سال ماہِ شوال کی چھبیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی صدقے کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ صدقہ ہے اور مروت ہے اور وقایت ہے۔ صدقہ تو یہ ہے کہ کوئی چیز محتاج کو دی جائے لیکن مروت یہ ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کو کوئی چیز دے۔ لباس یا اور کوئی چیز اور وہ دوست بھی بدلے میں کوئی چیز دے۔ اس کو مروت کہیں گے اور وقایت نہ صدقہ ہے نہ

مروت۔ وقایت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی کی زبان درازی اور بدگوئی سے بچانے کے لیے منہ بھرائی دے۔ یعنی ایک آدمی ہے اگر اس کو کچھ نہ دیا جائے گا تو وہ برا کہے گا اور کمینہ پن دکھائے گا۔ اپنی حفاظت کے لیے اس کو کوئی چیز دی جائے تو اس کو وقایت کہتے ہیں۔ اور رسول علیہ السلام نے یہ تینوں باتیں کی ہیں۔ اس موقع پر فرمایا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کو شروع زمانے میں تالیف قلوب (دل جیتنے) کے لیے کچھ دیتے تھے۔ جب اسلام طاقت پکڑ گیا تو اس کے بعد عطا نہیں فرمایا۔

اس زمانے میں لام بندی (لشکر تیار ہونے) مہم پر روانہ ہونے کی شہرت تھی۔ بندے نے عرض کی کہ قرآن شریف کو لشکر میں کس طرح لے جائیں کیوں کہ اس کی حفاظت مشکل ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لے جانا چاہیے۔ پھر زبان مبارک سے فرمایا کہ جس زمانے میں اسلام ابھی ابتدائی حال میں تھا۔ رسول علیہ السلام فوج میں جاتے تو قرآن لشکر میں نہ لے جاتے۔ خطرہ رہتا کہ ایسا نہ ہو کہ شکست ہو جائے اور قرآن کفار کے ہاتھ پڑے۔ جب اسلام نے طاقت پکڑ لی اور لشکر بہت ہو گیا تو لشکر کے روانہ ہوتے وقت قرآن بھی لے جانے لگے۔ بندے نے عرض کی کہ خیمے میں قرآن کی جگہ نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ فرمایا کہ سر کی طرف جگہ کرنی چاہیے۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ سلطان محمود کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہنے لگا کہ ایک رات کو میں کسی گھر میں تھا جہاں طاق میں قرآن رکھا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہاں تو قرآن ہو گا میں کیسے سوؤں؟ پھر خود سے بولا کہ قرآن کو اس جگہ سے باہر بھیج دوں؟ مگر یہ خیال بھی آیا کہ اپنے آرام کی خاطر قرآن کو یہاں سے باہر کیسے بھیجوں؟ الغرض اس رات بیٹھا جاگتا رہا۔ جب میرے انتقال کا وقت آیا تو مجھے قرآن کے اس ادب کی وجہ سے بخش دیا گیا۔

بندے نے ایک اور عرضداشت کی کہ لوگ لشکر میں جاتے ہیں مجھے خیال آتا ہے کہ اگر مجھے کوئی واقعہ پیش آ جائے (موت آ جائے) تو خدمت گاروں کو وصیت کر جاؤں کہ جہاں واقعہ پیش آئے وہیں دفن کر دیں۔ مُردے کو دور دراز راستے سے شہر میں لانا بہت بے ذوقی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا کہ یہی اچھا ہے کہ جہاں کسی کی وفات ہو اسی جگہ دفن کر دیں۔ مگر یہ جو

امانت رکھتے ہیں اور پھر (قبر میں سے) نکالتے ہیں۔ یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ زمین خدائے عزوجل کی ملکیت ہے۔ امانت کیا ہوتی ہے البتہ ایسی زمین سے جو کسی اور کی ملکیت ہو تو وہاں سے نکال کر لانا جائز ہے مگر شہر سے جو لشکر جاتے ہیں درمیان میں بہت زمین ہوتی ہے۔ اس سے بہتر بات اور کوئی نہیں ہے کہ جہاں وفات ہو وہیں دفن کردیں۔ اس موقعے پر فرمایا کہ جو بھی سفر کو جاتا ہے اور اپنے گھربار سے دور پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد اس مسافرت میں اس کو موت آجاتی ہے اور وہیں دفن کردیا جاتا ہے تو جس قدر فاصلہ اس کے گھر اور اس جگہ کے درمیان ہوتا ہے جہاں اسے دفن کیا گیا۔ بہشت میں اس کو اتنی ہی زمین دے دی جاتی ہے۔

پھر خوش اعتقاد بادشاہوں اور نیک امیروں کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ ایک بادشاہ ہو گزرا ہے۔ بڑی صلاحیت والا اور صاحب کشف۔ ایک روز اپنے جھروکے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں سے نظر پائیگاہ کی طرف بھی پڑتی تھی اور اس کی ملکہ بھی تخت پر پہلو میں بیٹھی تھی۔ اس دوران اس بادشاہ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور دیر تک اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر پائیگاہ کی طرف دیکھا پھر نظر اوپر اٹھائی اور دیر تک آسمان کو دیکھتا رہا اس کے بعد اپنی ملکہ کو دیکھا اور رونے لگا۔ اس کی ملکہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ آپ دیر تک آسمان کو دیکھا کیے۔ پھر پائیگاہ کو دیکھا اور پھر آسمان کی طرف نظر کی اور پھر مجھے دیکھا اور رونے لگے؟ بادشاہ بولے کہ اس سوال کو چھوڑو۔ کچھ کہنے کی بات نہیں ہے اس کی بیوی بہت گڑگڑائی کہ ضرور بتائیے (کیا بات ہے؟) بادشاہ بولا کہ اب تم اصرار کرتی ہو تو بتاتا ہوں۔ اس کے بعد کہا کہ لو جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس وقت میری نظر لوح محفوظ پر پڑی تھی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ میرا نام زندوں کی فہرست سے مٹا دیا گیا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ میرے جانے کا وقت آگیا ہے۔ پھر میں نے دیکھنا چاہا کہ میرے بعد میری جگہ پر کون ہوگا تو دیکھا کہ جو حبشی اس پائیگاہ میں موجود ہے وہ میری جگہ پر ہوگا۔ اور تم اس کے نکاح میں آؤ گی۔ یہ تھا جو میں نے دیکھا۔ ملکہ نے جب یہ بات سنی تو بولی کہ اب آپ کیا سوچتے ہیں اور کیا کریں گے، بادشاہ نے کہا کہ میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ جو کچھ خدائے عزوجل نے حکم فرمایا ہے۔ وہی ہوگا۔ میں اس پر راضی ہوں۔ پھر اس حبشی کو پائیگاہ سے طلب فرمایا اور جو پوشاک خود پہنے ہوئے تھا اسے دی اور اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ پھر اس حبشی کو لشکر دے کر کسی مہم کے لیے نامزد کیا اور امراء کو اس کے ماتحت روانہ کیا۔ حبشی حکم کے موافق گیا اور اس کام کو پورا کر دکھایا اور جو

دشمن تھا اس کو قتل کر دیا اور مالِ غنیمت بہت ہاتھ آیا اور مقصد پورا کرنے کے بعد واپس آ گیا اور بادشاہ کی خدمت میں جا پہنچا۔ جس رات بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ دوسرے روز وہ بادشاہ مر گیا اور جس وقت حبشی لشکر لے کر گیا تھا لوگوں کے ساتھ اتنی اچھی طرح رہا سہا تھا کہ سب کے دل اس کی محبت کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ جب بادشاہ انتقال کر گیا تو وہ ملک حبشی کو مل گیا اور (پرانے بادشاہ) کی بیوی بھی اس کے نکاح میں آ گئی۔

پھر حکماء کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ فاراب ایک دانشور تھا ایک روز خلیفہ کی مجلس میں مختصر سا اور ہلکا لباس پہنے آیا۔ وہ ترک زادہ تھا۔ خلیفہ کے سامنے سماع ہو رہا تھا۔ اس نے چنگ اٹھا کر بجایا۔ اس حکیم نے سماع کی تین قسمیں کی ہیں۔ کہا ہے کہ ایک ہنسانے والا ہے۔ یعنی اس سے ہنسی آتی ہے، دوسرا رلانے والا ہے۔ یعنی اس سے رونا آتا ہے، تیسرا خواب آور ہے یعنی بیہوشی، اس سے نیند آتی ہے۔ القصہ جب اس نے چنگ بجانا شروع کیا تو پہلے ساری مجلس ہنسنے لگی، دوبارہ بجایا تو سب ہائے ہائے کر کے رونے لگے۔ پھر اس طرح بجایا کہ سب بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت اس نے کہیں یہ لکھ دیا اور چلا گیا کہ فاراب قد حضر ھنا وغاب۔ فاراب یہاں آیا اور پھر غائب ہو گیا۔ یعنی فاراب حکیم یقیناً یہاں موجود تھا (پھر) غائب ہو گیا جب اہل مجلس ہوش میں آئے اور یہ بات لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ (اچھا) یہ فاراب حکیم تھا افسوس ہمیں معلوم نہیں تھا۔ یہاں سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ یہی حکیم تھا جس نے خلیفہ کے پاس آ کر اسے بد اعتقاد کر دیا تھا کہ مذہب اہلِ سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف فلک (آسمان) کی حرکت ارادی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اس عہد میں موجود تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ خلیفہ اس حکیم کے عقیدے کی طرف مائل ہو گیا ہے تو شیخ شہاب الدین خلیفہ کے پاس آئے۔ یہ حکایت پچھلے صفحات میں آ چکی ہے۔ القصہ شیخ نے اپنی کرامت سے اس فتنے کو دفع کر دیا اور خلیفہ اور اس حکیم کو وہ فرشتہ دکھا دیا جو خدا تعالیٰ کے فرمان کی بموجب فلک کو گردش دیتا ہے۔

الغرض خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر یہ حکایت بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کی کہ رات کو میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اس کا نام عمر رکھو اور لقب شہاب الدین کیوں کہ ہم شیخ شہاب الدین کا ذکر کر رہے تھے۔ انہی کا نام اور لقب رکھنا

چاہیے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس شخص سے کہا کہ اس لڑکے کا نام عمر رکھتے ہو تو جب بھی اسے اس نام سے پکارو تو حقارت سے اور بگاڑ کر نہ پکارنا۔ اس نکتے کے مناسب حال خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے دو لڑکے تھے ایک کا نام محمد تھا، دوسرے کا نام احمد۔ بارہا شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ ان پر غصے ہوتے اور عین غضب کی حالت میں ہوتے مگر یہی کہتے کہ اے خواجہ محمد تم نے ایسا کیوں کیا اور اے خواجہ احمد تم نے ایسا کیوں کیا؟ اگرچہ بے انتہا خفا ہوتے مگر ان کے نام اسی طرح لیتے اے خواجہ محمد اور اے خواجہ احمد!

پھر نام رکھنے کی مناسبت سے فرمایا کہ رسول علیہ السلام نے بہت سے نام تبدیل فرما دیئے اگر کسی کا بُرا نام ہوتا تو اس کا اچھا نام رکھ دیتے۔ چنانچہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت رسالت علیہ السلام کی خدمت میں آیا رسول علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے بولا عاصی (نافرمان گناہ گار) رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام مطیع (فرماں بردار) کر دیا۔ ایک دفعہ اور کوئی شخص حضرت رسالت کی خدمت میں آیا اور رسول علیہ السلام نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ بولا مضطجع اور مضطجع ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنا پہلو زمین پر رکھے۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام منبعث کر دیا اور منبعث ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو زمین پر سے پہلو ہٹا لیتا ہے اور اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کوئی عورت حضرت رسالت علیہ السلام کی خدمت میں آئی۔ رسول علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ بولی شعب الضالہ (گمراہی کی گھاٹی) رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمہارا نام شعب الھدیٰ (ہدایت کی گھاٹی) رکھ دیا۔ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے ایک شخص کا نام جمل (اونٹ) رکھا۔ اور یہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ وہ شخص بہت تکڑا تھا۔ ایک دفعہ لوگ منزل بہ منزل جا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور مطہرہ (لوٹا، طہارت کا برتن) اسے دے کر کہا کہ اسے منزل پر پہنچا دینا اور دوسرا آیا اور لباس اسے دیا اور کسی اور نے کوئی اور چیز اس کے حوالے کی۔ اس نے سب چیزیں قبول کر کے اٹھا لیں۔ رسول علیہ السلام نے اس کا نام جمل (اونٹ) رکھ دیا۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہٗ پیدا ہوئے تو مصطفےٰ علیہ السلام مبارکباد دینے آئے اور علی رضی اللہ عنہٗ سے پوچھا کہ اس کا نام کیا رکھا؟ علیؓ نے کہا

حزن (غم واندوہ) فرمایا نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اس کا نام حسن رکھو۔ اس کے بعد حسین رضی اللہ عنہٗ پیدا ہوئے رسول علیہ السلام مبارکباد دینے آئے اور علی رضی اللہ عنہٗ سے پوچھا کہ اس کا کیا نام رکھا؟ علی بولے حرب (جنگ) فرمایا نہیں۔ اس کا نام حسین رکھو!

پھر تذکرہ یہ آیا کہ بہت سے لوگ پیر کی جناب سے وابستہ ہوتے ہیں (مرید ہو جاتے ہیں) لیکن غیر حاضری کے زمانے میں مرید کی کیفیت پہلے جیسی نہیں رہتی۔ اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی میرے پاس آتا ہے اور پھر واپس جاتا ہے تو چاہے میرے اور اس کے درمیان ایک ستون ہی حائل ہو تو ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا مزاج پہلے جیسا ہی رہا ہو!

اسی کے مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ تیری جان تیرے گھر ہی میں ایمان کے ساتھ نکالی جائے۔ یا باہر کے دروازے پر تجھے شہادت عطا کریں۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ گھر کے اندر جو دروازہ ہوتا ہے اس کو باب البیت کہتے ہیں اور جو دروازہ باہر ہوتا ہے اس کو باب الدار کہتے ہیں۔ ان بزرگ نے اسی طرح کہا ہے کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے اور پوچھا جائے تمہاری روح اس دروازے پر جو باب البیت ہے قبض کریں ایمان کے ساتھ یا اس دروازے پر جو باب الدار ہے شہادت کے ساتھ؟ تو میں کہوں گا کہ اسی دروازے پر جو باب البیت ہے ایمان کے ساتھ قبض کر لیں۔ یعنی کون جانتا ہے کہ اُس جگہ تک جہاں باب الدار ہے میرا ایمان سلامت رہے گا یا نہیں؟

اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کے مزاج کا بدلنا اسی زمانے میں نہیں ہے۔ قدیم زمانے میں بھی رہا ہے۔ جب حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو کئی ہزار مسلمان مرتد ہو گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ مال کی زکوٰۃ ہم پر سے اٹھالیں (چھوڑ دیں ختم کر دیں) تو ہم اسلام پر (قائم) رہیں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے صحابہ کو طلب فرمایا اور مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ اگر خلیفہ ان کے ساتھ رعایت کریں اور فی الحال زکوٰۃ اٹھالیں تو یہ لوگ اسلام سے برگشتہ نہ ہوں یہ بات قرین مصلحت ہو گی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ جو خدا کا حق ہے چاہے وہ رسی ہو جس سے اونٹ کا پیر باندھتے ہیں اگر اس سے کم دیں گے تو میں اس تلوار سے ان سے لڑوں گا۔ یہ خبر امیر المومنین علی

رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو علی نے کہا کہ خلیفہ نے اچھا کیا اگر وہ اجازت دے دیتے کہ زکوٰۃ چھوڑ دی جائے تو جب کوئی اور خلیفہ ہوتا تو (یہ لوگ کہتے) کہ نماز بھی ہم کو معاف کر دو اسی طرح اسلام کے سارے احکام ختم ہو جاتے۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرما رہے تھے کہ ایک شخص تھا جو میرا مرید ہوا تھا۔ جب میرے پاس سے چلا گیا تو کچھ عرصے تو اس کی کیفیت برقرار رہی۔ پھر اس کی وہ حالت نہ رہی اور ایک اور شخص بھی تھا جو مجھ سے دور چلا گیا اور ایک مدت وہاں رہا۔ اگرچہ کہ مدت تک اس کا مزاج برقرار رہا لیکن ایک مدت بعد وہ بھی بدل گیا۔ پھر دعا گو (حضرت خواجہ نظام الدینؒ) کی طرف رخ فرمایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص جب سے میرا مرید ہوا ہے اس میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔ اسی مزاج پر قائم ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو رونے لگے اور روتے روتے ہی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ آج تک ان کی محبت برقرار ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

چھتیسویں 36 مجلس

اسی سال ماہِ ذی القعدہ کی دسویں تاریخ منگل کو دست بوسی کی سعادت میسر آئی۔ خواجہ شاہی[1] موی تاب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا جو بدایوں میں تھے۔ فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں شاہی روشن ضمیر کہا تھا۔ جس وقت انھیں خرقہ دیا گیا، کسی کو شیخ محمود موئینہ دوز کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ ہم نے آج یہ کام کیا ہے کہ شاہی کو خرقہ عطا کیا ہے۔ کیا آپ کو یہ بات پسند آئی؟ شیخ محمود موئینہ دوز نے فرمایا کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں سب پسندیدہ ہی ہوتا ہے اور ٹھیک بات بھی وہی ہوتی ہے۔!

یہاں سے ان کے بھائی خواجہ ابو بکر موی تاب[2] رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نکلا۔ مولانا سراج الدین

1- انھیں سلطان العارفین بھی کہا جاتا ہے۔ انتقال ۲۴ رمضان ۶۳۲ھ کو ہوا۔ بدایوں میں ان کی درگاہ واقع ہے جہاں آسیب زدہ اور دماغی مریضوں کو صحت کے لیے لے جاتے ہیں۔

2- ۶۵۱ھ سے قبل ان کا انتقال ہوا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ شاہی کو نہیں، شیخ ابو بکر کو دیکھا تھا۔ خیر المجالس صفحہ ۲۱۰ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

حافظ بدایونی نے جو مرید خاص ہیں۔ بیان کیا کہ وہ رات کو اٹھے ہوئے تھے۔ وضو تازہ کیا، دو دو رکعتیں پڑھ کر رحمت حق سے جا ملے، خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ کما تعیشون تموتون (جس طرح زندگی گزارتے ہو اسی طرح موت بھی آئے گی)۔

یہاں سے شیخ احمد نہروالی[1] کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ وہ بزرگ آدمی تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کسی کو کم ہی پسند فرماتے تھے انھوں نے شیخ احمد نہروالی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی احمد نہروالی کی مشغولی کو تولے تو وہ دس صوفیوں کے برابر ہوگی۔ اور یہ احمد نہروالی جب جامع مسجد جاتے تو ان کے مرید ساتھ ہوتے اور وہ اس ہجوم کے ساتھ جاتے، ایک اور درویش تھے جو شیخ علی شوریدہ کہلاتے تھے۔ وہ ہر دفعہ اس شیخ احمد نہروالی کو منع کرتے کہ تم اس ہجوم کے ساتھ مسجد میں نہ جایا کرو۔ یہاں تک کہ ایک روز شیخ احمد نہروالی اسی طرح مریدوں کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے راستے میں کوئی شخص کسی کو لاٹھی مار رہا تھا۔ شیخ احمد نے مریدوں کے ساتھ اس کے چاروں طرف گھیرا ڈال لیا اور اس مظلوم کو اس لٹھ باز سے چھڑا لیا۔ اسی دوران شیخ علی شوریدہ بھی پہنچ گئے۔ شیخ احمد نہروالی نے جب ان کو دیکھا تو بولے کہ اسی طرح کے کاموں کے واسطے میں مریدوں کے ساتھ گھر سے باہر نکلتا ہوں!

پھر یہ حکایت نکلی کہ شیخ احمد نہروالی کس کے مرید تھے فرمایا کہ واللہ اعلم (اللہ بہتر جانتا ہے) کس کے مرید تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو نعمت فقیہ مادھو سے ملی تھی اور یہ فقیہ مادھو اجمیر کی جامع مسجد کے امام تھے ایک روز شیخ احمد نہروالی ہندوی (قدیم اردو یا ہندی کلام) گا رہے تھے اور جوانی کے زمانے میں ان کی آواز بڑی اچھی تھی۔ ہندوی کلام اچھا گاتے تھے۔ جب فقیہ مادھو نے سنا تو کہا کہ جیسی آواز تمہاری ہے افسوس کہ اسے ہندوی گانے میں خرچ کرتے ہو۔ فقیہ مادھو نے کہا کہ قرآن حفظ کرلو! شیخ احمد نے قرآن یاد کرلیا۔ لائق آدمی تھے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے یہ بھی فرمایا کہ جس سماع (قوالی) میں شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز کا واقعہ ہوا[2] ہے اس مجلس میں شیخ احمد نہروالی بھی موجود تھے۔ اور شیخ

1- ان کے حالات میں منشی قدرت اللہ بدایونی کی کتاب "مراۃ احمدی" ہے (بدایوں ۱۳۲۷ھ) موخر تذکروں میں ان کا انتقال ۶۵۱ھ میں بتایا گیا ہے۔ سیر العارفین صفحہ ۲۱۵۔

2- حضرت خواجہ قطب صاحب کا وصال سماع (قوالی) سنتے ہوئے ہوا تھا۔

قطب الدین کے واقعے کی حکایت پچھلے صفحات میں آ چکی ہے۔

پھر بدایوں کے درویشوں کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ بدایوں میں ایک درویش تھے جن کو عزیز بشیر کہتے تھے۔ وہ بدایوں سے دہلی قاضی حمید الدین ناگوری کے صاحبزادے مولانا ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خرقہ لینے آئے ہوئے تھے۔

سلطان کے حوض (تالاب۔ غالباً شمسی تالاب مراد ہے) کے کنارے ایک اجتماع کیا۔ درویشوں میں سے بعض لوگ وہاں تشریف لائے، اس درمیان ہر شخص حوضِ سلطان کے میٹھے پانی کی تعریف کرر ہا تھا۔ ان عزیز بشیر نے جو خرقہ حاصل کرنے آئے تھے جب حوضِ سلطان کو دیکھا تو کہا کہ یہ چھوٹا حوض ہے حوضِ ساغر (ساغر تال) جو بدایوں میں ہے، اس حوضِ سے زیادہ اچھا ہے! محمد کبیر وہاں حاضر تھے جب انھوں نے ان کی یہ بات سنی تو مولانا ناصح الدین سے کہا کہ ان کو خرقہ مت دیجیے۔ یہ مبالغہ کرنے والے (آدمی) ہیں۔ مولانا ناصح الدین نے ایسا ہی کیا ان کو خرقہ نہیں دیا۔

اس درمیان پھر خواجہ شاہی موئے تاب کی حکایت آئی، فرمایا کہ بدایوں میں ان کی بڑی رونق ہوگئی تھی اور سب لوگ ان کے پاس (عقیدت) سے آتے تھے اور وہ جہاں بھی جاتے بھیڑ لگ جاتی اور یہ خواجہ شاہی موئی تاب سیاہ فام آدمی تھے۔ اسی زمانے میں بدایوں میں ایک درویش مسعود نخاسی نامی تھے۔ جب خواجہ شاہی کو اس ہنگامے کے ساتھ دیکھا تو بولے کہ میاں کلوے حمام تو خوب گرم کیا ہے جل بھی جاؤ گے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ انھوں نے کہا تھا۔ خواجہ شاہی جوانی ہی میں رحلت فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

یہاں سے بدایوں کے کوتوال خواجہ عزیز کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ (خوب) آدمی تھا۔ درویشوں کا نیاز مند۔ شیخ ضیاء الدین کا مرید تھا جو بدایوں میں تھے، کبھی کبھی درویشوں میں سے کچھ کو بلواتا۔ بارگاہ (کچہری) میں بھجواتا، جھگڑتا اور منہ در منہ سناتا۔ اس نے بدایوں ہی میں جوانی میں شہادت پائی، اس کے بارے میں فرمایا کہ ایک روز میں بدایوں کی امریوں (آموں کے باغوں) کی طرف جسے لکھی آلو کہتے ہیں، گیا ہوا تھا۔ یہ عزیز کوتوال ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور دسترخوان بچھا رکھا تھا۔ جب مجھے دور سے دیکھا تو پکارا اور کہا مرحبا آیئے میں ڈرنے لگا کہ کہیں تکلیف نہ پہنچائے۔ جب میں اس کے پاس گیا تو مجھے پوری تعظیم کے ساتھ

اپنے پہلو میں بٹھایا۔ کھانا کھا کر میں واپس آ گیا۔

مولانا سراج الدین حافظ بدایونی حاضر تھے۔ انھوں نے سوال کیا کہ کیا یہ حدیث ہے؟ من لیس لہ شیخ فشیخہ' ابلیس (جس کا کوئی پیر نہیں ہوتا اس کا پیر ابلیس شیطان ہوتا ہے) خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ مشائخ کا قول ہے مولانا سراج الدین نے پھر پوچھا کہ یہ بھی حدیث رسول ہے؟ من لم یر مفلحا لا یفلح ابدًا (جو کسی فلاح پہنچانے والے کو نہیں دیکھتا وہ کبھی فلاح کو نہیں پہنچتا) فرمایا کہ یہ بھی مشائخ کا قول ہے۔

اس وقت ایک درویش کا ذکر فرمایا کہ اگر وہ کسی آدمی کو دیکھتا جو کسی کا مرید نہ ہوتا تو کہتا یہ کسی کے پلّے میں نہیں بیٹھا! بندے نے عرض کیا کہ گویا وہ وزن نہیں رکھتا؟ فرمایا کہ نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر وہ شخص جو کسی پیر کا مرید ہوتا ہے تو جو کچھ وہ مرید کرتا ہے کل (قیامت کے دن) وہ عمل اس کے پیر کے پلّے میں ڈالا جائے گا۔ پس جو کسی کا مرید نہ ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں کسی کے پلّے (پلڑے) میں نہیں بیٹھا ہے۔ یعنی اس کا کوئی پیر نہیں ہے۔

پھر اس بات کا ذکر آیا کہ کرامت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ ارشاد ہوا کہ کرامت پیدا کر لینا کوئی کام نہیں ہے سیدھا سچا مسلمان مسکین فقیر ہونا چاہیے۔ پھر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ خواجہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ (دریائے) دجلہ کے کنارے پہنچے۔ ایک مچھیرے کو دیکھا اور اس سے بولے کہ پانی میں جال ڈال کر مچھلی پکڑ۔ اگر میں صاحب ولایت ہو گیا ہوں تو اس جال میں ایک مچھلی پھنسے گی جو پورے ڈھائی من کی ہو گی۔ نہ کچھ کم نہ زیادہ! ماہی گیر نے جال پانی میں ڈالا اور ایک مچھلی جال میں پھنس گئی، جب اس کا وزن کیا گیا تو پورے ڈھائی من کی تھی۔ نہ کچھ کم نہ زیادہ۔ یہ خبر شیخ جنید قدس اللہ سرہٗ العزیز کو سنائی گئی تو فرمایا کہ کاش کہ اُس جال میں ایک کالا سانپ آتا اور ابوالحسن کو ڈس لیتا اور ہلاک کر دیتا! کہا گیا کہ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اگر سانپ ان کو ڈستا اور وہ ہلاک ہو جاتے تو شہید ہوتے۔ چوں کہ ایسا نہیں ہوا اس لیے کیا خبر کہ ان کے کام کا انجام کیسا ہو گا؟

یہاں سے ایک درویش کی حکایت بیان فرمائی کہ اگر کسی کے پیٹ میں درد ہوتا تو کہتا کہ اس کو شکنبہ (اوجھڑی) کھانے کے لیے دو اچھا ہو جائے گا اور اگر کسی کے سر میں درد ہوتا تو کہتا اس کو بھنی ہوئی سری کھلاؤ اچھا ہو جائے گا۔ جیسا وہ کہتا ویسا ہی ہوتا۔ شیخ علی شوریدہ نے اس

سے کہا ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ تمہیں نقصان پہنچ جائے گا۔ نتیجہ یہی نکلا کہ ان کو ایک بلا میں مبتلا کیا گیا۔ شیخ علی شوریدہ ان کے پاس آئے اور بولے میں نہ کہتا تھا کہ ایسی باتیں نہ کرو، تمہیں نقصان پہنچ جائے گا۔ میری بات نہیں سنی۔ اس لیے اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ وہ درویش بولا میں نے بُرا کیا۔ اب دعا کرو تا کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ شیخ علی شوریدہ نے کوئی دعا نہ کی۔ وہ اسی بیماری میں انتقال کر گیا۔

سینتیسویں 37 مجلس

اسی سال ماہ ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ جمعرات کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ چونکہ ایام تشریق تھے لوگ متواتر آ جا رہے تھے۔ کھانا بار بار لایا جاتا۔ اس وقت خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ ایک درویش سے پوچھا گیا کہ تمہیں کلام اللہ کی کونسی آیت سب سے زیادہ پسند ہے۔ بولے اکلھا دائم (جنت کے درختوں میں ہمیشہ پھل رہتے ہیں) اس وقت یہ نکتہ بیان فرمایا کہ اکل ہے اور اُکل ہے۔ اور اکلۃ ہے اور اُکلۃ ہے اس کے بعد ان چار کلموں کی تشریح فرمائی کہ اکل (کھانا) مصدر ہے۔ اُکل جو کچھ کھاتے ہیں۔ اکلہ ایک بار ایک ہی دفعہ میں کھانا اور اُکلہ ایک نوالہ۔

اس درمیان ایک عزیز (پیر بھائی) آئے اور چھوٹے سے بچے کو تختی کے ساتھ پیش کیا۔ اور پھر عرض کی یہ میرا چھوٹا بچہ ہے۔ اس کی تختی پر اپنے قلم مبارک سے لکھ دیجیے تا کہ اس کی برکت سے خدا تعالیٰ اسے قرآن پڑھوا دے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے اس کی تختی پر اپنے دست مبارک سے لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ا۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج۔ ح۔ خ۔ اس وقت فرمایا کہ جب کسی کا کام ہونے کے لیے کچھ لکھیں اور قلم جلدی جلدی چلے اور قلم کی روانی میں فرق نہ آئے تو وہ کام جلدی پورا ہو جاتا ہے اور اگر قلم مشکل سے چلے اور رکاوٹ پڑے تو اس کام میں بھی دیر لگتی ہے اور رکاوٹ پڑتی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ عقل کی باتیں ہیں۔ اس قسم کی باتوں کا جو فراست سے تعلق رکھتی ہیں بیان کر دینا جائز ہے۔

پھر ایک درویش کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ ایک درویش تھے جو گجرات گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے حکایت بیان کی کہ مجھے گجرات میں ایک پہنچا ہوا صاحب کشف دیوانہ (مجذوب)

ملا۔ میں اور وہ دیوانہ دونوں ایک ہی گھر میں تھے اور ایک کمرے میں سوتے تھے۔ ایک دفعہ میں ایک ایسے حوض (تالاب) کی طرف گیا جس کی نگرانی کی جاتی تھی اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ اس حوض (تالاب) میں پیر ڈالے۔ میری اس حوض (تالاب) کے چوکیدار سے جان پہچان تھی۔ اس نے مجھ کو اجازت دے دی کہ اس حوض میں وضو کرلوں۔ بعض عورتیں جو پانی بھرنے آئی تھیں ان کو اجازت نہیں دی کہ پیر حوض میں رکھیں۔ ایک بڑھیا ان درویش کے پاس آئی اور بولی کہ یہ میرا گھڑا پانی سے بھر کر دیدو۔ یہ درویش کہتے ہیں کہ میں نے بڑھیا کا مٹکا بھر کر دے دیا۔ ایک اور عورت آئی اور گھڑا مجھے دے کر بولی کہ اسے بھی بھر کر دے دو۔ میں نے وہ بھی بھر دیا۔ اسی طرح چار پانچ کے مٹکے پانی سے بھر کر دیئے۔ الغرض جب وہاں سے واپس آیا اور کمرے میں پہنچا تو وہ دیوانہ کمرے میں سو رہا تھا۔ میں اندر آیا۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا میں نے چاہا کہ نماز پڑھ لوں۔ بلند آواز سے تکبیر کہی۔ دیوانہ بیدار ہو گیا۔ مجھ سے بولا کہ یہ کیا زور شور دکھا رہے ہو۔ کام تو بس وہ تھا کہ تم نے ان عورتوں کے گھڑے پانی سے بھر کر دیئے تھے۔

38
اڑتیسویں مجلس

سنہ سات سو سترہ ہجری ماہ مبارک شعبان کی بارہویں تاریخ آٹھ مہینے بعد قدم بوسی کی دولت میسر آئی اور یہ غیر حاضری اس سبب سے تھی کہ لشکر کے ساتھ دیوگیر (دولت آباد دکن) گیا ہوا تھا۔ جب مذکورہ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت میسر آئی تو بڑی نوازش اور مہربانی فرمائی اور راستے کی سختی اور تکلیفوں کے بارے میں دریافت کرتے رہے اور بہت ہی بندہ نوازی فرمائی۔ ملیح جو میرا آزاد کردہ غلام اور رفیق[1] ہے۔ کسی قدر بیمار تھا۔ اس بیماری کی حالت میں ہی حاضر ہوا اور راقم کے ساتھ ہی خدمت میں پہنچا۔ اس کے مرض کا حال دریافت فرمایا۔ بندے نے عرض کی کہ بندے کو راستے میں ان کی بیماری کی وجہ سے ٹھہرنا پڑا تھا۔ فرمایا تم نے اچھا کیا۔ اگر کوئی اپنے دوست کے ساتھ جائے اور دوست کو زحمت اور تکلیف پہنچے تو اس پر واجب ہے کہ دوستی کا حق نبھائے اور اس کے حال کا خیال رکھے!

1۔ ملیح حضرت حسنؒ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت محبوب الٰہی کے مرید ہو گئے تھے۔ اس لیے حضرت حسن انہیں پیر بھائی ہونے کی وجہ سے غلام کے بجائے رفیق کہہ رہے ہیں۔

حکایت کی مناسبت سے فرمایا کہ ابراہیم خواص[1] رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سفر میں رہے اور کسی شہر میں چالیس روز سے کم قیام کرتے اور کسی اور جگہ چلے جاتے۔ ان کی عمر اسی طرح گزرتی تھی کہ ایک دفعہ کسی جوان نے ان کے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی۔ ابراہیم خواص نے کہا کہ تم میری مصاحبت نہیں کر سکتے۔ میں تو کبھی اس شہر میں رہتا ہوں، کبھی اس شہر میں۔ کبھی بے سامان کبھی باسامان۔ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ وہ جوان پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہا اور بولا کہ میں ضرور آپ کے ساتھ رہوں گا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو ابراہیم نے بھی اجازت دے دی۔ قصہ مختصر ابراہیم خواص اپنی اس عادت کے مطابق شہر بہ شہر پھرنے لگے اور جہاں بھی ٹھہرتے چالیس روز سے کم ٹھہرتے۔ حتیٰ کہ ایک جگہ پہنچے تو وہ جوان بیمار ہو گیا۔ خواجہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی بیماری کی وجہ سے تین مہینے اس جگہ مقیم رہے اور اس کے بعد ایک روز اس جوان کا جی نان اور مچھلی (کھانے) کو چاہا اور ابراہیم سے اس کی فرمائش کی۔ ابراہیم کے پاس ایک گدھا تھا جس پر کبھی کبھی سواری کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اور کچھ اسباب ان کے پاس نہ تھا۔ اس کو بیچ ڈالا اور اس جوان کی آرزو پوری کی۔ جب کچھ وقت گزر گیا تو اس جوان کو کسی قدر صحت ہوئی۔ خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کا ارادہ کیا۔ جوان نے ان سے کہا کہ اپنا وہ گدھا مجھے دے دیجیے تاکہ اس پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ چلوں۔ ابراہیم کو صورتِ حال کہنی پڑی (سارا) قصہ اسے سنایا کہ اس گدھے کو فروخت کر کے تیرے لیے نان اور مچھلی فراہم کی غرضیکہ وہاں سے کسی طرف روانہ ہوئے۔ خواجہ ابراہیم تین روز اس جوان کو اپنی گردن پر چڑھائے پھرے۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر کا مقصد اس حکایت سے یہ تھا کہ ساتھیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رہنا چاہیے۔

جب یہ حکایت پوری ہو چکی تو اپنی بیماری کا حال بیان فرمایا۔ بندے نے بیماری کی یہ خبر لشکر ہی میں سن لی تھی۔ کہتے تھے کہ کسی نے جادو کر دیا تھا۔ اس کے بارے میں عرضداشت کی کہ کیا ہوا تھا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں دو مہینے تک بیمار رہا۔ سخت تکلیف اٹھائی۔ یہاں تک کہ ایک شخص کو لایا گیا جو جادو کی علامتوں کو ڈھونڈ نکالنے میں کمال رکھتا تھا۔ قصہ مختصر وہ شخص آیا اور گھر

1- ابراہیم بن احمد بن اسمٰعیل الخواص، حضرت جنید بغدادی کے ہمعصر، سامرہ میں پیدا ہوئے اور رے کی جامع مسجد میں ۲۹۱ھ (۹۰۴ء) میں انتقال کیا۔ تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۷۷۔ تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۷۔

کے دروازے کے سامنے اور اطراف پھرا اور ہر دفعہ تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور اس کو سونگھا اور اسی درمیان ایک جگہ کی مٹی کو سونگھ کر بولا کہ یہاں سے کھودو۔ جب کھودا گیا تو جادو کی چیزیں نکل آئیں۔ اس وقت (مرض میں) تھوڑی سی کمی ہوگئی۔ اس عرصے میں اس شخص نے کہا کہ میں اس قدر مہارت بھی رکھتا ہوں کہ اگر کہا جائے کہ کس نے جادو کیا ہے تو میں اس کا نام بتا دوں۔ یہ اطلاع مجھ تک پہنچائی گئی تو میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اُس کو منع کردو کہ نام نہ بتائے، جس کسی نے بھی جادو کیا تھا۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔ اس درمیان بندے نے عرض کیا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز پر بھی جادو کیا گیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں وہ جادو (بھی) ظاہر ہو گیا تھا اور جن لوگوں نے یہ حرکت کی تھی ان کا پتہ بھی چل گیا تھا اور ان کو اجودھن کے حاکم اور وہاں کے بااختیار لوگوں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیج دیا تھا اور عرض کی تھی کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا جائے؟ ارشاد ہوا تھا کہ میں نے انھیں معاف کر دیا۔ انھیں چھوڑ دو۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ رسول علیہ السلام پر بھی جادو کیا گیا تھا۔ جب معوذتین (سورہ الفلق اور سورہ الناس) نازل ہوئیں تو گنڈے کرنے والیوں کا شر دور ہوا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ علیہ نے رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ اگر حکم ہو تو جن عورتوں نے جادو کیا ہے ان کی گردن اڑا دوں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ چوں کہ خدائے عزوجل نے مجھے صحت عطا فرما دی ہے، میں نے انھیں معاف کیا۔

یہاں سے عمر خطاب رضی اللہ عنہ کی حکایت بیان فرمائی کہ جمعے کے روز منبر پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ خطبے کے دوران فرمایا سمجھ لو کہ میری موت قریب آ گئی ہے۔ اور یہ بات میں کرامت سے نہیں کہتا اس وجہ سے کہتا ہوں کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک پرندہ آیا ہے اور اس نے دو دفعہ میرے چونچ ماری ہے۔ اور خواب میں پرندہ کا مطلب ملک الموت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہتا ہوں کہ میری موت نزدیک آ گئی ہے۔ دوسرے ہفتے شہادت پائی۔ مغیرہ کے غلام ابن لولو نامی نے محراب کے اندر ان کے تلوار ماری۔ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ یہ زخم کھا کر گر پڑے تو اس غلام نے باہر آ کر نو آدمیوں کو اور قتل کیا۔ اور اس کے بعد خودکشی کر لی۔ اس وقت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ سانس باقی تھے یہ خبر جب ان کو پہنچائی گئی کہ

اس غلام نے چند آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد خودکشی کر لی تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الحمدللہ اس نے خود کو اپنے آپ مار لیا۔ اور اس کو میرے لیے قتل نہیں کیا گیا۔

یہاں سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی حکایت بیان فرمائی کہ ان کو عبدالرحمٰن ملجم نے قتل کیا تھا۔ ہوا یہ کہ وہ مسلح ہو کر امیر المومنین علیؓ کے پیچھے لگا رہا اور علیؓ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ علی ایک جگہ پانی کے کنارے پہنچے اور پار جانے کے لیے پایاب جگہ ڈھونڈنے لگے۔ جہاں پانی کے کنارے کھڑے تھے وہاں ایک قبرستان تھا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قبرستان کی طرف رُخ کیا اور کسی شخص کا نام لے کر پکارا کہ اے فلاں! قبروں میں سے اس نام کے ستر آدمیوں نے (اس کا) جواب دیا۔ پھر امیر المومنین علیؓ نے اس طرح آواز دی کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں! اس نام کے سات آدمیوں نے جواب دیا۔ اس کے بعد امیر المومنین علیؓ نے اس طرح آواز دی اے فلاں کے بیٹے فلاں اور فلاں کے بیٹے فلاں! اس پر ایک شخص نے جواب دیا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ پانی کس جگہ کم ہے؟ اس شخص نے جواب دیا اسی جگہ جہاں آپ کھڑے ہیں پس امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پانی میں اتر کر پار ہو گئے۔ عبدالرحمٰن ملجم نے یہ ساری گفتگو سنی اور اسی طرح پیچھا کرتا رہا۔ پار اترنے کے بعد بولا کہ اے علی ان مُردوں کے نام اور ان کے باپوں کے نام تو جانتے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ پایاب کہاں ہے؟ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جانتا تو ہوں لیکن نہیں چاہتا کہ تو میرے حال سے مطلع ہو۔ القصہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور عبدالرحمٰن نے آ کر تلوار چلائی۔ امیر المومنین علی نے جب زخم کھایا تو فرمایا فُزت ورب الکعبہ۔ کعبے کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے آخری الفاظ یہی تھے۔ بندے نے پوچھا کہ یہ عبدالرحمٰن مسلمان تھا؟ فرمایا کہ ہاں مسلمان تھا اور معاویہ کی طرف ہو گیا تھا۔ بندے نے عرض کی کہ معاویہ کے بارے میں کیسا اعتقاد رکھنا چاہیے؟ فرمایا کہ وہ مسلمان تھے اور صحابہ میں سے تھے اور رسول علیہ السلام کے سالے تھے۔ ان کی ایک بہن تھیں۔ ان کا نام اُم حبیبہ تھا۔ وہ حرمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔

اس حکایت کے بعد چوں کہ بندہ آٹھ مہینے کی مدت کے بعد خدمت میں حاضر ہوا تھا اور لشکر سے دوسرے عزیز (پیر بھائی) بھی آئے ہوئے تھے۔ اشتیاق اور جدائی کا خوف ذکر رہا۔

ارشاد ہوا کہ میں نے ایک دفعہ ایک عرضداشت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں لکھی تھی اور یہ رباعی قلم بند کی تھی رباعی:

زاں روز کہ بندۂ تو خوانند مرا
بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطفِ عامت عنایتی فرمود است
ورنہ چہ کم خلق چہ دانند مرا

(جس دن سے کہ مجھے آپ کا غلام کہا جاتا ہے۔لوگ مجھے آنکھوں کی پتلیوں پر بٹھاتے ہیں، آپ کے لطفِ عام نے ایک عنایت فرمائی ہے۔ورنہ میں کون اور لوگ مجھے کیا جانیں!)

اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس رباعی کا تذکرہ فرمایا کہ میں نے اسے یاد کرلیا ہے۔والسلام۔

اُنتالیسویں مجلس 39

اسی سال ماہ مبارک شعبان کی تیئیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔بندے کو مخدوم کے مریدوں میں سے ایک شخص نے دیوگیر (دولت آباد) میں تین شش گانی جیتل (ایک سکہ) دیئے تھے اور کہا تھا کہ انھیں مخدوم جہانیان کی خدمت میں پہنچا دینا اور میرے لیے دعا کو کہنا! بندے نے ان کی وصیت کے مطابق یہ تین جیتل لے جا کر پیش کیے اور کیفیت سُنائی۔خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے خود اپنے دست مبارک سے وہ تین جیتل لے کر سامنے رکھ لیے اور اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز ایک دفعہ سفرِ حج سے واپس آئے ہوئے تھے اور اہلِ بغداد ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ہر ایک نقد اور جنس کی صورت میں کوئی نذر لایا۔اس درمیان ایک بڑھیا آئی اور اپنی پرانی چادر کی گرہ کھولی اور ایک درہم سامنے رکھا۔شیخ شہاب الدین نے وہ ایک درہم اٹھا لیا اور ان سب تحفوں اور ہدیوں کے اوپر رکھ دیا۔پھر جو بھی لوگ حاضر تھے ان سے فرمایا کہ ان نذرانوں اور تحفوں میں تم لوگ جو چاہو اٹھا لو۔ہر شخص اٹھا اور نقدی اور تھیلی اور اچھا اچھا سامان لینے لگا۔شیخ جلال الدین

تبریزی طیب اللہ ثراہٗ حاضر تھے۔ ان کو بھی اشارہ کیا کہ آپ بھی کوئی چیز لے لیں۔ شیخ جلال الدین اٹھے اور وہ درہم جو بڑھیا لائی تھی لے لیا۔ شیخ شہاب الدین نے جب یہ دیکھا تو فرمایا کہ آپ تو سب کچھ لے گئے! اس بات پر بندے نے عرض کی کہ شیخ جلال الدین کیا شیخ شہاب الدین کے مرید تھے۔ فرمایا نہیں، وہ شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے۔ جب ان کے پیر پردہ کر گئے تو وہ شیخ شہاب الدین کے پاس آ گئے اور ایسی خدمتیں کیں کہ کسی غلام اور مرید کو میسر نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ ہر سال بغداد سے سفر حج کو جاتے۔ وہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے ان کے لیے جو توشہ ساتھ لے جاتے وہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کے مزاج کے موافق نہ ہوتا۔ ٹھنڈا کھانا ان کے مزاج کے موافق نہ آتا تھا۔ شیخ جلال الدین تبریزی یہ ترکیب کرتے کہ چولھا اور پتیلی سر پر لیے پھرتے اور اس میں آگ اس طرح جلاتے کہ ان کا سر نہ جلے اور شیخ جس وقت بھی کھانا مانگتے۔ گرم کھانا ان کے سامنے پیش کرتے۔

یہاں سے شیخ ابوسعید تبریزی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی بزرگی کا تذکرہ فرمایا جو شیخ جلال الدین کے پیر تھے کہ بڑے بزرگ پیر تھے اور زبردست تارکِ دنیا۔ چنانچہ زیادہ تر وقت فاقے سے گزرتا اور کسی سے کوئی چیز نہ لیتے۔ یہاں تک ہوا کہ تین روز تک ان کی خانقاہ میں کوئی کھانا نہیں تھا۔ وہ اور ان کے مرید خربوزے اور تربوز سے افطار کرتے اور گزر بسر کرتے۔ یہ خبر اس شہر کے والی (حاکم) کو ہوئی۔ بولا کہ چونکہ وہ ہماری کوئی چیز قبول نہیں کرتے اس لیے نقد لے جاؤ اور شیخ کے خادم کو پیش کر دو اور خادم سے کہو کہ تھوڑا تھوڑا کر کے خرچ کرتا رہے اور یہ بات شیخ کو نہ بتائے (چنانچہ) ایک حاجب (اے۔ڈی سی یا سیکرٹری) آیا اور خادم کو نقدی پہنچا کر تاکید کر دی کہ جس طرح مصلحت دیکھو خرچ کرنا اور شیخ کو نہ بتانا کہ یہ کہاں سے آئی ہے۔

القصہ جب نقدی آئی اور خرچ شروع ہوا تو اس روز شیخ کو طاعت میں وہ ذوق و راحت نہ ملی جو ملا کرتی تھی۔ انھوں نے خادم کو بلایا اور پوچھا کہ تم یہ خرچ کہاں سے کر رہے ہو۔ خادم کو چھپانا بن نہ پڑا ساری بات کہہ دی۔ شیخ نے فرمایا کہ جو شخص یہ نقدی لایا تھا۔ کیسے آیا تھا اور اس کے قدم کہاں کہاں پہنچے تھے۔ اشارے سے بتایا گیا کہ اس طرح آیا تھا اور اس طرح قدم رکھے تھے۔ ارشاد ہوا کہ جہاں جہاں اس کا قدم پڑا ہے وہاں کی زمین کھود دی جائے، چنانچہ مٹی کھودی گئی اور نکال کر پھینک دی گئی اور (پھر) اس خادم کو اس نقدی کے ساتھ خانقاہ سے باہر نکال

دیا۔

شیخ ابوسعید تبریزی کے ترک کا حال اس طرح بیان فرمایا۔ مگر ارشاد ہوا کہ شیخ شہاب الدین کے پاس بہت نذرانے آتے تھے اور وہ انہیں اسی طرح خرچ بھی کر ڈالتے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو ان کا ایک لڑکا تیس سال کا تھا۔ جس کا نام عماد تھا۔ اس کے حال کو شیخ کے حال سے کوئی نسبت نہیں تھی۔ اس نے آ کر خادم سے خزانے کی کنجی مانگنی شروع کی۔ خادم نے اس میں تامل کیا کہ بھلا یہ اس کا کون سا وقت ہے۔ شیخ نزع کی حالت میں تھے کہ بات ان کے کان تک پہنچی۔ ارشاد ہوا کہ کنجی اسے دے دو۔ لڑکے نے کنجی لی اور خزانہ کھولا۔ چھ دینار سے زیادہ کچھ موجود نہ تھا۔ وہ بھی شیخ پر خرچ ہو گیا۔

40
چالیسویں مجلس

اسی سال ماہِ مبارک رمضان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی چوتھی تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ ایک طالب علم حاضر ہوا، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس کا حال دریافت فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تعلیم تو پوری کر لی ہے۔ اب شاہی محل میں آنا جانا شروع کیا ہے تاکہ روٹی ملے اور فراغت حاصل ہو۔ جب وہ واپس چلا تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ دو مصرعے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائے۔

شعر در وصف حال بس سرہ ایست

چوں بخواہش رسید مسخرہ ایست

(کیفیات کے اظہار کے لیے تو شعر بڑی پاکیزہ اور کھری چیز ہے۔

لیکن ہوس تک پہنچے تو مسخرہ پن ہے)

پھر فرمایا کہ شعر ایک لطیف چیز ہے۔ لیکن جب (اس کے ذریعے) قصیدہ خوانی کریں اور ہر کس و ناکس تک لے جائیں تو یہ سخت بے ذوقی بھی ہے۔ اور علم بھی خود اپنی جگہ بہت اعلیٰ چیز ہے لیکن جب اس کو روزی کا ذریعہ بنائیں اور دروازے دروازے پھریں تو اس کی عزت بھی جاتی رہتی ہے۔

اسی دوران مریدوں میں سے ایک غلام (لڑکا) حاضر ہوا اور ایک ہندو کو اپنے ساتھ لایا

اور عرض کی کہ یہ میرا بھائی ہے۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اس غلام سے پوچھا کہ تمہارا یہ بھائی کچھ اسلام سے بھی رغبت رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ اس کو اسی بات کے لیے مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں کہ مخدوم کی نظر کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ کسی کے کہنے سے اس قوم کا دل نہیں بدلا کرتا۔ البتہ اگر کسی صالح (نیک) آدمی کی صحبت مل جائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی برکت سے مسلمان ہو جائے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب خلافت حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کو ملی تو ان کی عراق کے بادشاہ سے جنگ ہوئی اور اس جنگ میں عراق کا بادشاہ گرفتار ہو گیا۔ اس کو (حضرت) عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں ملک عراق تجھ ہی کو بخش دیتا ہوں۔ اس بادشاہ نے کہا کہ میں اسلام نہیں لاؤں گا (حضرت) عمرؓ نے کہا اما الاسلام واما السیف یا اسلام یا تلوار! اگر اسلام قبول نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ بادشاہ نے کہا قتل کر دو میں اسلام قبول نہیں کرتا۔ (حضرت) عمرؓ نے تلوار لانے اور جلاّد کو بلانے کا حکم دیا۔ وہ بادشاہ بہت ہی چالاک اور سمجھدار تھا۔ جب اس نے یہ صورتِ حال دیکھی تو (حضرت) عمرؓ سے مخاطب ہو کر بولا کہ میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلانے کا حکم دیجیے (حضرت) عمرؓ نے پانی لانے کا حکم دیا۔ پانی شیشے کے برتن میں ڈال کر لایا گیا۔ بادشاہ بولا کہ میں اس برتن میں پانی نہیں پیوں گا۔ (حضرت) عمرؓ نے کہا کہ یہ بادشاہ رہا ہے اس کے لیے سونے چاندی کے برتن میں پانی ڈال کر لاؤ۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بھی اس نے پانی نہیں پیا اور کہا کہ میرے لیے مٹی کے برتن میں پانی بھر کر لاؤ۔ چنانچہ مٹی کے کوزے (آب خورے) میں پانی بھر کر اس کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کی طرف رُخ کر کے کہا کہ مجھ سے عہد کیجیے کہ جب تک میں یہ پانی پی نہ لوں مجھے قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تو یہ پانی پی نہ لے گا تجھے قتل نہیں کروں گا۔ اس بادشاہ نے کوزہ زمین پر دے مارا۔ کوزہ ٹوٹ گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ سے بولا کہ میں نے پانی نہیں پیا ہے۔ اب میرے لیے امان ہونی چاہیے! حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اس کی چالاکی پر متعجب رہ گئے اور اس کو امان دینا مان لیا۔ اس کے بعد اسے ایک دوست کے ساتھ کر دیا۔ وہ دوست بہت ہی

نیک اور صلاحیت والے تھے۔ جب کہ ان دوست کی اچھی صحبت نے ان پر اثر کیا اور اس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ مجھے اپنے پاس بلائیے تاکہ ایمان لے آؤں! حضرت عمرؓ نے اسے طلب فرمالیا اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا وہ مسلمان ہو گیا۔ جب وہ اسلام لے آیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میں تجھے عراق کا ملک عطا کرتا ہوں! بادشاہ نے جواب دیا کہ حکومت میرے کام نہیں آئے گی۔ مجھے تو ملک عراق میں سے ایک گاؤں دے دیجیے جو میرے خرچ کو کافی ہو۔ حضرت عمرؓ نے گاؤں (دینا) قبول فرمالیا۔ اس درمیان بادشاہ نے کہا کہ مجھے ایسا گاؤں چاہیے جو ویران ہو تاکہ میں اسے آباد کرلوں۔ حضرت عمرؓ نے آدمیوں کو عراق کے علاقے میں بھیجا اور سارے عراق میں تلاش کرالیا، مگر ویران گاؤں کوئی نہ ملا۔ حضرت عمرؓ نے بادشاہ کو سارا حال بتایا کہ پورے عراق میں ایک بھی گاؤں غیر آباد نہیں ملا۔ وہ بادشاہ بولا کہ میرا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ میں نے عراق کو ایسا آباد آپ کے حوالے کیا ہے اگر کوئی بستی اُجڑ گئی تو کل قیامت کے دن جواب آپ کو دینا ہوگا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر اس حکایت پر آبدیدہ ہو گئے اور اس بادشاہ کی ہوشیاری اور سمجھ داری کی بڑی تعریف فرمائی۔ اس موقع پر اسلام اور مسلمانوں کے صدق و دیانت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک یہودی کا گھر خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے گھر کے پڑوس میں تھا۔ جب خواجہ بایزید بسطامی کا انتقال ہو گیا تو اس یہودی سے پوچھا گیا کہ تم مسلمان کیوں نہ ہوئے؟ یہودی بولا کہ کونسا مسلمان بنوں؟ اگر اسلام وہ ہے جو بایزید کا اسلام تھا تو ایسا اسلام میرے بس کا نہیں ہے اور اگر اسلام یہ ہے جس کا نمونہ تم ہو تو ایسے اسلام سے مجھے شرم آتی ہے۔

اکتالیسویں مجلس 41

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی ستائیسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ ملیح جو میرا پرانا خدمت گار ہے۔ تھوڑی سی مصری پیش کرنے لایا تھا۔ شاید اس کی لڑکی کا نکاح ہوا تھا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر کو معلوم تھا کہ ملیح کی چار لڑکیاں ہیں۔ الغرض مصری دیکھ کر (حضور نے) پوچھا کہ کیا ہے؟ بندے نے عرض کی کہ اس کی لڑکی کا نکاح ہوا ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کی ایک لڑکی ہو اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک پردہ

ہو جاتا ہے۔ تمہاری تو چار (چار) ہیں! اس وقت زبان مبارک سے ارشاد ہوا ابوالبنات مرزوق (بیٹیوں کے باپ کو رزق دیا جاتا ہے) فرمایا کہ لڑکیوں کے باپ کے لیے رزق میں وسعت ہوتی ہے۔ پھر حضرت خضرؑ کی حکایت بیان فرمائی کہ جب انھوں نے اُس بچے کو قتل کر دیا اور حضرت موسیٰ نے طعنہ دیا ایک معصوم جان کو کیوں مار دیا تو حضرت خضرؑ کو اس کے آخر حال کی خبر تھی۔ اس لیے اس کا جواب دے دیا۔ قصہ مختصر اس بچے کے باپ کو لڑکے کے قتل کے بعد حق تعالیٰ نے ایک بیٹی عنایت فرمائی جس سے سات لڑکے صاحب ولایت پیدا ہوئے!

اس کے بعد بندے سے پوچھا کہ نماز تراویح کہاں پڑھتے ہو۔ بندے نے عرض کی کہ گھر میں پڑھتا ہوں۔ ایک امام ہے۔ پوچھا کہ وہ کیا پڑھتا ہے؟ بندے نے عرض کی فاتحہ اور اخلاص (قل ہو اللہ) فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ہاں بھی یہی پڑھتے تھے۔ شیخ بوڑھے ہو گئے تھے۔ تراویح بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ بس فرض کھڑے ہو کر ادا کرتے باقی سب نمازیں بیٹھ کر پڑھتے۔

پھر ایک بزرگ کا نام لیا کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ میں ایک لقمہ کھا کر سو جاتا ہوں (یہ) اس سے بہتر ہے کہ پیٹ بھر کر کھاؤں اور ساری رات قیام کروں (نماز پڑھوں) اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کبیر (حضرت بابا صاحبؒ) روزہ کم چھوڑتے تھے چاہے فصد[1] کھلواتے یا پچھنے لگواتے یا بخار آتا روزہ ضرور رکھتے تھے۔ اس کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ روزہ کم رکھتے البتہ طاعت و عبادت بہت کرتے۔ اس وقت یہ آیت زبانِ مبارک پر آئی کہ **کلو من الطیبٰت و اعملو صالحًا** (پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو) اور فرمایا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں یہ آیت صادق آتی ہے۔

بیالیسویں مجلس 42

اسی سال ماہِ شوال کی چوتھی تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ بچوں کی محبت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ رسول علیہ السلام بچوں کو (بہت) چاہتے اور ان پر شفقت فرماتے۔ پھر حکایت

1- علاج کے قدیم طریقوں میں ایک طریقہ فصد کھولنے کا بھی تھا کہ رگ کاٹ کر جسم سے کسی قدر خون نکال دیتے تھے۔

بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام نے امام حسن کو بچوں کے ساتھ دیکھا۔ ان کے قریب تشریف لائے۔ ایک ہاتھ ان کی تھوڑی کے نیچے رکھا اور دوسرا ہاتھ سر پر رکھا، ان کا منہ چوما۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول علیہ السلام نے حسنؓ اور حسینؓ کی خاطر اونٹ کی آواز نکالی۔ ارشاد ہوا کہ یہ حکایت مشہور ہے اور لکھی ہوئی ہے اور یہ لفظ زبانِ مبارک پر لائے کہ **نعم الجمل جملکما** آپ دونوں کا اونٹ (کیسا) اچھا اونٹ ہے!

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اپنے ایک ساتھی کو کسی علاقے کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ اور تقرری کی سند ان کے نام لکھوا کر حوالے کی تھی۔ اس دوران امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ایک چھوٹے بچے کو گود میں لیے پیار و محبت کا اظہار فرما رہے تھے۔ ان ساتھی نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں میں ان میں سے کسی کو بھی اس طرح نہیں چاہتا اور پیار نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ تقرر کی جو سند میں نے تمہیں دی ہے۔ مجھے واپس کر دو ان صاحب نے سند حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کاغذ کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ جب تم بچوں پر شفقت نہیں کرتے تو بڑوں پر کیسے کرو گے! واللہ اعلم۔

43
تینتالیسویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ کوئی شخص آیا، خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ بولا کہ دار الخلافے سے اور اس چھاؤنی سے جو (شہر) سیری میں ہے۔[1] وہاں سے آنا ہوا ہے۔ چوں کہ اس جگہ کا نام دار الخلافہ پڑ گیا ہے اس لیے اس نے کہا کہ دار الخلافے سے آیا ہوں اس نام کی مناسبت سے بغداد کی حکایت نکلی۔ فرمایا کہ بغداد کو ابتدا میں مدینہ منصور (منصور کا شہر) کہتے تھے۔ کیونکہ ایک خلیفہ

1- علاء الدین خلجی کے زمانے کے دہلی شہر کا نام سیری تھا۔ دار الخلافہ سے مراد خلافت کے مرکزی شہر سے ہوتی ہے۔ ہندوستان میں چوں کہ خلافت کبھی قائم نہیں ہوئی اس لیے یہاں کے دار السلطنت کو دار الخلافہ کہنا بھی درست نہیں ہو سکتا۔

منصور نامی تھا۔ بغداد کو اسی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بغداد کو مدینۃ الاسلام (اسلام کا شہر) بھی کہتے ہیں۔

اس درمیان اولیائے حق اور ان کے کمالِ محبت کا ذکر نکلا۔ اس وقت فرمایا کہ کل قیامت کے دن (حضرت) معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو میدان حشر میں حاضر کیا جائے گا اور ظاہر ہوگا کہ جیسے کوئی مست و مخمور ہو۔ مخلوق حیران ہوگی اور پوچھیں گے کہ یہ کون ہے؟ آواز سنیں گے کہ یہ ہماری محبت کا مست ہے۔ اس کو معروف کرخی کہتے ہیں! پھر معروف کرخی کو حکم ہوگا بہشت میں جاؤ۔ وہ عرض کریں گے کہ نہیں! میں نے تیری پرستش جنت کے لیے تھوڑی کی ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ نوری زنجیروں سے باندھ کر انھیں کشاں کشاں بہشت میں لے جائیں!

حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت عزت (اللہ تعالیٰ) کی عظمت اور پاکی بے انتہا اور فرزند آدم ایک ادنیٰ مقام پر۔ ایسے میں محبت اور قربت کی کیا نسبت؟ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے اور یہ مسئلہ بحث کا بھی نہیں ہے۔ بندے (حسن علا سجزی) نے عرض کی کہ ایک نظم مناسب حال یاد آئی اور وہ یہ ہے کہ:

عشق را بوحنیفہ درس نگفت

(حضرت ابوحنیفہ نے عشق کا سبق نہیں پڑھایا)

بندے نے یہ مصرع پڑھا تو خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے دوسرا مصرع ارشاد فرمایا کہ:

شافعی را در روایت نیست

(حضرت شافعی کی بھی اس میں روایت نہیں ہے)

چوالیسویں مجلس 44

ماہِ ربیع الاوّل کی اٹھارہویں تاریخ سنہ سات سو اٹھارہ ہجری ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ حِلم کی فضیلت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ حِلم کی صفت سے موصوف ایک بزرگ تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ نعمت کہاں سے ملی۔ بزرگ نے کہا کہ میں نے یہ نکتہ اپنے استاد قاری عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان کے اوصافِ حِلم میں سے کوئی

بات بتائیے۔ فرمایا کہ ایک دفعہ وہ آبادی سے دور جنگل کی طرف تھے۔ ایک کمینے آدمی نے ان کے ساتھ کمینہ پن شروع کیا اور بہت نامناسب باتیں کہیں۔ عاصم کچھ نہ بولے اور کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ شہر کے قریب آ گئے۔ وہ کمینہ اسی طرح برُا (بھلا) کہتا رہا۔ جب لوگوں کے درمیان پہنچ گئے تو عاصم نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ جناب عالی! بس اب واپس جائیے۔ یہاں میرے دوست آشنا بہت ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی بدگوئی سن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچائیں! اس کے بعد ان بزرگ نے ان کے حلم کے بارے میں دوسری حکایت سنائی کہ ایک دفعہ میں اور چند شاگرد ان کی خدمت میں بیٹھے تھے اور ہم حدیث پڑھ رہے تھے۔ وہ تشریح کر رہے تھے اور ہم استفادہ۔ عاصم ایک کپڑے سے اپنے آپ کو لپیٹے بیٹھے تھے۔ اسی طرح کمر اور گھٹنوں کو کپڑے سے لپیٹے فوائد بیان کر رہے تھے کہ کسی شخص نے آ کر کہا کہ آپ کے لڑکے کو قتل کر دیا گیا۔ پوچھا کس نے قتل کیا؟ اس نے کہا آپ کے چچا کے لڑکوں نے۔ شاید ان کے درمیان جھگڑا ہوا۔ اس جھگڑے میں آپ کا لڑکا مارا گیا۔ استاد عاصم نے فرمایا کہ جاؤ فلاں شخص نماز پڑھائے اور فلاں جگہ دفن کر دینا۔ یہ تین فقرے کہے اور پھر شاگردوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہاں! تو تم کیا پڑھ رہے تھے۔ پڑھو! یہ بزرگ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے چہرے کی کیفیت بدلتے نہیں دیکھی۔ ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ کپڑا جو اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا اس کو بھی جسم سے جدا نہیں کیا اور اپنی پوزیشن نہیں بدلی۔ اسی طرح سبق دینے میں مشغول رہے۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ صحابہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حلم سے منسوب تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی اوباش نے ان سے بدکلامی کی اور عیب لگا کر طعن کیا (حضرت) ابوبکرؓ نے فرمایا کہ حضرت والا! جو بہت سے عیب مجھ میں ہیں آپ کو تو ان میں سے ایک بہت معمولی چیز کا پتا لگا ہے!

جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ حکایت مکمل فرمائی تو حاضرین کے واپس جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ بندے (حسن علا سجزی) نے عرضداشت کی کہ اس صورت میں کہ مرید پیر کی خدمت میں کم پہنچتا ہے۔ بس گھر میں پیر کی یاد میں رہتا ہے تو یہ بات کیسی ہے؟ فرمایا کہ بہت اچھی ہے۔ اگر کوئی شخص پیر کی خدمت سے غیر حاضر ہو اور پیر کی یاد میں رہے تو یہ اس سے بہتر

ہے کہ ہر روز پیر کے سامنے رہے مگر اس کی محبت سے بے خبر ہو۔ اس کے بعد یہ مصرع زبانِ مبارک پر آیا:

بیرونِ درون بہ کہ درونِ بیرون!

(اندر سے باہر رہنا اس سے بہتر ہے کہ اندر رہ کر بھی باہر رہے۔ یعنی غیر حاضری اس سے بہتر ہے کہ حاضر رہ کر بھی بے حضور رہے!)

اس وقت یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز دو ہفتے کے بعد اپنے پیر شیخ قطب الدین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ اس کے برخلاف شیخ بدر الدین غزنوی اور دوسرے عزیز برابر حاضر رہتے تھے۔ پھر فرمایا کہ جب شیخ قطب الدین کی رحلت کا وقت قریب آیا تو ایک بزرگ کا نام لیا جو شیخ قطب الدین کی پائنتی آرام فرما ہیں اور جن کو یہ تمنا تھی کہ شیخ کے بعد ان کی جگہ پر بیٹھیں۔ شیخ بدر الدین غزنویؒ کو بھی (یہی تمنا تھی) مگر سماع (قوالی) میں شیخ قطب الدین انتقال فرمانے والے تھے (شیخ نے) ارشاد فرمایا۔ یہ میرا جامہ اور مصلا عصا اور لکڑی کی کھڑاویں شیخ فرید الدین کو دے دیں۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے وہ جامہ دیکھا تھا، دوتہی سوزنی تھی۔ الغرض جس رات کو شیخ قطب الدینؒ کا انتقال تھا۔ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہانسی میں تھے۔ اسی رات شیخ فرید الدین نے اپنے پیر کو خواب میں دیکھا کہ انھیں اپنے پاس بلاتے ہیں۔ دوسرے روز شیخ ہانسی سے روانہ ہو گئے۔ چوتھے دن (دہلی) شہر میں پہنچے۔ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ وہ اس جامے کو شیخ فرید الدین طیب اللہ ثراہٗ کی خدمت میں لائے۔ شیخ نے دو رکعت نماز پڑھی اور وہ جامہ پہنا اور اس گھر میں تشریف لائے جہاں شیخ قطب الدینؒ رہتے تھے۔ تین روز سے زیادہ وہاں نہیں رہے اور ایک روایت سے سات روز پھر ہانسی کی طرف تشریف لے آئے۔ اور ان کے (وہاں) آنے کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت شیخ (موصوف) شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہما کے گھر میں مقیم ہوئے تھے سرہنگا نامی ایک شخص ہانسی سے آیا تھا۔ شاید وہ دو تین دفعہ اس گھر میں آیا لیکن دربان نے جانے نہیں دیا۔ ایک دن شیخ گھر سے باہر نکلے تو سرہنگا بڑھا اور شیخ کے پیروں میں گر گیا اور رونے لگا۔ شیخ نے پوچھا کہ کیوں روتا ہے؟ بولا اس وجہ سے کہ آپ ہانسی میں تھے تو ہم آسانی سے درشن کر لیتے تھے اب آپ کا دیدار دشوار

ہو گیا ہے۔ شیخ نے اسی وقت مریدوں سے کہا کہ میں پھر ہانسی واپس جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کی کہ شیخ نے تو اس مقام کا آپ کے لیے حکم فرمایا ہے۔ آپ کسی اور جگہ کیوں جاتے ہیں۔ شیخ نے ارشاد کیا کہ میرے پیر نے جو نعمت میرے لیے جاری فرمائی ہے۔ وہ جیسی شہر میں ہے ویسی ہی بیابان میں (ہے)۔

پینتالیسویں[45] مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی تیسری تاریخ ہفتے کو ہاتھ چومنے کے شرف تک رسائی ہوئی۔ مریدوں کے حسنِ اعتقاد اور پیر کی فرماں برداری کا ذکر نکلا۔ اس دوران حکایت بیان فرمائی کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نواسے شرف الدین لقب خطہء ناگور کے رہنے والے تھے۔ ان کو یہ آرزو ہوئی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہُ العزیز کی خدمت میں مرید ہونے جائیں۔ اس نیت کے ساتھ ناگور سے روانہ ہوئے۔ ان کی ایک لونڈی تھی جس کی قیمت کم وبیش سو تنکہ تھی۔ اس لونڈی نے اپنے مالک سے کہا کہ جب آپ شیخ کی خدمت میں پہنچیں اور مرید ہوں تو میری طرف سے بھی بندگی عرض کیجیے اور ایک کڑھا ہوا دستارچہ ان کو دیا کہ میری یہ نذر بھی پہنچائیے۔ القصہ جب مولانا شرف الدین شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہو گئے تو اس دولت کو پانے کے بعد عرض کی کہ میرے گھر میں ایک لونڈی ہے اس نے زمین بوسی کہلوائی ہے۔ یہ کہا اور وہ دستارچہ جو اس نے بھیجا تھا سامنے رکھا۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہُ العزیز نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ خدا اسے آزادی دے! جب مولانا شرف الدین خدمت میں سے اٹھے تو خیال کیا کہ جب شیخ کی زبان مبارک سے یہ بات نکلی ہے تو حقیقت میں وہ لونڈی آزاد ہو جائے گی۔ لیکن یہ لونڈی ہے قیمتی میں تو اسے آزاد کر نہیں سکتا۔ اس کو بیچ ڈالوں۔ شاید ایسا ہو کہ خریدنے والا اسے آزاد کر دے۔ جب یہ بات سوجھی تو پھر یہ خیال آیا کہ اگر یہ لونڈی کسی اور کے گھر میں آزاد ہو گی تو اس کا ثواب اسے ہو گا۔ میں خود ہی اسے آزاد کیوں نہ کر دوں؟ یہ نیت کر کے شیخ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اسے آزاد کر دیا!

چھیالیسویں مجلس 46

اسی سال ماہِ ربیع الآخر کی اٹھارہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ دنیا کی عداوت اور محبت کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو دنیا کو دوست رکھتی ہے۔ اور ہر روز اس کے خیال اور طلب میں رہتی ہے اور ایسے لوگ بہت زیادہ نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو دنیا کو دشمن رکھتی ہے۔ اور اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتی ہے۔ اور پوری طرح اس سے عداوت کرنے میں لگی رہتی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے کہ دنیا کو نہ دوست رکھتی ہے نہ دشمن اور اس کا ذکر محبت اور عداوت کے ساتھ نہیں کرتی اور یہ قسم (پہلی) دونوں قسموں سے بہتر ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص (حضرت) رابعہؒ[1] کے پاس آ کر بیٹھا اور دنیا کو بہت برا (بھلا) کہنے لگا۔ (حضرت) رابعہؒ نے کہا کہ تم دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ تم دنیا کے دوست معلوم ہوتے ہو جب ہی تو اس کا اتنا ذکر کرتے ہو!

یہاں سے ترکِ دنیا کے سلسلے میں ایک درویش کا ذکر آیا جو کیتھل اور کہرام کی طرف کا تھا۔ اس کو شیخ صوفی بدھنی کہتے تھے۔ ارشاد ہوا کہ وہ زبردست تارکِ (ترک دنیا کرنے والا) تھا۔ یہاں تک کہ کپڑے بھی نہیں پہنتا تھا۔ بندے نے عرض کی کہ اس نے کسی کا ہاتھ بھی پکڑا تھا؟ (یعنی کسی کا مرید ہوا تھا) فرمایا کہ نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر اس کا کوئی پیر ہوتا تو ستر عورت (مرد کے لیے ناف سے گھٹنوں تک بدن ڈھکنا) کا حکم دیتا۔ اسی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا کوئی پیر نہیں تھا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ وہ نماز بہت پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ بہشت ایسی جگہ ہے مگر افسوس کہ وہاں نماز نہیں ہے۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ اگر پیر دنیادار ہو تو کیا اسے زیب دیتا ہے کہ مریدوں کو دنیا کی محبت سے روکے؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے ارشاد کیا کہ اگر روکے گا بھی تو اس کا اثر نہ ہوگا۔ کیوں کہ ایک لسانِ قال ہے۔ (صرف کہنے کی زبان۔ اردو محاورے میں زبانی جمع خرچ) اور ایک لسانِ حال (صاحب کردار

1- اُم الخیر رابعہ بنت اسمٰعیل عدویہ بصرہ میں پیدا ہوئیں اور ۱۳۵ھ میں بیت المقدس میں وفات پائی۔ ان کا مزار کوہِ طور پر جانب مشرق ہے۔ وفیات الاعیان، جلد ا، صفحہ ۱۸۲۔

کی زبان) وعظ و نصیحت زبانِ حال سے موثر ہوتی ہے۔ لسانِ حال نہ ہو تو لسان قال موثر نہیں ہوتی۔

پھر شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ انھیں اپنے شیخ سے مندیل (رومال) ملا تھا۔ اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور اس سے برکتیں حاصل کرتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ سو گئے تھے اور وہ مندیل ان کے پیروں کی طرف تھا۔ ناگہانی ان کا پیر اس کو لگ گیا۔ جب بیدار ہوئے تو بڑا قلق اور بے چینی ظاہر فرمائی۔ اس حد تک کہ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں روز قیامت تک اسی خطا کے رنج اور افسوس میں رہوں گا۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ مجھے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی جناب سے موٹا کملی کا ایک خرقہ ملا تھا اور وہ ابھی تک میرے پاس ہے۔ الغرض جب میں اجودھن سے دہلی کی طرف آ رہا تھا تو یہ خرقہ بھی اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ بس میں تھا اور میرا ایک ساتھی۔ جب ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں رہزنوں کا اندیشہ تھا تو بارش ہونے لگی۔ میں اور میرا وہ ساتھی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اس دوران چند ڈاکو جن کا ہمیں ڈر تھا نمودار ہوئے۔ اور ہمارے سامنے آ گئے۔ میں (پیر کی طرف) ملتفت ہوا اس کپڑے کے وسیلے سے جو میرے پاس تھا۔ اور دل میں سوچا کہ یہ جامہ شیخ کا عطا کیا ہوا ہے یہ (رہزن) اس کو مجھ سے نہ چھین سکیں۔ پھر دل میں خیال آیا اگر انھوں نے چھین لیا تو پھر میں اس کے بعد شہر اور آبادی میں نہیں رہوں گا۔ تھوڑی دیر بعد ان لٹیروں میں سے ایک، ایک طرف چلا گیا۔ دوسرا دوسری طرف۔ سب بکھر گئے اور چل دیے، ہم سے کچھ بھی نہیں کہا ہم سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچ گئے۔

پھر دنیا کے جمع خرچ کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ دنیا کو جمع نہیں کرنا چاہیے۔ سوائے اس کے جو ضروری ہو۔ جیسے لباس کہ اس سے شرعی طور پر بدن ڈھکا جاتا ہے۔ وہ جائز ہے لیکن زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ جو بھی ملے خرچ کر دیں اور جمع نہ کریں۔ اس وقت یہ شعر زبانِ مبارک پر لائے۔

زر از بہر دادن بود اے پسر

ز بہر نہادن چہ سنگ و چہ زر

(اے فرزند! دولت دینے کے لیے ہوتی ہے۔ رکھ چھوڑنے کو تو پتھر اور
سونا برابر ہیں)۔

پھر اس شعر کی مناسبت سے یہ شعر پڑھا جو خاقانی نے اسی مفہوم کا کہا ہے:

چوں خواجہ نہ خواہد ر انداز ہستی خود کامی
آں گنج کے او دارد پندار کے من دارم

(جب امیر اپنی پونجی سے فائدہ نہیں اٹھاتا، لطف نہیں لیتا تو سمجھو کہ جو
خزانہ اس کے پاس ہے۔ وہ میرے پاس ہے)۔

اس درمیان ایک شخص کو مسواک عطا کی۔ اس کے حسبِ حال حکایت بیان فرمائی کہ ایک عالم تھے جن کو نور ترک کہتے تھے۔ وہ یہاں سے خانہ کعبہ کی طرف گئے اور وہیں رہ پڑے۔ وہاں جو گھر بنایا اس کے دروازے پر لکھ دیا کہ جو کوئی میرے گھر میں آئے اگر اس کے پاس مسواک نہ ہو تو اس کا میرے گھر میں آنا حرام ہے!

پھر درویشوں کے اچھے اخلاق کے بارے میں گفتگو چلی ارشاد ہوا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اور بوعلی سینا کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ جب ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو بوعلی نے ایک صوفی کو جو شیخ کی خدمت میں ملازم تھا اس بات کے لیے تیار کیا جب میں شیخ کے پاس سے چلا جاؤں تو جو کچھ بھی شیخ میرے بارے میں کہیں وہ مجھے لکھ بھیجنا۔ جب بوعلی سینا واپس چلے گئے تو شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا کوئی ذکر زبان سے نہیں کیا۔ نہ نیکی کے ساتھ نہ بدی کے ساتھ۔ جب اس صوفی نے ان کا کوئی ذکر نہ سنا تو ایک روز شیخ سے خود ہی پوچھا کہ بوعلی سینا کیسے آدمی ہیں؟ شیخ نے فرمایا وہ دانشور آدمی ہیں اور طبیب ہیں اور بہت علم رکھتے ہیں۔ البتہ اچھے اخلاق نہیں رکھتے۔ صوفی نے یہ ساری کیفیت بوعلی سینا کو لکھ بھیجی۔ بوعلی نے وہاں سے شیخ کی خدمت میں کچھ لکھ کر بھیجا۔ تو یہ بھی لکھا کہ میں نے اتنی کتابیں (مکارم اخلاق کے موضوع) پر لکھی ہیں، شیخ کے لیے یہ کہاں مناسب ہے کہ کہیں فلاں میں حسن اخلاق نہیں ہے؟ شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ بوعلی مکارمِ اخلاق کو جانتے نہیں یہ کہا تھا کہ (مکارم اخلاق) رکھتے نہیں!

پھر قاضی منہاج الدین کی حکایت نکلی۔ فرمایا میں ہر پیر کو ان کے وعظ میں جایا کرتا تھا۔

چنانچہ ایک روز ان کے وعظ میں تھا کہ انھوں نے یہ رباعی پڑھی:

لب برلبِ دلبران مہوش کردن

و آہنگ سر زلف مشوش کردن

امروز خوشست لیک فردا خوش نیست

خود را چو خسی طعمہء آتش کردن

(چاند سے دلبروں کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھنا اور زلف پریشاں کا قصد کرنا۔ آج تو بہت اچھا لگتا ہے۔ لیکن کل اچھا نہیں ہوگا۔ جب خود کو گھاس کی طرح آگ کا لقمہ بنانا ہوگا۔)

خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب میں نے یہ شعر سنے تو بے خود سا ہو گیا۔ ہوش میں آنے میں خاصا وقت لگا۔ اس کے بعد ان کے حالات میں بیان فرمایا کہ وہ بڑے صاحب ذوق آدمی تھے۔ ایک دفعہ انہیں شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بلایا گیا اور اس روز پیر کا دن تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وعظ سے فارغ ہو کر آجاؤں گا۔ الغرض جب وعظ سے فارغ ہو گئے تو وہاں پہنچے اور سماع میں شریک ہوئے اور دستار اور لبادہ جو پہن رکھا تھا جھیر جھیر کر دیا۔ اس وقت شیخ بدرالدین غزنوی کی نظم جو انھوں نے ''آتش گرفت'' ردیف کے ساتھ کہی ہے۔ گوائی جا رہی تھی، ایک دو شعر زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائے یہ شعر یاد رہ گیا۔

نوحہ میکرد برمن نوحہ گر در مجمعے

آہ ازیں سوزم برآمد نوحہ گر آتش گرفت

(ایک نوحہ گر لوگوں کے سامنے مجھ پر نوحہ کر رہا تھا۔ آہ اس سے میرا سوز ایسا نکلا کہ نوحہ گر نے بھی آگ پکڑ لی)

اس وقت فرمایا کہ قاضی منہاج الدین شیخ بدرالدین کو سُرخ شیر کہا کرتے تھے۔

اس وعظ کی مناسبت سے شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت نکل آئی۔ بندے نے عرض کی کہ آپ نے ان کا وعظ سنا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں (سنا ہے) لیکن میں ان دنوں بچہ تھا۔ معانی کی سمجھ خاطر خواہ نہیں تھی۔ ایک روز ان کے وعظ میں پہنچا تو انھیں دیکھا کہ مسجد میں آئے اور جوتیاں جو پیروں میں پہن رکھی تھیں، اتار کر ہاتھ میں لے لیں اور مسجد میں آ

کر دو رکعت نماز پڑھی۔ میں نے کسی کو نماز میں ان کی طرح نہیں دیکھا۔ دو رکعتیں بڑے آرام سے پڑھیں اور منبر پر تشریف لے گئے۔ ایک قاری تھے جنہیں قاسم کہتے تھے اچھا پڑھتے تھے۔ انھوں نے ایک آیت پڑھی اس کے بعد شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز فرمایا کہ میں نے اپنے بابا کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے! ابھی انھوں نے دوسرا فقرہ نہیں کہا تھا کہ پہلے فقرے ہی کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا کہ سب رونے لگے۔ اس وقت انھوں نے یہ دو مصرعے پڑھے:

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد
جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد
(میں تو تمھیں اور تمہارے عشق کو دیکھوں گا اور تمہارے غم میں اپنی جان کو زیر و زبر کر دوں گا۔)

انھوں نے اتنا کہا تھا کہ لوگ نعرے لگانے لگے۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ یہی مصرعے پڑھے۔ پھر کہا اے مسلمانو! دوسرے دو مصرعے یاد نہیں آتے کیا کروں؟ یہ بات ایسی عاجزی سے کہی کہ سارے مجمعے پر اس کا اثر ہوا۔ اس وقت قاری قاسم نے وہ دو مصرعے یاد دلائے۔ شیخ نے یہ رباعی پوری پڑھی اور نیچے اُتر آئے۔

شیخ نظام الدین ابوالموید[1] رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کے بارے میں بھی حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ برسات نہیں ہوئی۔ ان سے اصرار کیا گیا کہ بارش کی دعا فرمائیں۔ وہ منبر پر آئے، بارش کی دعا پڑھی اور پھر آسمان کی طرف رُخ کر کے کہا "اے اللہ اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں آئندہ کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔" یہ کہا اور منبر پر سے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت سے نوازا۔ اس کے بعد سیّد قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ملاقات کی اور

1- شیخ نظام الدین ابوالموید، سید نورالدین مبارک غزنوی کے بھانجے اور وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے۔ نور مبارک کا انتقال یکم محرم ۶۳۲ھ کو ہوا۔ ان کی قبر حوض شمسی کے شرق میں ہے اخبار الجمال کی روایت کے مطابق شیخ نظام الدین ابوالموید علی گڑھ میں مدفون ہیں، مگر ان کا ایک مزار حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی درگاہ میں حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے مزار کے شرق میں بھی بتایا جاتا ہے۔ (اخبار الجمال (قلمی) صفحہ ۳۵۸، ذخیرہ پروفیسر نثار احمد فاروقی۔

یہ بات کہی کہ ہمارا آپ کے بارے میں پکا اعتقاد ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کو حق (تعالیٰ) سے پورا نیاز حاصل ہے۔ لیکن یہ آپ نے کیا کہا کہ اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں آئندہ کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ اگر بارش نہ ہوتی تو آپ کیا کرتے؟ شیخ نظام الدین المویدنے کہا کہ میں جانتا تھا کہ (اللہ) بارش برسائے گا۔ اس پر سیّد قطب الدین نے پوچھا کہ آپ یہ کیسے جانتے تھے؟ کہ (بارش برسائے گا) بولے ایک دفعہ میرا سیّد نورالدین مبارک نوراللہ مرقدہٗ سے سلطان شمس الدین کے سامنے اونچی جگہ اور نیچی جگہ بیٹھنے پر جھگڑا ہوا تھا۔ میں نے ایسی باتیں کہی تھیں جس سے ان کو کوفت ہوئی تھی۔ جس وقت مجھ سے بارش کی دعا کے لیے کہا گیا تو میں ان کے روضہ پر گیا اور کہا کہ مجھ سے بارش کی دعا کے لیے کہا گیا ہے اور آپ مجھ سے رنجیدہ ہیں۔ اگر آپ مجھ سے من جائیں تو میں دعا مانگوں اور اگر آپ ملاپ نہیں کریں گے تو میں دعا نہ مانگ سکوں گا۔ ان کے روضہ سے آواز آئی کہ میں نے آپ سے ملاپ کر لیا آپ جائیں اور دعا مانگیں۔

سینتالیسویں مجلس 47

اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کی پانچویں (تاریخ) بدھ کو قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ نماز کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ فرض ادا کرنے کے بعد جو جگہ بدلتے ہیں۔ یہ کیسا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جگہ بدل لینا، بہتر ہے۔ اگر امام اپنی جگہ نہ بدلے تو یہ مکروہ ہے۔ البتہ مقتدی جگہ نہ بدلے تو اس میں کراہت نہ ہوگی۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ بدل لے۔ اس موقع پر (یہ بھی) فرمایا جب جگہ بدلنا چاہیں تو اپنی بائیں جانب ہو جائیں اس طرح کہ قبلہ کی داہنی سمت کے مقابل ہو جائیں۔

اڑتالیسویں مجلس 48

اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کی تیرہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ ذکر یہ نکلا کہ لوگ درویشوں کے ہاتھ چومتے ہیں اور برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ مشائخ اور درویش جو ہاتھ چومنے کے لیے دے دیتے ہیں تو ان کی

نیت بھی یہ ہوتی ہے کہ شاید کسی مغفور (بخشے ہوئے جنتی) کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں آ جائے۔

• پھر درویشوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ خواجہ اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک شخص خواجہ کی خدمت میں آیا اور بولا کہ میرا ایک پڑوسی ہے۔ جس کی نظر میرے گھر میں پڑتی ہے۔ میں اس کو ہر چند منع کرتا ہوں مگر نہیں سنتا اور مجھے تکلیف پہنچاتا ہے۔ خواجہ اجل نے فرمایا کہ کیا اسے معلوم ہے تم ہمارے مرید ہو؟ بولا جی ہاں اسے معلوم ہے کہ میں اپنے مخدوم خواجہ کے وابستگان میں سے ہوں۔ خواجہ اجل نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ نہیں جاتی۔ جب خواجہ نے اس طرح کی بات کہہ دی تو وہ مرید گھر آیا اور پڑوسی کو گردن کی ہڈی ٹوٹے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کہ کہاں سے گر گئے؟ کہنے لگے کہ لکڑی کی کھڑاؤں پہنے ہوئے تھا۔ لڑکھڑا کر گر گیا اور یہ واقعہ پیش آیا۔

پھر مردانِ حق کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ پرانے زمانے میں چار آدمی برہان نامی اوپر کے علاقے سے دہلی میں آئے۔ ان چار برہانوں میں سے ایک برہان بلخی تھے۔ دوسرے برہان کاشانی۔ دوسرے دو برہانوں کے بارے میں یاد نہیں آتا۔ الغرض ان سب کے درمیان بڑی موافقت تھی۔ کھانا پینا ایک جگہ ہوتا اور تحصیل (علمی یا معاشی) بھی ایک جگہ کرتے۔ ابتدا میں جب دہلی آئے تو اس وقت نصیر کاشانی قاضی شہر تھے۔ انھوں نے برہان کاشانی سے کسی محفل میں مسئلہ پوچھا۔ یہ برہان دبلے پتلے اور چھوٹے قد کے تھے۔ جب انھوں نے نکتے بیان کرنے شروع کیے تو طالب علم کہنے لگے کہ بھلا یہ ریزہ کیا بول سکے گا! ریزہ ان کا عرف ہی ہو گیا۔ کاشانی بیچ میں سے غائب ہو گیا۔ بس برہان ریزہ عرفیت ہو گئی۔ الغرض برہان بڑے اچھے آدمی تھے۔ آخر میں ابدال ہو گئے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے فرمایا کہ میں نے انھیں دیکھا تھا روزانہ صبح گھر سے پیدل باہر نکلتے۔ حالانکہ ان کے پاس دس سے زیادہ گھوڑے تھے اور کسی غلام کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جاتے جبکہ ان کے ہاں سو سے زیادہ خدمت گار تھے۔ ان کا ایک لڑکا تھا نور الدین محمد نامی۔ ایک روز یہ لڑکا باپ سے کہنے لگا کہ آپ روزانہ گھر سے باہر جاتے ہیں اور ہمارے دشمن بہت ہیں۔ آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوتا۔ اگر کسی غلام کو ساتھ لے جائیں تو اچھا ہو کہ آپ کی خدمت کرے اور پانی کا کوزہ دے! مولانا برہان الدین نے بیٹے کو جواب دیا اور کہا بابا محمد جہاں میں جاتا ہوں وہاں اگر غلام کا داخلہ ہو سکتا تو

پہلے تجھے لے کر جاتا کہ تو میرا بیٹا ہے!

49 اُنچاسویں مجلس

اسی ماہ جمادی الاولیٰ کی انتیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔ چوں کہ رجب کا مہینہ قریب آ گیا تھا۔ بندے نے عرض کی کہ خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے رجب کے مہینے کی تیسری اور چوتھی اور پانچویں تاریخ کے لیے نماز بتائی ہے اور غلام کے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ جس بزرگ نے نماز یا دعا بتائی ہے۔ وہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی ہے یا صحابہ کرام سے۔ خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے جو یہ نمازیں بتائی ہیں اور سورتوں کا تعین کیا ہے اور دعائیں موسوم کی ہیں یہ کہاں سے کی ہیں؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ باتیں الہام سے بھی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ اب سے پہلے جب میں دہلی سے شیخ کی خدمت میں اجودھن جاتا تھا تو یہ تین اسمائے گرامی پڑھتا ہوا جاتا تھا۔ یا حافظ یا ناصر یا معین۔ اور یہ دعا میں نے کسی سے سنی نہیں تھی۔ شیخ کی خدمت میں اپنی حاضری کی مناسبت اور حق تعالیٰ سے مدد مانگنے کے لیے یہ تین نام پڑھتا تھا۔ پھر مدت بعد ایک دوست نے مجھے یہ دعا لکھ کر دی اور وہ دعا یہ ہے۔ یا حافظ یا ناصر یا معین یا مالک یوم الدین بحق ایاک نعبد و ایاک نستعین۔

پھر مشائخ کے احوال کی حکایت آئی۔ بندے نے عرض کی کہ میں نے ایک بات سنی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کلمات خواجہ بایزید بسطامیؒ کے ارشاد کردہ ہیں اور بندے کو ان کلمات کی کوئی تاویل بھی نہیں ملتی اور دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔ دریافت فرمایا کہ کیا کلمات ہیں؟ بندے نے عرض کی کہ اس طرح کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ محمدؐ اور ان کے علاوہ جو لوگ ہیں قیامت کے دن میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ نہیں انھوں نے ایسا نہیں کہا۔ یہ ان کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ انھوں نے ایک دفعہ کہا تھا۔ سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں میری کیا اعلیٰ شان ہے) اس کے بعد آخر عمر میں اس سے توبہ کی اور کہا کہ میں نے یہ بات ٹھیک نہیں کہی۔ میں یہودی تھا۔ اب زُنّار توڑتا ہوں اور نئے سرے سے مسلمان ہوتا ہوں اور کہتا ہوں۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ

واشھد ان محمدًا عبدہ‘ ورسولہ‘۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں ہے مگر اللہ وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

یہاں سے رسول علیہ السلام کے احوال (پاک) کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ مشائخ اور مردانِ حق کو جو حال آتا ہے۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ رسول علیہ السلام کو بھی مشغولی کی کیفیات ہوتی تھیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک روز رسول علیہ السلام ایک باغ میں تشریف لائے۔ اس باغ میں ایک کنواں تھا۔ رسول علیہ السلام آئے اور اس کنویں کی مینڈھ پر تشریف فرما ہو گئے اور کنویں میں پاؤں لٹکا لیے اور مشغول (بحق) ہو گئے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان کو حکم ہوا کہ کسی کو میری اجازت کے بغیر اندر نہ آنے دینا۔ اس دوران ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ابوموسیٰ اشعری رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابوبکرؓ کے آنے کی اطلاع دی۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ انھیں اندر بلا لو اور بہشت کی خوشخبری دو۔ ابوموسیٰؓ گئے اور ابوبکرؓ کو اندر بلا لیا۔ ابوبکرؓ تشریف لائے اور رسول علیہ السلام کی دائیں جانب اسی طرح دونوں پیر کنویں میں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ پھر عمر خطابؓ آئے۔ ابوموسیٰؓ نے ان کی تشریف آوری کی خبر بھی دی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بھی اسی خوش خبری کے ساتھ اندر بلوا لیا۔ وہ بھی آئے اور رسول علیہ السلام کی بائیں طرف اسی طرح بیٹھ گئے۔ اس کے بعد عثمانؓ تشریف لائے اور ان کو بھی اندر بلایا گیا۔ اور وہ بھی کسی قدر تامل کے بعد رسول علیہ السلام کے سامنے اس ہیئت سے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ‘ تشریف لائے اور اجازت پا کر اندر آئے اور اسی طرح بیٹھ گئے، پھر رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح ہم آج ایک جگہ ہیں۔ اسی طرح وفات بھی ایک جگہ ہوگی اور اٹھائے بھی ایک ساتھ جائیں گے۔

○ جب یہ حکایت پوری ہو چکی تو فقر اور خرقہ کا ذکر آیا۔ خواجہ ذکرہ‘ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ مصطفٰے علیہ السلام کو شب معراج میں ایک خرقہ ملا تھا اور اس خرقے کو خرقہ فقر کہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہؓ کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے ایک خرقہ ملا ہے اور مجھے حکم ہے کہ یہ خرقہ ایک شخص کو عطا کروں اور میں صحابہ سے ایک سوال پوچھوں گا کہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ جو شخص یہ جواب دے اس کو خرقہ عطا کر دینا۔ اور میں اس جواب کو جانتا ہوں (دیکھیں) کون یہ جواب دیتا ہے۔ پھر (حضورؐ نے) ابوبکرؓ کی طرف رخ کر کے فرمایا

کہ اگر یہ خرقہ تمہیں دے دوں تو تم کیا کرو گے؟ ابوبکرؓ نے عرض کی کہ میں سچ کو اختیار کروں گا اور طاعت کروں گا اور داد و دہش اپناؤں گا۔ اس کے بعد عمرؓ سے پوچھا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ عمرؓ بولے کہ میں عدل کروں گا اور انصاف کا خیال رکھوں گا۔ اس کے بعد عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ عثمانؓ نے عرض کی کہ میں خرچ اور بخشش کیا کروں گا۔ پھر علیؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟ عرض کی کہ میں پردہ پوشی سے کام لوں گا اور خدا کے بندوں کے عیب چھپاؤں گا! رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ لو! یہ خرقہ تم کو دیتا ہوں کیوں کہ مجھے حکم تھا کہ جو یہ جواب دے اسی کو یہ خرقہ دے دینا۔

یہاں سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مناقب (اوصاف حمیدہ) کی بات آئی اور ان کے انصاف اور سخاوت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ان کی ایک زرہ ان کے پاس سے غائب ہو گئی۔ ایک روز یہ زرہ کسی یہودی کے ہاتھ میں دیکھی تو اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ یہودی بولا کہ اس کا دعویٰ دائر کرو اور ثبوت دے کر لے لو۔ اس زمانے میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ سوچا کہ میں خلیفہ بھی ہوں اور مدعی بھی ہوں۔ یہ دعویٰ کس طرح ثابت ہوگا۔ (خیر) شریح رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر دعوے کی تکمیل کرتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ اس وقت شریح رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائب تھے۔ قصہ مختصر جب شریح رضی اللہ عنہ کے سامنے گئے اور زرہ کا مقدمہ شروع ہوا تو شریح رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علیؓ کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ اگرچہ خلیفہ آپ ہیں لیکن اس وقت نیابت کی وجہ سے حاکم میں ہوں۔ جب آپ فریق مقدمہ ہیں تو اس یہودی کے ساتھ کھڑے ہوں۔ امیر المومنین علیؓ نے یہی کیا اور یہودی کے برابر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یہ زرہ میری ہے اور اس یہودی کے پاس ناحق ہے۔ شریح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دعوے کا ثبوت پیش کیجیے۔ علیؓ نے پوچھا آپ کیا ثبوت چاہتے ہیں۔ شریح رضی اللہ عنہ نے کہا گواہ لائیے۔ امیر المومنین علیؓ نے حسنؓ اور قنبرؓ کو گواہی میں پیش کیا۔ شریح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حسنؓ آپ کے لڑکے ہیں اور قنبرؓ آپ کے غلام ہیں۔ میں ان کی گواہی نہیں سنوں گا۔ امیر المومنین علیؓ نے کہا کہ میرے پاس دوسرے گواہ نہیں ہیں۔ شریح رضی اللہ عنہ نے یہودی سے کہا کہ زرہ اٹھاؤ اور لے جاؤ جب تک یہ دو گواہ پیش نہ کریں اس وقت تک اس پر قبضہ رکھو۔ یہودی نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اپنے دل میں بڑا حیران ہوا اور اپنے

آپ سے کہا کہ محمد کا دین ایسا دین ہے! اسی وقت اسلام لے آیا اور وہ زرہ امیر المومنین کو پیش کردی اور کہا کہ یہ آپ کا حق اور آپ کی ملکیت ہے۔ میرے پاس ناحق تھی۔ امیر المومنین نے وہ زرہ اس کو بخش دی اور ایک عدد گھوڑا بھی عنایت فرمایا۔

اسی مجلس میں مریدوں میں سے ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے پوچھا کیا نام رکھا ہے؟ بولا خیر (خیر بمعنی نہیں) میں نام رکھے بغیر آ گیا تاکہ مخدوم سے عرض کروں کہ کیا نام رکھیں۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ چوں کہ تم نے خیر کہا ہے اس کا نام یہی رہے گا۔ (یعنی خیر نام ہوگا)۔

اس مناسبت سے قصہ سنایا کہ خواجہ خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ شہر سے باہر نکلے تو ایک بدو نے پکڑ لیا کہ تو میرا غلام ہے۔ خیر نساج کچھ نہ بولے اس کی بات مان لی۔ ایک مدت اس شخص کے گھر میں رہے۔ اس شخص کا ایک باغ تھا ان کو باغبانی پر لگا دیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ شخص اپنے باغ میں آیا اور خواجہ خیر نساج سے کہا کہ میرے لیے ایک میٹھا انار لے آؤ۔ خواجہ نساج نے ایک انار لا کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ جب اس نے چکھا تو کھٹا تھا۔ بولا میں نے تم سے میٹھے انار کے لیے کہا تھا۔ خواجہ نساج پھر گئے اور ایک اور انار لے آئے اور اس کو تھما دیا۔ یہ انار بھی کھٹا نکلا۔ باغ کا مالک بولا کہ میں تم سے میٹھا انار مانگتا ہوں اور تم کھٹا انار ہی لے آتے ہو! خواجہ خیر نساج نے جواب دیا کہ میں کیا جانوں کہ میٹھا کون سا ہے اور کھٹا کون سا ہے۔ اس نے کہا کہ مدت ہوگئی کہ تم اس باغ میں باغبانی کرتے ہو۔ تمہیں میٹھے اور کھٹے انار کی بھی خبر نہیں؟ خواجہ خیر نساج بولے کہ مجھے آپ نے باغبانی کا حکم دیا تھا۔ میں امانت دار ہوں میں آپ کے انار کو چکھتا اور کھاتا تھوڑی ہوں کہ جانوں! باغ کے مالک نے جب یہ حال دیکھا تو ان کو آزاد کر دیا۔ خواجہ خیر نساج کا اس سے پہلے دوسرا نام تھا اس شخص نے ان کا نام خیر رکھ دیا تھا۔ جب خواجہ خیر نساج اس غلامی سے آزاد ہوئے تو بولے کہ میرا نام یہی رہے گا جو اس شخص نے رکھا ہے۔

50
پچاسویں مجلس

اسی سال ماہ رجب کی چھبیسویں تاریخ ہفتے کو پاؤں چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔

بندے کے دل میں ایک حدیث (شریف) تھی۔اس کے بارے میں تحقیق کرنی تھی اور پوچھنا تھا اور وہ حدیث یہ تھی کہ: زرغبا تزدد حبا[1] (ایک دن بیچ کر کے آیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے) بندے نے پوچھا کہ کیا یہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے؟ فرمایا ہاں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمائی تھی اور ایسا تھا کہ وہ ہمیشہ حضرت رسالت علیہ السلام کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ رسول علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ناغہ کر کے آیا کرو۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ بخار جو ایک روز آتا ہے اور ایک روز نہیں آتا اس کو غب کہتے ہیں۔رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ذرغبا یعنی ایک روز آؤ اور ایک روز نہ آؤ۔

پھر ایسے درویشوں کا ذکر آیا جو بال بچوں کے بندھن میں ہوتے ہیں۔ارشاد ہوا کہ صبر کے تین موقعے ہیں۔ایک عورتوں سے صبر، اس کے بعد عورتوں پر صبر، اس کے بعد آگ پر صبر، پھر تشریح فرمائی کہ پہلے عورتوں سے صبر کرنا چاہیے کہ اگر آدمی کو اس طرف بالکل کشش نہ ہو اور اس کام سے ذرا رغبت نہ رکھے تو یہ صبر سب سے اچھا ہے۔ یعنی (یہ ہوا) عورتوں سے صبر۔ اور اگر یہ میسر نہ آئے اور بیوی کرے اور لونڈی خریدے تو چاہیے کہ ان کی ''آفتوں'' پر صبر کرے! عورتوں پر صبر یہ ہوگا۔ اور اگر ان مراحل سے آگے بڑھ جائے اور گناہ سرزد ہوں۔ تو وہ (دوزخ کی) آگ پر صبر ہوگا۔ پس میں نے صبر کی تین قسم پائیں۔ اول عورتوں سے صبر۔ دوسرے عورتوں پر صبر۔ تیسرے آگ پر صبر! والسلام۔[2]

اکیاونویں مجلس [51]

اسی سال ماہ شعبان کی تیرہویں تاریخ منگل کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ مولانا نور ترک کی حکایت آئی۔ بندے نے عرض کی کہ حضرت[3] دہلی کے بعض علماء نے ان کے

1- الطبرانی نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔
2- عوارف المعارف میں یہ قول یوں ہے والصبر عن ھن خیر " من الصبر علیھن و الصبر علیھن خیر " من الصبر علی النار اور سہل بن عبداللہ کا قول بتایا ہے (مصباح الہدایہ صفحہ ۱۹۸ نول کشور ۱۲۹۱ھ نیز غرائب الفوائد تصنیف حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی صفحہ ۱۱۴ (مسلم پریس مجھر)۔
3- سلطنت کے صدر مقام کو جہاں بادشاہ موجود ہو، حضرت کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔

مذہب کے بارے میں نکتہ چینی کی ہے۔ ارشاد ہوا کہ نہیں وہ آسمان کے پانی سے بھی زیادہ پاکیزہ تھے۔ بندے نے عرض کی کہ میں نے تاریخ طبقات ناصری میں ایسا ہی لکھا دیکھا ہے کہ وہ علمائے شریعت کو ناصبی اور مرجئ[1] کہتے تھے۔ فرمایا کہ وہ علمائے شہر سے بڑا تعصب رکھتے تھے۔ کیوں کہ ان کو دنیا میں آلودہ دیکھتے تھے اور علما نے اسی وجہ سے ان کے ساتھ طرح طرح کی باتیں منسوب کر دیں۔ بندے نے پوچھا کہ مرجیان اور ناصبیان کون ہیں۔ فرمایا کہ ناصبی رافضی کو کہتے ہیں اور مرجئ اس گروہ کو جو بس رحمت ہی کی بات کرتا ہے۔ اس موقع پر یہ (بھی) فرمایا کہ مرجئ دو قسم کے ہیں۔ ایک خالص مرجئ اور ایک غیر خالص مرجئ۔ خالص مرجئ وہ ہے جو صرف رحمت کی بات کرتا ہے اور غیر خالص مرجئ وہ ہے جو رحمت کی بات بھی کرتا ہے اور عذاب کی بات بھی کرتا ہے۔ اور (درست) مذہب یہی ہے!

اس کے بعد مولانا نور ترک کا قصہ آیا کہ ان کو ''سخن گیرا'' حاصل تھا (ان کی زبان میں تاثیر تھی) لیکن انھوں نے کسی کا ہاتھ نہیں تھاما تھا (کسی کے مرید نہ ہوئے تھے) جو کچھ کہتے علم اور مجاہدے کے بل بوتے پر کہتے۔ ایک نداف (دُھنیا) ان کا غلام تھا ہر روز ایک درہم مولانا کو دیتا۔ ان کی آمدنی کا ذریعہ بس یہی تھا۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ جب وہ مکے گئے تو وہیں مقیم ہو گئے۔ یہاں کا ایک آدمی وہاں پہنچا تو وہ دو من چاول ان کے پاس لے گیا۔ انھوں نے لے لیے اور دعا فرمائی۔ اور واقعہ یہ گزر چکا تھا کہ ایک دفعہ سلطانہ رضیہ نے ان کے پاس خالص سونا بھیجا تھا۔ سونے کی اینٹ تھی۔ انھوں نے اس کو ٹھکرا دیا تھا۔ ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ یہ لکڑی سونے پر مارتے تھے اور فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟ میرے سامنے سے لے جاؤ؟ الغرض جب اس آدمی نے وہ دو من چاول مکے میں ان کو یکجا کر دیئے اور انھوں نے لے لیے تو اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے دہلی میں اتنے سونے کو ٹھکرا دیا تھا۔ اور اب اتنے سے چاول قبول کر لیے! مولانا ترک بولے کہ اے خواجہ تم مکے کو دہلی پر قیاس نہ کرو۔ اور یہ بھی (سوچو کہ) اُس زمانے میں، میں جوان تھا۔ اب وہ طاقت اور تیزی کہاں رہی ہے۔ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور یہاں چند دانے بھی غنیمت ہیں!

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ یہ بزرگ ہانسی پہنچے اور وعظ فرمایا۔ میں نے شیخ الاسلام

1۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم کچھ بھی کر گزریں، محض مسلمان ہونے کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے۔

فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز سے سنا ہے کہ میں نے ان کا وعظ بہت سنا ہے جب وہ ہانسی پہنچے اور وعظ شروع کیا میں بھی ان کا وعظ سننے گیا اور میرے کپڑے میلے اور جھیر جھیر تھے۔ ہمارے درمیان کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں جیسے ہی مسجد میں آیا اور ان کی نظر مجھ پر پڑی پکار اٹھے کہ اے مسلمانو! سخن کا جوہری آ گیا ہے! اس کے بعد اس قدر تعریف کی کہ بادشاہوں کی بھی نہیں کی جاتی۔

اس کے بعد تعویذ لکھنے اور دینے کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے ایک دفعہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں عرض کی کہ مخلوق مجھ سے تعویذ مانگتی ہے۔ کیا حکم ہے؟ لکھ کر دے دیا کروں؟ شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ کام نہ تمہارے ہاتھ میں ہے نہ میرے ہاتھ میں! تعویذ خدا کا نام اور خدا کا کلام ہے۔ لکھو اور دو۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میرے دل میں بہت دفعہ خیال آتا کہ کسی اچھے فرصت کے وقت تعویذ لکھنے کی اجازت مانگوں، چنانچہ ایک دفعہ بدرالدین اسحٰق جو حضرت کے تعویذ لکھا کرتے تھے حاضر نہ تھے۔ اور لوگ تعویذ لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ مجھے اشارہ فرمایا گیا کہ تم لکھو! میں تعویذ لکھنے لگا اور مخلوق کا ہجوم ہو گیا۔ میرے لکھنے کا کام بھی بڑھ گیا اور مخلوق کی مزاحمت بھی بہت ہونے لگی۔ اس درمیان شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا پریشان ہو گئے؟ میں نے عرض کی کہ شیخ پر سب روشن ہے! اس کے بعد فرمایا کہ میں نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تعویذ لکھو اور دو! پھر فرمایا کہ بزرگوں کا ہاتھ سے چھوڑ دینا بھی اثر رکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باونویں مجلس 52

اسی سال ماہ رمضان کی گیارہویں تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کی دولت تک رسائی ہوئی۔ آنے والوں میں سے جو بھی آتا سلامی کے طور پر کوئی چیز لاتا۔ ایک شخص آیا اور کچھ نہ لایا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اسے کوئی چیز دی جائے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا ہے کہ میرے پاس جو بھی آتا ہے کوئی چیز لاتا ہے۔ اگر کوئی مسکین آئے اور کوئی چیز نہ لائے تو مجھے ضرور اس کو کوئی چیز

دینی چاہیے۔

اس موقع پر ارشاد ہوا کہ صحابہ جو حضرت رسالت کی جناب میں آتے تھے تو علم اور احکام شرع کی طلب میں آتے تھے اور جب وہاں سے واپس جاتے تھے تو دلائل ساتھ لے جاتے تھے۔ یعنی وہ حاصل شدہ فوائد سے دوسروں کی رہنمائی کرتے تھے۔ جدا ہوتے وقت وہ جب تک کوئی چیز کھا نہ لیتے واپس نہ جاتے۔ پھر فرمایا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبے میں فرمایا کہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ رسول علیہ السلام نے رات تک کوئی چیز اپنے پاس رکھی ہو۔ صبح سے لے کر قیلولے تک جو کچھ ہوتا عطا فرما دیتے اور قیلولے کے بعد جو کچھ ہوتا رات تک تقسیم فرما دیتے۔

اس درمیان بندے نے عرض کی کہ اسراف کیا ہے اور اسراف کی حد کیا ہے؟ (فرمایا) کہ جو چیز بغیر نیت کے دی جائے اور اللہ واسطے نہ دی جائے۔ وہ اسراف ہے اگر ایک دانگ بھی دیں گے تو اسراف ہوگا۔ اور جو کچھ رضائے حق کے لیے دیا جائے چاہے ساری دنیا دے ڈالی جائے (وہ) اسراف نہ ہوگا۔ اس موقع پر فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا خرچ بہت زیادہ تھا۔ ایک شخص نے یہ حدیث ان کے سامنے پڑھ کر سنائی کہ لاخیر فی الاسراف (اسراف میں خیر نہیں ہے) شیخ ابوسعید نے جواب دیا ''الاسراف فی الخیر'' (خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے!)

یہاں موضوع گفتگو ''ہمت'' ہو گیا۔ فرمایا کہ ''ہمتیں'' الگ الگ ہوتی ہیں۔ کوئی بزرگ تھے جن کا ایک لڑکا تھا اور ایک غلام۔ غلام میں بڑی صلاحیت تھی۔ بزرگ نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور پہلے بیٹے سے پوچھا کہ تمہاری ہمت (مراد) کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میری ہمت (مراد) ہے کہ میرے پاس گھوڑے ہوں اور بہت سے غلام ہوں۔ پھر غلام سے پوچھا کہ تمہاری ہمت کس بات کی ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میری ہمت یہ ہے کہ میرا جو بھی غلام ہو اس کو آزاد کر دوں، اور جو آزاد انسان ہیں انہیں احسان سے اپنا غلام بنا لوں، اس موقع پر فرمایا کہ ایک شخص تو یہ ہمت رکھتا ہے کہ دنیا طلب کرے اور ایک کی ہمت یہ ہوتی ہے کہ دنیا اس کے پاس نہ پھٹکے۔ ان دونوں قسموں میں سے بہتر ہمت یہ ہے کہ اگر ملے تو سبحان اللہ اور نہ ملے تو سبحان اللہ، دونوں حال میں مگن رہے۔ پھر فرمایا کہ جو آدمی یہ کہتا ہے کہ مجھے دنیا نہیں

چاہیے۔ اس کا یہ چاہنا بھی چاہنا ہی ہے۔ اللہ کی مرضی پر راضی رہنا چاہیے۔ اگر مل جائے تو خرچ کر دے اور نہ ملے تو صبر کر لے اور خوش رہے۔

اس درمیان بندے کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ صدقۂ فطر (عیدالفطر کے دن دیا جانے والا صدقہ) دیتے ہو؟ بندے نے سوال کے طور پر عرض کیا کہ کیا مجھ پر واجب ہے؟ فرمایا کہ اگر نصاب پورا ہو اور بنیادی ضروریات سے زیادہ ہو (تو دینا چاہیے) مگر لباس اور گھوڑا اور دوسری ضروریات حساب میں نہیں لگتیں۔ لیکن نقد موجود ہو تو دینا چاہیے۔ بندے نے عرض کی کہ اگر نقد رقم موجود نہ ہو تو؟ اس صورت میں کوئی حکم نہیں فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اس وقت تو میرے پاس بہت کچھ ہے۔ لیکن جس وقت میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا تو قرض لے کر میں (صدقۂ فطر) ادا کرتا تھا۔ جب یہ حدیث مجھ تک پہنچی کہ رمضان کے روزے صدقۂ فطر پر موقوف ہیں تو میں صدقۂ فطر دینے لگا۔ بندہ (حسن علا سجزی) نے سرِ نیاز جھکایا اور عرض کی میں بھی تیار ہوں۔ آئندہ صدقۂ فطر دیا کروں گا۔ ارشاد ہوا کہ اپنا صدقہ دو اور غلاموں اور چھوٹوں کی طرف سے بھی صدقہ دو!

چونکہ بندے کو ایک گزارش کرنی تھی۔ اسی مجلس میں اس کو پیش کر دیا۔ بات یہ تھی کہ بندہ دیو گیر (دولت آباد دکن) میں تھا۔ ملیح جو میرا پرانا خدمت گار ہے۔ اس نے پانچ تنکے میں ایک کم عمر کنیز خرید لی۔ جب لشکر شہر کی طرف واپس آنے لگا تو اس کنیز بچی کے ماں باپ کہیں سے نکل آئے اور بڑی عاجزی اور زاری اور بے چارگی کے ساتھ خدمت گار کے پاس دس تنکے لے کر آئے کہ یہ لے لو اور بچی کو ہمیں دے دو۔ بندے کا ان کی آہ وزاری پر کلیجہ کٹ گیا۔ دس تنکے ملیح کو اپنے پاس سے دیئے اور کہا کہ تو نے اسے پانچ تنکے میں خریدا تھا۔ دس تنکے میں میرے ہاتھ بیچ دے۔ اس نے بیچ دیا۔ میں نے خرید لیا۔ اس کے بعد ان کی لڑکی کو ان کے حوالے کر دیا اور جو تنکے وہ لائے تھے وہ بھی انہیں واپس کر دیئے۔ بندے نے یہ کام کیا تھا مخدوم کیا فرماتے ہیں؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا (بہت) اچھا کیا! اس وقت بندے نے عرض کی کہ بندے نے اس کنیز بچی کو جو انہیں واپس کیا تو یہ کام مولانا علاء الدین اصولیؒ کی سنت کی پیروی میں کیا۔ جن کا واقعہ میں نے مخدوم ہی سے سنا تھا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوا تھا کہ ان کی ایک بوڑھی لونڈی تھی جس کو

بدایوں میں نیا نیا خرید اتھا۔ ایک روز صبح کو مولانا بیدار ہوئے تو وہ لونڈی چکی میں آٹا پیستی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ مولانا نے پوچھا کہ کیوں روتی ہے؟ بولی کہ میں اپنا ایک چھوٹا لڑکا کاٹھیر کے علاقے میں چھوڑ آئی ہوں۔ اس کی جدائی میں روتی ہوں۔ مولانا نے کہا کہ اگر میں تجھے نماز گاہ (غالباً مراد عیدگاہ ہے) تک لے جاؤں تو وہاں سے اپنے گھر کا راستہ جانتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں وہاں سے اپنے گھر کا راستہ جانتی ہوں۔ مولانا علاء الدین نے اسے چند روٹیاں دیں اور کاٹھیر کے راستے پر لے جا کر چھوڑ دیا۔ جب یہ حکایت پوری فرما دی تو ایک مولوی صاحب حاضر تھے وہ بولے کہ جب رسول علیہ السلام نے حاتم طائی کی لڑکی کو قید کیا تو اس لڑکی نے اپنے باپ کی تعریفیں اور خوبیاں بیان کیں۔ رسول علیہ السلام نے جب اس کے باپ کے اوصاف سنے تو اس کو آزاد کر دیا۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ بندہ جو بھی طاعت کرتا ہے۔ چاہے مالی ہو یا بدنی یا اخلاقِ پاکیزہ میں سے کوئی خلق ہو تو اس میں سے اگر ایک چیز بھی قبول ہو جائے تو بندے کے سارے کام اس کی پناہ میں بن جاتے ہیں۔ اس موقع پر فرمایا کہ سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں۔ نہ معلوم کس کنجی سے کھل جائے۔ پس کوشش ہر کنجی سے کرنی چاہیے کہ اگر ایک کنجی سے نہ کھلے تو دوسری کنجی سے کھل جائے اور اگر اس سے بھی نہ کھلے تو کسی اور سے کھل جائے۔

53
ترپنویں مجلس

اسی سال ماہِ رمضان کی تیئیسویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ چومنے کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ احتیاطِ وضو کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ احتیاط اس قدر ضروری ہے کہ (طہارت) کرنے والے کا دل مطمئن ہو جائے[1]۔ بعض لوگ چند قدم گن کر چلتے ہیں۔ بعض قینچی بناتے ہیں۔ یہ سب فضول بات ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ مولانا علاء الدین اصولی کا ارشاد ہے کہ یہ بات جگہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ وقت سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی یہ جو لوگ گن کر قدم چلتے ہیں یہ معتبر نہیں۔ اعتبار کی

1- جس احتیاط کا ذکر ہے۔ یہ غالباً دوران وضو یا وضو کے بعد کی احتیاط نہیں ہے۔ بلکہ وضو سے پہلے طہارت کی احتیاط ہے کہ بعض لوگ استنجے کے بعد چند قدم چلنا وغیرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ (مترجم)

چیز یہ ہے کہ جس وقت بھی آدمی کا دل مطمئن ہو جائے، کافی سمجھے۔

پھر یہ ذکر آیا کہ اگر کسی کو پیشاب کے قطرے آنے کی شکایت ہو یا ہمیشہ نکسیر پھوٹتی ہو یا اسی قسم کی کوئی اور شکایت ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ ایک عورت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اپنا حال عرض کیا کہ اس عاجزہ کو ہمیشہ خون جاری رہتا ہے۔ میں کیا تدبیر کروں؟ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرو۔ پھر چاہے چٹائی پر خون بہہ نکلے۔

اس کے بعد نماز پر اور نماز میں ہونے والی حضوری پر گفتگو ہونے لگی۔ بندے (حسن علا سجزی) نے عرض کی کہ سنا ہے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز اکثر جس جگہ تشریف فرما ہوتے نماز کے علاوہ بھی بار بار سجدہ کرتے۔ فرمایا۔ ہاں۔ اس موقع پر ارشاد کیا کہ ایک دفعہ شیخ حجرے میں تھے۔ دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ میں نے کسی طرح دیکھا تو نظر آیا کہ بار بار کھڑے ہوتے ہیں اور سجدے میں چلے جاتے ہیں اور یہ مصرع پڑھتے ہیں:

از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

(میں تیرے ہی لیے مروں اور تیرے ہی لیے جیوں)

اس وقت ان کے انتقال کی حکایت آئی کہ محرم کے مہینے کی پانچویں کو ان کی بیماری کا غلبہ ہوا۔ عشاء کی نماز جماعت سے ادا فرمائی۔ اس کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے لیے پھر ہوش میں آئے۔ دریافت فرمایا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں! ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ اور مکرر پڑھ لوں۔ کون جانتا ہے کہ کیا ہو؟ جب دوسری دفعہ نماز ادا کر لی تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس دفعہ بے ہوشی بہت رہی۔ پھر ہوش میں آئے۔ پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دو بار پڑھی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں کون جانے پھر کیا ہو؟ چنانچہ تیسری دفعہ (بھی) پڑھی۔ اس کے بعد رحمت حق سے پیوست ہو گئے۔ قدس اللہ سرہٗ العزیز۔

54
چونویں مجلس

اسی سال ذی قعدہ کے مہینے کی تیرہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ پیشہ

ور لوگوں اور نوکری کرنے والوں کا ذکر نکلا۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ پیشوں کو حاصل کرنے اور نوکری سے تعلق رکھنے میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آخر میں سلامتی رہے۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ گذشتہ ایام میں حمید نامی ایک شخص تھے۔ وہ شروع زمانے میں دہلی میں تغرل کے نوکر تھے جو آخر میں لکھنوتی کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ القصہ یہ حمید اس تغرل کے نوکر تھے اور ہمیشہ اس کی خدمت میں رہتے تھے۔ چنانچہ ایک روز اس کے سامنے کھڑے تھے کہ ایک شکل نظر آئی۔ جو کہتی تھی اے حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے۔ یہ کہا اور غائب ہوگئی۔ خواجہ حمید حیران رہ گئے کہ کیا تھا؟ پھر ایک دفعہ اور اس کے سامنے کھڑے تھے کہ وہی صورت نظر آئی جو کہتی تھی کہ اے حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے؟ حمید بڑے حیران ہوئے۔ یہاں تک کہ تیسری بار پھر اسی صورت کو دیکھا کہ وہی بات کہتی ہے کہ اے خواجہ حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے۔ اب کے حمید بولے کہ کیوں نہ کھڑا ہوں میں اس کا نوکر ہوں اور یہ میرا آقا ہے۔ مجھے تنخواہ دیتا ہے۔ میں کھڑا کیسے نہ رہوں۔ یہ صورت بولی کہ تو عالم ہے اور یہ جاہل۔ تو آزاد ہے اور یہ غلام۔ تو نیک ہے اور یہ بدکار۔ یہ کہا اور غائب ہوگئی۔ جب حمید نے یہ بات دیکھی تو اپنے آقا کے پاس گئے اور کہا کہ اگر میرے ذمے کچھ حساب ہو یا لینا دینا ہوں تو اس کو چکا لیجیے کیونکہ میں آپ کی نوکری نہیں کرنا چاہتا۔ مالک نے کہا کہ تم یہ کیا باتیں کر رہے ہو۔ شاید دماغ چل گیا ہے؟ خواجہ حمید بولے نہیں میں آپ کے پاس نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے اس سے روکا جا رہا ہے۔ جب خواجہ ذکرالله بالخیر یہاں تک پہنچے تو بندے نے عرض داشت کی کہ وہ صورت شاید مردانِ غیب میں سے کسی کی رہی ہو؟ فرمایا کہ نہیں جس وقت آدمی کا باطن کدورتوں سے صاف ہو جاتا ہے تو ایسی چیزیں بہت دیکھتا ہے۔ ایسے اوصاف ہر آدمی میں بہت ہوتے ہیں۔ لیکن آدمی کے بُرے فعلوں کی وجہ سے (اس پر ظاہر نہیں ہوتے) چھپے رہتے ہیں۔ جب باطن کی پوری صفائی ہو جاتی ہے تو اس طرح کی بہت چیزیں دیکھتا ہے۔ اس وقت یہ شعر زبانِ مبارک پر آیا۔

آں نافہء کہ جستی ہم باتو در گلیم است
تو از سیہ گلیمی بوئے ازاں نداری

(تو جس مشک نافے کا متلاشی ہے۔ وہ خود تیری کملی میں موجود ہے

لیکن تجھے اپنی کالی کملی کی وجہ سے اس کی خوشبو نہیں آتی)

اس کے بعد خواجہ حمید کی حکایت پھر بیان فرمانے لگے کہ جب وہ اُس سردار کی نوکری سے نکلے تو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے ۔ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ اہل آدمی تھے اور کبھی کبھی وعظ بھی کہتے تھے۔ اور درویشی اور طاعت میں ان کے احوال کو استقامت حاصل ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان کو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے حکم دیا کہ تم اندرپت جا کر رہو۔ کیونکہ تم اب ستارے کی طرح ہو گئے ہو اور ستارہ چاند کے سامنے روشنی نہیں دیتا۔ تم اندرپت جا کر رہو۔ خواجہ حمید نے یہ فرمان سنا تو اسی وقت تیار ہو گئے۔ شاید اس رات سات مریدوں نے حج کا ارادہ کیا تھا۔ یہ حمید آئے اور قدموں میں بیٹھ گئے اور شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میں قدموں میں آ گیا ہوں، ایک حکم عدولی کر رہا ہوں۔ مخدوم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اندرپت میں جا کر رہو۔ میں نے اندرپت اور کیلوکھری کو بہت دیکھا ہے۔ میرے پیر بھائی حج کو جا رہے ہیں۔ مخدوم مجھے اجازت عطا کریں کہ ان کے ساتھ ہی حج کو چلا جاؤں۔ شیخ نے فرمایا کہ جاؤ۔ القصہ ان لوگوں کے ساتھ حج کو گئے اور یہ دولت حاصل کی جب واپس ہوئے تو راستے ہی میں رحمتِ حق سے جا ملے۔

اس روز ایک جوان نے بیعت کی تجدید کی تھی۔ شاید اس کو اسی زمانے میں کسی طرف سے ایذا پہنچی تھی۔ اس کے بارے میں شعر ارشاد فرمایا:

ای بسا شیر کاں ترا آہوست
اے بسا درد کاں تُرا داروست

(بہت سے شیر ہیں۔ جو تیرے لیے ہرن ہیں اور بہت سے درد ہیں جو تیرے لیے دوا ہیں)

55
پچپنویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی اکیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ توبہ قائم رہنے اور بیعت کی استقامت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ جو شخص کسی پیر کا ہاتھ پکڑتا ہے اور بیعت کرتا ہے تو یہ خدا سے عہد ہوتا ہے۔ اور چاہیے کہ اس پر ثابت قدم رہے اور اگر اس کو اس

سے پریشانی ہوتی ہے تو پھر جیسا ہے ویسا ہی رہے۔ کسی کا ہاتھ کاہے کے لیے پکڑتا ہے؟

اس وقت فرمایا کہ جب میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی بارگاہ سے وابستہ ہوا اور بیعت کرلی تو واپسی کے وقت راستے میں پیاس نے غلبہ کیا۔ لو چل رہی تھی اور پانی دور تھا۔ اس دوران ایک سڑک پر پہنچا تو ایک علوی کو دیکھا جنھیں میں پہچانتا تھا۔ ان کو سید عماد کہتے تھے، خوش باش آدمی تھے۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو ان سے کہا کہ کہیں پانی بھی ہے؟ میں بہت پیاسا ہوں۔ ایک چھاگل ان کے سامنے رکھی تھی۔ بولے خوب آئے۔ یہ چھاگل کھولیے اور پی جائیے۔ اس چھاگل میں شراب یا بھنگ تھی اور مجھے پتہ چل گیا تھا۔ میں نے کہا کہ میں اس کو ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس علوی نے کہا کہ یہاں قریب میں کہیں بھی پانی نہیں ہے۔ میں نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے اس کو ساتھ رکھ لیا ہے اور آگے بھی دور دور پانی نہیں ہے۔ اگر آپ اس کو نہیں پئیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ اے خواجہ یہی ہوگا نا کہ میں مر جاؤں گا۔ جو ہونا ہے ہو جائے۔ میں نے تو شیخ کا ہاتھ تھام لیا ہے۔ اور عہد کرلیا ہے کہ میں اس کو ہرگز نہیں پیوں گا! یہ کہا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ پانی مل گیا۔ الحمدللہ۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ حمید سوالی شیخ معین الدین کے مرید اور شیخ قطب الدینؒ کے ہم خرقہ تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جب وہ تائب ہو گئے اور انہیں خرقہ مل گیا تو ان کے پرانے ساتھی سنگی ان کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ پھر وہی ذوق حاصل کریں۔ خواجہ حمید بولے کہ اب تو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ان لوگوں نے اصرار کیا۔ خواجہ نے جواب دیا کہ اب یہ بات ہرگز نہیں ہوگی۔ انھوں نے پھر اصرار کیا۔ خواجہ حمید بولے کہ جاؤ گھر بیٹھو کیونکہ میں نے اپنا ازار بند ایسی مضبوطی سے باندھا ہے کہ کل قیامت کے دن بہشت کی حوروں پر بھی نہیں کھولوں گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

56
چھپنویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ ہفتے کو دست بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ بندے نے عرضداشت کی کہ اسی مہینے کی تیرہویں تاریخ کو روزہ چھوڑنا ہوگا۔ ایامِ تشریق کی

وجہ سے (پھر) ایام بیض[1] کے روزے کا کیا رہے گا؟ فرمایا کہ سولہویں تک روزہ رکھ لینا چاہیے۔ اس موقعے پر فرمایا کہ امام شافعی نے مسلسل چودھویں پندرہویں اور سولہویں ہی کو ایام بیض قرار دے کر روزے کے لیے فرمایا ہے کہ (روزے) رکھنے چاہئیں۔ انھی کو ایام بیض سمجھا ہے۔ لیکن اس مہینے (بقرعید) میں تو سب کا اتفاق ہے کہ سولہ تک روزے رکھنے چاہئیں۔

اسی درمیان کھانا سامنے لایا گیا۔ چاول بھی تھے۔ بندے نے عرضداشت کی کہ کیا ''الارزمنی'' (چاول میری طرف سے) حدیث ہے؟ فرمایا کہ ہاں۔ ہوا یہ تھا کہ ایک دفعہ صحابہؓ نے کھانا تیار کیا۔ ہر شخص نے کوئی چیز اپنے ذمّے لی۔ ایک نے کہا گوشت میری طرف سے۔ دوسرے نے کہا مصالحہ میری جانب سے، ہر شخص نے اسی طرح کہا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ الارزمنی۔ چاول میری طرف سے۔

57
ستاونویں مجلس

اسی سال ماہِ ذی الحجہ کی بیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ کھانا لایا گیا تھا۔ جب کھایا جا چکا تو طشت اور آفتابہ لائے۔ اس وقت حضرت مسکرائے اور ارشاد کیا کہ عرب میں طشت اور آفتابے کو جسے کھانے کے بعد لاتے ہیں۔ ابوالیاس (ناامیدی کا باپ) کہتے ہیں یعنی ناامیدی کا سامان! کیوں کہ اس کے بعد کوئی کھانے کی چیز نہیں لائی جاتی۔ اس وقت لطیفے کے طور پر فرمایا کہ ہندوستان میں پان گویا ابوالیاس ہے۔ کیوں کہ اس کے بعد کوئی کھانا نہیں لایا جاتا۔ پھر ارشاد ہوا کہ عرب میں پان نہیں ہوتا۔ اسی لیے آخر میں لائے جانے والے طشت و آفتابہ ابوالیاس کہلاتے ہیں۔ اس موقع پر (یہ بھی) فرمایا کہ وہاں اس (طشت و آفتابے) کو ابوالیاس کہتے ہیں اور نمک کو ابوالفتح! (کھولنے والی، شروع کرنے والی چیز)

58
اٹھاونویں مجلس

ماہِ ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کے شرف تک رسائی ہوئی۔ کھانے کا

1- ہر مہینے کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخیں ایام بیض کہلاتی ہیں اور ان تینوں دن روزہ رکھا جاتا ہے۔ بقرعید کے تین دن روزہ نہیں رکھا جاتا۔ اس لیے ایام بیض کے پہلے دن یعنی تیرہویں کا روزہ بقرعید میں چھوڑنا پڑتا ہے (مترجم)

ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے کہ جو کھانا کھائیں متقی (پرہیزگار) کے ہاں کا کھائیں اور کسی کو کھانا دیں تو وہ بھی متقی ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ جس طرح بھی ہو یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ کھانا متقی کا کھائیں۔ لیکن صرف متقی ہی کو کھلانا مشکل کام ہے کیوں کہ دسیوں آدمی مہمان آتے ہیں۔ اب کسی کو کیا خبر کہ ان میں متقی کون ہے؟ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک اور حدیث مشارق میں مجھے ملی ہے اور اس سے بہت گنجائش نکالی جاسکتی ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ کھانا دو چاہے کوئی بھی ہو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ اور سلام کرو جو بھی سامنے آئے۔ چاہے اس سے شناسائی ہو یا نہ ہو۔

اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک صاحب تھے ہمیشہ روزے سے رہتے۔ شام (مغرب) کی نماز ہوتے ہی اپنے گھر کی دہلیز پر آ کر بیٹھ جاتے اور غلام دروازے کے سامنے کھڑے رہتے۔ آنے جانے والوں میں سے جو بھی گزرتا اس کو اندر بلا کر افطار کراتے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلام کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ کسی مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ کوئی مشرک ان کا مہمان بنا۔ حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ یہ غیر ہے تو اس کو کھانا نہیں کھلایا۔ فرمان (وحی) پہنچا کہ اے ابراہیم! ہم اس کو جان عطا کر سکتے ہیں اور تم روٹی نہیں دے سکتے!

پھر حکایت بیان فرمائی کہ اس سے پہلے جب میں شہر میں تھا۔ ایک دفعہ کچھ صوفی شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تشریف لائے۔ انہی میں سعید قریشی اور علی کھوکھری اور دوسرے طالب علم بھی تھے۔ اچھی مجلس تھی۔ کھانا سامنے لگایا گیا۔ سب رغبت سے شریک ہوئے۔ ایک شخص میرا پڑوسی تھا جسے شرف پیادا کہتے تھے۔ وہ بھی آ گیا اور کھانے میں شریک ہو گیا اور یہ شرف پیادا مجعد تھا (اس کے سر پر بال تھے) جب وہ آ کر کھانا کھانے لگا تو سعید قریشی اور چند دوسرے آدمیوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور ان کو اس کے ساتھ کھانا ناگوار گزرا۔ سعید قریشی تو مجلس سے باہر چلے گئے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں حیران رہ گیا کہ آخر ان کو ہوا کیا جو کھانا چھوڑ دیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس تفرقے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ جو شخص ہمارے ساتھ کھانا کھانے لگا وہ مجعد (بالوں والا)

ہے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ مجھے ہنسی آ گئی کہ یہ کہاں آیا ہے کہ مجعد (بالوں والے) کے ساتھ کھانا نہ کھائیں اور یہ کس درجے کی خود پسندی ہے؟ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ میں نے سعید قریشی کو آخر زمانے میں دیکھا ہے اور ہم بہت ساتھ رہے ہیں۔ جس حال میں میں نے انہیں دیکھا وہ اس حال جیسا نہیں رہا تھا۔ فرمایا کہ ہاں اس انتہا پسندی کی نحوست کی وجہ سے ہی وہ ایسی چیزوں میں مبتلا ہوئے۔

پھر معراج کا ذکر نکلا۔ ایک عزیز حاضر تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ معراج کی کیا نوعیت تھی؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ مکے سے بیت المقدس، اسراء تھا اور بیت المقدس سے پہلے آسمان تک معراج تھی اور پہلے آسمان سے قاب قوسین کے مقام تک اعراج! ان عزیز نے دوبارہ اپنے سوال میں اضافہ کر کے پوچھا کہ کہتے ہیں کہ جسم کو بھی معراج ہوئی اور روح کو بھی ہر ایک کو (الگ) کس طرح ہو سکتی ہے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہ مصرع زبانِ مبارک پر لائے:

فظن خیرًا ولا تسئل عن الخبرِ

یعنی اچھا گمان رکھو اور تحقیق حال میں مت لگو۔ اس موقع پر فرمایا کہ اس پر بھی ایمان رکھنا چاہیے اور زیادہ تحقیق و تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے۔ پھر ان دونوں شعروں کو پورا پڑھا اور فرمایا کہ کسی کا محبوب رات کو آ گیا تھا۔ اس نے اس کا حال نظم کیا ہے:

جاءنی فی قمیص اللیل مُستتبراً
یقارب الخطوء من خوف و من حذر
فکان ما کان مما لست اذکرہٗ
فظن خیراً ولا تسئل عن الخبر

رات کے (اندھیرے) لباس میں چھپا ہوا۔ خوف و اندیشے سے دبے پاؤں ■ میرے پاس آیا۔ پھر ہوا، جو کچھ ہوا۔ میں اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ گمان اچھا رکھو اور کیفیات مت پوچھ!

59
انسٹھویں مجلس

سنہ سات سو انیس (ہجری) محرم کی اٹھارہویں تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ اس روز بدایوں کے سفر سے واپسی ہوئی تھی۔ اس شہر کے اطراف آرام فرما

بزرگوں کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ اس دفعہ لشکر میں جو راحت دیکھی وہ ان بزرگوں کی زیارت میسر آنے ہی سے تھی۔ جیسے کہ مخدوم کے والد بزرگوار اور مولانا علاء الدین اصولی اور مولانا سراج الدین ترمذی اور خواجہ شاہی موئے تاب اور خواجہ عزیز کرکی اور خواجہ عزیز کوتوال اور خواجہ شادی لکھنوتی اور قاضی جمال ملتانیؒ۔ بندے نے ان بزرگوں کے نام سُنائے۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ہر ایک کا نام بڑے احترام سے لیا۔ جب قاضی جمال ملتانیؒ کا ذکر فرمایا تو ارشاد ہوا کہ ان بزرگ نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بدایوں کے قریب ایک مقام پر تشریف فرما ہیں اور وضو کر رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو فوراً اس مقام پر پہنچے اور زمین کوتر (گیلا) دیکھا۔ بولے میری قبر اسی جگہ کھودی جائے! جب ان کی وفات ہوئی تو یہی کیا گیا کہ اسی مقام پر انھیں دفن کیا۔

60
ساٹھویں مجلس

اسی سال ماہِ محرم کی چھبیسویں تاریخ کو دست بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ روزے کی فضیلت اور اس حدیث کا ذکر نکلا کہ: **بصائم فرحتان فرحة عندالافطار و فرحة عند لقا الملک الجبار** ۔روزہ رکھنے والے کے لیے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت افطار کے وقت کی اور دوسری فرحت (اللہ ملک الجبار سے ملاقات کے وقت کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ افطار کے وقت روزے دار کی یہ فرحت کھانے پینے کی فرحت نہیں ہے۔ بلکہ روزہ پورا ہونے کی فرحت ہے۔ یعنی جب روزہ پورا ہو جاتا ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے کہ الحمد للہ مجھ سے یہ چیز پوری ہوئی اور میں دیدار (خداوندی) کی نعمت کا امیدوار بنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر طاعت کی ایک جزاء (بدلہ) مقرر ہے۔ چوں کہ روزے کی جزاء دیدار (الٰہی) کی نعمت ہے۔ اس لیے روزہ پورا ہونے پر روزہ دار اس نعمت کی امید سے خوش ہوتا ہے۔ اس درمیان حدیث کا ذکر آیا کہ: **الصوم لی وانا اجزی بہ**[1] (روزہ میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں) حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ خدیث اس طرح بھی سنی گئی ہے کہ الصائم لی۔ (روزے دار میرے لیے ہے) خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور کہا پھر تو: انا اجزی لہٗ (میں

1- یہ خدیث شریف بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہوئی ہے۔

ہی اس کا بدلہ ہوں) کہنا چاہیے! اس کے بعد ان صاحب کی بات کی اصلاح فرمائی کہ اجزی (بہ) کی رب ل کے معنی میں آئی ہے۔

روزے کی مناسبت سے صبر کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ صبر قید کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ: **اصبرو الصابر واقتلوا لقاتل** ۔ پکڑنے والے کو قید کرو اور قاتل کو قتل کرو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس حدیث کی شانِ (نزول) ہے۔ ہوا یہ تھا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں کوئی شخص تلوار کھینچے کسی شخص کا پیچھا کر رہا تھا اور وہ شخص تلوار کشیدہ آدمی کے سامنے سے بھاگ رہا تھا۔ ایک شخص بڑھا اور اس نے بھاگنے والے کو پکڑ کر کھڑا کر لیا اور تلوار والے آدمی نے آکر بھاگنے والے کو قتل کر دیا۔ یہ خبر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچائی گئی۔ حکم ہوا کہ جس شخص نے بھاگنے والے کو پکڑ کر روکا تھا۔ اس کو قید کرو اور قاتل کو قتل کر دو اس حکم کو اس عبارت میں ادا فرمایا کہ: **اصبرو الصابر واقتلوا لقاتل** ۔ روکنے والے کو قید کر دو اور قاتل کو قتل کرو۔

پھر یہ ذکر آیا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت جگہ وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا وہ کل بہشت میں میرے ساتھ ایک جگہ ہوگا اور اس حدیث کو بیان کرتے وقت دونوں انگلیوں (یعنی) انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا کہ ایسے! خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ اشارہ اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ میں اور وہ ایک جگہ ہوں گے جس طرح کہ یہ دو انگلیاں یکجا ہیں۔ یہ اشارہ درجے کے بارے میں ہے یعنی اسی طرح جو درجہ میرے لیے ہوگا اسی طرح کا درجہ اس کو دیا جائے گا۔ کیوں کہ لوگوں کی انگلیوں میں تو درمیان کی انگلی شہادت کی انگلی سے بلند ہوتی ہے۔ لیکن رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگشت شہادت اور درمیان کی انگلی دونوں برابر تھیں!

61 اکسٹھویں مجلس

اسی سال ماہِ صفر (اللہ اسے ساتھ خیر اور کامیابی سے اختتام تک پہنچائے) کی تیرہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت تک رسائی ہوئی۔ بے گناہی اور توبہ کا ذکر نکلا کہ پیر ہریؒ (حضرت عبداللہ انصاریؒ) نے فرمایا ہے کہ بخشش کی دو چیزیں ہیں اور یہ کم حاصل ہوتی ہیں کہ

یا تو شروع میں گناہ سے محفوظ رہے یا آخر میں توبہ نصیب ہو!

یہاں سے توبہ اور تقویٰ کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ متقی وہ ہوتا ہے کہ کسی بھی آلودگی سے آلودہ نہ ہوا ہو اور تائب وہ ہوتا ہے کہ آلودہ ہوا ہو اور پھر توبہ کرے۔ اس بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ متقی اور تائب دونوں برابر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تائب متقی سے بہتر ہے کیوں کہ وہ گناہ کا مزہ چکھ کر تائب ہوتا ہے۔ جو مزہ چکھ چکا ہو اور پھر پلٹ آئے وہ اس سے مضبوط ہوگا جس نے گناہ کا مزہ بالکل ہی نہیں چکھا اور بعض نے کہا ہے کہ متقی توبہ کرنے والے سے افضل ہے۔ اس قول کی صحت کے بارے میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ دو آدمیوں میں بحث ہوگئی۔ ایک کہتا تھا کہ تائب سے متقی بہتر ہوتا ہے دوسرا کہتا تھا کہ متقی سے تائب بہتر ہوتا ہے۔ جب یہ گفتگو ان کے درمیان بڑھی تو دونوں اس زمانے کے پیغمبر کے پاس پہنچے اور اس بارے میں فیصلہ چاہا۔ پیغمبر وقت نے کہا کہ میں خود فیصلہ نہیں دے سکتا۔ وحی کا انتظار کرتا ہوں۔ دیکھو کیا حکم آتا ہے۔ اس دوران ان پیغمبر کے پاس حکم آیا کہ ان دونوں کو واپس کر دو اور کہو کہ تم دونوں جاؤ اور آج رات کو ایک جگہ رہو۔ کل جب گھر سے باہر نکلو تو جو شخص سب سے پہلے تمہارے سامنے پڑے۔ اس سے مسئلے کا حل دریافت کرو۔ یہ دونوں آدمی اس فرمان کے مطابق واپس چلے گئے۔ دوسرے روز دونوں گھر سے باہر نکلے تو ایک آدمی سامنے آیا۔ انھوں نے پوچھا کہ اے خواجہ! ہم کو ایک مشکل درپیش ہے۔ آپ حل کر دیں۔ وہ بولا کہ کیا مشکل درپیش ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ جس شخص نے کبھی گناہ نہ کیا ہو، وہ بہتر ہے یا وہ جس نے گناہ کیا اور توبہ کر لی؟ اس آدمی نے کہا کہ اے خواجگان! میں تو ایک جولاہا ہوں میں نے علم حاصل نہیں کیا ہے میں اس مشکل کو کیسے حل کروں۔ البتہ اس قدر میں جانتا ہوں کہ جو کپڑا بنتا ہوں (اس میں) اکثر تار ٹوٹ بھی جاتا ہے میں اس کو جوڑ دیتا ہوں۔ اور یہ بے ٹوٹے تار کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں واپس آئے اور ان پیغمبر کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا سنایا۔ پیغمبر بولے کہ تمہارا جواب یہی تھا۔

پھر دنیا کی اور اس پر خلق کے مغرور ہو جانے کی حکایت آئی۔ اس بارے میں قصہ سنایا کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک عورت کو دیکھا۔ بڑھیا، بدحال، کالی، بدصورت۔ اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ بولی کہ میں دنیا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ

(تو نے) کتنے شوہر کیے؟ بولی بے حد و بے اندازہ۔ اگر کچھ گنتی اور حد ہو تو بتاؤں بھی! اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ان شوہروں میں سے کسی نے تجھے طلاق بھی دی! کہنے لگی نہیں۔ سب کو میں نے ہی مار ڈالا۔ اس بات کی مناسبت سے فرمایا کہ درویشی مکمل راحت بھی ہے اور ساری آفتوں سے محفوظ بھی۔ درویش کے کام کی زیادہ سے زیادہ سختی یہ ہے کہ کسی رات اسے افاقہ ہو اور جس رات اسے افاقہ ہوتا ہے اس کے لیے ایک معراج ہوتی ہے۔

پھر مالداروں لوگوں اور مال سے ان کی محبت پر گفتگو ہونے لگی۔ اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی شخص شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا اور ایک پیر کا حال بیان کیا جو اس زمانے میں تھے۔ اور جن کے پاس بڑا مال تھا۔ کہنے لگا ان شیخ کے پاس بہت مال ہے۔ لیکن فرماتے ہیں کہ مجھے مال کو خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہٗ نے جب یہ بات سنی تو مسکرا کر فرمایا کہ یہ سب بہانے ہیں! پھر فرمایا کہ اگر یہ شیخ مجھے خرچ کا وکیل بنا دیں تو میں دو تین روز میں ان کا سارا خزانہ خالی کر دوں اور ایک درہم بھی ان کی اجازت کے بغیر نہ دوں!

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ دینے والا خدا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو دیتا ہے تو روک کون سکتا ہے۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ سلطان شمس الدین نے بدایوں میں دو دروازوں کے ساتھ (کھیل کا) ایک میدان تیار کرایا تھا۔ وہاں گیند (چوگان) کھیلتا تھا۔ ایک روز میدان میں گیند کھیل رہا تھا۔ ایک دروازے کے قریب پہنچا تو وہاں ایک کمر جھکے بوڑھے کو دیکھا۔ اس بوڑھے نے کچھ مانگا اور سلطان نے کچھ نہ دیا۔ اس کے بعد دوسرے دروازے پر پہنچا۔ وہاں ایک تندرست و توانا جوان کو دیکھا۔ سلطان شمس الدین کے پاس ایک تھیلی تھی۔ اس کو پلٹ کر کچھ سونے کی اشرفیاں نکالیں اور اس جوان کو دے دیں اور کہا کہ اس بوڑھے نے مجھ سے کچھ مانگا تھا۔ میں نے (کچھ) نہیں دیا اور اس جوان کو بے مانگے عطا کر دیا۔ اگر مرضی میری چلتی تو اس بوڑھے کو دیتا۔ بس جس کو عطاء کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ میں کیا کروں۔

ایک دوسری حکایت اسی سلطان شمس الدین کی بیان فرمائی کہ وہ ایک دفعہ بدایوں میں آیا۔ اس کو چند آم پیش کیے گئے۔ وہاں آم بہت میٹھے ہوتے ہیں۔ جب اس نے کھائے تو پوچھا کہ انہیں کیا کہتے ہیں۔ بتایا گیا کہ انہیں "آنب" کہتے ہیں۔ شاید ترکی زبان میں آنب

کسی بری چیز کو کہتے ہیں۔ سلطان نے کہا کہ اس کو نغزک کہنا چاہیے۔ جب یہ نام اس کی زبان پر آیا تو پھر یہی نام پڑ گیا۔ اس کے بعد اسی کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحد کرمانی رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا اور ان میں سے کسی ایک نے اس سے کہا تھا کہ تو بادشاہ ہو جائے گا۔

پھر ترک دنیا کی گفتگو نکلی۔ فرمایا کہ کیتھل میں ایک بوڑھے (شخص) تھے۔ ان کو شیخ صوفی بدھنی کہتے تھے۔ وہ بڑے تارک (دنیا) تھے۔ یہاں تک ستر عورت بھی نہ تھا (ناف سے گھٹنوں تک بدن ڈھکنا ستر عورت کہلاتا ہے اور مرد کے لیے شرعاً ضروری ہے) پھر فرمایا اگر کوئی بھوک مٹانے کے لیے اتنے کھانے کو بھی چھوڑ دے جس سے جسم و جان کا رشتہ قائم رہتا ہے تو ہلاک ہو جائے گا اور سزا پائے گا۔ اور اتنے کپڑے کو جس سے ننگا پن چھپ جائے چھوڑے گا تو اس کی سزا بھی پائے گا۔ مگر وہ ایسے تھے کہ ان چیزوں سے بھی دور رہتے!

ترک دنیا کی مناسبت سے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی حکایت بیان فرمائی کہ جو بھی زر و نعمت ان کے پاس آتا وہ اس سب کو خرچ کر دیتے۔ یہاں تک کہ ان کے انتقال کے وقت تجہیز و تکفین کے سامان سے بھی معذوری تھی۔ چنانچہ کچی اینٹیں جو لحد کے لیے چاہیے ہوتی ہیں وہ بھی نہ تھیں۔ کچی اینٹوں سے جو دروازہ بنایا گیا تھا اس دروازے کو گرا دیا گیا تاکہ اس کی اینٹیں لحد میں استعمال ہوں۔

62
باسٹھویں مجلس

اسی سال ربیع الاول کی اٹھائیسویں تاریخ اتوار کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔ ان بادشاہوں کا قصہ نکلا جن کو شعر سننے کا شوق تھا۔ ارشاد فرمایا کہ سلطان شمس الدین نے ایک دفعہ باریابی عطا کی اور ناصری شاعر نے کلام سنایا ان اشعار کا مطلع یہ تھا:

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ
تیغ تو مال و پیل ز کفار خواستہ

(تیری یورش سے فتنہ پناہ مانگتا ہے اور تیری تلوار کفار سے ہاتھی اور مال (کا خراج) مانگتی ہے)

سلطان یہ شعر سننے کے دوران کسی اور چیز میں مشغول ہو گیا اور اس درمیان ناصری نے چند شعر پڑھ ڈالے، سلطان دوبارہ متوجہ ہوا اور ناصری سے کہا:

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ

تیغ تو مال و پیل ز کفار خواستہ

یہاں سے دوبارہ پڑھو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی یادداشت اتنی اچھی تھی کہ دوسری مشغولیت کے باوجود اس کو اشعار کا مطلع یاد رہا۔ اس کے بعد اس کے اچھے عقیدے کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ وہ راتوں کو جاگتا اور جب بھی نیند سے ہوشیار ہوتا، وضو کرتا اور دو رکعت نماز پڑھتا اور پھر سو جاتا، کسی اور کو نہ جگاتا۔

63
تریسٹھویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی سولہویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ روزے اور سحری کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک شخص نے جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ایک شخص روزہ نہیں رکھتا اور سحری کھاتا ہے تو یہ کیسا ہے! شیخ جلال الدین نے فرمایا کہ سحری بھی کھائے اور رات کا کھانا بھی کھائے اور دوپہر کا کھانا بھی کھائے۔ البتہ جو قوت اس سے حاصل ہو اس کو خدائے تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کرے اور گناہ نہ کرے[1]۔ بندے نے اس مفہوم کے مناسب حال یہ آیت یاد دلائی کہ: کُلُو مِن الطیبات۔ پاک چیزیں کھاؤ۔ اور نیک عمل کرو۔ ان پاک چیزوں کے بارے میں بندے نے عرض کی کہ اصحاب کہف نے جواز کی طعاماً (سب سے پاک کھانا) فرمایا تھا اس سے کیا مقصود تھا؟ فرمایا کہ وہ ایسا کھانا چاہتے تھے جو طبیعتوں کو مرغوب ہو۔ پھر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق اس کھانے سے مراد چاول تھے۔ واللہ اعلم۔

64
چونسٹھویں مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کی بارہویں تاریخ اتوار کو پیر چومنے کی سعادت ہاتھ آئی۔ ان

1- یہ نفلی روزوں کا ذکر ہے۔

لوگوں کا ذکر نکلا جو ہمیشہ یادِ حق میں مستغرق رہتے ہیں اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ کسی شخص نے ایک صاحب حال درویش سے درخواست کی کہ جس وقت آپ کو حق تعالیٰ کی حضوری میسر آئے تو مجھے بھی یاد کر کے دعا فرمایئے گا۔ ان درویش نے جواب دیا کہ اس (حضوری کے) وقت پر افسوس ہے کہ جس میں مجھے تیری یاد آئے۔

اس درمیان خواجہ عزیز کرکی کا ذکر آیا جو بدایوں میں آرام فرما (دفن) ہیں۔ ان کی بزرگی کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ بندے نے عرض کی کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ چڑیوں کو نگل جاتے اور پھر کسی اور وقت ایک ایک کر کے اسی طرح زندہ حلق سے باہر نکالتے اور اڑا دیتے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن سنا ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سردی کی راتوں میں گرم تنور کے اندر اتر جاتے، دوسرے دن صبح باہر نکلتے۔ پھر فرمایا کہ وہ کرک کے رہنے والے تھے۔ شروع زمانے میں وہ فیروزے بیچتے تھے اور بنگری (دست بند) کی قسم سے جو عورتیں پہنتی ہیں فروخت کرتے تھے اور اس دوران بھی مشغول (بحق) رہتے تھے۔ شاید کرک کے حاکم نے ان کو ستایا اور قید کر دیا۔ اس کے بعد حاکم کو بتایا گیا کہ یہ نیک اور شاغل جوان ہیں تو اس نے حکم دیا کہ انھیں رہا کر دیا جائے۔ جب انھیں بتایا گیا کہ آپ کو حاکم نے رہائی دے دی ہے۔ باہر آ جایئے تو بولے۔ میں جب تک اس کے گھر بار کو برباد نہ کر لوں ہرگز باہر نہیں آؤں گا۔ القصہ اس حاکم پر کوئی سخت آفت آئی۔ اس وقت یہ اس قید سے باہر نکلے۔

پینسٹھویں 65 مجلس

اسی سال ماہِ جمادی الاولیٰ کی تیئیسویں تاریخ جمعرات کو ہاتھ چومنے کی دولت تک رسائی ہوئی۔ سفرِ حج اور زیارتِ کعبہ کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ زیارت کعبہ کو جانے والے لوگ جب واپس آتے ہیں تو ہر جگہ اسی کا ذکر کرتے ہیں اور زیادہ تر اسی کی یاد میں رہتے ہیں۔ اور یہ اچھا نہیں ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ حج کے راستے میں منزل کی سختی اور پانی کی تنگی کی وجہ سے کبھی کبھی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اس پر خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے حکایت بیان فرمائی کہ لاہور میں ایک واعظ تھے جو وعظ اچھا کہتے۔ ان کی بات میں تاثیر تھی۔ مخلوق کو ان کے بیان

میں رقت و راحت حاصل ہوتی تھی۔ پھر وہ حج کو گئے جب واپس آئے تو ان کے کلام میں وہ ذوق اور راحت باقی نہ رہے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کی گفتگو میں پہلے جیسی چاشنی نہیں رہی۔ بولے کہ ہاں مجھے بھی معلوم ہے کہ کس نحوست کی وجہ سے (چاشنی نہیں رہی) اس وجہ سے کہ اس سفر کے دوران راستے میں میری دو نمازیں وقت پر نہ ہوئی تھیں۔

66
چھیاسٹھویں مجلس

اسی سال ماہِ جمادی الآخر کی پانچویں تاریخ منگل کو ہاتھ چومنے کی دولت تک رسائی ہوئی۔ پیری مریدی کے آداب کا ذکر آیا۔ اور اس بات کا بھی کہ پیر کو مرید سے کسی قسم کا لالچ نہیں کرنا چاہیے۔ اس وقت حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کسی مرید نے اپنے پیر کی خدمت میں چند خربوزے لا کر پیش کیے۔

پیر نے نہیں لیے اور اس کو واپس کر دیے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ پیر مرید کا نذرانہ کیوں رد کرے؟ پیر نے جواب دیا کہ جس طرح دین کے کام میں پیر کو مرید کا کسی طرح محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح دنیا کے کام میں بھی مرید کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔

پھر اس بات کا ذکر نکلا کہ مخدوم کی خدمت میں مرید آتے ہیں اور سجدہ (تعظیم) کرتے ہیں۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میرا جی تو چاہتا ہے کہ لوگوں کو منع کروں لیکن چوں کہ میرے شیخ کے سامنے بھی اسی طرح ہوتا تھا۔ اس لیے منع نہیں کرتا۔ خادم نے اس پر عرض کیا کہ جو غلام مخدوم سے وابستہ ہیں اور جو مرید ہوئے ہیں اور بیعت کی ہے ان کی یہ ارادت اور بیعت پیر کے عشق و محبت سے عبارت ہے۔ پس جہاں عشق و محبت کا دخل ہوتا ہے۔ وہاں زمین پر سر رکھنا ایک معمولی سی خدمت ہے۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے اس بات کی موافقت میں فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہُ العزیز سے سنا ہے کہ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کسی راستے میں سوار جا رہے تھے کہ ایک مرید سامنے آیا اور یہ مرید پیدل تھا۔ اس نے شیخ کے گھٹنے کو چوما۔ شیخ نے فرمایا کہ اور نیچے۔ مرید نے شیخ کے پیر کو چوما۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے۔ مرید نے گھوڑے کے گھٹنے کو بوسہ دیا۔ شیخ بولے اور نیچے مرید نے گھوڑے کے سُم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے کہا اور نیچے مرید نے زمین چومی۔ اس وقت شیخ نے ارشاد کیا کہ یہ جو میں تجھ سے کہتا

جاتا ہوں اور نیچے اور نیچے تو اس سے میرا مقصد زمین چومنا نہیں تھا (بلکہ) یہ تھا کہ تو جتنا جھکتا تھا اتنا ہی تیرا درجہ بلند ہوتا جاتا تھا۔

پھر ان درویشوں کی حکایت آئی جن کو شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے خلافت عطا فرمائی تھی۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ ان میں سے ایک درویش تھے۔ جن کو عارف کہتے تھے۔ ان کو سیوستان اور ان حدود کی طرف بھیجا تھا اور بیعت (لینے) کی اجازت دی تھی اور ایسا ہوا کہ ایک ملک (بادشاہ حاکم یا نواب) ملتان اور اُچہ کی طرف تھا اور یہ عارف اس ملک کے امام تھے۔ یا کسی اور طرح کا تعلق رکھتے تھے۔ الغرض ایک دفعہ اس ملک نے سو تنکے (ایک سکہ) ان عارف کے ہاتھ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں بھیجے، انھوں نے اس میں سے پچاس تنکے اپنے پاس رکھ لیے اور پچاس تنکے شیخ کی خدمت میں پیش کیے۔ شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ تم نے بھائیوں کی طرح تقسیم کرلیا! یہ عارف شرمندہ ہو گئے۔ فوراً بقیہ پچاس تنکے بھی شیخ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور بڑی عاجزی کے ساتھ معافی مانگی اور مرید[1] ہونے کی درخواست کی۔ شیخ نے دست مبارک بیعت کے لیے ان کو دیا اور وہ محلوق ہوئے (سر منڈایا) اس کے بعد شیخ کی خدمت میں ایسے پکے ہوئے کہ پوری استقامت حاصل کرلی۔ چنانچہ آخر میں شیخ نے انھیں بیعت کی اجازت عطا فرمائی اور سیوستان کی طرف بھیج دیا۔

67
سڑسٹھویں مجلس

اسی سال ماہِ رجب کی تیئیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ غرور کا تذکرہ آیا اور اہل رعونت اور ان لوگوں کا جو اپنے کو کچھ سمجھتے ہیں ارشاد ہوا کہ (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آدمی بُرا کب ہو جاتا ہے فرمایا کہ اس وقت جب وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنے لگے۔

1- یہ تجدید بیعت تھی۔ کوئی خطاء یا لغزش ہو جانے کا مطلب تھا اللہ تعالیٰ سے پیر کے ہاتھ پر جو عہد کیا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ اس لیے نئے سرے سے عہد کرنے اور مرید ہونے کی ضرورت پڑی (مترجم)

اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ فرزدق[1] نامی ایک شاعر تھے۔ ایک دفعہ وہ اور (حضرت) خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اتفاق سے ایک اجتماع میں اکٹھے ہوئے۔ اس اجتماع میں کسی شخص نے بلند آواز سے کہا کہ اس مجمع میں وہ بھی ہے جو سب سے اچھا ہے۔ اور وہ بھی جو سب سے بُرا ہے۔ اسی وقت فرزدق نے خواجہ حسن بصریؒ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے سنا (یہ شخص) کیا کہتا ہے؟ خواجہ حسن بصریؒ بولے کہ کیا معلوم بہترین آدمی ان میں سے کون ہے اس کو تو خدا ہی جانتا ہے۔ فرزدق نے کہا کہ اے خواجہ! بہترین آدمی آپ ہیں اور بدترین انسان میں ہوں۔ جب فرزدق نے وفات پائی تو اس کو خواب میں دیکھا گیا اور اس سے حال پوچھا گیا تو فرزدق نے جواب دیا کہ جب مجھے کرسی قضا کے سامنے لے گئے تو میں ڈرنے لگا (مگر) مجھے حکم ملا کہ ہم نے تجھے اس وقت بخش دیا تھا جب تو نے اپنے آپ کو انسانوں میں بدترین آدمی سمجھا تھا۔

بندے کے دل میں ایک بات تھی اس کو اس روز عرض کر دیا۔ اور وہ بات یہ تھی کہ قبر کا تعویذ جو بناتے ہیں وہ خراب (وخستہ) ہو جائے تو کیا اس کا پھر بنانا آیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نہیں جو (قبر) خراب ہو جائے اس کی پھر تعمیر نہیں کرنی چاہیے۔ جس قدر فرسودگی زیادہ ہو گی رحمت کی امید بھی زیادہ ہو گی۔

یہاں سے ان لوگوں کا ذکر نکلا جو اپنے دفن کے لیے پیروں اور بزرگوں کے قدموں میں جگہ چاہتے ہیں۔ اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک بزرگ مولانا سراج الدین ترمذی نام کے تھے۔ وہ اس ارادے سے مکے کی طرف روانہ ہوئے کہ اگر قضا کا پیغام آ جائے تو ان کا مدفن وہیں بنے۔ (مگر) جب زیارت کعبہ کو گئے تو اس سعادت کو حاصل کرنے کے بعد واپس آ گئے اور بدایوں میں سکونت اختیار کر لی۔ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ اس نیت سے نہیں گئے تھے کہ مر جائیں تو وہاں آپ کو دفن کریں۔ بولے ہاں! لیکن میں نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ اطراف سے بہت سے جنازے لائے جا رہے ہیں اور ان جنازوں کے مردوں کو مکے کے آس پاس دفن کر رہے ہیں۔ اور بعض مردے جو مکے کے چاروں طرف

1- ہمام ابن غالب التمیمی عہد اموی کا مشہور شاعر ۶۴۱ء میں بصرہ میں پیدا ہوا اور ۷۳۲ء میں وفات پائی۔ حضرت امام زین العابدینؓ کی شان میں اس کا قصیدہ مشہور ہے۔

دفن ہیں ان کو نکال نکال کر لے جا رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ وہ گروہ جو اس مقام کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہ چاہے یہاں سے دور وفات پائے۔ اس کے لیے حکم ہے کہ ہم یہاں لے آئیں اور جو گروہ اس مقام کے لائق نہیں ہے وہ چاہے یہاں سو رہا ہو۔ اس کے لیے حکم ہے کہ اسے اطراف لے جاؤ۔ مولانا سراج الدینؒ نے فرمایا کہ جب مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی تو دوبارہ بدایوں میں آ گیا۔ کیوں کہ اگر میں اس جگہ کے لائق ہوں گا، میری غرض (اپنے آپ) حاصل ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے کتاب فوائد الفواد کا چوتھا حصہ مکمل ہو گیا۔

ختم شد ایں صحفِ صدق و صفا
کہ از و جان حسن راست طرب
درسہ شنبہ دوم از ماہ شوال
ہفصد و نوزدہ تاریخ عرب

یہ صدق و صفا کے صحیفے پورے ہوئے۔ جن سے حسنؒ کی روح کو مسرت ہے۔ تاریخ عرب کے سات سو انیسویں برس ماہ شوال کی دوسری تاریخ منگل کو۔

اس وقت سے کہ ان کلمات کو (لکھنا) شروع کیا گیا تھا آج تک کہ یہ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ پورے بارہ سال ہو گئے۔ اور یہ بارہ سال کا سرمایہ جو کٹھالی[1] (جوڑا گیا) بارہ ماہ کا (کھرا) سونا ہے۔ جسے وقت کے صرافوں کے سامنے رکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ دلوں کے سکّے محبتِ ایمان کی مہر لگ کر پورا مول بھی پائیں گے اور انھیں پورا رواج بھی ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ واللہ اعلم بالصواب۔

1- کٹھالی وہ برتن ہوتا ہے جس میں سنار سونا گلاتا اور صاف کرتا ہے۔

جلد پنجم

بتیس 32 مجلسیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص حضرت صمدیت کی بے حد حمد اور بے حساب ثنا جن کے فضل کے فیض سے سلوک کی لڑی میں عقائد (کے موتی) پروئے گئے۔ اس وجود کی بدولت جو مکارم اخلاق والا، جو بخشش اور نوازش والا ہے۔ جو گہرے رموز کو باہر لاتا اور حقیقتوں کے خزانے کھولتا ہے۔ اولیاء کا سلطان، جہان کا قطب، عارفوں اور مشائخ کا بادشاہ، حق کا نظام، شرع کا نظام، دین کا نظام، اللہ اس کی درازیٔ عمر سے مسلمانوں کو مستفید فرمائے۔ آمین

یکے از امت ختم النبیینؐ
نشد جزوی کسی ختم المشائخ

(ختم النبیینؐ کی امت میں سے ایک جس کے سوا ختم المشائخ اور کوئی نہ ہوا)

بندہ حسن عرض کرتا ہے کہ جب ازلی توفیق اس کمزور کے احوال کے موافق ہوئی اور جب ابدی سعادت نے اس شکستہ کے اوقات کا ساتھ دیا تو قدرت کے اشارے اس کی فکر کے رہنما بنے۔ یہاں تک کہ ان کے جاں پرور کلمات کے ذخیرے جمع کیے جا سکے۔ اس سے پہلے ایک جلد پوری ہو چکی ہے۔ بارہ سال کی لکھی ہوئی اور چار دیباچوں پر مشتمل۔ اب یہ دوسری جلد شروع کی جاتی ہے۔ حق تبارک وتعالیٰ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر کی فرشتوں جیسی صفات رکھنے والی ذات کو خضر کی سی عمر دے تا کہ اس شربت سے جو عین آبِ حیات ہے، خواص و عوام سیراب ہوں! امید ہے کہ معانی کے اس جاں بخش جام کا ایک گھونٹ جو ارواح کی شراب ہے سنانے والے کو سننے والے کو اور لکھنے پڑھنے والے کو راحتیں پہنچائے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ

پہلی[1] مجلس

یکم ماہِ مبارک شعبان ۷۱۹ھ اتوار کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ بندے کے دل میں ایک حدیث تھی۔ مخدوم کی خدمت میں اسے پڑھ کر سنایا کہ: **مَن احب العلم والعلماء لم یکتب خطیته۔** جو شخص علم اور علماء سے محبت کرتا ہے اس کی خطا نہیں لکھی جاتی۔ پھر (بندے نے) عرض کیا کہ اس حدیث سے امید ہے کہ علم اور علماء کی محبت کے سبب میرے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ سچی محبت پیروی ہے۔ جب کوئی شخص اُن کا محبّ ہو جائے گا تو ان کی پیروی بھی ضرور کرے گا۔ اور نامناسب چیزوں سے دور رہے گا اور جب یہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کے گناہ نہیں لکھے جائیں گے۔ اس وقت فرمایا کہ جب تک حق (تعالیٰ) کی محبت دل کے غلاف میں رہتی ہے۔ گناہ کا امکان رہتا ہے۔ لیکن جب محبت دل کے مرکز میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر گناہ کا امکان نہیں رہتا۔

پھر فرمایا کہ توبہ اور (اللہ کی طرف) رجوع جوانی کے زمانے میں اچھا ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں توبہ نہیں کریں گے تو کیا کریں گے! اس وقت دو شعر زبان مبارک پر لائے۔

چوں پیر شدی بر سرِ انجام آئی
آئی سرِ حرفِ خویش ناکام آئی
سازی حق راز تیرہ رائی
معشوقہ خود در بے نوائی

جب بوڑھے ہوئے اور انجام کے قریب پہنچے تو ناکامی کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر آئے۔
اور کچھ بن نہ پڑا تو حق (تعالیٰ) ہی کو اپنا محبوب بنالیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے اس کی جوانی کے بارے میں پوچھے گا۔
یسئال المرء" من شبابه۔ جواب طلبی ہوگی آدمی سے اس کی جوانی کی بابت!

اس درمیان ایک (دانشمند) مولوی آئے اور خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر کے قدموں میں سر رکھ دیا اور عرض کی کہ میں جو جناب کا مرید ہوا ہوں۔ اس کی وجہ بیان کرنی چاہتا ہوں۔ ہوا یہ کہ میں ایک دفعہ افغان پور میں دریا کے کنارے پر تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو میں نماز میں مشغول

ہو گیا۔ مجھے آپ کی مبارک صورت نظر آئی۔ نماز ہی میں مجھ پر حیرت طاری ہوگئی اور اس سے پہلے بندے کو آپ سے ارادت کا تعلق نہیں تھا۔ الغرض جب آپ کا مبارک چہرہ دیکھا تو قریب تھا کہ نماز ہی میں بے قابو اور بے خود ہو جاؤں (مگر) پھر جب مغرب کی نماز پڑھ چکا تو دل میں سوچا کہ مجھے مخدوم عالمیاں کی خدمت میں جانا چاہیے اور غلاموں کی ڈوری میں بندھ جانا چاہیے۔ اس وقت مخدوم کی خدمت میں آیا اور بیعت کی۔

جب وہ دانشمند (عالم) یہ حکایت پوری کر چکے تو خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ایک دفعہ کوئی شخص دہلی سے روانہ ہوا تاکہ اجودھن جائے اور شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہُ العزیز کے سامنے توبہ کرلے۔ دوران سفر ایک آوارہ گانے والی اس کے ہم راہ ہو گئی۔ اور یہ گانے والی بڑی کوشش میں رہی کہ کسی طرح اس مرد سے تعلق پیدا کرلے۔ یہ مرد چوں کہ سچی نیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس حرام کار کی طرف ذرا راغب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ (راستے کی) منزلوں میں سے ایک منزل میں ایسا اتفاق ہوا کہ یہ مرد اور وہ مغنیہ ایک ہی کجاوے میں سوار ہوئے یہ گانے والی مرد کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس طرح کہ ان کے درمیان کوئی پردہ اور رکاوٹ نہیں تھی۔ شاید اس حال میں مرد کا دل کسی قدر مائل ہوا اور اس نے کوئی بات کی یا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ اتنے میں مرد نے دیکھا کہ کوئی آیا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ فلاں کی خدمت میں توبہ کی نیت سے جارہا ہے (پھر) یہ کیا ہے؟ وہ شخص فوراً متنبہ ہو گیا اور پھر اس عورت کی طرف نہ دیکھا۔ القصہ جب شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہُ العزیز کی خدمت میں پہنچا تو پہلی بات جو شیخ نے اس سے کہی وہ یہ تھی کہ خدائے تعالیٰ نے اس روز تیری خوب حفاظت فرمائی!

پھر حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال فصاحت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ صحابیوں میں سے ایک صحابی تھے انھوں نے شاید ایک بھیڑ بیچ دی تھی اور پھر پچھتائے تھے اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آ کر اپنا قصہ سنایا تھا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان صاحب کو طلب فرمایا، جنھوں نے بھیڑ خرید لی تھی۔ اور ارشاد کیا کہ بھیڑ بیچنے والے صحابی (اب) پچھتا رہے ہیں۔ تم اسے واپس کردو۔ ان صحابی کا نام نعیم تھا۔ کہنا یہ ہے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس صورت حال کو اس عبارت میں ادا فرمایا: نعیم بعتم وبغنم بعتم فردوہ الیہ۔ یعنی انھوں نے

بڑی فصاحت کے ساتھ چار جگہ تصحیفیں[1] متصل بیان فرمائیں۔ بیع بمعنی شراء (خرید فروخت) اور شراء بمعنی بیع آیا ہے۔

دوسری مجلس[2]

اسی سال ماہِ مبارک رمضان کی نویں تاریخ جمعرات کو دست بوسی کے شرف تک رسائی ہوئی۔ سردی کے دن تھے، اطراف کی خبروں اور تشویش کا حال دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ ملعونوں[2] کی وجہ سے جو چوکسی ہو رہی تھی اب کم ہے۔ اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ شیر خاں جو اُچہ اور ملتان کا والی تھا۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز سے زیادہ اعتقاد نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے بارہا اس کے بارے میں یہ دو مصرے فرمائے:

افسوس کہ از حال منت نیست خبر

وانگہ خبرت شود کہ افسوس خوری!

افسوس تجھ کو میرے حال کی خبر نہیں ہے اور جس وقت خبر ہوگی کتنا افسوس کرے گا!

اس کے بعد فرمایا کہ جب شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز دنیا سے تشریف لے گئے تو اسی سال کافر (منگول) علاقے میں پہنچ گئے۔

پھر شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی بزرگی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ بخارا سے ایک مولوی صاحب بڑے عالم آئے ہوئے تھے۔ وہ شیخ بہاء الدین کی زیارت کو گئے۔ شیخ نے انھیں دیکھا کہ دستار باندھے ہوئے ہیں اور اس کی چھور پیچھے لٹکا رکھی ہے اور سر پر چوٹی۔ شیخ نے کہا کہ دو سانپ ساتھ لیے کیا آئے ہو؟ یعنی ایک تو دستار کی چھور اور دوسرے بالوں کی چوٹی! یہ مولوی صاحب فوراً شیخ کے سامنے محلوق ہو گئے (سر منڈا لیا)۔

خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نفسِ گیرا[3] رکھتے تھے۔ دوسرا قصہ یہ سنایا کہ ایک شخص بڑے عبادت گزار ملتان میں تھے۔ ان کو سلیمان کہتے تھے۔ شیخ کے

1- لفظ کے اختلاف سے معنی بدلنا۔

2- ملاعین سے منگول حملہ آور مراد ہیں۔

3- نفسِ گیرا، کشف اور پہچان کی صلاحیت تیز بات میں اثر ہونا (مترجم)

سامنے ان کا بہت ذکر ہوا۔ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ اٹھو دو رکعت نماز پڑھو تا کہ تمہیں دیکھوں کہ کس طرح پڑھتے ہو۔ وہ صاحب اٹھے اور دو رکعت نماز ادا کی مگر دونوں قدم اس طرح نہیں رکھے۔ جس طرح طریقہ ہے۔ (پیروں کے) درمیان فاصلہ کم یا زیادہ رکھا۔ شیخ نے ان سے کہا کہ اتنی جگہ خالی رکھو اس سے زیادہ اور کم نہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے پھر نماز شروع کی۔ پھر بھی اس طرح قدم نہیں رکھے جیسا کہ شیخ نے بتایا تھا۔ دوسری دفعہ بھی اس کو سمجھایا۔ الغرض ہر چند اس سے کہا گیا کہ پاؤں اس طرح رکھو۔ مگر اس سے نہ ہو سکا۔ شیخ نے فرمایا جاؤ اُچہ میں جا کر رہو (چنانچہ) وہ اُچہ چلے گئے۔

پھر شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک روز کوئی مرید ایک خط لایا اور شیخ صدر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ خط ایک شخص نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے شیخ بہاء الدین کی خدمت میں پہنچا دو۔ شیخ صدر الدین نے جب خط کا عنوان پڑھا تو پریشان ہوئے اور جا کر وہ خط شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ شیخ نے اس خط کو پڑھا تو وہ تڑپنے لگے اور نعرے لگائے۔ اور رات کو شیخ کا واقعہ (انتقال) ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اس موقع پر فرمایا کہ وہ زمانہ کیا اچھا زمانہ تھا جب یہ پانچ بزرگ حیات تھے۔ شیخ ابوالغیث یمنی اور شیخ سیف الدین باخزری اور شیخ سعد الدین حمویہ اور شیخ بہاء الدین زکریا اور شیخ الاسلام فرید الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یہاں سے شیخ سیف الدین باخزری کی حکایت (شروع) فرمائی کہ ان کی عادت تھی کہ جب مغرب کی نماز پڑھ لیتے تو اسی وقت سو جاتے۔ یہاں تک کہ تہائی رات گزر جاتی۔ جب تہائی رات گزر جاتی تو (اٹھتے) امام اور موذن حاضر ہوتے۔ عشاء کی نماز پڑھتے اور صبح تک بیدار رہتے۔ ان کی ساری عمر اسی طرح گزری۔ بندے نے پوچھا کہ کیا وہ سماع سنتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں مگر اس طرح نہیں۔ جیسے لوگ مجلس مرتب کرتے ہیں اور لوگوں کو بلاتے ہیں اور دعوت کی تقریب سے جمع ہوتے ہیں اور پھر سماع سنتے ہیں۔ ان کے ہاں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بیٹھے ہوتے اور حکایت کہتے اور کوئی نکتہ نکالتے۔ اس درمیان ان کو کیفیت ہو جاتی۔ جب کیفیت سے پُر ہو جاتے تو کہتے کوئی ہے جو کوئی چیز گائے۔ اس وقت گانے والا آتا اور کوئی چیز

سنا تاان کے سماع کا یہی طریقہ تھا۔

اس کے بعد ان کے انتقال کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ بخارا میں کوئی صاحب تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ جلتی ہوئی مشعل بخارا کے دروازے سے باہر لے جارہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو ایک بزرگ کی خدمت میں آئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ ان بزرگ نے کہا کہ کوئی صاحبِ نعمت ولی بخارا سے انتقال کرے گا۔ اس کے بعد جلد ہی شیخ سیف الدین نے انتقال کیا۔ ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ اسی زمانے میں انھوں نے اپنے پیر کو خواب میں دیکھا کہ وہ اُن سے کہتے ہیں کہ اشتیاق بہت ہو گیا ہے۔ آ جاؤ۔ جب شیخ سیف الدین نے یہ خواب دیکھا تو اسی ہفتے وعظ فرمایا وعظ میں سارا ذکر جدائی اور رخصتی کا تھا۔ خلق حیران ہوئی کہ ہر بات جدائی کی کہتے ہیں۔ اس وقت انھوں نے خیر باد کی ردیف کی ایک نظم پڑھی:

رفتم اے یاران بسامان خیر باد
نیست آسان دردِ ہجراں خیر باد

اے دوستو! میں چلا سامان (دنیا) کو خیر باد۔ جدائی کا غم (اگرچہ) آسان نہیں ہے مگر خیر باد۔

جب شعر پڑھ چکے تو مجمعے کی طرف رُخ فرمایا اور کہا اے مسلمانو! جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ میرے پیر نے خواب میں مجھ سے کہا کہ آ جاؤ، پس میں جاتا ہوں خیر باد! یہ فرمایا اور منبر سے اتر آئے۔ اس کے بعد جلد ہی انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

تیسری مجلس

اسی سال ماہِ رمضان کی اٹھائیسویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ الحمد للہ۔ ایک عزیز آئے اور کسی کا سلام پہنچایا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے انھیں (سلام کہلوانے والے کو) پہچانا نہیں۔ پوچھا وہ کون شخص ہیں؟ آنے والے نے ان کا تعارف کرایا۔ پھر بھی خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر کو یاد نہ آیا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بہت سے لوگوں کو میں جانتا ہوں۔ جب دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں۔ لیکن صرف نام ولقب لینے سے نہیں پہچانتا۔

اس بات کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ

العزیز کے صاحبزادوں میں سے ایک کا لقب نظام الدین تھا اور حضرت شیخ سب صاحبزادوں سے زیادہ انھیں چاہتے تھے۔ اور وہ فوجی آدمی تھے اور شیخ کی خدمت میں بڑے گستاخ بھی۔ وہ کچھ بھی کہتے حد درجہ چاہت کی وجہ سے شیخ ہنستے اور ان کے کچھ کہنے سے رنجیدہ نہ ہوتے۔ الغرض یہ صاحبزادے ایک دفعہ سفر میں گئے۔ کچھ عرصے بعد کسی کے ذریعہ شیخ الاسلام کو سلام کہلوا بھیجا۔ وہ شخص آیا اور شیخ الاسلام کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ عرض داشت کی کہ مخدوم زادہ نظام الدین نے سلام کہلوایا ہے۔ شیخ نے پوچھا کون شخص؟ اس آدمی نے کہا مخدوم زادہ نظام الدین! شیخ نے پھر پوچھا کس کو کہتے ہو؟ اس شخص نے پھر عرض کیا مخدوم زادہ نظام الدین آپ کے فرزند! اس وقت شیخ نے فرمایا ہاں! وہ کیسا ہے؟ اچھا تو ہے؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر ان الفاظ پر پہنچے تو ارشاد کیا کہ دیکھو یادِ حق میں کیسے مستغرق رہتے تھے کہ اپنے صاحبزادے کو بھی اس قدر سمجھانے اور تعارف کے بعد پہچانا!

یہاں سے شیخ بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ والغفر ان کی حکایت شروع فرمائی کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں آیا اور کسی شخص کا سلام پہنچایا۔ شیخ بہاء الدین نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس آنے والے نے تعارف کرایا۔ شیخ نہیں سمجھے آنے والا بہت سی نشانیاں بتانے لگا۔ شیخ بہاء الدین نے فرمایا کہ یہ سب کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا اس نے کبھی مجھے دیکھا ہے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں وہ آپ کا غلام اور مرید ہے! شیخ بولے بس یہ کافی ہے!

اس کے بعد خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی (یہ) حکایت بیان فرمائی کہ اگر وہ کسی کو کوئی چیز دیتے تو عمدہ چیز دیتے۔ اساتذہ جو ان کے فرزندوں کو تعلیم دیتے۔ ان پر بڑا کرم فرماتے۔ سونا چاندی ان کے دامن میں ڈالتے۔ پھر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ والئ ملتان کو غلّے کی ضرورت ہوئی تو شیخ بہاء الدین سے مانگا۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک کوٹھا (غلّے) کا اسے دے دیا جائے۔ والی نے اپنے آدمی بھیجے تا کہ کوٹھے سے غلّہ نکال لیں۔ غلّے کے درمیان ایک مٹکا چاندی سے بھرا ہوا نکلا۔ والی کو خبر کی گئی اس نے کہا شیخ نے مجھے غلّہ عطا کیا ہے اس چاندی کے لیے نہیں فرمایا تھا۔ اس کو شیخ کے پاس واپس لے جانا چاہیے۔ جب یہ بات شیخ کی خدمت میں عرض کی گئی تو شیخ نے کہلوا بھیجا کہ زکریا کو اس کی خبر تھی تجھ کو وہ غلّہ اس چاندی کے ساتھ ہی دیا گیا ہے!

پھر ترک دنیا کا ذکر آیا۔ اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی سوتے (آدمی) کے سرہانے پہنچے۔ انھوں نے اس سونے والے کو پکارا اور کہا اٹھو خدا کی عبادت کرو! اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے خدا کی ایسی عبادت کی ہے جو سب سے اچھی عبادت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کونسی عبادت کی ہے۔ بولا: تـرکـتُ الدنیا لاهلها۔ میں نے دنیا کو دنیاداروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت فرمایا: من رضی اللّٰہ تعالیٰ بقلیل من الرزق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بقلیل من العمل۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے کم رزق پر راضی ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے کم عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی دنیا سے جاتا ہے اور کچھ نہیں چھوڑتا۔ لا درهـمـاً و لا دینـاراً فلیس فی الجنة اغنیٰ منه۔ نہ روپیہ نہ اشرفی تو جنت میں اس سے زیادہ غنی کوئی نہیں ہوگا۔

چوتھی[4] مجلس

اسی سال ماہِ شوال کی چوبیسویں تاریخ ہفتے کو ہاتھ چومنے کی سعادت ہاتھ آئی۔ قرآن کی قرأت کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ یہ دو فائدے میں نے ایک کتاب میں (ایسے) دیکھے (جو) اور کہیں کم دیکھے ہیں۔ ایک اس آیت کے بارے میں: و اذا رائت ثم رائتَ نعیماً وَّملکا کبیراً۔[1] امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ملکا کبیراً[2] پڑھتے تھے۔ دوسرے اس آیت: لَقد جاء کم رسول من انفسکم[3] اس کو بھی مِن انفَسِکُم[4] پڑھا ہے۔ اور یہ انفس اِفعَل (تفضیل) ہے نفیس سے۔

پھر اس بارے میں حکایت آئی کہ کسی عبادت گزار سے ورد اور اطاعت چھوٹ جائے تو وہ گویا موت کے برابر ہے۔ اس وقت فرمایا کہ ایک فوجی شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور بولا کہ میں نے رات کو یہ خواب دیکھا ہے کہ میری نماز قضا ہو گئی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تیرا خاتمہ قریب ہے۔ توبہ کر لے! جب وہ اٹھ کر چلا گیا تو ان کی خانقاہ کا ایک صوفی آیا۔ اس نے بھی یہی خواب دیکھا تھا جب اس نے اپنا خواب بیان کیا تو شیخ حیران ہوئے کہ وہ شخص

1- اور جب تم اس کو دیکھو گے تو وہاں بڑی نعمت اور سلطنت دکھائی دے گی۔ 2- بڑا سلطان۔
3- تمہارے پاس رسول آئے ہیں تمہیں میں سے۔ 4- تم میں سے نفیس ترین۔

تو فوجی ہے۔ شاید جنگ میں مارا جائے۔ اور یہ صوفی (صحیح) سلامت ہے اور کوئی اثر (دکھ) بیماری کا نہیں رکھتا۔ اس سے کیا کہوں، اسی (الجھن) میں تھے کہ خبر لائی گئی کہ وہ فوجی مارا گیا اور اس صوفی کی صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ دیکھو نماز کے چھوٹنے کو موت کے برابر سمجھا گیا ہے!

پھر اوراد کی پابندی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی ورد کو اپنے آپ پر لازم کر لے اور کسی دُکھ بیماری کی وجہ سے اس کو نہ پڑھ سکے تو اس کو اس کے ادا شدہ دفتر میں لکھ لیتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ (ورد کو) لازم نہیں کرتے (بس) یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ میسر ہوگا پڑھ لیں گے۔ اس طرح ورد کو لازم کر لینے والا اچھا رہتا ہے کیونکہ کسی مجبوری کی وجہ سے ورد چھوٹ جائے تب بھی اس کو پڑھا ہوا لکھ لیتے ہیں لیکن جو ورد کو مقرر ہی نہ کرے اس کے لیے کیا لکھیں گے؟

اس درمیان مسبعات عشر کی بہت فضیلت بیان کی اور فرمایا کہ ایک شخص تھا جو بلا ناغہ مسبعات عشر پڑھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کا کسی راستے پر گزر ہوا اور لٹیروں کا گروہ اسے ہلاک کرنے کے لیے نکل آیا۔ اس درمیان دس ہتھیار بند سوار ظاہر ہوئے اور اس شخص کو (ڈاکوؤں سے) رہائی دلائی اور وہ دس سوار ننگے سر تھے۔ اس شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ بولے کہ ہم مسبعات عشر ہیں۔ ہم وہ دس دعائیں ہیں جن کو تو ہر روز سات بار پڑھتا ہے! اس پر اس شخص نے پوچھا کہ آپ ننگے سر کیوں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا اس وجہ سے کہ تو دعاؤں سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتا۔ اس موقع پر بندے نے عرض کی کہ بسم اللہ کہاں پڑھیں۔ ارشاد ہوا ہر سورۃ سے پہلے۔

پھر فرمایا کہ قاضی کمال الدین جعفری بدایوں کے حاکم تھے۔ ان کے اوراد بہت تھے۔ ججی کی اس قدر مصروفیت اور دوسرے کاموں کے باوجود قرآن کی تلاوت بہت کرتے۔ الغرض جب بوڑھے ہوئے تو اپنے وظیفوں سے معذور ہو گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا حال ہے؟ بولے کہ مسبعات عشر پر اکتفا کر لیا کہ (یہ) جامع اوراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ واصلوں میں سے ایک (بزرگ) تھے۔ ان کو کعبے میں حضرت خضرؑ مل گئے اور انھوں نے (حضرت خضرؑ سے) بخشش طلب کی۔ حضرت خضرؑ نے انھیں مسبعات عشر سکھائے اور کہا کہ میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی روایت کرتا ہوں۔

پانچویں مجلس[5]

اسی سال ماہِ شوال کی اٹھائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ اس بات کا ذکر آیا کہ آدمی کو جو بھی رنج اور مشقت پہنچے اس کو چاہیے کہ سمجھ لے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ یعنی آدمی کی خیریت اس میں ہوتی ہے کہ اس مشقت سے چوکنا ہو جائے اور جو شخص ڈھٹائی سے کام لیتا ہے اس کو کوئی برائی ایسی نہیں پہنچتی جو اسے (برائی سے) واپس لے آئے۔ اور یہ اس کی بدنصیبی ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ منہا (ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) کیوں کہ اس کی رسی دراز کی جاتی ہے۔ اس درمیان حکایت بیان فرمائی کہ ایک نیک اور بزرگوار خاتون تھیں۔ میں نے ان کو کہتے سُنا کہ اگر میرے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو میں جان جاتی ہوں کہ کس وجہ سے (چبھا) ہے۔

اس وقت فرمایا کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر وہ تہمت لگائی گئی اور اس کا قصہ طول طویل ہے تو (حضرت) عائشہؓ مناجات میں فرماتی تھیں کہ الٰہی میں جانتی ہوں کہ یہ اتہام مجھ پر کیوں لگا؟ اس وجہ سے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تیری محبت کا دعویٰ فرماتے تھے۔ اور کسی قدر محبت کا جھکاؤ میری طرف بھی رکھتے تھے۔ اتنی تہمت بھی مجھ پر اسی باعث دھری گئی!

اس درمیان ایک عزیز کچھ پھول لے کر پہنچے۔ اس کی مناسبت سے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے: **حُبب الی من دنیا کم ثلث[1]. الطیب و النساءُ و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ** ۔ میرے لیے محبوب بنائی گئی ہیں تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں۔ خوشبو اور عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ (یہاں) عورت سے مراد عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں کیوں کہ دوسری بیویوں کی بہ نسبت ان کی جانب رسول علیہ السلام کا میلان زیادہ تھا۔ اور **قرۃ عینی فی الصلوٰۃ** آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں ہے، سے مراد (حضرت) فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر اس سے مراد نماز ہوتی تو نماز کو ان دونوں چیزوں پر مقدم رکھتے۔ پھر ارشاد ہوا کہ خلفائے راشدین جیسے (حضرت) ابوبکر صدیق

1- اسے احمد نسائی اور بیہقی وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے جامع صغیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۰۔

اور (حضرت) عمر خطاب اور (حضرت) عثمان اور (حضرت) علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے (بھی) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت میں فرمایا ہے کہ ہم بھی تین چیزوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ اس موقع پر (یہ بھی) ارشاد ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے انھوں نے حضرت عزت (اللہ تعالیٰ) کا فرمان پہنچایا کہ میں بھی تین چیزوں کو پسند کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں۔ شاب' تائب' و عین' باکیۃ' وقلب' خاشع' ۔توبہ کرنے والا جوان اور رونے والی آنکھ اور عاجزی کرنے اور ڈرنے والا دل!

پھر ذکر نکلا لوگ بزرگوں کو ہدیہ اور نذرانہ جو دیتے ہیں ان میں کیا چیز بہتر ہے۔ اس بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ' العزیز کی خدمت میں چاقو کا تحفہ پیش کیا۔ شیخ نے وہ چاقو اس کو واپس دے دیا اور فرمایا کہ میرے پاس چھری مت لاؤ۔ سوئی لاؤ کہ چھری کاٹنے (اور جدا کرنے) کا آلہ ہے اور سوئی جوڑنے کا آلہ ہے۔

پھر یہ بات آئی کہ لوگ ایک دوسرے کو عیب لگاتے ہیں۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو کسی عیب کا طعنہ دیتا ہے تو پہلے اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ عیب مجھ میں ہے یا نہیں؟ اگر وہ عیب اس میں بھی ہے تو اس کو شرم نہیں آتی کہ جس عیب میں خود مبتلا ہے اس کا طعنہ دوسروں کو دیتا ہے۔ اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو خدائے عزوجل کا شکرانہ ادا کرے کہ اس عیب سے محفوظ رکھا ہے۔ دوسروں کو اس عیب کا طعنہ نہیں دینا چاہیے۔

اس کے بعد سماع کا ذکر نکلا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ شائد اس وقت حکم ہو گیا ہے کہ مخدوم جب چاہیں سماع سنیں۔ ان کے لیے حلال ہے۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا جو چیز حرام ہے۔ کسی کے حکم سے حلال نہیں ہو جاتی اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی اور اگر ہم ایسے مسئلے پر آئیں جس کے بارے میں اختلاف ہو جیسے کہ یہی سماع کا فتویٰ ہے (تو) امام شافعیؒ ہمارے علماء کے برخلاف سماع کو دف اور چغانہ کے ساتھ مباح رکھتے ہیں اب اس اختلاف میں حاکم جس (رائے) کے مطابق حکم دے ویسا ہی ہوگا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا انہی دنوں بعض آستانے دار درویشوں نے ایک ایسے مجمع میں جہاں چنگ و رباب اور مزامیر تھے خوب رقص کیا۔ خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ انھوں

نے اچھا نہیں کیا۔ جو چیز غیر شرعی ہے۔ ناپسندیدہ ہے۔ اس کے بعد ایک آدمی نے کہا کہ جب وہ لوگ اس جگہ سے باہر آئے تو ان سے کہا گیا کہ یہ آپ حضرات نے کیا کیا؟ اس محفل میں مزامیر تھے۔ سماع کیوں سنا اور رقص کیوں کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ پتہ ہی نہ چلا کہ وہاں مزامیر ہیں یا نہیں۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ یہ جواب بھی کچھ نہیں ہے۔ یہ بات تو ہر گناہ کے بارے میں لکھی جاسکتی ہے۔ اس درمیان بندے نے عرض کی صاحبِ مرصاد نے اس مفہوم کی ایک رباعی لکھی ہے اور (پھر) یہ دو مصرعے پڑھے:

گفتی کہ بہ نزد من حرامست سماع
گر بر تو حرامست حرامت بادا!

تم کہتے ہو کہ میرے نزدیک سماع حرام ہے۔ اگر تم پر حرام ہے تو حرام ہی رہے۔
خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر یہ پوری رباعی زبان مبارک پر لائے:

دنیا طلبا جہاں بکامت بادا
و ایں جیفہ مردار بدامت بادا
گفتی کہ بہ نزد من حرامست سماع
گر بر تو حرامست حرامت بادا!

اے دنیا کے طلبگار۔ دنیا کے مزے تیرے لیے رہیں۔ یہ سڑا ہوا مردار تیرے جال میں رہے۔ تو کہتا ہے کہ میرے نزدیک سماع حرام ہے۔ اگر تجھ پر حرام ہے تو حرام ہی رہے۔
بندے نے دوبارہ عرض کیا کہ اگر علماء اس باب میں بحث کریں اور سماع کی ممانعت میں کچھ کہیں تو ٹھیک بھی لگے۔ لیکن جو شخص فقیری لباس میں ہو وہ کس طرح منع کرتا ہے۔ اور اگر اس کے نزدیک بھی حرام ہے تو بس اتنا کرے کہ خود نہ سنے لیکن دوسروں سے تو نہ لڑے (اور کہے) کہ نہ سنو! لڑنا (اور جھگڑنا) درویشوں کی صفت نہیں ہے۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور مناسب حال حکایت بیان فرمائی کہ اتنے علماء ہیں وہ تو کچھ کہتے نہیں اور ایک ناواقف جھگڑا کرتا ہے۔ ارشاد ہوا ایک دفعہ کوئی طالب علم امامت کر رہا تھا اور علماء کی ایک جماعت اور ایک عام آدمی بھی مقتدی تھے۔ اور وہ نماز چار رکعت کی تھی۔ شاید امام سے پہلے قعدے میں

بھول ہوئی۔ دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لیے فوراً کھڑا ہو گیا۔ چونکہ وہ عالم تھا اس لیے جانتا تھا اور اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ اس نماز کو کس طرح پورا کرنا چاہیے۔ علماء جو مقتدی تھے وہ بھی خاموش رہے۔ وہ عام آدمی شور مچانے لگا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ اتنی دفعہ کہا کہ اپنی نماز باطل کر لی۔ جب امام نے نماز کا سلام پھیرا تو اس عامی کی طرف رخ کر کے کہا کہ اجی جناب آپ کو کیا ہو گیا تھا۔ اتنے علماء موجود تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس نماز کو کس طرح پورا کیا جانا ہے (اس لیے) انھوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ آپ کون تھے کہ اتنا غل مچایا اور اپنی نماز خراب کر لی!

بندے نے پھر عرض کیا کہ بندہ اگر گروہ کو جو سماع کا منکر ہے۔ خوب جانتا ہے اور ان کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ جو سماع نہیں سنتے اور کہتے ہیں کہ ہم اس وجہ سے نہیں سنتے کہ حرام ہے۔ بندہ قسم تو نہیں کھاتا لیکن سچ عرض کرتا ہے کہ اگر سماع حلال ہوتا جب بھی یہ لوگ نہ سنتے۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر مسکرائے اور فرمایا ہاں جب ان میں ذوق ہی نہیں ہے تو کیسے سنتے اور کس بِرتے پر سُنتے! واللہ اعلم۔

چھٹی مجلس [6]

اسی سال ذی قعدہ کے مہینے کی دسویں تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کی دولت میسر آئی۔ ایسے لوگوں کا ذکر نکلا جو چاہے بیمار ہی ہوں لیکن ناممکن ہے کہ اپنی مقررہ طاعت (عبادت) کو ادا نہ کریں۔ اس باب میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ تھے جو پانی کے کنارے رہائش رکھتے تھے۔ ان کو پیٹ کی بیماری کی تکلیف ہوئی۔ ہر دفعہ جب قضائے حاجت کو جاتے تو قضائے حاجت کے بعد پانی میں اترتے اور غسل کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس سے تکلیف اور بڑھ گئی مثلاً بیس دفعہ یا تیس دفعہ ضرورت ہوتی اور وہ اسی طرح پانی میں اترتے اور غسل کرتے اور دو رکعتیں ادا فرماتے یہاں تک کہ ایک رات کو انھیں ساٹھ دفعہ حاجت ہوئی اور ساٹھ بار پانی میں اُترے اور غسل کیا اور دوگانہ پڑھا اور اس آخری دفعہ پانی ہی میں تھے کہ جان اللہ کے حوالے کی! خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر یہاں پہنچ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد کیا کہ طاعت کے کام میں اس پختگی کے کیا کہنے کہ آخری سانس تک اپنے قاعدے سے نہ پھرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ آدمی جانتا نہیں۔ ورنہ بیماری جو اس کو ہوتی ہے، وہ اس کی خیر کی دلیل ہے۔

اس موقع پر فرمایا کہ ایک اعرابی (دیہاتی عرب بدو) حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آیا اس کے کچھ عرصے بعد پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ جب سے میں ایمان لایا ہوں، میرے مال میں بھی نقصان ہوا ہے اور میری جان کو بھی دُکھ لگ گیا ہے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب مومن کے مال میں کمی واقع ہو اور وہ خود بیمار ہو تو یہ اس کے ایمان کی صحت کی دلیل ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن آمنـا و صـدقنـا (جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور جس کی تصدیق کرتے ہیں) فقیروں کا ایسا درجہ ہوگا کہ ساری مخلوق آرزو کرے گی اور کہے گی کہ کاش ہم دنیا میں فقیر ہوتے اور وہ لوگ جو دنیا میں زیادہ تر مریض رہتے ہیں ان کا بھی کل قیامت کے دن ایسا درجہ ہوگا کہ ساری مخلوق تمنا کرے گی کہ اے کاش ہم دنیا میں بیمار ہی رہتے۔ واللہ اعلم۔

ساتویں مجلس

اسی سال ماہِ حج کی دوسری تاریخ پیر کو ہاتھ چومنے کی سعادت ہاتھ آئی۔ ایک جوالقی (ملنگ قسم کے لوگ) درویش بیٹھا تھا۔ اٹھتے وقت اس نے تکبیر کہی اور اٹھ کر چلا گیا۔ بندے (حسن علا سجزی) نے عرض کی کہ درویش لوگ جو تکبیر کہا کرتے ہیں (اس کی ابتداء) کہاں سے ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد تو تکبیر آئی ہے اور وہ تکبیر حمد کے طور پر ہے۔ یعنی اس نعمت کے شکرانے میں تکبیر کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ کل قیامت کو جنتیوں میں سے ایک چوتھائی تو تم لوگ ہو گے اور باقی تین چوتھائی دوسری اُمتیں ہوں گی! صحابہ نے اس نعمت کے شکرانے میں تکبیر کہی۔ پھر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اہل بہشت میں سے ایک تہائی تم لوگ ہو گے اور دو تہائی دوسری امتیں۔ صحابہ نے پھر تکبیر کہی۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر فرمایا جنت والوں میں آدھے تم ہو گے اور آدھی دوسری امتیں! صحابہ نے پھر تکبیر کہی۔ اس کے بعد

خواجہ ذکرہ' اللہ بالخیر نے فرمایا کہ ان موقعوں پر تکبیر کہنا حمد کے طور پر ہے۔ لیکن یہ جو بعض درویش ہر دفعہ ہر مصلحت پر کہتے ہیں کہ میں تکبیر کہتا ہوں۔ یہ کہیں نہیں آیا۔ اس کے بعد بندے نے عرض کی کہ وہ ذکر جو بلند آواز سے کیا جاتا ہے۔ یہ مشائخ نے فرمایا ہے؟ ارشاد ہوا کہ فرمایا ہے۔ پھر بندے نے عرض کی کہ اگر ذکر آہستہ کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ صحابہ جو قرآن پڑھتے تھے۔ اس طرح پڑھتے تھے کہ کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا۔ جب سجدے کی آیت آتی تو وہ سجدہ فرماتے۔ اس وقت پتہ چلتا کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں۔

آٹھویں[8] مجلس

اسی سال ماہِ حج کی چھبیسویں تاریخ جمعرات کو قدم چومنے کی دولت میسر آئی۔ سلام اور جواب کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ کو حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ ساٹھ گز ان کا قد تھا۔ ان کو حکم ہوا کہ مقرب فرشتوں کو سلام کرو اور سلام کا جواب سنو تاکہ تمہارے فرزندوں کے درمیان سلام اور سلام کا جواب اسی طرح ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سلام کیا۔ السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) فرشتوں نے (جواب میں) کہا علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں) تو یہی طریقہ آدم کی اولاد کے لیے ٹھہر گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی آئے اور اس طرح سلام کرے السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' (تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں) تو اس کا جواب کس طرح دینا چاہیے۔ اس کا جواب بھی اسی طرح دیا جائے گا کہ علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

پھر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام کے صحابہ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اسی طرح سلام کیا۔ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" (تم سب پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں) حاضرین میں سے کسی نے سلام کا جواب اس طرح دیا کہ علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ومغفرتہ' (تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں اور اس کی طرف سے مغفرت ہو)۔ (حضرت) ابن عباسؓ موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس طرح نہیں کہنا چاہیے۔ سلام کا جواب برکاتہ' سے آگے (کچھ) نہیں ہے۔ بندے نے عرض کی کہ اگر ایک شخص نفل نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی بزرگ آ جاتا ہے۔ تو یہ نمازی نماز چھوڑ کر اس کے ساتھ

مشغول ہو جائے تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرنی چاہیے۔ بندے نے عرض کی کہ جو شخص نفل نماز ادا کرتا ہے۔ وہ ثواب کے لیے اور سعادت حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اس دوران اگر اس کا پیر آ جائے تو اس کے لیے پیر کی قدم بوسی میں بھی بڑی سعادتیں ہیں اور مریدوں کا اعتقاد ہے کہ یہ دولت اس ثواب سے سوگنا بہتر ہے۔ ارشاد ہوا کہ حکم شرع اسی طرح ہے! (کہ نماز پوری کرے) اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کسی پانی کے کنارے پہنچے۔ مریدوں کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں۔ ان کو جیسے ہی شیخ نظر پڑے سب کے سب تعظیم بجالائے اور آدھے وضو سے کھڑے ہو گئے۔ مگر ایک صوفی نے اپنا وضو پورا کیا اور پھر شیخ کی خدمت میں آیا اور تعظیم کی۔ شیخ نے فرمایا کہ ان سب میں درویش یہی ہے کہ اس نے وضو پورا کیا اور پھر میری تعظیم کی۔ بندے نے عرض کی کہ اگر کوئی نفل نماز چھوڑ دے اور پیر کی تعظیم میں مشغول ہو جائے تو اس کو کافر کہہ سکتے ہیں؟ فرمایا نہیں۔

اس وقت بندے کی عرضداشت اور پیر کے لیے مرید کے اعتقاد کی پختگی کی مناسبت سے زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے بدرالدین اسحٰق کو آواز دی۔ بدرالدین نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز ہی میں انھوں نے جواب دیا اور زور سے کہا لبیک! (حاضر ہوں!) اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام کھانا نوش فرما رہے تھے کہ کسی شخص کو آواز دی۔ وہ صحابی اس وقت نماز پڑھ رہے تھے حاضر ہونے میں دیر لگائی۔ رسول علیہ السلام نے پوچھا کہ جلدی کیوں نہیں آئے؟ انھوں نے عرض کی کہ نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جب خدا اور خدا کا رسولؐ پکاریں تو فوراً جواب دینا چاہیے۔ اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ شیخ کا فرمان بھی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی طرح ہے۔ اس موقع پر حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص شیخ شبلیؒ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں آپ کا مرید ہوتا ہوں (حضرت) شبلیؒ نے فرمایا کہ ایک شرط پر تیری ارادت قبول کرتا ہوں کہ میں جو کہوں تو وہی کرے! مرید بولا میں ایسا ہی کروں گا۔ (حضرت شیخ) شبلیؒ نے پوچھا تو کلمہ طیبہ کس طرح پڑھتا ہے۔ مرید نے جواب دیا کہ میں اسی طرح پڑھتا ہوں۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ۔ شبلی بولے اس طرح پڑھ: لا الٰہ الا اللّٰہ شبلی رسول اللّٰہ ۔ مرید نے فوراً

اسی طرح پڑھ دیا۔ اس کے بعد شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شبلی آنحضرتؐ کے ادنیٰ چاکروں میں سے ایک ہے۔ اللہ کے رسول تو وہی ہیں۔ میں تو تیرے اعتقاد کا امتحان کر رہا تھا۔

پھر نماز جمعہ کا ذکر نکلا کہ نماز کو نہ جانے کی کوئی تاویل آئی ہے؟ فرمایا کہ کوئی تاویل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی غلام ہو یا مسافر ہو یا مریض ہو لیکن جو شخص قدرت رکھتا ہے کہ نماز کو جائے اور پھر نہیں جاتا وہ بہت سخت دل ہے۔ اس وقت ارشاد ہوا کہ اگر کوئی ایک جمعے کو نہ جائے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر پڑ جاتا ہے اور اگر دو جمعے کو نہیں جاتا تو دو کالے نقطے پڑ جاتے ہیں اور اگر تین جمعے نہ جائے تو اس کا تمام دل کالا ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا (ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)

اس درمیان سلطان غیاث الدین بلبن اور ان کی نماز جمعہ اور پانچوں وقت کی پابندی اور اچھے عقیدے کا ذکر نکلا۔ اس وقت فرمایا کہ ایک دفعہ وہ قاضی لشکر سے کہنے لگے کہ کل کی رات بھی کیسی بزرگ (مبارک) رات تھی! قاضی لشکر نے کہا کہ (اچھا کیا) آپ پر بھی روشن ہو گئی؟ سلطان نے جواب دیا۔ ہاں۔ اس درمیان بندے نے عرض کی کہ شاید وہ شب قدر ہو گی؟ ارشاد ہوا کہ بس ایک بزرگوار (بہت مبارک) رات تھی جو ان کو میسر آئی اور وہ ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہو گئے۔

نوویں مجلس [9]

سنہ سات سو بیس ہجری ماہ جمادی الاولیٰ کی دوسری تاریخ منگل کو دست بوسی کی سعادت میسر آئی۔ نماز کی بات چلی اور یہ (ذکر آیا) کہ بسم اللہ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنی چاہیے یا ہر سورۃ کے شروع میں۔ ارشاد ہوا کہ امام اعظمؒ[1] نے فرمایا ہے کہ بس پہلی رکعت میں ایک بار بسم اللہ پڑھیں اور بس۔ دوسرے آئمہ کے برخلاف کہ بعض نے ہر رکعت کے شروع میں کہا ہے اور بعض نے ہر سورۃ کے شروع میں۔ اس وقت فرمایا کہ امام اعظمؒ پر سفیان ثوری اور ایک دوسرے بزرگ ساتھی نے کسی قدر اعتراض کیا تھا ایک دفعہ کسی مجمعے میں یہ سب اکٹھے ہو گئے۔

1- امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کو کہتے ہیں پورا نام النعمان بن ثابت ابوحنیفہ۔ فقہ میں مذہب حنفی کے بانی ۷۶۷ء میں بغداد میں انتقال ہوا۔ الاعظمہ میں مدفون ہیں۔

سفیان ثوری[1] اور ان کے دوسرے ساتھی نے امام اعظم سے سوال کیا کہ نمازی بسم اللہ کب کہے۔ ہر رکعت کے شروع میں یا ہر سورۃ کے شروع میں؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر نفی کریں گے کہ نہ پڑھو تو فوراً بسم اللہ کو منع کرنے پر ان کی پکڑ کر لیں گے۔ الغرض جب انھوں نے سوال کیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں کہ بسم اللہ ہر رکعت کے شروع میں (پڑھیں) یا ہر پڑھی جانے والی سورۃ کے شروع میں؟ کتنی دفعہ پڑھیں؟ امام اعظمؒ میں جو علمی کمال اور ادب کا لحاظ تھا اس کے مطابق فرمایا کہ ایک دفعہ پڑھے! خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے ارشاد کیا کہ ان کی مراد اپنے اسی حکم سے تھی (اب) وہ جس طرح چاہتے تصور کرتے۔ چاہے ہر رکعت کے شروع میں چاہے ہر سورۃ کے شروع میں۔

پھر مشائخ کے نفس (زبان سے نکلی ہوئی بات) اور ان کی دعا کا ذکر آیا۔ اس وقت فرمایا کہ شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مریدوں میں ایک مرید محمد شاہ غوری نامی تھے۔ (بڑے) صادق اور معتقد آدمی تھے۔ ایک دفعہ وہ مضطر اور پریشان شیخ کی خدمت میں آئے۔ شیخ نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولے میرا ایک بھائی ہے۔ بیمار اور اتنا کمزور کہ اس میں (زندگی کی) بس ذرا سی رمق ہی رہ گئی ہے۔ اس وقت کہ میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں کیا عجب کہ وہ ختم بھی ہو گیا ہو اسی سبب سے میں بھی پریشان اور زیر و زبر ہوں۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ جو حالت تیری اس وقت ہے میں ساری عمر اسی طرح رہا ہوں۔ لیکن کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ پھر اس سے فرمایا کہ جاؤ تمہارا بھائی صحت پائے گا۔ محمد شاہ اٹھ کر گھر آ گئے۔ بھائی کو دیکھا کہ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

10
دسویں مجلس

اسی سال جمادی الاولیٰ کے مہینے کی ساتویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ بندے نے عرض کی کہ (یہ جو) ایک آدمی پانی پیتا ہے اور دوسرے ہاتھ آگے (بڑھائے) رکھتے ہیں، یہ سنت ہے؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے تامل فرمایا حاضرین میں سے

1- سفیان سعید بن مسروق الثوری۔ تابعین میں سے ہیں۔ ۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ طبقات ابن سعد، جلد ۶، صفحہ ۲۵۷۔

ایک شخص نے چند لفظ پڑھے اور بولا کہ یہ حدیث ہے کہ جو شخص کسی کے پانی پیتے وقت ہاتھ بڑھاتا ہے، وہ ضرور بخشا جائے گا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے ارشاد کیا کہ یہ حدیث ان کتابوں میں جو مشہور اور معتبر ہیں، نہیں آئی ہے۔ ممکن ہے یہ (حدیث ہی) ہو، لوگ اگر حدیث سنیں تو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ رسول ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن کتابوں میں احادیث جمع کی گئی ہیں اور جنھوں نے اعتبار حاصل کر لیا ہے ان میں (یہ حدیث) نہیں آئی ہے۔

یہاں سے احادیث کا ذکر نکلا۔ اس موقع پر فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی منہاج الدین سراج علیہ الرحمۃ والغفر ان وعظ فرما رہے تھے۔ وعظ کے دوران انھوں نے کہا کہ چھ حدیثیں متواتر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے: الغیبۃ اشد من الزنا (غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے) دوسری یہ ہے: من شم الورد ولم یصل علی فقد جفانی (جس شخص نے گلاب (یا زعفران) کو سونگھا اور مجھ پر درود نہ پڑھا اس نے مجھ پر جفا کی) تیسری یہ ہے: البینۃ علی المدعی والیمینُ علیٰ من انکر (دعوے دار کے لیے بیان اور (اس کا رد اور) انکار کرنے والے کے لیے قسم ہے۔ اس موقع پر خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور کہا کہ قاضی منہاج الدین نے جب یہ تین حدیثیں بیان کیں تو اس کے بعد بولے کہ باقی کی تین حدیثیں مجھے معلوم نہیں اور اگر کوئی مجھے طعنہ دے اور کہے کہ کیوں نہیں معلوم تو میں کہوں گا کہ یہ تین حدیثیں تم نے مجھ سے سیکھی ہیں، تم بھی تو نہیں جانتے تھے!

اس وقت رسول علیہ السلام کی حدیث کی فضیلت کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ مولانا رضی الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے طول کھینچا۔ ان کے پڑوس میں ایک عالم رہا کرتے تھے۔ وہ عیادت کے لیے آئے اس وقت مولانا رضی الدین بحران کی حالت میں تھے۔ یہ عالم ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور یہ حدیث پڑھی: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الغیبۃ اشد من الزنا (فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔ مولانا رضی الدین پر اگرچہ بیماری کا غلبہ تھا کیونکہ نہ تو اس وقت زنا کا ذکر ہو رہا تھا نہ غیبت کا کس وجہ سے یہ حدیث آپ نے پڑھی؟ ان عالم نے جواب دیا کہ میرا مقصد توجیہہ اور غیر توجیہہ نہیں تھا۔ میں نے تو یہ سن رکھا تھا کہ جو کسی بیمار کے

سرہانے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں میں سے ایک حدیث پڑھے گا، وہ مریض صحت پائے گا۔ یہ حدیث جو متواتر ہے اور صحیح ہے آپ کی صحت کی نیت سے پڑھی ہے۔ مولانا رضی الدین نے پھر کچھ نہ کہا اور اس بیماری سے صحت پائی۔

پھر (اللہ کے حکم پر) راضی رہنے اور تسلیم (اطاعت قبول کر لینے سر جھکا لینے) کا ذکر آیا۔ اس وقت یہ حکایت بیان فرمائی کہ کوئی درویش بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مکھی آئی اور ان کی ناک پر بیٹھ گئی ان درویش نے اپنی ناک پر سے مکھی کو اڑا دیا۔ مکھی پھر آئی اور ان کی ناک پر بیٹھ گئی۔ انھوں نے پھر اڑا دیا۔ وہ پھر آ کر بیٹھ گئی۔ انھوں نے پھر اڑا دیا۔ درویش بولے بار خدایا میں چاہتا ہوں کہ مکھی میری ناک پر نہ بیٹھے اور تو چاہتا ہے کہ بیٹھے۔ میں اپنی مرضی کو چھوڑتا ہوں اور جو کچھ تیری مرضی ہو اس کے لیے تیار ہوں۔ اس کے بعد میں اپنی ناک پر سے مکھی نہیں اڑاؤں گا۔ جب انھوں نے یہ کہا تو اس کے بعد مکھی ان کے ناک پر نہیں بیٹھی۔

گیارہویں مجلس [11]

اسی سال جمادی الاولیٰ کے مہینے کی بیس تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ بات یہ نکلی کہ بعض توبہ کرنے والوں سے توبہ کے بعد (بھی) لغزش ہو جاتی ہے۔ اگر سعادت باقی ہوتی ہے تو پھر توبہ کی دولت مل جاتی ہے، اس حال کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک گانے والی قمر نام کی تھی۔ حسن و جمال کمال کا رکھتی تھی۔ آخر عمر میں توبہ کر لی اور جا کر شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر محمد سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی مرید ہو گئی۔ وہاں سے کعبے کی زیارت کو گئی، جب واپس ہوئی تو ہمدان پہنچی۔ ہمدان کے والی (حاکم) کو اس کے آنے کی خبر لگی (تو) کسی کو اس کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ میرے سامنے آ کر گاؤ۔ اس عورت نے جواب دیا میں نے اس کام سے توبہ کر لی ہے اور کعبے کی زیارت کر لی ہے۔ آئندہ یہ کام نہیں کروں گی۔ ہمدان کے والی نے ایک نہ سنی اور سختی برتی۔ وہ عورت ناچار شیخ یوسف ہمدانی کی خدمت میں گئی اور صورت حال بیان کی۔ شیخ بولے اچھا اب تو جاؤ۔ میں آج رات کو تمہارے کام کے لیے مشغول ہوں گا اور کل صبح جواب دے سکوں گا۔ جب صبح ہوئی تو وہ عورت شیخ کی خدمت میں آئی۔ شیخ نے فرمایا کہ تقدیر کے خزانے میں تیرا ایک گناہ اور باقی ہے عورت مجبور ہو

کر رہ گئی۔ اور ہمدان کے حاکم کے آدمیوں نے اسے چھوڑا نہیں۔ حاکم کے سامنے لے گئے۔ جب چنگ (باجا) لایا گیا اور اس کو دیا گیا تو عورت نے چنگ کو درست کر کے گانا شروع کیا۔ چند شعر اس نے ایسے گائے کہ سب پر اثر ہوا۔ پہلے حاکم ہمدان نے توبہ کی اس کے بعد مجلس میں جو بھی تھا تائب ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بارہویں مجلس [12]

اسی سال رجب کے مبارک مہینے کی چھٹی تاریخ منگل کو ہاتھ چومنے کی سعادت میسر آئی۔ قاضی قطب الدین کاشانی[1] رحمۃ اللہ علیہ کے علم اور دیانت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ وہ ملتان میں ہوئے ہیں اور ان کا علیحدہ مدرسہ تھا۔ شیخ بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ روزانہ صبح وہاں حاضر ہوتے اور نماز وہیں ادا کرتے۔ ایک روز مولانا قطب الدین نے ان سے پوچھا کہ اپنے ہاں سے اتنی دور آ کر کیوں میری اقتدا کرتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ من صلی خلف عالم تقیٍ فکا نما صلیٰ خلف نبیٍ مرسلٍ (جس نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی وہ ایسا ہے جیسے اس نے کسی نبی مرسل کے پیچھے نماز ادا کی) اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی سنا ہے۔ اور ذمے داری روایت کرنے والے پر ہے کہ ایک روز شیخ بہاء الدین زکریا وہاں حاضر ہوئے۔ قاضی قطب الدین صبح کی نماز میں امامت کر رہے تھے۔ ایک رکعت پڑھ چکے تھے۔ شیخ دوسری رکعت میں پہنچے اور شریک ہو گئے۔ جب قاضی قطب الدین التحیات میں بیٹھے تو اس سے پہلے کہ سلام پھیریں۔ شیخ بہاء الدین کھڑے ہو گئے اور اپنی نماز پوری کی۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو قاضی قطب الدین نے شیخ سے کہا کہ نماز کے سلام سے پہلے کیوں کھڑے ہو گئے۔ ممکن تھا کہ امام سے سہو ہوا ہوتا اور وہ سجدۂ سہو کرنا چاہتا۔ جب آپ سلام سے پہلے ہی کھڑے ہو گئے تو سجدہ سہو نہیں کر سکتے تھے۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی کو نور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام سے کوئی سہو نہیں ہوا ہے تو اس کا کھڑا ہو جانا جائز ہے۔ قاضی قطب الدین بولے کہ ہر وہ نور جو شرع کے احکام کے موافق نہ ہو وہ

1- ان کا مدرسہ ناصر الدین قباچہ، والی ملتان نے بنوایا تھا۔ ۶۳۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ قاضی محی الدین کاشانی ان کی اولاد میں تھے۔ سیر الاولیاء صفحہ ۶۱۔

ظلمت (اندھیرا) ہے! القصہ اس طرح کہا کہ اس کے بعد شیخ وہاں حاضر نہ ہوئے۔

اسی طرح یہ حکایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ قاضی قطب الدین سے کہا گیا کہ آپ درویشوں سے اعتقاد نہیں رکھتے۔ بولے جیسے درویش میں نے دیکھے ہیں دوسروں کو ویسا نہیں پاتا۔ پھر فرمایا کہ میں ایک دفعہ کاشغر میں تھا۔ ایک چھوٹی قلم تراش چھری میرے پاس تھی۔ وہ ٹوٹ گئی۔ اس کو بازار میں لے گیا اور چھری بنانے والوں کو دکھایا اور کہا کہ اس چھری کو ویسا ہی بنادو جیسی (پہلے) تھی۔ سب نے کہا کہ ویسی تو نہیں ہوسکتی۔ بننے کے بعد) تھوڑی سی چھوٹی ہو جائے گی۔ یعنی پیچھے کا حصہ جب آگے لیا جائے گا اور دستے میں بھی استعمال کریں گے تو ایسی صورت میں کچھ کم ہو ہی جائے گی۔ میں نے کہا کہ نہیں جیسی تھی ویسی ہی بننی ضروری ہے۔ ان سے تو نہ ہوسکا لیکن مجھے پتہ بتادیا کہ فلاں دکان میں جاؤ۔ وہاں ایک بڑے میاں چھری بنانے والے ہیں۔ بڑے بزرگ اور باصلاحیت آدمی ہیں۔ ان کے پاس لے جاؤ۔ شاید تمہارا مقصد حاصل ہو جائے۔ قاضی قطب الدین نے کہا کہ میں اس پتے پر ان کے پاس پہنچا۔ بڑے میاں کو دیکھا اور چھری کا قصہ سنایا۔ انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو دوسرے دے چکے تھے کہ تھوڑی سی چھوٹی ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ مجھے تو بالکل اسی طرح کی چاہیے جیسے پہلے تھی۔ بڑے میاں نے کچھ دیر تامل کیا۔ اور پھر مجھ سے بولے اچھا آنکھیں بند کرلو۔ قاضی قطب الدین نے فرمایا کہ میں نے آنکھیں بند کرلیں لیکن کنکھیوں سے میں نے دیکھا کہ ان بڑے میاں نے ٹوٹی ہوئی چھری کو اٹھایا اور اپنی داڑھی کے قریب لاکر آسمان کی طرف رُخ کیا اور چپکے سے کچھ کہا۔ پھر مجھ سے بولے آنکھیں کھول لو۔ میں نے آنکھیں کھول لیں تو وہ چھری میرے سامنے ڈال دی۔ بالکل اسی شکل (وسائز) کی جیسے پہلی تھی درست اور مکمل ہوگئی تھی۔

قاضی قطب الدین کاشانی کی ایک اور حکایت اسی طرح کی بیان فرمائی کہ جب وہ دہلی آئے تو ایک دفعہ ان کو سلطان شمس الدین کے محل میں بلایا گیا۔ تشریف لے گئے۔ اس وقت سلطان خرم گاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ سید نور الدین مبارک علیہ الرحمۃ خرم گاہ کے ایک جانب تشریف فرما تھے اور قاضی فخر الائمہ دوسری جانب اور وہ دونوں ہی خرم گاہ سے باہر تھے۔ جب قاضی قطب الدین تشریف لائے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں بیٹھیں گے؟ انھوں نے کہا علوی کے ہاتھ کے نیچے۔ القصہ جب سلطان کے قریب پہنچے اور سلام کیا تو سلطان کھڑا ہو گیا اور ان کا

ہاتھ تھام کر حرم گاہ کے اندر لے گیا اور اپنے قریب بٹھایا۔

پھر شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ جب وہ بدایوں پہنچے تو کچھ عرصے وہاں مقیم رہے، شاید ایک روز کسی کام سے قاضی کمال الدین جعفری کے ہاں جو بدایوں کے حاکم تھے تشریف لائے۔ نوکر چاکر جو دروازے کے سامنے بیٹھے تھے، بولے کہ قاضی صاحب اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں۔ شیخ مسکرائے اور یہ بات کہی کہ کیا قاضی کو نماز پڑھنی آتی ہے؟ الغرض جب شیخ واپس چلے گئے تو یہ خبر قاضی (صاحب) کو پہنچائی گئی کہ شیخ نے ایسی ایسی بات کہی ہے۔ دوسرے روز قاضی کمال الدین شیخ کی خدمت میں آئے اور معذرت کرنے لگے اور یہ بات بھی پوچھی کہ آپ نے کیسے فرمادیا کہ قاضی نماز پڑھنی جانتا بھی ہے؟ میں نے تو نماز اور اس کے احکام کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں! علماء کی نماز اور ہے اور فقیروں کی نماز اور! قاضی نے پوچھا کیا فقراء رکوع اور سجدے دوسری طرح کرتے ہیں؟ یا قرآن کسی اور طریقے سے پڑھتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ نہیں۔ علماء کی نماز اس طرح ہوتی ہے کہ کعبے پر نظر رکھتے ہیں اور پھر نماز پڑھتے ہیں اور اگر کعبہ نظر میں نہیں ہوتا تو چہرہ اس کی طرف کر لیتے ہیں اور اگر ایسی جگہ ہوں جہاں سمت معلوم نہ ہو سکے تو اندازہ کر لیتے ہیں۔ علماء کا قبلہ ان تین چیزوں سے باہر نہیں ہے۔ لیکن فقراء جب تک عرش کو نہیں دیکھ لیتے نماز نہیں پڑھتے۔ قاضی کمال الدین کو اگر چہ یہ بات ناگوار گزری مگر کچھ بولے نہیں۔ وہاں سے واپس آ گئے، جب رات ہوئی تو قاضی کو خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہٗ العزیز عرش پر مصلاّ بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں! دوسرے دن یہ دونوں بزرگ ایک مجمعے میں موجود تھے۔ شیخ جلال الدین اس طرح گویا ہوئے کہ ارے فلانے! علماء کا کام اور مرتبہ تو معلوم ہے کہ ان کی ہمت اور پہنچ درس دینے تک ہے (اور بہت سے بہت یہ) چاہتے ہیں کہ مدرس بن جائیں یا قاضی (جج) ہو جائیں یا صدر جہاں ہو جائیں۔ ان کا مرتبہ اس سے اونچا نہیں ہوتا لیکن درویشوں کے مرتبے بہت ہیں (ان میں سے) پہلا درجہ تو وہی ہے جو قاضی کو گزشتہ رات دکھایا گیا! قاضی کمال الدین نے جب یہ بات سنی تو اٹھے اور سامنے آ کر بڑی معذرت کی اور شیخ سے معافی چاہی اور اپنے لڑکے کو جس کا برہان الدین لقب تھا شیخ کے قدموں میں ڈال دیا اور مرید کرایا اور شیخ سے کلاہ حاصل کی۔

13
تیرہویں مجلس

اسی سال رجب کے مبارک مہینے کی دسویں تاریخ ہفتے کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ تحمل (برداشت) کا ذکر نکلا۔ فرمایا کہ خلقت کا معاملہ تین طرح کا ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی سے نہ تو کسی کو فائدہ پہنچے نہ نقصان! ایسے لوگوں کا حال جماد (پتھر وغیرہ) جیسا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے نقصان نہیں۔
یہ (ذرا) بہتر ہے۔ تیسری قسم ان دونوں سے اچھی ہے اور وہ ایسے (آدمیوں کی) ہے جن سے دوسروں کو فائدہ (تو) پہنچتا (ہی) ہے لیکن اگر کوئی انھیں نقصان پہنچاتا ہے تو وہ اس کا بدلہ نہیں لیتے اور برداشت سے کام لیتے ہیں اور یہ صدیقوں کا کام ہے۔

14
چودہویں مجلس

اسی سال شعبان کے مبارک مہینے کی اٹھارہویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ بات یہ نکلی کہ ناموں میں اچھا (نام) کون سا ہے؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: **احب الاسماء عند اللہ عبداللہ و عبدالرحمن** ۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور اس کے بعد فرمایا: **اصدق الاسماء الحارث** ۔ سب سے سچا نام حارث ہے۔ اس وقت فرمایا کہ ناموں میں صحیح ترین حارث (بونے والا) اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ بوتا ہے چاہے طاعت سے چاہے گناہ سے! اس کے بعد فرمایا کہ: **اکذب الاسماء المالک و الخالد** ۔ سب سے جھوٹے نام مالک اور خالد ہیں کیوں کہ مالک تو خداوند تعالیٰ ہے اور خالد (ہمیشہ رہنے والا) جاوید (ہمیشہ رہنے والا) بھی وہی ہے۔

15
پندرہویں مجلس

اسی سال رمضان المبارک کی پانچویں تاریخ جمعرات کو دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ صحبت کے اثر کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ نصیر نامی کوئی طالب علم شیخ الاسلام فرید الدین

قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا اور یہ طالب علم شاید تجارت کی نیت رکھتا تھا۔ القصہ جب شیخ کی خدمت میں پہنچا تو ارادت ظاہر کر کے مرید ہوا اور اس نے سر کے بال بڑھا رکھے تھے حتیٰ کہ ایک روز کوئی جوگی آ پہنچا۔ یہ طالب علم اس جوگی سے پوچھنے لگا کہ سر کے بال کس چیز سے لمبے ہوتے ہیں؟ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب میں نے سنا کہ وہ جوگی سے سر کے بال بڑھانے کے لیے پوچھ رہا ہے اور اس کی دوا مانگتا ہے تو میرے جی میں کراہیت آئی۔ اس وجہ سے کہ جو شخص بیعت کرتا ہے وہ بال بڑھانے کے لیے دوا کا طلب گار کیوں ہوتا ہے اور وہ یہ بھی کہ سر کے بال اُتروانے میں غرض یہ ہوتی ہے کہ آدمی میں سے رعونت جاتی رہے۔ پس بالوں کی لمبائی سے کیا حاصل! الغرض جب کچھ وقت گزر گیا تو خواجہ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے نبیسے (نواسے یا پوتے) خواجہ وحید الدین شیخ کبیر (حضرت بابا فریدؒ) کی خدمت میں آئے اور ارادت اور بیعت کی اجازت طلب کی۔ اور سر منڈانے کی رسم پر بھی عمل کرنا چاہا۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے یہ نعمت آپ کے گھرانے ہی سے ملی ہے۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ کو بیعت کروں۔ خواجہ وحید الدین نے بڑی منت سماجت کی کہ میں تو ضرور مرید بنوں گا۔ (چنانچہ) حضرت شیخ نے اُن کو ہاتھ دیا (مرید کرلیا) اور فرمایا کہ سر منڈاؤ! القصہ اس روز جب کہ خواجہ وحید الدین نے سر منڈایا تو ان کی موافقت میں مولانا نصیر الدین نے بھی جو سر کے بال بڑھانے کے لیے دوا مانگ رہے تھے۔ سر منڈا لیا۔

پھر مُردوں کے لیے دعا کا ذکر آیا، بندے نے عرض کی کہ (یہ جو) قبروں پر قرآن اور دعائیں لکھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ فرمایا کہ نہیں لکھنا چاہیے اور کفن کے کپڑے پر بھی نہیں لکھنا چاہیے۔

سولہویں مجلس[16]

اسی سال شوال کے مہینے کی اٹھارہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ مولانا برہان الدین بلخی علیہ الرحمۃ کی بزرگی کا ذکر آیا۔ حکایت بیان فرمائی کہ مولانا برہان الدین بلخیؒ نے بیان کیا ہے کہ میں چھوٹا سا تھا۔ اندازہ پانچ چھ سال یا کم زیادہ رہا ہوں گا۔ اپنے والد کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ مولانا برہان الدین مرغینانی جنھوں نے (کتاب) ہدایہ لکھی

ہے۔نمودار ہوئے۔میرے والد مجھے ایک جگہ چھوڑ کر اور ان سے بچ کر دوسرے کوچے میں چلے گئے۔جب مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری قریب آئی تو میں سامنے گیا اور سلام کیا۔انھوں نے مجھے گھور کر دیکھا اور یہ بات کہی کہ میں اس بچے میں علم کا نور دیکھتا ہوں! میں نے ان کا یہ ارشاد سنا اور ان کی سواری سے آگے چلنے لگا۔انھوں نے پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے یوں کہلواتا ہے کہ یہ بچہ اپنے وقت میں علامۂ عصر ہوگا! مولانا برہان الدین بلخی کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنی اور اسی طرح آگے چلتا رہا۔مولانا برہان الدین مرغینانی نے پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے یوں کہلواتا ہے کہ یہ بچہ ایسا بزرگ ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر آئیں گے۔[1] خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے جب یہ حکایت پوری فرمادی تو زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ مولانا برہان الدین بلخی میں وفورِ علم کے ساتھ کمال صلاحیت بھی تھا۔اتنا کہ بار بار فرماتے کہ خدائے عزوجل مجھ سے کسی کبیرہ گناہ کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔پھر خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے مسکرا کر فرمایا کہ مولانا برہان الدین نے جب یہ بات کہی کہ خدائے عزوجل مجھ سے کسی کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ پوچھے گا تو یہ بھی کہا کہ سوائے ایک کبیرہ کے! ان سے پوچھا گیا کہ وہ کبیرہ (گناہ) کون سا ہے؟ فرمایا کہ چنگ کا سماع کہ وہ میں نے بہت سنا ہے۔اور مل جائے تو اب بھی سنوں!

اس حکایت کی مناسبت سے سماع کا تذکرہ آیا۔ارشاد ہوا کہ اس شہر میں سماع کا سکہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے چلایا اور قاضی منہاج الدین نے بھی۔وہ بھی جب قاضی بنے اور صاحب سماع ہوئے تو ان کی وجہ سے اس کام میں استقامت آئی۔لیکن قاضی حمید الدین ناگوری اس کے باوجود کہ مخالف ان سے دشمنی اور جھگڑا کرتے تھے اپنی بات پر جمے رہے۔چنانچہ ایک دفعہ کوشک سفید (سفید محل) کے پاس کسی مکان میں ان کی دعوت کی گئی۔شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز اور دوسرے بزرگ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔مولانا رکن الدین سمرقندی کو خبر لگی کہ یہاں سماع (قوالی) ہے۔وہ (اس کے) زبردست مخالف تھے۔اپنے گھر سے خدمت گاروں اور متعلقین کے ساتھ روانہ ہوئے تاکہ اس گھر میں

1-نماز جمعہ کے بعد غیاث الدین بلبن، مولانا برہان الدین بلخی سے ملنے ان کے گھر جایا کرتا تھا۔تاریخ فیروز شاہی برنی۔صفحہ ۳۶۔

جائیں اور سماع کو منع کریں۔ قاضی حمید الدین کو صورتِ حال کی اطلاع دی گئی۔ انھوں نے مالکِ مکان سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ۔ تمھیں کتنا ہی بلائیں تم سامنے مت آنا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دیا گیا اور سماع شروع ہوا۔ مولانا رکن الدین سمرقندی جب اپنے حالی موالیوں کے ساتھ مکان کے دروازے پر پہنچے تو پوچھا کہ مالک مکان کہاں ہے؟ کہا گیا مالک مکان موجود نہیں ہے دوبارہ پوچھا گیا اور بہت کچھ ڈھونڈ بھال (کی گئی) اور اصرار ہوا کہ گھر والا کہاں ہے (مگر) یہی بتایا گیا کہ ہمیں کیا خبر کہاں ہے؟ رکن الدین سمرقندی نے جب مالک مکان کو نہ پایا تو دروازے سے لوٹ گئے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو تبسم فرمایا اور کہا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے اچھی ترکیب کی کہ مالک مکان کو غائب کر دیا۔ کیوں کہ مالک مکان کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے اگر رکن الدین سمرقندی بے اجازت اندر آتے تو وہ خود پکڑ میں آ جاتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بحریوں[1] نے بھی قاضی حمید الدین ناگوری سے جھگڑا کیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ مولانا شرف الدین بحری بیمار ہوئے۔ قاضی حمید الدین اس صفائے قلب کی وجہ سے جو درویشوں کی صفت ہے بیمار پرسی کے لیے مولانا شرف الدین کے دروازے پر آئے۔ ان کو خبر کی گئی کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ کیا وہی آئے ہیں جو خدا کو معشوق کہتے ہیں۔ میں ان کا منہ نہیں (دیکھوں گا) القصہ ان کو اندر نہ آنے دیا گیا۔ اس موقع پر بندے نے عرض کی کہ کیا اس (لفظ) معشوق سے محبوب مراد ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اس بارے میں بہت سی باتیں ہیں۔ لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر کچھ کہہ لے تو اس کے بارے میں کیا کہیں!

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری اور قاضی کبیر اور مولانا برہان الدین بلخی تینوں کہیں ساتھ جا رہے تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری خچر پر سوار تھے اور وہ لوگ اونچے اچھے گھوڑوں پر۔ القصہ اس دوران مولانا کبیر الدین نے قاضی حمید الدین سے کہا کہ مولانا آپ کا مرکب (سواری کا خچر) بہت صغیر (چھوٹا) ہے خواجہ حمید الدین نے کہا (مگر)

1- لشکر کے قاضی بحری کہلاتے تھے۔

کبیر (بڑے) سے بہتر ہے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور کہا دیکھو کیسا جواب دیا کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب قاضی حمید الدین کے سماع کا بہت چرچا ہوا تو اس زمانے کے مخالفین نے بڑے فتوے مانگے اور جواب لیے اور سب نے لکھا کہ سماع حرام ہے۔ ایک فقیہ (مفتی) تھے جن کا قاضی حمید الدین کے یہاں بھی آنا جانا تھا۔ شاید انھوں نے بھی اس فتوے پر کچھ تحریر کیا۔ اس کی خبر قاضی حمید الدین کو پہنچائی گئی اس دوران یہ فقیہ قاضی حمید الدین کی خدمت میں آئے۔ قاضی (صاحب) نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تم نے بھی اس کا جواب لکھا ہے۔ فقیہ ذرا شرمندہ سے ہوئے اور بولے جی ہاں لکھا ہے! خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اس روز قاضی حمید الدین نے بھی اپنا ایک راز ظاہر کر دیا۔ الغرض جب ان فقیہ نے کہا کہ جی ہاں میں نے لکھا ہے، قاضی حمید الدین بولے کہ وہ سب مفتی جنھوں نے جواب لکھا ہے میرے نزدیک ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہیں۔ تم پیدا تو ہو گئے ہو لیکن ابھی بچے ہو!

یہاں سے قاضی حمید الدین[1] ماریکلی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی۔ فرمایا کہ انھوں نے کہا ہے میں جو اس شہر میں آیا ہوں تو قاضی حمید الدین ناگوری کے اشتیاق میں آیا ہوں۔ لیکن جب میں پہنچا تو وہ پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔ ایک روز انھوں نے قاضی حمید الدین کے مجموعات (نگارشات) کو اپنے سامنے طلب کیا اور ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے جو انھوں نے سلوک پر لکھی ہیں۔ مطالعے کے بعد طالب علموں کی طرف جو ان کے اطراف حاضر تھے۔ رُخ کر کے بولے کہ تم جو کچھ پڑھتے ہو وہ انہی کاغذات میں موجود ہے۔ اور جو کچھ نہیں پڑھا ہے وہ بھی ان میں ہے اور میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ بھی ان میں ہے اور جو کچھ میں نے نہیں پڑھا وہ بھی ہے۔

17
ستارہویں مجلس

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی ساتویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ اولیائے حق اور لوگوں کے ساتھ ان کے کھرے معاملات اور پھر اس کے نتائج کا ذکر نکلا۔ اس وقت حکایت بیان فرمائی کہ نیشاپور میں ایک بزرگ تھے جنھیں ابو العباس قصاب پکارا جاتا تھا۔ ایک

1- ماریکلہ، حسن ابدال اور راولپنڈی کے درمیان ہے۔ وفات یکم رمضان ۶۵۷ھ طبقات ناصری صفحہ ۲۲۶۔

دفعہ ان ابوالعباس کے والد کہیں سفر کو گئے۔ گھر میں بہت سی بھیڑیں تھیں۔ ابوالعباس سے کہا کہ میرے آنے تک ان بھیڑوں کو کاٹ کر ان کا گوشت بیچ دینا اور روپیہ جمع رکھنا۔ القصہ اس کے کچھ عرصے بعد ان کے والد واپس آئے تو ہڈیوں کا ایک ڈھیر دیکھا۔ بیٹے سے پوچھا کہ یہ ہڈیوں کا ڈھیر کیسا ہے؟ ابوالعباس نے جواب دیا کہ بھیڑوں کی ہڈیاں ہیں جن کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ ذبح کر دینا اور گوشت بیچ دینا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے باپ نے کہا کہ ہڈیاں کیوں نہیں بیچیں؟ بولے لوگ میرے پاس گوشت خریدنے آتے ہیں۔ میں ہڈیاں کیسے بیچوں؟ باپ ان کی اس بات سے رنجیدہ ہو گئے اور کہا کہ تم نے یہ کیا (غضب) کیا۔ میرا روپیہ برباد کر دیا۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں کہیں۔ اسی درمیان ابوالعباس نے پوچھا کہ (آپ کا) کتنے روپے کا نقصان ہوا ہے؟ ان کے والد نے غصے اور حقارت سے کہا کہ تم نے میرے بیس ہزار دینار کم کر دیئے! ابوالعباس نے جب یہ بات سنی تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ اسی وقت ایک تھیلی غیب سے ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ انھوں نے اپنے باپ کے سامنے رکھ دی۔ جب اسے کھولا تو بیس ہزار دینار تھے۔ جب یہ حکایت پوری ہو گئی تو بندے نے عرض کی کہ جلال قصاب متقدمان (پرانے لوگوں) میں سے تھے۔ فرمایا کہ نہیں۔ جلال قصاب متاخران (بعد کے لوگوں) میں سے تھے۔ بندے نے عرض کی کہ یہ شعر:

من پور قصابم سخنم پوست کشندہ است
من پوست کشم ہر کہ بہ بازار من آید!

(میں قصائی کا بیٹا ہوں۔ میری بات بھی چھلی چھلائی ہے۔ میرے بازار میں جو بھی آتا ہے میں اس کی کھال کھینچ لیتا ہوں)

کیا جلال قصاب کا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس وقت فرمایا کہ دہلی میں بھی ایک قصاب تھے۔ اولیائے حق میں سے۔ نوہٹے کے قریب (رہتے تھے) مخلوق ان سے نعمت حاصل کرتی تھی۔ قاضی فخرالدین ناقلہ شروع حال میں ان کے پاس بہت جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ان قصاب نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ قاضی فخرالدین نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ قاضی (جج) ہو جاؤں۔ بولے جاؤ۔ قاضی بن جاؤ گے (چنانچہ) وہ قاضی ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور شخص بھی ان قصاب کے پاس آیا اس سے بھی انھوں نے پوچھا کہ کیا تجھے بھی کچھ چاہیے۔

بولا میری تمنا تو یہ ہے کہ امیر داد[1] بن جاؤں۔ اس شخص سے بھی انھوں نے کہا کہ جا امیر داد ہو جائے گا۔ وہ امیر داد ہو گیا۔ اس موقع پر فرمایا کہ مولانا وجیہ الدین حسام کا بھی ابتداء میں ان کے پاس آنا جانا تھا۔ ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ تمہیں کیا چاہیے؟ مولانا وجیہ الدین نے کہا کہ مجھے علم چاہیے۔ وہ بھی ان کے ارشاد کے مطابق عالم بن گئے۔ ایک اور صاحب بھی ان قصاب سے جان پہچان رکھتے تھے ایک روز ان صاحب سے پوچھا کہ تمہیں کیا درکار ہے؟ ان صاحب نے کہا مجھے تو محبتِ حق سے تعلق چاہیے یہ بھی واصلان (الٰہی) میں سے ہو گئے۔ اس وقت خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے ان قصاب کو دیکھا تھا۔

اٹھارہویں مجلس [18]

اسی سال ماہ ذی قعدہ کی بائیسویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ علویوں کا ذکر نکلا۔ بندے کے دل میں عرصے سے ایک بات تھی۔ اس روز اس کو عرض کیا۔ اور وہ بات یہ تھی بعض علویوں سے سنا گیا ہے کہ مصطفےٰ علیہ السلام نے ایک خط تحریر فرمایا تھا کہ میرے بعد اگر میرے فرزندان چاہیں تو مسلمانوں کو فروخت (بھی) کر سکتے ہیں! ابوبکر صدیق یا عمر خطاب رضی اللہ عنہما نے یہ خط پھاڑ ڈالا۔ کیا یہ بات سچی ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔ یہ ذکر کسی کتاب میں نہیں آیا ہے۔ البتہ ان کو عزیز رکھنا اور فرزندان رسول علیہ السلام کو بزرگ سمجھنا واجب ہے اس کے بعد فرمایا کہ جو کوئی آل رسولؐ میں سے ہے، اس سے کوئی ناشائستہ (بات) وجود میں نہیں آسکتی اور آتی بھی نہیں!

اس موقعے پر حکایت بیان فرمائی کہ سمرقند میں ایک صحیح نسب کے علوی (سید) تھے۔ وہ وہاں کے سید اجل (سب سے بزرگ) سید تھے۔ کتاب نافع انہی کی (تصنیف) ہے۔ الغرض ان کے گھر میں ایک لونڈی تھی۔ اس لونڈی کے ہاں ایک لڑکا ہوا۔ یہ لڑکا کم و بیش پانچ چھ سال کا ہوگا کہ ایک روز کوئی سقہ مشک بھر کر لایا اور پانی ڈال کر باہر چلا گیا۔ دوبارہ بھی اسی طرح پانی سے مشک بھر کر لایا اس دفعہ مشک میں چھید ہو گیا تھا اور تھوڑا تھوڑا پانی ٹپک رہا تھا۔ ان بزرگ سید صاحب نے پوچھا کہ اس مشک کو کیا ہوا؟ سقہ بولا کہ میں اس مشک کو پانی سے بھر

1- امیر داد ایک عہدہ تھا۔

کرلا رہا تھا۔ آپ کے صاحبزادے نے ایک چھوٹی سی تیر کمان بنائی ہے۔ انھوں نے تیر چلایا تو اس مشک میں ذرا سا سوراخ ہو گیا۔ سید اجل نے جب یہ بات سنی تو گھر کے اندر آئے۔ لونڈی کو پکڑا اور تلوار کھینچ کر بولے تجھ سے ایک بات پوچھنی چاہتا ہوں۔ اگر سچ نہ بتائے گی تو تجھے مار ڈالوں گا اور وہ بات یہ ہے کہ ٹھیک بتا تو نے جو لڑکا جنا ہے۔ یہ کس کا ہے؟ لونڈی نے پہلے تو چھپایا مگر پھر ڈر گئی اور بولی کہ یہ لڑکا میں نے فلاں غلام کا جنا ہے۔ سید اجل نے جب یہ بات سنی تو باہر آئے اور اس لڑکے کی جو دو[1] چوٹیاں بنا رکھی تھیں انہیں ایک چوٹی کر دیا۔ الغرض جو پیغمبر علیہ السلام کی آل میں ہوتا ہے اس سے اس طرح کی حرکت سرزد نہیں ہوتی۔

اس کے بعد دوسری حکایت بیان فرمائی کہ بدایوں میں ایک علوی (سید) تھے۔ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ شاید اس روز چاند (برج) عقرب میں تھا۔ چنانچہ جیسا کہ عوام کی رسم ہے ایسے بچے کی ولادت کو منحوس اور برا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے ایک مہتر کو دے دیا گیا۔ وہ مہتر اسے لے گیا اور پالا پوسا۔ چار پانچ سال بعد اس لڑکے میں ایک نور اور جمال پیدا ہوا، کسی نے ماں باپ سے آ کر کہا کہ ذرا دیکھو تو کہ بیٹا کیسا نکلا ہے۔ ماں باپ اس لڑکے کو پھر اپنے پاس لے آئے۔ قرآن پڑھایا اور علم و ادب سکھایا۔ القصہ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے ان علوی (سید صاحب) کو دیکھا ہے۔ بڑے باوقار اور خوبصورت تھے۔ جب یہ سید متبحر عالم ہو گئے تو اکثر بدایوں والوں نے ان کی شاگردی اختیار کی۔ بڑی صلاحیت اور ادب کے آدمی تھے۔ چنانچہ جو بھی دیکھتا اس کو پتا چل جاتا کہ یہ آل رسول علیہ السلام سے ہیں۔

پھر مشغول (بحق) درویشوں کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ میں نے بدرالدین اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوئی صوفی شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں آیا۔ بڑا عجیب درویش تھا۔ رات دن مشغول بحق رہتا۔ چنانچہ اس کے کپڑے بہت میلے ہو گئے۔ میں نے اس سے کہا کہ کپڑے دھوتے کیوں نہیں؟ (تو) کچھ جواب نہ دیا۔ چند روز بعد میں نے پھر کہا کہ کپڑوں کو دھوتے کیوں نہیں؟ اور اس دفعہ سختی سے کہا تو مجھ سے کہنے لگا کہ مجھ کو کپڑے دھونے کی فرصت کہاں ہے؟ اور یہ بات بڑی عاجزی سے کہی۔ اس

1- قدیم زمانے میں سیدوں کی ایک شناخت یہ ہوتی تھی کہ سید سر پر بال رکھتے تھے اور بچوں کے بالوں کی دو چوٹیاں گوندھ دی جاتی تھیں۔

موقعے پر بدرالدین اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے جب بھی اس کا جواب یاد آتا ہے تو جس بے چارگی سے اس نے کہا تھا کہ مجھے کپڑے دھونے کی فرصت کہاں ہے (اسے یاد کر کے) مجھ پر بے ہوشی سی طاری ہو جاتی ہے۔

پھر درویشوں کے ذوق و شوق اور سالکوں کے غلبۂ اشتیاق کا ذکر آیا۔ اس موقعے پر حکایت بیان فرمائی کہ لاہور میں ایک وعظ کہنے والے عالم تھے۔ ان کے بیان میں بڑا اثر تھا۔ ایک روز لاہور کے قاضی کے پاس آئے اور بولے کہ مجھے کعبے کی زیارت کی آرزو ہے۔ جانے کی اجازت دیجیے۔ قاضی نے جواب دیا کہ کہاں جاتے ہیں۔ آپ کے وعظ و نصیحت سے خلق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ عالم جانے سے رُک گئے اور جب دوسرا سال آیا تو پھر قاضی کے پاس پہنچے اور اجازت طلب کی قاضی نے انہیں کچھ دیا اور کہا کہ کہاں جاتے ہیں! یہ عالم پھر ٹھہر گئے۔ تیسرے سال پھر قاضی کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھ پر کعبے کا اشتیاق بہت غالب ہے۔ جانے کی اجازت دیجیے۔ اس دفعہ قاضی نے کہا اجی حضرت اگر آپ پر کعبے کا اشتیاق (واقعی) غالب ہوتا تو نہ اجازت مانگتے نہ مشورہ کرتے (بس) چل پڑتے۔ اس موقعے پر خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ در عشق مشورت نیست۔ عشق میں مشورہ نہیں ہوتا!

انیسویں مجلس 19

اسی سال ماہِ مبارک ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ کشف و کرامت کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ اب سے پہلے اندر پت میں ایک خاتون تھیں۔ انھیں بی بی فاطمہ سام کہتے تھے، بڑی صلاحیت والی اور بزرگ بوڑھی ہو گئی تھیں۔ میں نے ان کو دیکھا تھا۔ بڑی بزرگ خاتون تھیں۔ ہر چیز کے حسب حال شعر پڑھتی تھیں۔ ان کے یہ دو مصرعے مجھے یاد ہیں:

هم عشق طلب کنی ■ هم جاں خواهی

هر دو طلبی ولی میسر نشود

(عشق کے بھی طلب گار ہو اور جان بھی چاہتے ہو۔ دونوں مانگتے ہو مگر (دونوں) میسر نہ ہوں گے۔)

اس موقعے پر فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کو ان بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا سے بڑی محبت تھی۔ جیسے منہ بولے بھائی بہن میں ہوتی ہے۔ کتنی راتیں گزرتیں کہ شیخ نجیب الدین کو فاقہ ہوتا اور ان کی وجہ سے ان کے گھر والے بھی فاقے سے سوتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ جب فاقے کی رات گزر گئی تو دوسرے روز صبح بی بی فاطمہؒ نے ایک بڑی روٹی ایک من[1] کی یا آدھے من کی کسی کے ہاتھ جلدی سے شیخ نجیب الدین کے پاس بجھواتی تھیں اور کہتی تھیں کہ رات کو ان کے ہاں فاقہ تھا، ایک دفعہ اسی طرح روٹی بجھوائی تھی تو شیخ نجیب الدین نے خوش طبعی کے طور پر کہا تھا کہ اے اللہ جس طرح اس عورت کو ہمارے حال سے آگاہ کرتا ہے شہر کے بادشاہ کو بھی آگاہ کر دے تاکہ وہ کوئی برکت والی (بڑی) چیز بھیجے۔ پھر تبسم فرمایا اور کہا کہ بادشاہوں کو یہ صفائی (قلب) کہاں میسر کہ انھیں خبر ہو جائے۔

اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ ان بی بی فاطمہ کے سامنے (بیٹھا) تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولیں کہ ایک شخص ہے۔ اس کی ایک لڑکی ہے اگر تم اس لڑکی کی مانگ رکھو تو اچھا ہو۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ میں شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں تھا۔ وہاں ایک جوگی بھی حاضر تھا۔ ذکر نکلا کہ بعض فرزند جو بے ذوق پیدا ہوتے ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ لوگ مباشرت (بیوی سے تعلق رکھنے) کا وقت نہیں جانتے۔ اس کے بعد جوگی نے کہنا شروع کیا کہ مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں۔ یا انتیس۔ ہر روز کی ایک خاصیت ہے مثلاً اگر پہلے روز ہم بستری کریں گے تو فرزند ایسا ہوگا اور اگر دوسرے روز کریں گے تو ایسا ہوگا۔ اسی طرح ہر روز کے لیے اس نے ایک حکم متعین کیا۔ جب یہ جوگی اپنی بات پوری کر چکا تو خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ میں اُس سے ان سب دنوں کا اثر پوچھنے لگا اور جوگی ہر روز کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ میں نے ان سب دنوں کو یاد کر لیا۔ پھر جوگی سے کہا کہ ذرا دھیان سے سنو اور دیکھو کہ میں نے ٹھیک یاد کیا ہے؟ جب میں نے یہ بات کہی تو شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے میری طرف رُک کر کے فرمایا کہ تم ان چیزوں کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو جو ہرگز تمہارے کام نہیں آئیں گی! خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ حکایت بی بی فاطمہ سے کہی تو بولیں کہ میں

1- اس زمانے کا من چالیس سیر کا نہیں ہوتا تھا۔

سمجھ گئی کہ کیا بات ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں! تم نے اچھا کیا کہ اُس لڑکی کو قبول نہ کیا۔ میں نے بھی اس شخص کا دل رکھنے کو کہا تھا۔

20
بیسویں مجلس

اسی سال ماہ ذالحجہ کی انیسویں تاریخ پیر کو دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ انہی دنوں مخالفوں میں سے ایک شخص نے دشمنی کا دروازہ کھولا تھا۔ اور سماع کی ممانعت میں نامناسب باتیں کہی تھیں اور سخت عداوت ظاہر کی تھی۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ الدّ الخصام کو دشمن سمجھتا ہے اور الدّ الخصام وہ ہوتا ہے جو سخت دشمنی پیدا کرے۔ اس کے بعد سماع کے باب میں یہ فائدہ بیان فرمایا کہ جب چند چیزیں موجود ہوں اُسی وقت سماع سنا جاتا ہے اور وہ چند چیزیں کیا ہیں؟ مسمع و مسموع و مستمع اور آلہء سماع۔ اس موقعے پر اس تقسیم کی تشریح فرمائی اور ارشاد کیا کہ مسمع گویا ہے۔ وہ ایسا آدمی ہونا چاہیے جو مرد ہو عمر رسیدہ۔ بچہ نہ ہو اور عورت نہ ہو۔ مسموع (یہ ہے) جو کچھ گایا جائے وہ ہزل اور فحش نہ ہو اور مستمع جو کچھ سنا جائے وہ حق کے لیے سنا جائے۔

اور وہ یاد حق سے مملو (بھرپور) ہو اور آلہء سماع وہ مزامیر (ساز) ہیں جیسے چنگ و رباب۔ اور اسی طرح کی چیزیں وہ درمیان نہیں ہونی چاہئیں۔ ایسا سماع حلال ہے۔ اس موقع پر فرمایا کہ سماع ایک موزوں آواز ہے۔ یہ حرام کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جو کچھ گایا جاتا ہے وہ کلام ہے۔ معنی اور مفہوم رکھنے والا وہ حرام کیوں ہوگا۔ دوسرے قلب (دل) کی تحریک ہے۔ اگر یہ تحریک حق کی یاد میں ہو تو مستحب ہے۔ اور اگر یہ فساد کی طرف مائل ہو تو حرام ہے۔

21
اکیسویں مجلس

سنہ سات سو اکیس ہجری ماہ محرم کی بتیسویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ درویشوں کے اخلاق اور دشمنوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک بادشاہ تھا جس کو تارانی کہتے تھے۔ شاید اس کو کسی ہنگامے میں قتل کر دیا گیا تھا اور اس تارانی کو شیخ سیف الدین باخرزی سے بڑی محبت تھی۔ اس کے قتل ہونے کے بعد کسی اور کو بادشاہ بنایا گیا۔ اس

بادشاہ کا جو پہلے بادشاہ کی جگہ بیٹھا تھا ایک چغل خور نجومی مقرب بن گیا اور یہ چغل خور نجومی شیخ سیف الدین سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس چغل خور کو جیسے ہی لگائی بجھائی کا موقع ملا بادشاہ سے بولا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ملک آپ کے پاس رہے تو شیخ سیف الدین کو راستے سے ہٹا دیجیے کیونکہ کسی کو تبدیل کرنا اور کسی کو ملک کا حاکم بنانا یہ سب وہی کرتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں سننے کے بعد بادشاہ نے اس چغل خور سے کہا کہ تم ہی جاؤ اور جس طرح مناسب سمجھو شیخ کو لے آؤ۔ چغل خور گیا اور شیخ سیف الدین کو لا کر پیش کر دیا۔ مگر بے ادبی سے لایا۔ ان کی دستار گلے میں ڈالی یا کسی اور طرح تحقیر کی۔ الغرض جب شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ اندر آئے تو جیسے ہی بادشاہ کی نظر ان پر پڑی اس کو معلوم نہیں کیا دکھایا گیا کہ فوراً تخت سے اترا اور بڑی معذرت کے ساتھ شیخ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ گھوڑا اور بہت سی چیزیں (نذر میں) پیش کیں اور معافی مانگی اور کہا کہ میں نے اس طرح (آپ کو) لانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ چنانچہ شیخ بادشاہ کے پاس سے واپس گھر آ گئے۔ دوسرے روز بادشاہ نے اس چغل خور کو ہاتھ پاؤں بندھوا کر شیخ کی خدمت میں بھیج دیا اور کہا کہ میں نے حکم کر دیا ہے کہ یہ چغل خور قتل کیا جائے۔ اب اس کو آپ کے پاس بھجوا رہا ہوں کہ آپ کو جس طرح اچھا لگے اسے قتل کریں۔ شیخ نے جب چغل خور کو دیکھا تو فوراً اس کے ہاتھ پیر کھولے اور جو جامہ خود پہنے ہوئے تھے اسے پہنایا اور کہا آج میرے ساتھ وعظ میں چلو۔ وہ دوشنبے کا دن تھا۔ شیخ معمول کے مطابق وعظ کے لیے مسجد میں آئے اور اس چغل خور کو بھی اپنے ساتھ لائے پھر منبر پر تشریف لے گئے اور یہ شعر پڑھا:

آنانکہ بجائ من بدیہا کردند
گر دست دہد بجز نکوئ نکنم

(وہ لوگ جنھوں نے میرے ساتھ بڑی برائیاں کی ہیں، اگر موقع ملے
تو میں ان کے ساتھ صرف نیکی کروں)

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ بندے سے خیر و شر جو کچھ بھی وجود میں آتا ہے، اس کا پیدا کرنے والا خداوند تعالیٰ ہے۔ پس جو بھی ہوتا ہے اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر کسی سے رنجیدہ کیوں ہوا جائے۔ اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ العزیز کہیں راستہ چل رہے تھے ایک لفنگا پیچھے سے آیا اور ان کی

گدی پر ہاتھ مارا شیخ نے سر گھما کر اس لفنگے کو دیکھا۔ لفنگا بولا مجھے کیا دیکھتے ہو کیا تم یہ نہیں کہتے کہ ہر خیر وشر (اچھا، برا) جو پہنچتا ہے اس (خدا) کی طرف سے ہے؟ شیخ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے لیکن میں تو یہ دیکھتا ہوں کس بد بخت کو اس کام کے لیے نامزد کیا گیا ہے!

22 بائیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الاوّل کی سترہویں تاریخ جمعرات کو قدم بوسی کی دولت ملی۔ رویت (دیدار خداوندی) کا ذکر نکلا۔ بندے نے عرض کی کہ دیدار کی نعمت جس کا وعدہ مومنوں سے ہے۔ کیا یہ نعمت کل قیامت کے دن ملے گی؟ فرمایا ہاں اس پر بندے نے کہا کہ جب مومن اس نعمت کو دیکھ لیں گے تو کیا پھر دوسری نعمتوں کو نہیں دیکھیں گے؟ ارشاد ہوا کہ روایت ہے کہ جب اس نعمت کا مشاہدہ کر لیں گے تو کئی ہزار سال تک حیرت میں رہیں گے۔ اس موقع پر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بڑی کم نظری ہوگی کہ اس کے بعد کسی اور چیز کو دیکھیں، بندے نے عرض کی کہ شیخ سعدی کا ایک شعر ہے۔ اور وہ یہ ہے:

افسوس براں دیدہ کہ روی تو ندیدہ است

یا دیدہ و بعد از تو بروی نگر دیدہ است

(اس آنکھ پر افسوس جس نے تیرے چہرے کو نہیں دیکھا۔ یا دیکھا اور
تیرے بعد (پھر) کسی اور چہرے کو دیکھا)

خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے اس بات کی بڑی تعریف فرمائی اور کہا اچھا کہا ہے۔

23 تیئیسویں مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی چھبیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی صلابت ومہابت (سختی اور دبدبے) کا ذکر آیا ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ کوئی شخص ان کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے چھ مہینے پہلے شادی کی تھی۔ آج اس نے بچہ جنا ہے۔ اس بارے میں کوئی حکم فرمایئے۔ فامر رجمھا پس انھوں نے اس کو سنگسار کرنے (پتھر مار مار کر ہلاک کرنے) کا حکم دیا۔ اس مجلس میں

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ وہ کچھ سوچنے لگے۔ امیر المومنین عمرؓ نے علیؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ما تقول، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ علیؓ نے کہا جب حضرت عزت نے قرآن میں (یہ) فرمایا ہے کہ وحملہ' و فصلہ ثلثون شھرا (یعنی) بچے کے حمل کی مدت اور اس کے دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ارشاد ہوئی ہے پس دو سال کی مدت تو دودھ پلانے کی ہوئی اس لیے یہ بھی درست ہوگا کہ حمل کی مدت چھ مہینے ہو۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حکم منسوخ فرما دیا اور کہا کہ: لولا علی لھلک عمر، اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کوئی عورت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آئی اور بولی اے امیر المومنین مجھے زنا سے حمل ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ: اَمر ابو جھھا (عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی سنگساری کا حکم دے دیا) یہاں بھی حکم فرمایا کہ اس عورت کو سنگسار کر دیا جائے۔ امیر المومنین علیؓ اس مجلس میں بھی موجود تھے۔ فرمایا کہ اس حکم پر غور کر لینا چاہیے۔ عمرؓ بولے کیسے؟ علیؓ نے کہا کہ اگر گناہ کیا ہے تو اس عورت نے کیا ہے۔ جو بچہ اس کے پیٹ میں ہے اس نے کونسا گناہ کیا ہے؟ اس کے بعد امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس عورت کی بچہ ہونے تک نگرانی رکھی جائے۔ اس وقت بھی یہی الفاظ زبان مبارک پر لائے کہ: لولا علی لھلک عمر۔ علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

اس کے بعد اسلام کی نگہبانی کا خیال جو عمرؓ کے دل میں تھا۔ اس کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ کسی شاعر نے نظم میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی مدح (تعریف) کی تھی اور اس نظم میں وعظ و نصیحت کے طور پر بھی ایک شعر کہا تھا۔ اس کا ایک مصرع یہ ہے:

کفی الشیب و الاسلام للمرءِ ناھیًا

(بڑھاپا اور اسلام آدمی کو گناہوں سے روکنے کے کافی ہیں)

یعنی کافی ہیں بڑھاپا اور اسلام آدمی کو گناہوں سے باز رکھنے کے لیے۔ جب اس شاعر نے یہ شعر ادا کیا تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے کسی صلے کا حکم نہیں فرمایا: شاعر بولا کہ میں نے مدح کہی ہے آپ عطیہ کیوں نہیں دیتے؟ عمرؓ نے جواب دیا کہ تو نے بڑھاپے کو اسلام پر مقدم رکھا ہے اگر اسلام کو مقدم رکھتا تو ضرور تجھ کو کوئی چیز دیتا۔

یہاں سے شعر کی حکایت نکلی۔ بندے نے عرضداشت کی کہ زبان مبارک سے بارہا سنا

گیا ہے کہ قرآن پڑھنا شعر کہنے پر غالب رہنا چاہیے۔ مخدوم کے فرمان کی برکت سے بندہ روزانہ یہ اُمید رکھ کر قرآن پڑھتا ہے کہ جو کچھ (کلام) کہا جا چکا ہے اور جو (کلام) ہوگا اس سے بھی انشاء اللہ توبہ کرلی جائے۔ یہ عرض داشت پسند فرمائی گئی۔ اس موقع پر بندے نے عرض کی کہ: **والشعراء یتبعهم الغاؤن** (گمراہ لوگ شعراء کی پیروی کرتے ہیں) کے معنیٰ بھی یہی ہوں گے کہ شاعروں کی پیروی کرنے والے گمراہ ہیں اور زبان مبارک سے بارہا سنا گیا ہے کہ یہ حدیث (شریف) ہے: **اِنَّ من الشعر لحکمة** (بے شک بعض شعروں میں حکمت ہوتی ہے) پس جب اہل شعر اہل حکمت ہیں تو جو لوگ ان کی پیروی کریں وہ گمراہ کیوں ہوں؟ ارشاد ہوا کہ وہ شعرا جو ہزل اور حشو (بے ہودہ اور فضول) اور ہجو کہتے ہیں ان کی پیروی کرنے والے کے لیے یہ حکم ہے۔ لیکن صحابہ کرام نے شعر کہے ہیں جیسے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور دوسروں نے بھی (شعر) کہے ہیں۔ اس وقت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے کہے ہوئے دو شعر زبانِ مبارک پر آئے۔ جن کے معنی یہ تھے کہ جب عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوں گی تو دجال کے خروج (ظاہر ہونے) کا اندیشہ ہوگا۔ ایک قافیہ سروج تھا دوسرا خروج تیسرا عروج۔ پہلا مصرع یہ تھا:

اذا رکب الفروج علی السروج

(جب عورتیں گھوڑوں پر سوار ہوں)

بندے نے عرض کی شعر میں جو مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اس کو کیا کہیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ایک مشہور کتاب میں دیکھا ہے کہ جھوٹ گناہ ہے۔ لیکن وہ جھوٹ جو شعر میں ہو، گناہ نہیں ہے۔

24
چوبیسویں مجلس

اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کی سترھویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ حسد کا ذکر آیا۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے دعا فرمائی ہے کہ: **اللھم اجعلنی محسودًا ولا تجعلنی حاسدًا** (اے اللہ مجھے محسود (جس سے حسد کیا جائے) بنا حاسد (حسد کرنے والا نہ بنا) اس موقع پر فرمایا کہ حسد ہوتا ہے اور غبطہ (رشک) ہوتا ہے، حسد تو یہ ہے کہ کوئی کسی کے پاس نعمت دیکھے اور اس نعمت کا زوال چاہے۔ یہ حسد ہے۔ البتہ غبطہ یہ ہے کہ کوئی کسی کی نعمت

دیکھے اور خود اپنے لیے بھی ایسی ہی (نعمت) چاہے۔ یہ غبطہ ہے۔ پس حرام ہے اور غبطہ (حرام) نہیں ہے۔

پچیسویں 25 مجلس

اسی سال ماہِ مبارک رمضان کی ساتویں تاریخ بدھ کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ حیدر زاویہ[1] کے احوال کا ذکر آیا۔ زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ سو سال کے بعد ان پر ایک دروازہ کھولا گیا۔ بندے نے سر زمین پر رکھا اور عرض کی کہ یہ تو بڑی امید بندھانے والی بات ہے۔ ارشاد ہوا۔ ہاں!

پھر شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز کے بارے میں تذکرہ آیا ارشاد ہوا کہ ایک بار عید کا دن تھا۔ شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ عید گاہ سے واپسی میں اس جگہ تشریف لائے جہاں آج کل حضرت کا روضہ مبارک ہے۔ (اس زمانے میں) یہ زمین جنگل تھی اور کوئی قبر اور گنبد وہاں نہ تھا۔ حضرت شیخ تشریف لائے اور کھڑے ہو کر کچھ سوچنے لگے۔ احباب جو ساتھ تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ آج عید کا دن ہے اور لوگ منتظر ہیں کہ مخدوم گھر میں آ کر کھانا نوش فرمائیں۔ حضور یہاں تاخیر کیوں فرما رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے اس زمین سے دلوں کی خوشبو آتی ہے! اسی وقت اس زمین کے مالک کو طلب کیا گیا۔ شیخ نے اس زمین کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا اور وہاں اپنے دفن ہونے کا حکم فرمایا۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ جو فرمایا ہے کہ یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے تو دیکھو کہ وہاں کون کون سو رہا ہے!

پھر شیخ محمود موئینہ دوز (پوستین ساز) رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت آئی۔ ارشاد ہوا کہ ان کے زمانے میں جس کسی کا (لونڈی) غلام بھاگ جاتا اس (لونڈی غلام) کا مالک شیخ محمود کی خدمت میں آتا اور عرض کرتا کہ (میرا بردہ) بھاگ گیا ہے۔ شیخ محمود اس بھگوڑے کا نام پوچھتے اور کچھ دیر تامل فرمانے کے بعد مالک سے کہتے کہ مل جائے گا۔ اس کے بعد اتنا اور کہتے کہ جب مل جائے تو مجھے خبر کر دینا۔ الغرض ایک دفعہ کوئی شخص آیا اور عرض کی کہ میرا غلام بھاگ گیا۔ شیخ

1- غالباً یہ لفظ حیدر زادہ ہے۔

نے اس کا نام پوچھا اور کچھ دیر سوچا اور ارشاد کیا مل جائے گا۔ البتہ جب مل جائے تو مجھے بتا دینا۔ یہ شخص گھر چلا گیا۔ چند دن کے بعد وہ غلام اس کو مل گیا۔ لیکن اس نے آ کر شیخ کو خبر نہ کی۔ جب کچھ دن گزر گئے تو وہ غلام پھر بھاگ گیا۔ اس کا مالک آیا اور شیخ محمود کو کیفیت سنائی۔ شیخ محمود نے فرمایا کہ یہ جو میں کہتا ہوں کہ آ کر مجھے غلام ملنے کی خبر کر دو تو اس وجہ سے نہیں کہتا کہ میں تم سے کسی چیز کا طلب گار ہوں۔ میں تو اس وجہ سے کہتا ہوں جب مجھے خبر کر دی جاتی ہے کہ غلام مل گیا تو میرے دل پر سے بوجھ اُتر جاتا ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ شیخ محمود نے غلام کے مالک سے کہا کہ جب تم کو غلام مل گیا تھا اور تم نے وعدہ کیا تھا کہ مل جائے گا تو خبر کر دوں گا (پھر بھی) خبر نہ کی۔ اس دفعہ جو بھاگا ہے تو ملے گا نہیں۔

پھر شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہُ العزیز کی حکایت آئی فرمایا کہ ایک دفعہ پانچ درویش شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ وہ بڑے سخت اور بدمزاج درویش تھے۔ جب شیخ کے پاس سے اٹھے تو بولے کہ ہم اتنی جگہ پھرتے پھرے کہیں ہمیں درویشی نہیں ملی۔ شیخ فریدالدین قدس اللہ سرہُ العزیز نے فرمایا کہ بیٹھو تاکہ میں تمہیں درویشی دکھاؤں۔ انھوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ اور روانہ ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ جاتے تو ہو مگر بیابان کے راستے نہ جانا۔ دوسرے راستے سے جانا۔ انھوں نے شیخ کے ارشاد کے خلاف کیا اور بیابان کی راہ لی۔ شیخ نے کسی کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ تفتیش کرو کہ وہ کس راستے گئے ہیں۔ خبر لائی گئی کہ وہ بیابان کے راستے گئے ہیں۔ شیخ نے جب یہ سنا تو ہائے ہائے کر کے اس طرح رونے لگے جیسے کوئی کسی کا ماتم کرتا ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد خبر آئی کہ اُن پانچوں کو بادِ سموم (لُو) لگی۔ چار آدمی تو اسی جگہ ہلاک ہو گئے۔ ایک شخص کسی کنوئیں تک پہنچ گیا اور بہت پانی پی گیا وہ وہاں ہلاک ہوا۔ اسی درمیان خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے جو پلنگ پر تشریف فرما تھے حاضرین سے معذرت فرمائی اور کہا کہ مجھے ذرا پیر کی تکلیف ہے۔ اسی سبب سے چارپائی پر بیٹھا ہوں۔ آپ لوگ برا نہ مانیے گا۔ سب حاضرین نے دعا کی اور کہا کہ آپ سلامت رہیں (کیونکہ) ہماری زندگی بھی آپ کی زندگی سے متعلق ہے۔ بندے کو یہ شعر یاد آیا۔ عرض کیا:

جان جہانیاں توی دشمن جان بود کسی

اے ہمہ دشمنان تو دشمن جان خویشتن

(تم سارے جہان کی جان ہو اور دشمن جان بھی ہو۔ تمہارے سارے دشمن اپنی جان کے دشمن ہیں)

خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کو اس قصیدے کا مطلع یاد تھا وہ زبانِ مبارک پر آیا:

دوش صبوحی بزد بلبلِ مست در چمن

از خوشیٔ صبوحیش گل بدرید پیرہن

(کل مست بلبل نے صبوحی (صبح کی شراب یہاں مراد بلبل کی راگنی) کو چھیڑا اور اس کی صبوحی سے کھل کر گلاب کے پھول نے اپنا پیراہن چاک کر دیا۔ (کلی کھل کر پھول ہو گئی)

پھر خواجہ فریدالدین عطارؒ کی حکایت آئی کہ شیخ جلال الدین تبریزی طیب اللہ ثراہ نے خواجہ فریدالدین عطارؒ کو نیشاپور میں دیکھا تھا۔ شاید انھوں نے کبھی شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے بیان کیا کہ میں نے خواجہ فریدالدین عطارؒ کو نیشاپور میں دیکھا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ (کسی) مرد خدا کا پتا بتاؤ۔ میں کسی کا پتا (نشان) نہ بتا سکا۔ شیخ بہاء الدین نے جب یہ سنا تو کہا کہ اس موقع پر تم نے شیخ شہاب الدین کا پتا کیوں نہ بتایا؟ شیخ جلال الدین نے کہا کہ میں نے جو مشغولی[1] خواجہ فریدالدین عطارؒ میں دیکھی دوسروں (کی مشغولی) اس کے مقابلے میں معزولی (بیکاری) ہے۔ اس درمیان خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے ایک بوڑھے (آدمی کو) دیکھا۔ اس نے کہا کہ میں نے خواجہ فریدالدین عطارؒ کو دیکھا تھا وہ شروع میں بڑے پریشان قدم (آوارہ گرد) تھے۔ اس موقع پر خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا جب عنایت حق کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ تو پھر ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں اس کے بعد ان کے انتقال کے بارے میں حکایت بیان فرمائی اور کہا کہ وہ شہید ہوئے اور ایسا ہوا کہ کفار (تاتاری) نیشاپور پہنچ گئے تھے اور حضرت سترہ مریدوں کے ساتھ قبلے کے سامنے اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کافر آ کر انھیں شہید کر دیں۔ اسی دوران کافر آ پہنچے اور تلوار چلانے اور ان کو مارنے لگے۔ اس وقت خواجہ

1- مشغولی سے مراد مشغول بحق ہونا ہے۔

فریدالدین عطارؒ نے جب یہ دیکھا کہ ان کے مریدوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو بولے کہ یہ کیسی قہاری کی تلوار ہے۔ اور یہ کیسی جباری کی تلوار ہے! (لیکن) جب خود ان کو مارنے لگے تو اس وقت ارشاد ہوا کہ یہ کیسا کرم ہے اور یہ کیسی نوازش ہے اور یہ کیسا احسان ہے!

پھر خواجہ حکیم سنائی طیب اللہ ثراہ کی حکایت نکلی۔ فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزی نوراللہ مرقدہٗ بارہا فرماتے کہ میں سنائی کے ایک قصیدے کا مسلمان کیا ہوا ہوں۔ ایک عزیز حاضر تھے انھوں نے ان کے قصیدے میں سے ایک شعر پڑھا اور ایسا ظاہر کیا جیسے یہ شعر اُسی قصیدے کا ہے۔ جو شعر ان عزیز نے پڑھا یہ تھا:

بر سر طور ہوا طنبور شہوت می زنی

عشق مرد لن ترانی را بدیں خواری مجو

(خواہشات کے (کوہ) طور پر بیٹھے نفسانیت کا طنبورہ بجا رہے ہو۔ لن ترانی والے مرد (حضرت موسیٰ) کے سے عشق کی طلب گاری ایسی خواری سے نہ کرو)

اس کے بعد خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ شعر اس شعر سے متصل ہے:

خار پائے راہ عیاران ایں درگاہ را

در کف دست عروس مہد عماری مجو

(اس درگاہ کے تیز رفتار رہروؤں کے پیر کا کانٹا عماری کے گہوارے میں بیٹھی دلہن کی ہتھیلی میں نہ ڈھونڈو!)

بندے نے عرض کی کہ یہ عماری کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ جس چیز کو لوگ عماری[1] کہتے ہیں۔ اس کی نسبت عمار نامی ایک شخص سے ہے۔ یہ عماری اس کی بنائی ہوئی ہے۔ لوگ اس عماری کو عنباری کہتے ہیں۔ ان اشعار کی مناسبت سے جنھیں پڑھا گیا فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ بارہا فرماتے کہ اے کاش ہوا مجھے وہاں اُڑا کر لے جائے جہاں سنائی کی خاک ہے یا سنائی کی خاک اڑا لائے کہ میں اس کو سرمہ بناؤں!

1- اونٹ کی محمل یا ہاتھی کا ہودج۔ جس میں بیٹھ کر سواری کرتے ہیں۔

چھبیسویں 26 مجلس

اسی سال ماہ مبارک رمضان کی چودھویں تاریخ بدھ کو ہاتھ چومنے کی دولت ہاتھ آئی۔ قاضی منہاج سراج علیہ الرحمۃ والرضوان اور اُن کے وعظ کی لذت کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ میں ہر پیر کو ان کے وعظ میں ناغہ کیے بغیر جاتا تھا۔ کیوں کہ ان کے وعظ میں بڑی راحت ہوتی تھی! ارشاد ہوا کہ تقریر کے بارے میں اور ان کے قاریوں کے بارے میں (گویا) کان زبانِ حال سے یوں کہتے تھے کہ:

تو زلب سخن کشادی ہمہ خلق بے زباں شد
تو برہ خرام کردی ہمہ دیدہ ہا رواں شد

(بات تمہارے ہونٹوں سے نکلی اور ساری مخلوق بے زبان (گنگ) ہو کر رہ گئی۔ تم کسی راہ چلے اور ساری نگاہیں بھی (ساتھ ساتھ) اٹھنے لگیں۔)

اس موقع پر فرمایا کہ ایک روز میں ان کے وعظ میں ذوق کے مارے ایسا بے خود ہوا گویا میں مردہ ہوں یا کیا ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے میں نے اپنے آپ کو کسی سماع (قوالی) میں یا حال کے دوران ایسا نہیں پایا تھا۔ اور یہ بات اس سے پہلے کی ہے کہ میں شیخ کی جناب سے وابستہ ہوا تھا (شیخ سے مرید ہوا تھا) اس کے بعد فرمایا کہ ایک دوست نے ان سے کہا تھا کہ تم صرف قضاء (ججی) کے لائق نہیں ہو تم تو اس لائق ہو کہ شیخ الاسلام بنو!

اس کے بعد اولیاء اور ابدال اور اوتاد کا ذکر آیا۔ بندے نے عرض کی کہ میں نے ابھی ایک صوفی وضع شخص سے ایسی بات سنی ہے۔ جس سے میرے دل پر بڑا بوجھ ہے۔ ارشاد ہوا کہ کیا بات ہے؟ بندے نے عرض کی کہ اس شخص نے کہا کہ عالم قائم ہے کُل مخلوق میں برکت سے قطب کی جو ایک ہے اور اوتاد کی جو چار فرد ہیں اور ابدال کی جو چالیس ہیں اور اولیاء کی جو چار سو افراد ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب قطب مر جاتا ہے تو اوتاد میں سے ایک شخص اس کی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور ابدال میں سے ایک اوتاد کی جگہ اور جو اولیاء ہیں ان میں سے ایک ابدال کی جگہ اور عام لوگوں میں سے ایک شخص اولیاء کی جگہ (لے لیتا ہے) فرمایا یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ اس طرح ہے کہ جب ان چار سو اشخاص میں سے جو اولیاء ہیں ایک شخص کم ہو جاتا ہے تو پھر کسی

اورکو داخلہ نہیں ملتا۔ وہ تین سو ننانوے اشخاص رہ جاتے ہیں۔ یہ امکان نہیں ہوتا کہ کوئی اس کے بعد ان چار سو افراد میں داخل ہو جائے جو اولیاء ہیں۔ کیوں کہ ولایت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ جب خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ بات سنی تو فرمایا نہیں! ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولایت ایمان اور دوسری ولایت احسان۔ ولایت ایمان تو یہ ہے کہ جو بھی مومن ہے وہ ولی ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر یہ آیت یاد دلائی۔ اللّٰہ ولی الذین آمنو یخرجھم من الظلمٰت اِلَی النُور ۔(اللہ ان لوگوں کا ولی (دوست) ہے جو ایمان لائے (اللہ) انھیں اندھیروں سے نکال کر نور (روشنی) کی طرف لاتا ہے۔ البتہ ولایت احسان یہ ہے کہ کسی کو کوئی کشف اور کرامت اور عالی مرتبہ حاصل ہو جائے۔

27
ستائیسویں مجلس

بدھ ماہ صفر کی چوتھی تاریخ سنہ سات سو بائیس ہجری۔ دست بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ مشائخ کا ذکر فرما رہے تھے۔ بندے نے عرض کی کہ سیدی احمد کیسے آدمی تھے؟ ارشاد ہوا کہ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ وہ عرب کے رہنے والے تھے اور عرب کی رسم ہے کہ کسی کا بزرگی سے تذکرہ کرتے ہیں تو اسے سیّدی (میرے آقا) کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ شیخ حسین منصور حلاج کے زمانے میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہا۔ جب حسین منصور کو جلایا گیا اور ان کی راکھ (دریائے) دجلہ کے پانی میں بہائی گئی تو سیدی احمد نے اس میں سے تھوڑا سا پانی جس میں راکھ موجود تھی بطور تبرک لیا اور پی گئے۔ وہ ساری برکتیں اس وجہ سے تھیں۔

28
اٹھائیسویں مجلس

اسی سال ماہ صفر کی ستارھویں تاریخ منگل کو دست بوسی کی دولت میسر آئی۔ درویشوں کے اعلیٰ اور اچھے اخلاق کا ذکر نکلا۔ ارشاد ہوا کہ ایک رات کوئی چور شیخ احمد نہروالی علیہ الرحمۃ والرضوان کے گھر میں گھس آیا۔ اور یہ شیخ احمد جلاہے تھے۔ چور سارے گھر میں پھرا مگر اسے کچھ نہ ملا۔ واپس جانا چاہتا تھا کہ شیخ احمد نے آواز دی اور قسم دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر اپنے کرگھے میں ہاتھ ڈالا اور جو دھاگہ تانے بانے میں تھا اس سے سات گز کپڑا بنایا جا چکا تھا۔ وہ سات گز

کپڑا دھاگے سے الگ کیا اور چور کی طرف پھینک کر کہا کہ لے جاؤ۔ چور نے کپڑا اٹھایا اور چلا گیا۔ دوسرے روز وہ چور اور اس کی ماں اور اس کا باپ سب آئے اور سر شیخ احمد کے پیروں میں رکھ دیے اور اس کام سے توبہ کی!

انتیسویں 29 مجلس

اسی سال ماہ مبارک ربیع الاول کی چھٹی تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی سعادت ہاتھ آئی۔ اس روز بندہ اپنے اقرباء میں سے ایک چھوٹے بچے کو ساتھ لے گیا تھا۔ کیونکہ اس بچے کو کبھی کبھی ایک خیال ستاتا تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ آسیب پری تھا یا کوئی اور چیز۔ اس کو بندہ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر کی خدمت میں لے گیا اور ساری کیفیت سنائی۔ خواجہ نے مہربانی کی نظر سے اس کو دیکھا اور زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اچھا ہو جائے گا۔

اس بات کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ بخارا میں ایک بچہ تھا۔ جس کو پریوں کا گروہ یا کوئی جن ستایا کرتا تھا۔ ہر شام کی نماز کے وقت بچے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر لے جاتے اور ان کے گھر میں ایک درخت تھا۔ اس بچے کو اس درخت پر بٹھاتے اور چلے جاتے۔ اس پر ماں باپ اس بچے کی حفاظت احتیاط سے کرنے لگے۔ اس کو حجرے (کمرے) میں چھپا دیتے اور حجرے کے دروازے پر قفل ڈال دیتے۔ جب مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو اس بچے کو پھر اسی درخت پر دیکھا۔ جب وہ بہت عاجز و پریشان ہو گئے تو اس کو شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ اور سارا حال کہہ سنایا۔ شیخ کے حکم پر اس بچے کا سر مونڈ دیا گیا اور ایک کلاہ (ٹوپی) اس کے سر پر رکھ دی اور اس کو تلقین کی کہ اگر دوبارہ یہ گروہ آئے تو کہہ دیجو کہ میں شیخ کا مرید ہو گیا ہوں اور محلوق ہو گیا ہوں (سر منڈا لیا ہے) اور ٹوپی دکھا کر کہو کہ یہ کلاہ مجھے شیخ سے ملی ہے۔ جب اس بچے کو اس کے گھر میں لائے تو وہ گروہ آیا۔ بچے نے جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا کہہ دیا کہ میں شیخ کے سامنے محلوق ہو گیا ہوں اور کلاہ (ٹوپی) دکھائی وہ آپس میں کہنے لگے کہ کون بدنصیب اسے شیخ کے پاس لے گیا تھا۔ یہ کہا اور چلے گئے۔ پھر نہیں آئے۔ خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور حاضرین بھی رونے لگے کیونکہ (بڑا) اچھا وقت تھا۔ الحمد للہ۔

اس کے بعد شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ شروع زمانے میں جبکہ وہ جوان تھے۔ مشائخ اور اہل فقر کے بڑے دشمن تھے۔ وعظ کہتے اور وعظ میں اس گروہ کو بہت بُرا (بھلا) کہتے۔ چنانچہ یہ خبر شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہٗ العزیز کو پہنچائی گئی۔ شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ مجھے ان کے وعظ میں لے چلو۔ خدمت گار جو حاضر تھے انھوں نے عرض کی کہ ان کے وعظ میں جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ وہ درویشوں اور مشائخ کو بہت بُرا کہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیخ کے سامنے بھی کوئی بدتمیزی کریں۔ ہر چند اس بارے میں بہت کچھ کہا گیا (مگر) شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ نہیں مجھے ان کے وعظ میں ضرور لے چلو۔ جب بہت تقاضا کیا گیا تو انھیں شیخ سیف الدین کے وعظ میں لے آئے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ مجلس میں آ کر بیٹھ گئے۔ شیخ سیف الدین نے جب شیخ نجم الدین کو دیکھا تو جو بُرا (بھلا) کہا کرتے تھے اور زیادہ کہنا شروع کیا۔ ہر چند وہ نامناسب باتیں کہتے۔ شیخ نجم الدین سر ہلاتے اور آہستہ سے کہتے۔ سبحان اللہ یہ جوان کیسی قابلیت رکھتا ہے۔ القصہ جب شیخ سیف الدین منبر پر سے اترے تو شیخ نجم الدین بھی (مجلس) وعظ میں سے اٹھے اور باہر آنے لگے۔ جب مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے تو سر گھمایا اور کہا کہ ابھی تک یہ صوفی نہیں آیا! اسی وقت شیخ سیف الدین خلقت میں سے نعرے مارتے اور کپڑے پھاڑتے آئے اور شیخ نجم الدین کے پیروں میں گر پڑے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجمعے میں موجود تھے وہ بھی آئے اور شیخ نجم الدین کے قدموں میں گر پڑے۔ پھر دونوں شیخ نجم الدین کے مرید ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ نجم الدین قدس اللہ سرہٗ المبارک مسجد سے گھر چلے تو شیخ سیف الدین پیدل دائیں طرف چل رہے تھے اور شیخ شہاب الدین بائیں طرف الغرض اس روز ان دونوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے بیعت کی اور محلوق ہوئے۔ اس وقت شیخ نجم الدین نے شیخ سیف الدین سے کہا کہ تمہارے نصیب میں دنیا کا حصہ پورا ہوگا اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ اور شیخ شہاب الدین سے کہا کہ تم کو بھی دنیا و آخرت میں راحت ملے گی۔ لیکن شیخ سیف الدین کا (حصہ) زیادہ ہوگا! خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ جب شیخ نجم الدین مسجد سے گھر روانہ ہوئے تو شیخ سیف الدین دائیں طرف پیدل چلے اور شیخ شہاب الدین بائیں طرف۔ اسی طرح شیخ سیف الدین نے شیخ کے دائیں پاؤں سے مُوزہ اتارا اور شیخ شہاب الدین نے

بائیں پاؤں سے اور یہ مشائخ کا ایک اشارہ ہے۔ اس کے بعد شیخ سیف الدین سے کہا کہ تم بخارا جاؤ اور (وہاں) رہو تم کو بخارا کی ولایت دی۔

شیخ سیف الدین نے عرض کی کہ وہاں علماء بہت ہیں اور ان کا اہل معرفت اہل فقر کے ساتھ تعصب اور مخالفت معلوم (ہی) ہے۔ میرا کیا حال ہوگا؟ شیخ نجم الدین نے کہا تمہارا کام جانا ہے۔ باقی ہم جانیں!

تیسویں 30 مجلس

اسی سال ماہ ربیع الآخر کی چھٹی تاریخ منگل کو دست بوسی کی دولت میسر آئی۔ شیخ احمد ابواسحٰق گازرونی[1] کی حکایت نکلی۔ فرمایا کہ ان کا نام شہریار تھا اور ابواسحٰق کنیت (لقب) پھر ان کی کیفیت بیان فرمائی کہ وہ جُلاہے تھے۔ ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ شاید ایک دفعہ بچپن کے دنوں میں سوت تان رہے تھے۔ شیخ عبداللہ خفیف[2] قدس اللہ سرہٗ العزیز ان کے پاس سے گزرے اور نگاہ ڈالی تو معلوم نہیں ان کی پیشانی میں کیا دیکھا کہ ابواسحٰق سے بولے آؤ میرے مرید ہو جاؤ۔ ابواسحٰق حیران رہ گئے اور کہا کہ میں کیا جانوں مرید کس طرح ہوتے ہیں؟ شیخ عبداللہ نے کہا کہ تم میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو اور کہو کہ میں آپ کا مرید ہوتا ہوں۔ ابواسحٰق نے ایسا ہی کیا۔ شیخ کا ہاتھ تھاما اور مرید ہو گئے۔ پھر پوچھا کہ میں کیا کروں؟ شیخ عبداللہ نے فرمایا کہ جو کچھ کھاؤ اس میں دوسروں کا بھی کچھ حصہ رکھو! ابواسحٰق نے اس بات کو مان لیا اس کے بعد جو کھانا بھی ملتا اس میں سے کچھ کسی اور کو بھی دیتے۔ یہاں تک کہ ایک روز تین درویش اس گاؤں میں پہنچے اور ان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ وہ اپنے آپ سے بولے کہ یہ تین درویش اس گاؤں میں آئے ہیں اور ٹھہرے نہیں جا رہے ہیں مجھے ان کی کچھ خدمت کرنی چاہیے۔ اس وقت ان کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ انھی کو لیا اور دوڑے اور پیچھے سے نہیں آئے کہ بے ادبی ہوگی سامنے سے آئے اور وہ تین روٹیاں ان تینوں حضرات کے سامنے رکھیں۔ وہ تینوں کے تینوں صاحب دل تھے۔ انھوں نے وہ روٹیاں لے کر کھالیں۔ اور ایک دوسرے سے

1- وفات ۸ ذی قعدہ ۴۲۶ھ یکشنبہ بعمر ۷۲ سال، تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۲۱۔

2- وفات ۳۷۱ھ۔ حلیۃ الاولیاء، جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۵۔

بولے کہ اس بچے نے تو اپنی طرف سے ایک کام کر لیا ہمیں بھی اس کا بدلہ کرنا چاہیے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں دنیا بخشتا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ دنیا کی وجہ سے وہ فتنے (امتحان) میں پڑے گا۔ میں عقبیٰ (آخرت) دیتا ہوں یہ بات ہو رہی تھی کہ تیسرے نے کہا درویش جواں مرد ہوتے ہیں ہم اسے دنیا بھی بخشتے ہیں اور عقبیٰ بھی۔ اس موقع پر خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ یہ ابواسحٰق ایک ایسے کامل حال شیخ ہو گئے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ انتقال کر چکے ہیں مگر آج تک ان کے روضے میں ایسی نعمت اور راحت ہے جس کی انتہا نہیں۔ ایک جمگھٹا اور سونا اور چاندی اور طرح طرح کی نعمتیں بے اندازہ (موجود) ہیں۔

پھر شیخ احمد معشوق علیہ الرحمۃ والرضوان کی حکایت آئی۔ ارشاد ہوا کہ وہ ایک دفعہ عین چلّے کے جاڑے میں آدھی رات کو اپنے گھر سے باہر نکلے اور بہتے پانی میں جو ہلاکت کی جگہ تھی ٹھہر گئے اور کہنے لگے اے اللہ میں یہاں سے باہر نہیں نکلوں گا جب تک تو یہ نہ فرمائے گا کہ میں کون ہوں! انھوں نے ایک آواز سنی کہ تو وہ ہے کہ کل قیامت کے دن بہت سے لوگ تیری شفاعت کے ذریعے دوزخ سے رہائی پائیں گے۔ شیخ احمد بولے میں اس پر بس نہیں کروں گا دوبارہ آواز سنی کہ تو وہ ہے کہ کل قیامت میں بہت سے لوگ تیری عنایت سے جنت میں جائیں گے۔ شیخ بولے کہ میں اس پر بھی قناعت نہیں کروں گا۔ مجھے بتایا جائے کہ میں کون ہوں۔ اس وقت ایک آواز سنی کہ ہم نے حکم کر رکھا ہے کہ درویش اور عارف ہمارے عاشق ہیں اور تو ہمارا معشوق ہوگا! پھر جب خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ سے باہر نکلے اور شہر میں گئے تو جو بھی سامنے سے آتا کہتا تھا اے شیخ احمد معشوق السلام علیک! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو بہت روئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں جب ان سے بہت کہا جاتا تھا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ کہتے نماز پڑھوں گا مگر (سورۂ) فاتحہ نہیں پڑھوں گا۔ کہا جاتا وہ کیسی نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ جب بہت اصرار کیا گیا تو بولے اچھا فاتحہ پڑھوں گا مگر **ایاک نعبد و ایاک نستعین** نہیں پڑھوں گا۔ (ان سے) پھر کہا گیا کہ یہ آیت بھی پڑھو۔ القصہ بہت کچھ سننے کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور فاتحہ پڑھنے لگے۔ جب اس جگہ پہنچے کہ **اِیاک نعبد و ایاک نستعین** تو ان کے مبارک اعضاء کے ہر رونگٹے کی جڑ سے خون جاری ہو گیا۔ اس وقت حاضرین کی طرف رُک کر کے

بولے میں حیض والی عورت ہوں۔ میرے لیے نماز جائز نہیں ہے۔

اکتیسویں 31 مجلس

اسی سال ماہ مبارک رجب کی گیارہویں تاریخ منگل کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان دنوں بارش کی کمی تھی۔ اس وقت کی مناسبت سے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ دہلی مین قحط کی شروعات تھی۔ سب نے اتفاق (سے طے) کیا کہ شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ بارش کی دعا کریں۔ شہر کی ساری خلقت باہر نکلی۔ شیخ نظام الدین ابوالموید منبر پر تشریف لے گئے اور وعظ کے دوران ہاتھ آستین میں ڈالا اور ایک کپڑا باہر نکالا اور آسمان کی طرف منہ کر کے ہونٹ ہلانے لگے۔ بارش کی بوندیں گرنے لگیں (تو) پھر اپنی تقریر میں لگ گئے۔ بارش تھم گئی (تو) دوبارہ شیخ نظام الدین ابوالموید نے وہ کپڑا آستین سے باہر نکالا اور آسمان کی طرف رخ کیا۔ بارش خوب زور سے برسی غرضیکہ جب گھر میں آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ کپڑا کیا تھا۔ بولے میری ماں کا دامن تھا!

ان کی بزرگی کے بارے میں ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ ان کے چچازاد یا کسی اور رشتے کے بھائی تھے کبھی کبھی صلہ رحمی (رشتے داروں) کا خیال رکھنے کی خاطر ان کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ خوش طبع تھے۔ ہر ایک سے خوب مذاق کرتے۔ ایک بار شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے۔ وہ مزاح آمیز باتیں کرنے لگے۔ شیخ نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو (تو اچھا ہے) کہ کچھ دیر تمہارے برابر بیٹھ جاؤں یا آوارہ اور بدراہ اور روسیاہ چلا جاؤں! یہ بات ایسی عاجزی سے کہی کہ وہ (بھی) رونے لگے۔

بتیسویں 32 مجلس

اسی سال ماہ مبارک شعبان کی بیسویں تاریخ پیر کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔ ایک دفعہ حضرت سے شیخ احمد معشوق کی حکایت سنی تھی اکثر لوگوں سے اس طرح سنا گیا کہ ان کو محمد معشوق کہتے ہیں۔ چنانچہ اس روز یہ معلوم کیا گیا کہ ان کو محمد معشوق کہتے ہیں یا احمد معشوق؟ ارشاد ہوا کہ احمد محمد معشوق! ان کا نام احمد تھا اور ان کے والد کا نام محمد۔

یہ تھی روحانی لوگوں کے سونگھنے کی مشک جو تین سال کی مدت میں جمع کی گئی۔ان پہلے فوائد کی ترتیب کے بعد جنھیں بارہ سال کی مدت میں پورا کیا گیا تھا۔یہ دونوں نسخے پندرہ سال کا مجموعہ ہیں ۔اگر اس کے بعد جان کے موتی کو سینے کی سیپی میں کچھ دیر قرار ملا تو اس دریائے رحمت سے ہاتھ آنے والے موتیوں کو قلم کی لڑی میں پرو دیا جائے گا اور بندہ ان جواہر سے مالا مال ہوگا۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

-☆-

ہماری دیگر کتب

کتاب	مصنف
فقہ السنہ	محمد عاصم الحداد
حصن حصین	امام محمد بن محمد الجزریؒ
حجۃ اللہ البالغہ	حضرت شاہ ولی اللہؒ
غنیۃ الطالبینؒ	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
کیمیائے سعادت	امام غزالیؒ
رکن دین	مولانا شاہ محمد رکن نقشبندی
اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم	ڈاکٹر یوسف القرضاوی مترجم: خدابخش کلیار
آب زم زم (یحییٰ حمزہ کوشک)	مترجم-رائے خدابخش کلیار
آخری سانس	عبدالملک بن محمد القاسم
الفوز الکبیر	حضرت شاہ ولی اللہ
تعبیر الرؤیا (کلاں)	علامہ ابن سیرین
تحفہ خواتین	مولانا عاشق الٰہی بلندشہری
اعلائے کلمۃ الحق کی روایت اسلام میں	میاں محمد افضل
اسلامی انسائیکلوپیڈیا (جدید ایڈیشن)	منشی محبوب عالم
اسلامی پاکٹ ڈکشنری	مرتبہ: سید عاصم محمود
اوراد فتحیہ	خواجہ سید علی ہمدانی
فضائل درود وسلام	نذیر نقشبندی
باغ جنت (مجلد)	حافظ عنایت علی شاہ
قصص الانبیاء (مجلد)	مرتبہ-مولانا اختر حجازی
تذکرۃ الاولیاء (مجلد)	فریدالدین عطار
تذکرہ اولیائے پاک وہند	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
تقوۃ الاولیاء	محمد صلاح الدین اویسی
سکینۃ الاولیاء	شہزادہ محمد داراشکوہ قادری
اولیاء اللہ	مرتبہ-ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی
لاہور میں اسلام کے سفیر	مرتبہ-ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی
سردلبراں	سید محمد ذوقی
کشف المعارف	مرتبہ-عنایت عارف

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
ISBN 969-503-227-3
9799695038061